چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب
ماہنامہ
ڈائجسٹ
کراچی
اپریل 2015
PDFBOOKSFREE.PK

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 7 اپریل 2015ء

ای میل ایڈریس: Dardigesto1@gmail.com

مینجنگ ایڈیٹر خالد علی

چیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1080 روپے

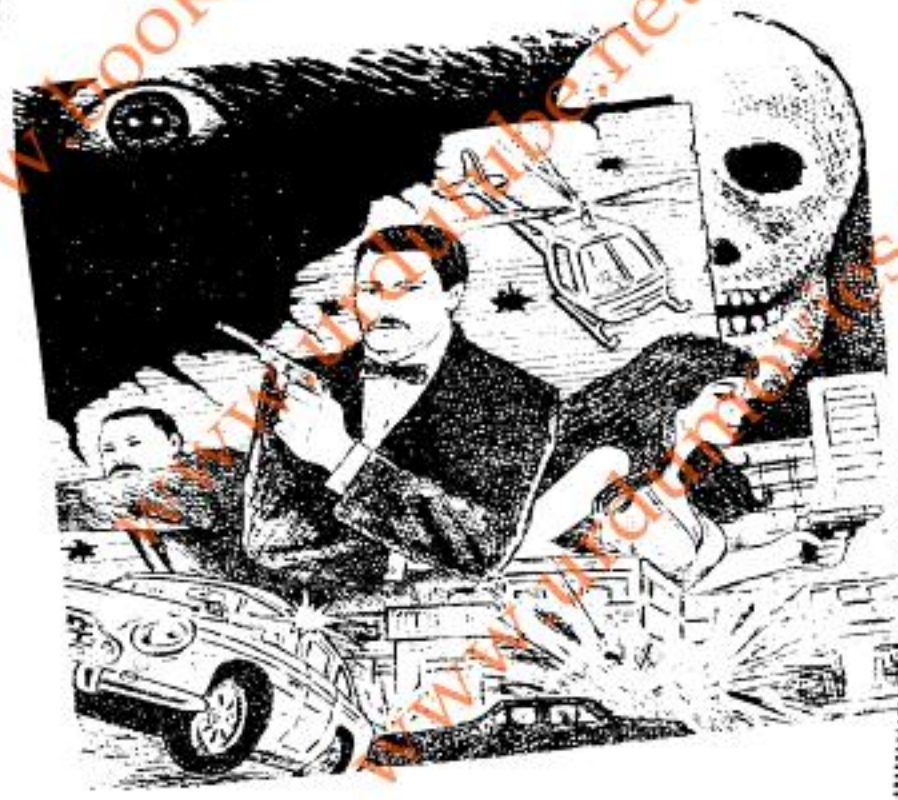

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈرا ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہو سکتی ہے

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

www.bookstube.net
www.urdumovies.net

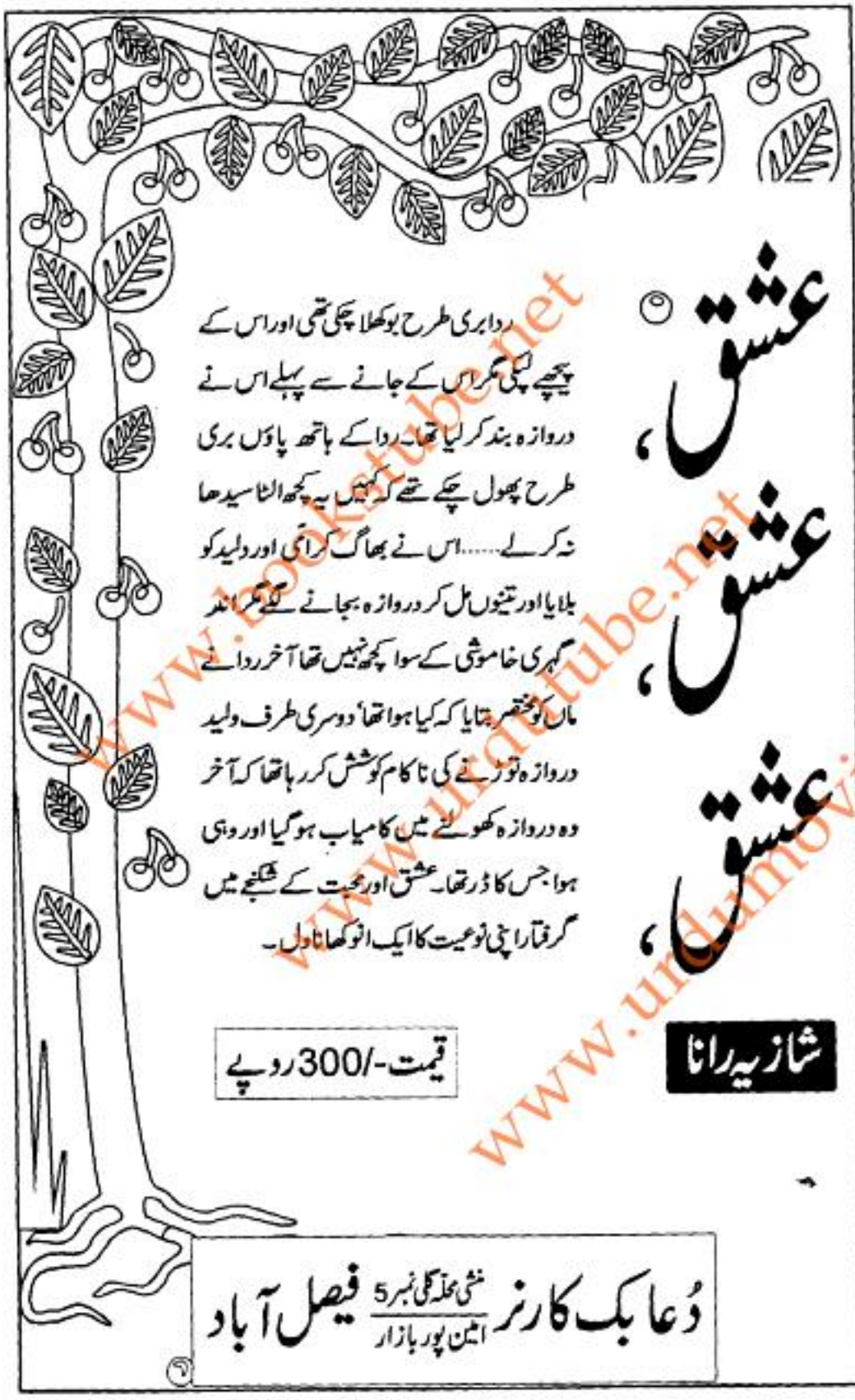

عشق، عشق، عشق

ردا بری طرح بوکھلا چکی تھی اور اس کے پیچھے لپکی مگر اس کے جانے سے پہلے اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ردا کے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول چکے تھے کہ کہیں یہ کچھ الٹا سیدھا نہ کر لے...... اس نے بھاگ کر امی اور ولید کو بلایا اور تینوں مل کر دروازہ بجانے لگے مگر اندر گہری خاموشی کے سوا کچھ نہیں تھا آخر ردا نے ماں کو مختصر بتایا کہ کیا ہوا تھا' دوسری طرف ولید دروازہ توڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ آخر وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ عشق اور محبت کے شکنجے میں گرفتار اپنی نوعیت کا ایک انوکھا ناول۔

شازیہ رانا

قیمت -/300 روپے

دُعا بک کارنر منشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

www.urdumovies.net www.urdutube.net www.booktube.net

Medora

Perfumed Talc

خوشبو جو دل کو بھائے

تازگی جو ہر کوئی چاہے

Joy

Cherish

8 مختلف دلفریب خوشبوؤں میں دستیاب ہے

جن میں Pleasure, Chersih, Joy, Season, Passion

شامل ہیں Salute اور Dignity, Greetings

MEDORA OF LONDON

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

08 — قرآن کی باتیں
ادارہ
دین و دنیا میں فلاح پانے کیلئے قرآن کی باتوں پر عمل کرنا انسانی زندگی کیلئے اہم ہے

16 — جادوئی چکر
طاہرہ آصف
حقیقت کے افق پر پھیلی کرتی اپنی نوعیت کی دلکش، دلفریب، دل شکستہ اور دل گرفتہ حقیقت

37 — جیت
بلقیس خان
حقیقت سے چشم پوشی انسان کو اذیت میں ڈال دیتی ہے کیا یہ حقیقت ہے ثبوت کہانی میں ہے

41 — شیطانی مخلول
مدثر بخاری
ذہن کے دریچے کھولتی تحیر و شر کی برسوں دل و دماغ سے محو نہ ہونے والی سبق آموز کہانی

49 — جنات سے دوستی
شگفتہ ارم درانی
کیا یہ حقیقت ہے کہ ماورائی قوتیں بھی انسان کا دوست بن جاتی ہیں کہانی پڑھ کر دیکھیں

54 — رولوکا
اے وحید
وہ ایک پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

77 — تباہی بربادی
[illegible]
خوف و دہشت سے لرزہ براندام کرتی عجیب و غریب دل گرفتہ اور دل برداشتہ کہانی

82 — پراسرار حویلی
خلیل جبار
مافوق الفطرت کی دیدہ دلیری کو عیاں کرتی چشم دید اور جسم میں لہو منجمد کرتی حقیقت

94 — ابدی زندگی
ضرغام محمود
جسم و جاں کے دل دہلا دینے والے تفکرات کرتی رگوں میں لہو منجمد کرتی اور خوف سے دل دہلاتی لرزہ خیز حقیقت

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

زندہ صدیاں — 108
ایم اے راحت
سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی

عجیب مخلوق — 131
ایس امتیاز احمد
دوسری دنیا سے آنے والی مخلوق کا عجیب و غریب شاخسانہ آنے والے زمانوں کا قصہ

خواہش ناتمام — 137
عثمان غنی
دل و دماغ پر خوف کا سکہ بٹھاتی اور حقیقت سے روشناس کراتی پرتحیر کہانی

غیبی محافظ — 145
سکندر حبیب
عجیب اور خوفناک جنگل کے پرہول ماحول میں تحریر کیے دل گرفتہ اور دلربا کہانی

عشق ناگن — 156
ایم الیاس
یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دنگداز کہانی

خونی حویلی — 178
کاشف عبید کاوش
خوف و دہشت کے لبادے میں لپٹی ہوئی عجیب و غریب دہشت ناک خوف ناک کہانی

قوس قزح — 197
ادارہ
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں

خناس — 202
وجیہہ سحر
اچھی کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے حیرت انگیز خوفناک حیرتناک حقیقی کہانی

رقص اجل — 222
شہزادہ چاندزیب عباسی
خودغرض اور مطلب پرستی کی ناقابل یقین اور دل و دماغ کو تھرا دینے والی لرزیدہ کہانی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

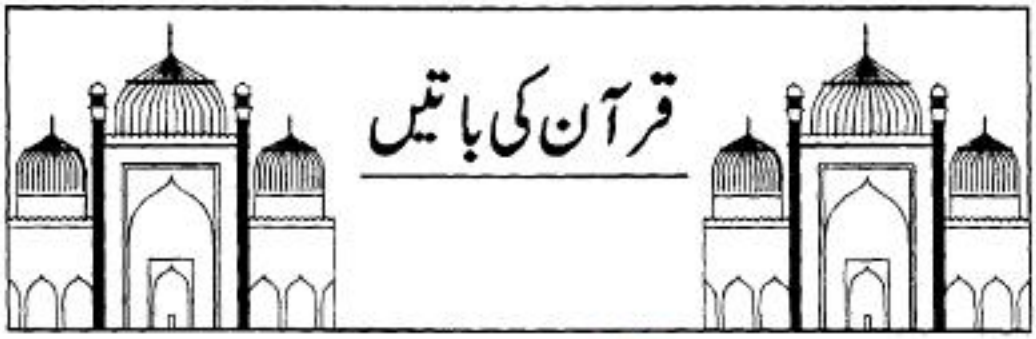

☆ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا، اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں، ان کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح و تقویٰ دے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں یہی لوگ ہیں کہ اعمال نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور یہی اہل جنت میں ہوں گے یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اف تف تم پر کیا تم نے کیا تم مجھے یہ خوف دلاتے ہو کہ میں زمین سے نکالا جاؤں گا حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں اللہ کی جناب میں فریاد کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ارے بدنصیب ایمان لا اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنوں اور انسانوں کی دوسری امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں، عذاب کا وعدہ تحقیق ہو گیا بے شک وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔ (سورۃ احقاف 46 آیت 15 سے 18)

☆ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ نہایت بے حیائی اور اللہ کی ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔ تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو، ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو، وہ بھی تم پر حرام ہیں، ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے، مگر جو ہو چکا، سو ہو چکا بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ جو اسیر ہو کر کنیزوں کے طور پر تمہارے قبضے میں آ جائیں۔ یہ حکم اللہ نے تم کو لکھ دیا ہے اور ان محرمات کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں، اس طرح سے مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو، بشرطیکہ نکاح سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔ (سورۃ نساء 4 آیت 22 سے 24)

☆ اے نبیؐ یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص (زیدؓ بن حارث) سے کہہ رہے تھے، جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ "اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر" اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے، جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زیدؓ

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

نے اس سے کوئی حاجت متعلق نہ رکھی، یعنی اس کو طلاق دے دی تو ہم نے اس مطلقہ خاتون کا تم سے نکاح کر دیا، تاکہ مامنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔ (سورۃ احزاب 33 آیت 37)

☆ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ بہرے اور گونگے ہیں اس کے علاوہ اندھیرے میں پڑے ہوئے جس کو اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 39)

☆ مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ نساء 4 آیت 34)

☆ اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ (سورۃ منافقون 63 آیت 11)

☆ اے پیغمبرؐ منافقوں یعنی دورخے لوگوں کو بشارت سنا دو کہ ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 138)

☆ پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا اور لوگوں پر اللہ کا حق یعنی فرض ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے، وہ اسکا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 96 سے 97)

☆ اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں ہوئیں کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کے لئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ (سورۃ عنکبوت 29 آیت 50 سے 51)

☆ اور ہوا کو ہم نے سلیمانؑ کا تابع کر دیا تھا۔ اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور ان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے ایسے تھے جو ان کے رب کے حکم سے انکے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا، اس کو ہم جہنم کی آگ کا مزا چکھائیں گے وہ جو چاہتے یہ ان کے لئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن، جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤدؑ کی اولاد میرا شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ (سورۃ سبا 34 آیت 12 سے 13)

☆ اور اللہ نے رزق و دولت میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ نعمت الٰہی کے منکر ہیں۔ (سورۃ نحل 16 آیت 71)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی"، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

خطوط

طاہرہ آصف سرگودھا سے، امید ہے کہ تمام اسٹاف اور قارئین خیریت سے ہوں گے دو کہانیوں کے ساتھ حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر یقین ہے کہ یہ دونوں تحریریں ڈر کے بھی پڑھنے والوں کو پسند آئیں گی۔ قلم اور کاغذ سے تعلق بنانے کے بعد پتہ چلا ہے کہ اپنی طرف سے اچھی طبع زاد کہانیوں کو تخلیق کرنے پر خاصہ خون جگر لگتا ہے کیونکہ موضوعات اتنے وسیع اور خیالات اتنے متنوع ہو گئے ہیں کہ اچھوتے موضوع تقریباً ناپید ہو گئے ہیں کچھ طبیعت ایسی ہے کہ غیر فطری کہانیاں پسند ہیں وہی تحریریں دل میں جگہ پاتی ہیں جو ہمارے ماحول اور حالات کے مطابق ہوں۔ بہر حال فیصلہ تو قاری کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ میں درخواست کروں گی کہ پڑھنے والے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا کریں۔ ڈرڈائجسٹ کتنا مقبول ہے اس کے بارے میں اپنا تجربہ بتاتی ہوں میں اکثر اپنے شہر کے ایک بک کارنر پر ڈائجسٹ لینے جاتی ہوں وہاں باقی ڈائجسٹ تو کثیر تعداد میں ہوتے ہیں مگر ڈر بہت محدود تعداد میں ہوتا ہے۔ جب بھی ڈر کا کوئی پرانا شمارہ مل جائے تو عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ دکاندار مجھ سے باقی ڈائجسٹوں کے مقابلے میں دگنی قیمت طلب کرتا ہے یہاں تک کہ اوپر پرنٹ قیمت سے بھی زیادہ پیسے مانگتا ہے۔ تب میں یہ سوچتی ہوں کہ لگتا ہے کہ غالباً ڈر پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے کا جریدہ ہے۔ فروری کا شمارہ حسب معمول تھا۔ ایس امتیاز صاحب نے لکھا اب تو کہانی صرف انکا نام دیکھ کر ہی پڑھتی ہوں۔ سیدہ عطیہ زاہرہ کی کہانی بھی اچھی رہی ان سے اتنا ضرور کہوں گی کہ وہ طویل کہانیاں لکھا کریں ان کے موضوعات میں مواد کی گنجائش ہوتی ہے۔ کسی بھی اچھے موضوع یا خیال کو مختصر کہانی میں ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایک پر اثر طویل کہانی میں ڈھال دینا چاہئے۔ آپ سب کی رائے کی منتظر ہوں گی۔

☆☆ طاہرہ صاحبہ: دونوں کہانیاں موصول ہوئی ہیں آئندہ شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوں گی ☆☆ انسان کی دلی محنت ہمیشہ رنگ لاتی ہے ڈرڈائجسٹ کے تقریباً سارے رائٹرز دلی طور پر محنت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان رائٹروں کو اور زور قلم دے۔

ایس حبیب خان کراچی سے، ادارے کی ترقی کے لئے نیک خواہشات اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اپنے خط کی ابتداء کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ ڈر کے چاہنے والے اور پڑھنے والے سب خیریت سے ہوں گے۔ سرورق دیدہ زیب تھا کہانیوں کی فہرست پر نگاہ ڈالی تو اس میں اپنی کہانی کو موجود پا کر بہت خوشی ہوئی، جس کے لئے میں ادارے کی از حد مشکور ہوں کہ وہ میری تمام تحریروں کو پذیرائی بخشتے ہوئے ڈر کی زینت بناتے ہیں۔ پچھلے ماہ کے رسالے میں شرف الدین جیلانی صاحب کی شریک حیات کا بہت افسوس ہوا، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور شرف الدین جیلانی صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین) بلقیس خان جو کہ ڈر کی ایک بہترین رائٹر ہیں، آپ کو میری جانب سے آپ کی سالگرہ کی دلی مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور زندگی کے تمام جائز مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔ (آمین) فلک زاہد صاحب میری تحریروں کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ، ساتھ آپ نے غیر حاضر رہنے کی شکایت کی تو اس کے لئے معذرت مگر اس کی وجہ صرف مصروفیت ہوتی ہے۔ جو تحریر کے لیٹ ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے ورنہ میں اپنے پسندیدہ رسالے ڈر میں نہ لکھوں! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا، پھر بھی کوشش رہے گی کہ غیر حاضری نہ ہو اور رہی بات آپ کی فرمائش کی تو کیوں نہیں؟ میں ضرور آپ کی پسند کے مطابق بہت جلد کوئی کہانی لکھوں گی۔ کیونکہ ایک رائٹر کے قلم کو طاقت صرف اس کے فینز کے پیار اور حوصلہ افزائی سے ملتی ہے۔ کہانیوں میں ''سنگ دلی'' سیدہ عطیہ زاہرہ کی حسب روایت بہت عمدہ تحریر تھی، ''موت کا قلعہ'' بلقیس خان نے بہت اچھی لکھی، ''نیا رشتہ'' ساجدہ رجب اور ''ڈریکولا'' مدثر بخاری نے بھی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی ''اندھا قتل'' شائستہ سحر نے بہت عمدگی سے تحریر کیا۔ کہانی میں واقعات کی تیزی اور سسپنس اس کا خاصہ اور ایس امتیاز صاحب کے بارے میں کیا کہوں ان کی تو ہر تحریر قلم پر ان کی گرفت اور ان کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہے۔ ان کی ہر تحریر پڑھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ عثمان غنی صاحب نے ایس امتیاز احمد کے لئے بالکل صحیح لکھا تھا کہ ''ایس امتیاز احمد کا صرف نام ہی کافی ہے۔'' عثمان غنی صاحب آپ بھی کوئی اچھی تحریر جلد پیش کیجئے۔ خط زیادہ طویل ہو گیا اس لئے اب لکھنا روک رہی ہوں۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: خلوص نامہ اور نئی کہانی ارسال کرنے کے لئے Thanks کہانی لیٹ موصول ہوئی۔ آئندہ شمارے میں

ضرور شامل اشاعت ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ اچھی تحریر اپنے قاری کو جکڑ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور زورِ قلم عطا کرے۔

شگفتہ ارم درانی پشاور سے، السلام علیکم، امید ہے حوال بخیر ہوں گے، میں بھی بفضل خدا ٹھیک ٹھاک ہوں۔ نئی جگہ، نیا علاقہ، نئے لوگ، نئے رشتے سب بہت اچھے ہیں۔ اور میں بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ تھوڑے عرصے کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ حاضر ہو رہی ہوں۔ امید ہے سب مجھے بھولے نہیں ہوں گے۔ اور خوش آمدید کہیں گے۔ مصروفیات چوں کہ کافی بڑھ گئیں ہیں اس لئے ٹائم نہیں مل پارہا مگر پھر بھی ہمارا وعدہ ہے کہ ہم اپنے محبوب رسالے سے رشتہ ہمیشہ قائم رکھیں گے۔ تمام دوست جنہیں میری گزشتہ تحاریر پسند آئیں اور جنہوں نے میری شادی کے لئے مجھے دعائیں دیں اور یاد رکھا ان سب کا دلی شکریہ۔ انشاءاللہ آئندہ بھی آپ کو میرے قلم سے نئی نئی تحریریں پڑھنے کو ملتی رہیں گی۔ ایک نئی تحریر اور ایک عدد غزل پیش خدمت ہے امید ہے معیار پر پوری اترے گی۔ آئندہ ماہ تک کے لئے اجازت ڈرڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ شگفتہ صاحبہ: خوشی کی بات ہے کہ آپ خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جھولی میں جہاں کی تمام خوشیاں ڈال دے کہانی شامل اشاعت ہے اور قوی امید ہے کہ حسب وعدہ اپنے چاہنے والوں کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہوئے ہر ماہ خلوص نامہ اور کہانی ضرور ارسال کرتی رہیں گی۔ Thanks۔

شبانہ بخش جڑانوالہ سے، السلام علیکم، مارچ کا ڈرڈائجسٹ میرے سامنے ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، میں ایک طویل عرصے سے اس کی کہانیاں پڑھ رہی ہوں اور ہر ماہ ایک سے بڑھ کر ایک کہانی ہوتی ہے تمام رائٹر بہت لگن سے لکھ رہے ہیں۔ آج کل خواتین رائٹر میرے خیال میں آگے ہیں اور محنت شاقہ سے اپنی کہانیاں تحریر کر رہی ہیں۔ میں کافی عرصہ سے سوچ رہی تھی کہ میں بھی کوئی تحریر ارسال کروں اور پھر اسی شوق کے تحت ایک کہانی ''دردناک'' ارسال کر رہی ہوں۔ کافی امید ہے کہ حوصلہ افزائی ضرور ہوگی، کیونکہ ڈرڈائجسٹ اپنے ہر چھوٹے بڑے رائٹروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اسی امید پر قلم اٹھایا ہے۔ اگر حوصلہ افزائی ہوگئی تو آئندہ بھی کہانیاں ضرور ارسال کروں گی۔ شب و روز ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ شبانہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم کہانی بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ چونکہ آپ نے فرسٹ ٹائم کہانی ارسال کی ہے جس کا آپ کو تجربہ نہیں۔ آپ نے بہت چھوٹے تین صفحات کی کہانی ''دردناک'' ارسال کی ہے کمپوزنگ کے بعد ڈر کا ایک صفحہ بھی نہیں ہوگا، آئندہ آپ کم از کم دس بارہ صفحات کی کہانی ارسال کریں تاکہ وہ شائع ہو سکے۔ چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی۔ خط چھپ گیا اور اب آپ کی کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

مریم فاروق حیدرآباد سے، مارچ 2015ء کے شمارے میں میرا خط شائع ہوا اس بات کی مجھے بے حد خوشی ہے۔ اور اس سے میری اتنی حوصلہ افزائی ہوئی ہے کہ میں اپنی ایک اور کہانی روح کا انتقام لکھ کر بھیج رہی ہوں۔ امید ہے اس کی نوک پلک سنوار کر اسے ڈر ڈائجسٹ میں شائع کریں گے۔ میری آپ سے ایک گزارش ہے کہ کبھی کبھار ڈرڈائجسٹ میں کسی انگریزی کہانی کا ترجمہ بھی شائع کیا کریں۔ ویسے تو ڈرڈائجسٹ میں شائع ہونے والی کہانیاں کسی سے کم نہیں اس کے علاوہ میں یہ بتانا چاہوں گی کہ ڈرڈائجسٹ پاکستان کے ''ہارر'' رسالوں میں سب سے بہترین ہے۔ میں نے اس کے علاوہ بھی دوسرے رسالے پڑھ کر دیکھے ہیں۔ لیکن کسی کا بھی وہ معیار نہیں ہے جو کہ ڈر کا ہے۔ جنوری کا خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ اس میں ''روح کی بے چینی''، ''مجازی محبت''، ''پراسرار مندر''، اچھی تھیں۔ کیا میری کہانی روح کا انتقام شائع ہوگی؟ برائے مہربانی جواب ضرور دیجئے گا۔

☆☆ مریم صاحبہ: نئی کہانی ارسال کرنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ۔ کہانی لیٹ موصول ہوئی سو ابھی پڑھی نہیں۔ اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔ ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ آدمی لکھتے لکھتے لکھاری بن جاتا ہے۔ کامیابی کے لئے انتھک محنت اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلئے خط شائع ہوگیا اور امید ہے آئندہ ماہ بھی اپنی رائے ضرور ارسال کریں گی۔

مریم شاہ بخاری سرگودھا سے، السلام علیکم، ڈرڈائجسٹ بلاشبہ ایک معیاری اور خوبصورت رسالہ ہے جس میں ہر کہانی منفرد اور دلکشی لئے ہوئے ہوتی ہے۔ خاص طور پر سلسلے وار کہانیاں تو بہت زبردست ہیں۔ ڈرڈائجسٹ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ بس اسی کو لے کر میں نے بھی ڈرڈائجسٹ کے لئے ایک تحریر لکھی ہے امید کرتی ہوں ادارہ حوصلہ افزائی فرمائے گا۔ اور اس کی نوک پلک سنوار کر اسے رسالے کے قیمتی اوراق میں محفوظ ہونے کے قابل بنادے گا۔ میں اس سے پہلے

دوسرے رسالے کے لئے بھی لکھتی رہی ہوں۔ جہاں میری کہانیاں پسند بھی کی گئی ہیں۔ اس کہانی کے علاوہ میں آپ کو اپنی ذاتی تحریر کردہ نظم اور ایک نعت بھی بھیج رہی ہوں یقیناً یہ آپ کے معیار پر پورا اتریں گی۔ خدا تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ڈرڈائجسٹ مزید ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆ مریم صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید کہانی بھیجنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ۔ کہانی گل پری ابھی پڑھی نہیں لیکن اندازہ ہے کہ اچھی ہوگی۔ سو آئندہ شمارے میں ضرور موجود ہوگی۔ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم، امید واثق ہے کہ آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔ مارچ کا تازہ شمارہ بالآخر 21 کو مارکیٹ سے ملا۔ ٹائٹل زبردست تاثر دے رہا تھا۔ قرآن کی باتوں سے دل کی روشنی مزید پرنور ہوگئی۔ خطوط کی محفل اس بار بہت اداس کر گئی۔ شرف الدین جیلانی۔ آپ کی شریک حیات کا سن کر دلی صدمہ ہوا۔ آپ کو اور پورے گھر والوں کو اللہ صبر جمیل عطا فرمائیں۔ زندگی کیا ہے، پانی کا بلبلہ، جب تک ہوا کے دوش پر ہے تب تک ہے، جب پھٹ جائے، ہوا اڑ جاتی ہے، اور سب ختم! اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں۔ آمین ساحل دعا بخاری میری پیاری اچھی بہن، مجھے آپ کا تحفہ بہت پیارا لگا، اور میں نے کالج میں سب دوستوں، یعنی اپنی سہیلیوں کو دل سے دکھادیا۔ یہ ڈائجسٹ میرے لئے بہت خاص ہے، اسے میں سب سے زیادہ سنبھال کر رکھوں گی، میں آپ کو کیک ضرور کھلاؤں گی، بشرطیکہ آپ کو ہمارے گھر آنا ہوگا، فلک زاہد، تھینکس کہ آپ کو میری کہانیاں پسند آرہی ہیں، ہمیں بھی آپ کی کہانی کا انتظار ہے، جن لوگوں نے سالگرہ وش کیا۔ ان کا خصوصی طور پر شکریہ، خاص کر عثمان غنی اور ادارے کی بھرپور شکر گزار ہوں، کہانیوں میں موسٹ نمبرون کہانی ابھی اک رات باقی ہے، ساحل دعا بخاری، ازمائی موسٹ فیورٹ رائٹر کی کہانی بازی لے گئی۔ نمبر ٹو، پر موت کے پنجے، ایس امتیاز احمد، نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ نمبر تھری، غلط فہمی، نے ایس حبیب، میر پیاری بہن کی کہانی بہت ہی اچھی لگی، قسط وار میں رولو کا بہت اچھی ہے۔ اور باقی سب کہانیاں بھی بہت بہت اچھی لگیں۔ پلیز! آپ سب اپنی پیاری سسٹر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: بہت بہت شکریہ آپ نے اپنی دلی رائے بھیجی، ہماری اور قارئین کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیج کر ضرور شکریہ کا موقع دیں گی۔

اعجاز احمد کراچی سے، السلام علیکم، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں ڈرکا پرانا قاری ہوں، اور یہ رسالہ میرا پسندیدہ ہے، خوفناک کہانیوں میں اس پائے کا اور کوئی رسالہ نہیں ہے۔ مارچ کے شمارے میں ''موت کے شکنجے میں'' خون کی پیاس، ڈریکولا، اور خناس نے بہت متاثر کیا ایک بات جس کا ذکر میں نے پچھلے خط میں بھی کیا تھا، جو شاید ڈاک کی نظر ہوگیا۔ وہ یہ کہ ہر رسالے کا ایک مخصوص فارمیٹ ہوتا ہے۔ مثلاً رومانوی، ہارر، سسپنس، جاسوسی وغیرہ وغیرہ اور اس رسالے کی کہانیاں اس کے فارمیٹ کے مطابق ہوتی ہیں۔ کہانی فارمیٹ سے ہٹ کر ہوں تو رسالے کو پڑھنے والے مایوسی کا شکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کوتاہی سے رسالے کا معیار متاثر ہوتا ہے۔ اس بات کا اظہار دیگر خطوط میں بھی کیا گیا کہ خوفناک یا دہشت ناک کہانیوں میں شعر و شاعری کا کیا کام؟ امید ہے کہ ادارہ اس بات پر غور کرے گا اور آئندہ اسی چیز کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہنا چاہوں گا کہ ڈر میں ابھی تک کسی بھی رائٹر کا انٹرویو شائع نہیں کیا گیا۔ جب کہ اس بات کو کہے دو سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ میری ناچیز کی رائے میں تو اس تبدیلی سے رسالے کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اپنے پسندیدہ رسالے کی کامیابی کا سدا تمنائی اور اس کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ اعجاز صاحب: دلی خلوص نامہ کے لئے بہت بہت شکریہ، آپ کی ساری باتیں ثبت ہیں۔ اور آئندہ ان باتوں پر ضرور عمل ہوگا۔ امید ہے آئندہ بھی خلوص نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔ Thanks

طارق محمود کامرہ کلاں سے، السلام علیکم، ڈر سے تعلق رکھنے والوں کے لئے دعائے خیر و برکت۔ پچھلے ماہ حقیقتاً دل سانحہ پشاور پر افسردہ ملول تھا۔ اسی لیے تبصرہ نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پاکستان اور پاکستانیوں پر اپنا خصوصی کرم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو امن و آشتی کا گہوارہ بنائے۔ آمین۔ فروری کا شمارہ میں سب سے پہلے قرآن کی باتیں جن پہ عمل ہماری زندگیوں کے لئے آسانی کا راستہ اس کے بعد قارئین کی محفل جس میں پسندیدگی اور تنقید بھرے تبصرے۔ تینوں سلسلے وار کہانیاں بہت اچھی جارہی ہیں۔ دہقان نو (عمران قریشی) بہت اچھے پر آئیڈیا پر انا لیکن کہانی بالکل نئے انداز سے اور دلچسپ۔ ایس امتیاز احمد صاحب کی پراسرار جزیرہ

اچھی گی۔ضرغام محمود کی نشان عبرت، طاہرہ آصف کی محافظ، ضرغام صاحب اور طاہرہ آصف صاحبہ چھپے رستم کی طرح چھپے رائٹر نکلے اور اچھے رائٹر نظر آئے۔ پراسرار سانپ، خلیل جبار، موت کی وادی، محمد رضوان قیوم، موت کا سایہ، راحل بخاری، حویلی کا راز، عطیہ زاہرہ، بلا عنوان عامر ملک، سپر شپ، ساجدہ راجہ، شک شائستہ سحر، خونی رات، قیصر جمیل، اچھی کہانیاں تھیں اور انوکھا ہمسفر مدثر بخاری واقعی انوکھی اور اچھی تھی۔ میری دعا ہے کہ قارئین خوش رہیں اور ڈر ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔

☆☆ طارق صاحب: ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور زور قلم عنایت کرے۔ تاکہ آپ اچھی اچھی کہانیاں تخلیق کریں۔ کہانی کمپوز ہو چکی ہے آئندہ شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوگی۔

شوکت علی بلوچ ٹنڈوالہ یار سے، السلام علیکم، پیارے ڈر ڈائجسٹ کے تمام اسٹاف، رائٹرز و قارئین کو سلام و دعا۔ بدقسمتی سے میں ایک چھوٹے اور ناکردہ جرم کے پاداش میں گذشتہ سات سالوں سے سینٹرل جیل کراچی میں مقید ہوں۔ اور سب بہن بھائیوں سے جیل سے رہائی کی دعاؤں کا طلبگار ہوں۔ یہاں جیل میں میں اور میرا پیارا دوست محمد ارشد گزشتہ تین سال سے ڈر ڈائجسٹ کے قاری ہیں۔ ڈر ڈائجسٹ کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور پہلی بار ڈر کی محفل میں شرکت کر رہے ہیں، امید ہے حوصلہ افزائی ہوگی۔ میں اپنی سٹی ٹنڈوالہ یار کے بھائی شرف الدین جیلانی صاحب کے شریک حیات کی وفات پران سے دکھ و غم کا اظہار کرتا ہوں۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ شرف الدین بھائی، ہم تمام ڈر کی فیملی آپ کے اس دکھ و غم میں شریک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سمیت تمام فیملی والوں کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ مارچ 2015 کا ڈر ڈائجسٹ 24 فروری کو ملا۔ ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے دل و روح کو منور کیا۔ پھر پیارے بہن بھائیوں کے خطوط پڑھے اور پھر حسب عادت کہانیوں میں مگن ہوا۔ تمام رائٹرز بہت خوب لکھتے ہیں۔ ویسے تو تمام کہانیاں بے مثال ہیں۔ مگر مجھے قسط وار کہانیاں بہت زیادہ پسند ہیں۔ خاص طور پر اے وحید صاحب کا روانگا ادوی بیسٹ ہے۔ ویری گڈ اے وحید صاحب۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ڈر کا کاروان یوں ہی چلتا رہے۔ اور ڈر ڈائجسٹ کی مزید ترقی کے لئے ہمیشہ دعا گو ہوں۔ اب اگلے ماہ تک کے لئے اجازت چاہوں گا۔

☆☆ شوکت صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم آپ کا بہت بہت شکریہ کہ دکھ و اذیت کی جگہ ہونے کے باوجود ڈر ڈائجسٹ شوق سے پڑھتے ہیں۔ انسانی زندگی میں چھوٹی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور جب احساس ہو جائے تو دین و دنیا کے خالق و مالک سے توبہ کرنی چاہئے۔ وہ بہت غفور الرحیم ہے، بہت جلد توبہ قبول کرتا ہے اگر صدق دل سے ہو تو۔ اللہ تعالیٰ کے دو بابرکت نام ہیں اگر آپ اٹھتے بیٹھتے سوتے اور چلتے پھرتے ان کا ورد جاری کر دیں تو آپ بہت جلد اذیت سے چھٹکارا پالیں گے۔ وہ نام ہیں۔ "یارحمٰن یارحیم۔"

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! مارچ 2015 کا خوبصورت شمارہ آنے کو بے ختظر ہے۔ میٹر بھیج چکے ہیں۔ امید ہے مل گیا ہوگا! مزید ایڈوانس میں ریٹرن آف ڈر کیولا، فریاکش، غزل، ارسال خدمت ہے پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف کو ڈر ڈائجسٹ کے تمام خوبصورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوبصورت پڑھنے والے ویورز کو دعا سلام۔

☆☆ امتیاز صاحب: ارسال کردہ تحریروں کے لئے ڈھیروں شکریہ، اس ماہ پھر آپ تجزیہ کے لئے ڈنڈی مار گئے امید ہے آئندہ ماہ یاد رکھیں گے۔

احسان سحر میانوالی سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں ڈر کے تمام اسٹاف ممبر اور پڑھنے والے خیریت سے ہوں گے۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنے امان میں رکھے۔ جب اپنے اندر کا بھی موسم اداس ہو تو باہر کا موسم بھی اداس نظر آتا ہے۔ لیکن آج کل باہر اور اندر کا موسم اداس اور خراب ہی خراب ہے۔ کبھی بے گناہ شہریوں کے مرنے پر اداس ہے، کبھی اپنے حالات سے اداس ہے، اور اب تو معصوم بچوں کو مرا دیکھ کر آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی چھایا ہوا ہے۔ وہ اندھیرا جو تا عمر آنکھوں کے آگے ہی رہے گا وہ اندھیرا جس کی صبح ہوگی بھی تو وہ روشن اور خوشحال نہیں ہوگی جو اس سے پہلے ہوتی تھی۔ پشاور کا سانحہ پوری دنیا کو ہلا کر رکھ گیا۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والے سفاک پاکستان میں موجود ہیں۔ تو کیا وہ دشمن ہمارے اپنوں میں سے کوئی ہے اگر ایسا ہے تو خدا اسے ہدایت دے آمین۔ سب دوستوں خصوصاً خالد شاہان، شعیب شیرازی، ندیم عباس میواتی، کو سلام اور نیک تمنائیں۔ اب اجازت دیجئے زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

☆☆ احسان صاحب: خون کی ہولی کھیلنے والے بھائی بہن اور بچوں والے بھی ہوں گے۔ ایک باشعور اور ذی شعور ایسا کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ تیز آپ کی تحریروں کا آئندہ ماہ شدت سے انتظار رہے گا۔ کہانی لیٹ موصول ہوئی تھی۔

شاھد رفیق کبیر والا سے۔ السلام علیکم، ماہ مارچ کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھ کر دل کو سکون ملا۔ اس کے بعد خطوط میں بلقیس خان صاحبہ کا خط پڑھا، بشریٰ بلوچ مریم فاطمہ، فلک زاہد، رابعہ محمد، ابو ہریرہ بلوچ، محمد قاسم رحمان کے خط بہت پسند آئے کہانیوں میں نیا رشتہ ساجدہ راجہ، موت کا قلعہ، بلقیس خان، اندھا قتل، شائستہ سحر، خواب پریشان، محمد ابو ہریرہ بلوچ، سنگ دل سیدہ عطیہ زاہرہ کی کہانیاں بہت پسند آئیں ان تمام رائٹر کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو۔ اس کے بعد قوس قزح میں بلقیس خان، فلک زاہد قاسم رحمان ان کے شعر بہت اچھے تھے، غزلوں میں نوید قمر، بلقیس خان، بہت پسند آئیں۔ اور ماہ نامہ ڈر کے تمام لکھنے پڑھنے والوں کو خلوص دل سے سلام قبول ہو۔

☆☆ شاہد صاحب: خلوص دل سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ کوئی اچھی کہانی ارسال کریں آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے۔ السلام علیکم، خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں شہر جا کر جب بک اسٹال پر پہنچا تو ماہ مارچ کے پرچے سے ملاقات ہوگئی۔ اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی۔ قرآن کی باتیں بہت خوب اور ایمان افروز سلسلہ اچھا ہے اور ساتھ ہی اداریے نے دل خوش کر دیا۔ اس بار تمام کہانیاں پہلے سے اچھی تھیں۔ یہ ایک معیاری پرچہ ہے میں اس کا بہت پرانا قاری ہوں جب تک اس کو خط نہ لکھ لوں دل کو چین نہیں آتا ہے۔ خط اور شعر شائع کرنے کا شکریہ اس بار آپ نے غزل شائع نہیں کی آخر بات کیا ہے چلو خیر آپ کی مرضی ہے بھیا آئندہ کچھ خیال کریں۔ کوئی سلسلہ وار تحریر شروع کریں۔ جیسے اسلم راہی کی تحریر سے بیدار ہوا ہوں یہ تیز کی تحریر آپ کی نظر کر رہا ہوں۔ صبح کے 4 بجے کا وقت ہے باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے شاید ہفتہ گزر جائے موسم ابھی آنکھ مچولی کرتا ہے۔ ڈر ڈائجسٹ کے سارے سلسلے انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہیں۔ خطوط میں نئے، نئے قارئین کے خط پڑھ کے دلی خوشی ملتی ہے۔ جس سے پرچے کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ غزل ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

☆☆ اسلم صاحب: بہت بہت معذرت کہ آپ کی غزل رہ گئی آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے Thanks آپ کا خط پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

عثمان غنی پشاور سے۔ السلام علیکم! ہیلو ایوری باڈی، ہاؤ آر یو ڈر ڈائجسٹ ماہ مارچ کا جلد مل گیا، دیکھ کر دل خوشی سے بلیوں اچھل کود کرنے لگا۔ قرآن کی باتوں سے ڈر ڈائجسٹ کا آغاز، خطوط میں شرف الدین جیلانی صاحب کے خط نے سانس ساکن کر دی کیونکہ اس خط کے آگے تو میں کچھ پڑھ ہی نہ سکا، شرف الدین جیلانی میرے پاس جیسے الفاظ ختم ہوگئے ہیں، اللہ مرحومہ کو جنت کے اونچے درجات عطا فرمائیں اور آپ سب گھر والوں کو صبر اجر دیں، یہ بہت بڑا سانحہ ہے، گھر کی سرپرستی کرنے والی جب ساتھ چھوڑ دے تو زندگی اچھی خاصی مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ آپ سارے دوست، بہت اچھا لکھ رہے ہیں، کہانیوں میں تمی راست نے جھرجھری لینے پر مجبور کیا۔ ابھی اک رات باقی ہے میں اذہان عمر کی ثابت قدمی دل کو بھا گئی، نمبر ون کہانی کا اعزاز اک رات کو دے رہا ہوں۔ باقی کہانیاں بھی زبردست تھیں۔

☆☆ عثمان صاحب: خوش ہو جایئے، خواہش تا تمام جلوہ گر ہوگئی اور ہاں ایک بات آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے۔ السلام علیکم! امید ہے کہ سارے اہل ڈر خیریت سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے، ایم سوری کہ میں مارچ کے شمارے میں غیر حاضر رہا، فروری کے شمارے میں عطیہ زاہرہ، طاہرہ آصف، ساجدہ راجہ ویری بیسٹ اور باقی سب رائٹرز حضرات اینڈ خواتین نے بہت اچھا لکھا۔ مارچ کے شمارے میں طاہرہ آصف تو غائب تھیں، پر عطیہ زاہرہ نے سب اچھا لکھا، ساجدہ آپی نے بھی کمال کر دیا۔ ایم اے کاوش ویری بیسٹ، موت کا قلعہ بلقیس بھی ماننا پڑے گا، ابھی اک رات باقی ہے کے لئے ساحل آپی کی تعریف کرنا سورج کو چاند دکھانے کے مترادف ہوگا۔ سب کو میری طرف سے بہت بہت سلام۔ آخر میں ڈر کے لئے ڈھیر ساری دعائیں اور اگلے ماہ کے لئے خدا حافظ۔

www.booksube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

☆☆ محسن صاحب: بہت بہت مبارک ہو، آپ کی کہانی بھی شامل اشاعت ہوگئی، امید ہے آئندہ اور بھی اچھی کہانی ارسال کریں گے۔

نعیم اللہ بڈالی سے۔ السلام علیکم! امید کرتا ہوں کہ ڈر کی تمام ٹیم اور پڑھنے والے بخیریت ہوں گے، فروری کا شمارہ 27 جنوری کو ملا، اس ماہ کی کہانیوں پر تبصرہ دے کر حاضر ہوا ہوں۔ سب سے پہلے کہانی دہقان نو...... ایک منفرد انداز ہے عمران قریشی صاحب کا! شائستہ صاحب نے خوب کہانی لکھی، رولوکا کہانی کی 117 قسط بھی مکمل ہوگئیں جس پر اے وحید صاحب کو مبارک باد۔ ضرغام محمود اچھا انداز ''نشان عبرت'' رونگٹے کھڑے کرتی تحریر، پراسرار جزیرہ، سپر شپ، موت کی وادی، حویلی کا راز، موت کا سایہ، عشق ناگن، انوکھا مسفر، بلا عنوان، محافظ عمدہ اور دل ودماغ پر سکتہ طاری کرتی ہوئی کہانیاں تھیں۔ میں ایک کہانی ''چڑیل کا مسکن'' ارسال کر رہا ہوں، مہربانی فرما کر اسے ضرور شائع کریں۔ کیا میری پہلے والی کہانیاں شائع نہیں ہوں گی۔

☆☆ نعیم صاحب: آپ کی کہانی ضرور شائع ہوگی اپنے نمبر پر، دیگر تحریریں الگ الگ کاغذ پر لکھ کر ارسال کیا کریں کیونکہ ہر تحریر الگ الگ جگہ پر کمپوز ہوتی ہے، آئندہ ماہ بھی آپ کے نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

محمد اسحاق انجم گنگن پور سے۔ السلام علیکم! شمارہ فروری کا بہت کمال کی بات ہے کہ اتنے خوب صورت حسین لوگوں کو آپ ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کے سرورق پر لا بٹھاتے ہیں! ٹائٹل کا جواب نہیں۔ دہقان نو اور شک اچھی تحریریں ہیں۔ محترم ایک عرض ہے، رولوکا، زندہ صدیاں، عشق ناگن، کیا یہ قسط وار تحریریں کم تھیں جو ایک اور تحریر خناس کو قسط وار شامل اشاعت کرلیا ہے، پلیز ایسا نہ کریں پہلے ہی قسط وار تین سلسلے چل رہے ہیں۔ دیگر کہانیوں میں پراسرار جزیرہ، خوفی رات، پراسرار سانپ، نشان عبرت، موت کا سایہ، سپر شپ، موت کی وادی، محافظ سب تحریریں پسند آئیں! دیگر سلسلے بھی اچھے رہے! دل کی حالت خراب رہتی ہے۔ ابھی چند روز پہلے پھر اسپتال سے واپس آیا ہوں دوستوں سے گزارش ہے ہمارے لئے ضرور دعا کریں۔

☆☆ اسحاق صاحب: اللہ تعالیٰ آپ کو خیر وعافیت سے رکھے تندرستی دے، تمام مشکلات دور کردے، تمام قارئین اور ہماری دعا ہے، آپ چلتے پھرتے ''یا رحمٰن یا رحیم یا سلام'' کا ورد کیا کریں، بہت جلد آپ صحت یاب ہوجائیں گے۔

نعیم بخاری آکاش اوکاڑہ سے، ماہ مارچ 2015 کا ڈائجسٹ جلدی مل گیا، خطوط میں دوڑ لگادی، شرف الدین جیلانی صاحب ہمیں آپ کی شریک حیات کا سن کر بہت ہی زیادہ افسوس ہوا اللہ سے دعا خاص ہے کہ آپ کو صبر وتحمل عطا فرمائیں اور آپ کی شریک کو جنت نصیب کریں آمین۔ ملقیس صاحب کو سالگرہ مبارک ہو، آپ کی کہانی موت کا قلعہ بہت زبردست تحریر تھی، میری کہانی تماشہ اجل لگانے کا خاص شکریہ اور کیا میری نئی کہانی اندھیر نگری ادارے کو موصول ہوئی ہے، میں نے اک دو نئی کہانیاں بھی لکھ رکھی ہیں، جیسے ہی دوبارہ سے ٹیسٹ ہوں گا تو بھیج دوں گا۔ عثمان غنی پشاوری کی کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں، ان کی کہانیاں زیادہ شائع کریں، مارچ کے مہینے میں قسط وار تحریروں میں رولوکا اچھی ہے۔ ابھی اک رات باقی ہے واقعی میں سب سے منفرد تحریر تھی، مارچ کے شمارے کی یہ کہانی دی بیسٹ، باقی کہانیوں میں کی بہت، تو انتہائی عجیب سی کہانی تھی، موت کے پنجے اور ''موت کے شکنجے میں'' بیاسٹوریز ڈر کے معیار پر اتر رہی تھیں، غلط فہمی نل زبردست کہانی تھی، بیاز رشتہ اور اندھا قتل بھی اچھی تحریریں تھیں، غرض کہ پورا ڈر انتہائی معیاری شمارہ ہے۔

☆☆ نعیم بخاری صاحب: آپ کی کہانی کمپوز ہوچکی ہے، اگلے شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوگی اور نئی کہانیاں بھی ارسال کردیں، کہانیوں کی تعریف اور تجزیہ کے لئے شکریہ قبول کریں۔

حسنین حیدر شاہین لالیاں سے، السلام علیکم! میں فرست ٹائم ڈر ڈائجسٹ کی طرف خط بھیج رہا ہوں۔ پہلے میں ایک اور رسالے میں کہانی بھیجتا تھا مگر حوصلہ افزائی نہ ہوئی تو میرا دل اچاٹ ہوگیا، سو میں نے وہ ڈائجسٹ ہی پڑھنا چھوڑ دیا، مجھے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ ڈر ڈائجسٹ پڑھ کے دیکھو، سو میں ڈر ڈائجسٹ ایک سال سے پڑھ رہا ہوں، ڈر ڈائجسٹ کی کہانیاں اور یہاں کے رائٹر مجھے بہت ہی اچھے لگے یقین جانیے ایسا لگا کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے۔ خیر اب دیکھتے ہیں کتنی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ تو میں نے اب خط بھیجا ہے اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ اپنی کہانی ضرور ارسال کروں گا۔

☆☆ حسنین صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ڈر ڈائجسٹ میں ہر چھوٹے بڑے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، آپ بصد شوق کہانی ارسال کردیں، چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی اب حسب وعدہ اپنی تحریریں جلد از جلد ارسال کردیں، شکریہ۔

☆☆

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

جادوئی چکر

طاہرہ آصف-ساہیوال

اچانک رات میں معمر خاتون کی آنکھ کھلی تو وہ حال سے بے حال ہورہی تھی، گلے میں گولے سے پھنسنے لگے سر چکرانے لگا آنکھوں میں جیسے چنگاریاں بھرگئیں زبان موٹی اور پھر کوفناک آواز سنائی دی کہ اتنے میں.....

حقیقت کے افق پر جھلمل کرتی اپنی نوعیت کی دلکش، دلفریب، دل شکستہ اور دل گرفتہ حقیقت

ریحان ملک نیویارک سٹی میں زیر تعلیم تھا، وہ نیورو سرجری میں اسپیشلائز کررہا تھا، ان دنوں وہ تعلیم کے اختتامی مراحل میں تھا۔ ایم بی بی ایس تو اس نے پاکستان سے ہی کیا تھا لیکن اسپیشلائز کے لئے اس نے امریکہ کا انتخاب کیا۔ ریحان کا تعلق پاکستان کے ایک امیر گھرانے سے تھا اس کے والد بہت بڑے کاروباری شخصیت تھے، دولت ثروت اختیارات اور طاقت کی کمی نہ تھی۔ اس کے والد فاروق ملک نے اپنی ذہانت اور صلاحیت سے ورثے میں ملنے والی ایک فیکٹری اور ترکے سے اب تک چار بڑی فیکٹریز بنالی تھیں وہ ریحان کو بھی بزنس میں دیکھنا چاہتے تھے لیکن ریحان کو میڈیکل میں دلچسپی تھی اور اس نے اپنی منتخب کردہ فیلڈ میں تمام تر صلاحیتیں صرف کردی تھیں اب اس کی تعلیم قریب قریب مکمل ہونے والی تھی۔ ریحان کو اپنی تعلیم کے علاوہ بھی ایک چیز میں بے پناہ دلچسپی تھی وہ تھا پراسرار علوم، ماورائی اور نادیدہ مخلوقات پر تحقیق۔ اس نے اپنے اس شوق کو سب سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔

یہ شوق اسے اتفاقاً ہی ہوا تھا کالج لائف میں اس نے اس موضوع پر ایک کتاب پڑھی جو کیسی مذہبی اسکالر نے وضاحت طلب موضوعات کا احاطہ کرنے کے لئے لکھی تھی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس کا ذہن اس جانب مائل ہوگیا وہ سائنس کا طالب علم تھا اس نے خود ہی ابتداء میں طے کرلیا تھا کہ وہ نیورو سرجن بنے گا جب اس نے اس کتاب کو پڑھا تو طے کرلیا کہ وہ اس پر بھی بھرپور تحقیق کرے گا۔ ایم بی بی ایس جیسے مشکل مضمون کے ساتھ اس جانب بھی اس نے کھوج جاری رکھی اور بہت سی نادر کتب جمع کرلیں مگر ابھی یہ سب ناکافی تھا پھر وہ امریکہ چلا گیا، یہاں آکر وہ تعلیم میں اس قدر مصروف ہوا کہ اس کے پاس وقت نہ رہا۔ اب وہ امتحانات دے رہا تھا، اس نے سوچا کہ وہ اس طرف سے فارغ ہونے کے بعد اپنے شوق کو وقت دے گا۔

ویسے بھی امریکہ میں تحقیق کے ذرائع وسیع تھے، ساتھ ہی ساتھ انٹرنیٹ سے بھی استفادہ ہوسکتا تھا، سو اب وہ امتحان کے بعد فل وقت مکمل آرام کررہا تھا تاکہ تازہ دم ہوکر اپنی کھوج میں نکل سکے۔

☆.....☆.....☆

غیاث احمد شہر کے اڈے میں ٹرکوں کے ذریعے مال برداری کا کاروبار کرتے تھے ان کے ذاتی پانچ ٹرک تھے جو اس کام میں استعمال ہوتے تھے۔ اس سارے کام کے مالک ونگراں وہ خود تھے لیکن یہ ان کا آج تھا

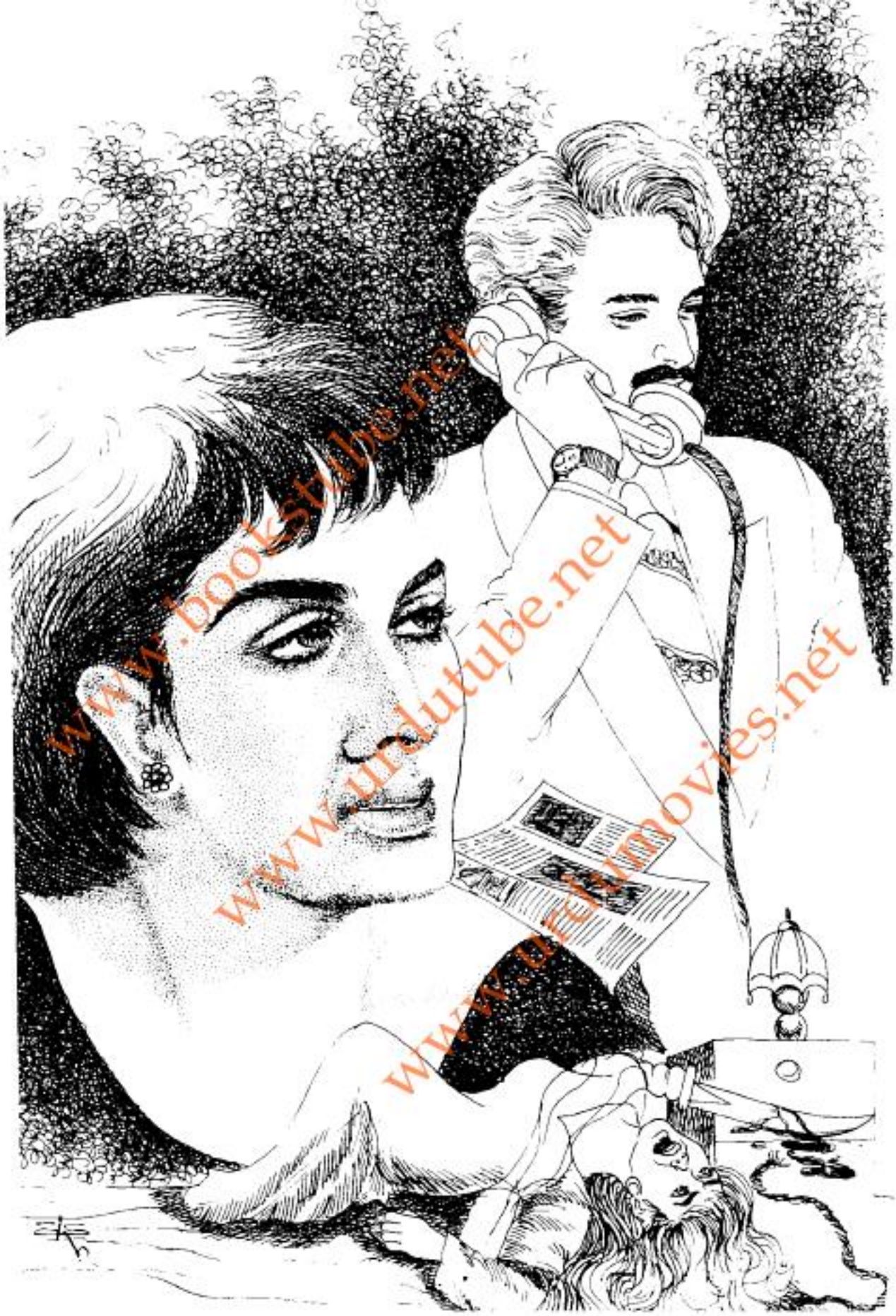
www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

ماضی میں وہ محض اڈے پر پرچیاں کاٹا کرتے تھے معمولی تنخواہ دار تھے لیکن آج وہ اپنے خاندان کے سب سے متمول شخصیت تھے اور اس خوش قسمتی کی وجہ ان کی اکلوتی بیٹی زبیدہ تھی۔ شادی کے ابتدائی سالوں میں اولاد نہ ہوئی اور ان کے معاشی حالات بھی مخدوش تھے، چار سال بعد زبیدہ پیدا ہوئی تو ساتھ ہی ان کے حالات نے معجزاتی پلٹا کھایا اور بہتری کے اسباب پیدا ہونے لگے ان اسباب میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اب ان کے ذاتی ٹرک تھے، ساتھ ہی کئی دوسرے کاروبار میں ان کی حصہ داری بھی تھی جن کا منافع انہیں گھر بیٹھے آتا تھا یہی نہیں بلکہ زبیدہ کے بعد مسلسل تین بیٹے پیدا ہوئے تو باپ کی منظور نظر تو وہ تھی ہی اب دادی کی بھی منظور نظر بن گئی۔

غیاث احمد کو بیٹی سے بے پناہ محبت تھی وہ اپنی خوشحالی کو زبیدہ کی ذات سے منسوب کرتے تھے۔ ان کا گھران کے خاندان میں مثالی تھا کیونکہ وہ اب سفید پوش اور متوسط درجہ کی برادری کے فرد تھے۔

ادھر خود زبیدہ شکل وصورت کے لحاظ سے بہت سادہ تھی ظاہری خوبصورتی نہ ہونے کے برابر تھی وہ بدصورت یا باعیب تو نہ تھی لیکن خوبصورت بھی نہیں تھی لیکن نصیب صورتوں کا مرہون منت نہیں، وہ جتنی بھی سادہ اور کم روحی اتنی ہی بانصیب اور بلند بخت تھی، ساتھ ہی تعلیم میں بھی بہت آگے تھی، صورت کی کمی ذہانت اور علمی شوق نے پوری کردی، پڑھائی کتابیں اور محنت اس کا اوڑھنا بچھونا تھا لیکن یہ ذہانت بھی صرف تعلیم کی حد تک تھی عام زندگی میں وہ بہت سیدھی بلکہ درویشانہ طبیعت کی مالک تھی، ناعام لڑکیوں والی شوخی نا ہی تیزی طراری اس کے چھوٹے بھائی مذاق سے اسے ''اللہ لوک'' اور ''سائیں لوک'' کہتے اور وہ برا ماننے کی بجائے مسکرا دیتی اور دادی اسے اپنی بھاگوان بیٹی کہتے نہ تھکتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ماسٹر غلام رسول ریٹائرڈ سرکاری ٹیچر تھے۔ سرکاری ملازمت سے فراغت کے بعد بھی انہوں نے مختلف کام کرکے اپنے بچوں اور گھر کا ذمہ اٹھایا پھر جیسے جیسے ان کے بیٹے برسروزگار ہوتے گئے اور بیٹوں کی شادی ہوتی گئی ان کا بارمعیشت ختم ہوگیا اور عمر بھی بزرگی کی طرف مائل ہوئی تو انہوں نے ایک مذہبی اور فلاحی ادارے میں شمولیت اختیار کرلی جس سے معمولی آمدن بھی ہوجاتی اور وقت بھی مفید سرگرمیوں میں گزرنے لگا۔ ان کے تین بیٹے تھے جو بھی تعلیم مکمل کرکے اپنے اپنے روزگار سے وابستہ ہوگئے تھے انہوں نے تمام عمر جدوجہد میں گزاری تھی ہمیشہ رزق حلال ہی کمایا کبھی غلط کاموں کی جانب ہاتھ نہ بڑھایا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اولاد نیک اور لائق ہوئی۔ اب وہ تمام بیٹے بیٹیوں کی شادی کے فرض سے فارغ تھے کچھ وقت اپنی مصروفیات کو دینے کے بعد زیادہ تر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں صرف کرتے، بذات خود وہ ایک محترم اور نیک نفس شخصیت تھے۔

غیاث احمد کے والد کے کزن تھے عمر میں غیاث احمد سے کچھ بڑے ہونے کے باوجود وہ ان کے انتہائی قریبی اور بے تکلف دوست تھے۔

ماسٹر صاحب اکثر وبیشتر غیاث احمد کے گھر آتے، گھر کے تمام افراد اور غیاث احمد کی والدہ سمیت سبھی ان کی عزت کرتے، وہ بھاوج کو بے بے کہہ کر مخاطب کرتے، ان کے آنے پر تادیر محفل جمتی جس میں بعض اوقات گھر کے تمام افراد ہوتے اور کبھی صرف وہی دونوں بیٹھ کر بات چیت کرتے۔

زبیدہ ان سے بہت مانوس تھی کیونکہ ماسٹر صاحب اور زبیدہ کا ذوق ایک سا تھا وہ ان سے مختلف موضوعات پر باتیں کرتی جو کہ اسکی عمر کے برعکس سنجیدہ اور دقیق مسائل پر ہوتیں زبیدہ کو اپنے ہم عمر لڑکیوں کے مشاغل کی بجائے ماسٹر صاحب جنہیں وہ تایا ابو کہتی ان سے باتیں کرنا زیادہ پسند تھا۔ عموماً یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ موجودہ نسل کے بچوں کی تفریحات اور دلچسپیاں بھی دور جدید کی سرگرمیوں میں ہوتی ہیں۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

جبکہ زبیدہ کا معاملہ کچھ مختلف تھا وہ زیادہ تر خاموش رہتی اس کی زیادہ سہیلیاں نہیں تھیں اور نا ہی اسے ٹی وی اور دیگر چیزوں کا شوق تھا وہ زیادہ تر اپنی درسی کتب اس کے بعد مطالعاتی ادب یا پھر اپنے تایا ابو کو وقت دیتی۔ غیاث احمد کے لئے بیٹی کی شخصیت کا یہ پہلو بھی منفرد اور مثبت لگتا وہ اس کی طبیعت اور فطرت سے بہت خوش تھے جبکہ ماسٹر صاحب کے نزدیک یہ لمحۂ فکریہ تھا۔

☆.....☆.....☆

ریحان ان دنوں مکمل طور پر فارغ ہو چکا تھا ایک ہفتہ آرام کرنے میں گزر گیا ہفتے کے اختتام پر جب وہ اپنے من پسند کام کے آغاز کا سوچ رہا تھا تو پیرس سے اس کے کزن احمد کی کال آئی وہ بھی تعلیم کے سلسلے میں پیرس میں مقیم تھا۔ اس نے ریحان سے کہا" وہ اس کے پاس پیرس آجائے کیونکہ وہ بھی ان دنوں کچھ فارغ ہے۔" اس نے اتنا اصرار کیا کہ ریحان کو ماننے پر بنی۔ اس نے خود بھی سوچا کہ چلو کچھ انجوائے منٹ ہی سہی اتنی طویل محنت کے بعد کچھ تفریح ہی سہی۔

اسی شام ریحان نے فلائٹ بک کروائی اور احمد کو فون کر کے اپنی آمد کا وقت بتا دیا۔ دو دن بعد وہ پیرس میں تھا احمد اسے خود لینے آیا وہ خاصہ خوش تھا اس کی آمد پر۔ اس نے بہت سارے پروگرام طے کر رکھے تھے آنے والے پورے ہفتے کے لئے چھٹیوں کے یہ دن ایک ایک کر کے بھرپور مزے کے ساتھ گزرنے لگے بلکہ ریحان نے کامل اور پھوپھو احمد کے اپارٹمنٹ کی حالت بھی بدل دی احمد ملازموں کا عادی تھا اس کے لئے خود کا کام بھی دوبھر ہوتا اگرچہ ریحان بھی اسی طرح ایلیٹ کلاس کا فرد تھا لیکن عادتاً بہت نفاست پسند اور ڈسپلن کا عادی تھا۔ اس نے احمد کے بکھرے ہوئے گندے کپڑے دھو کر ترتیب سے الماری میں رکھے کچن کو مکمل صاف کیا اور جمع کیا ہوا کباڑ اپارٹمنٹ سے نکالا۔ احمد اسے جب بھی کام کرتا دیکھتا خوب مذاق کرتا۔

اس روز بھی ریحان اس کے لاؤنج کی سیٹنگ بدل رہا تھا تو احمد نے کہا" یار تم کتنے سگھڑ ہو اور بہت نیک پروین بھی کسی مڈل کلاس کی خاندانی لڑکی کی طرح جو لڑکی تمہاری بیوی بنے گی وہ تو نصیب والی ہوگی جسے تم جیسا" ملٹی پرپز" بندہ ملے گا۔

جواب میں ریحان کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا اسنے بھی جوابی کارروائی کے طور پر کہا کہ" تم یہ بھی تو سوچو کہ وہ لڑکی کتنی بدنصیب ہوگی جسے تم سا پھوہڑ کاہل بندہ ملے گا مائی ڈیئر کزن۔" اور پھر وہ دونوں ہنسنے لگے۔

خیر یہ پورا ہفتہ دونوں نے گھوم پھر کے اور خوب مزے سے گزارا پھر ریحان کی واپسی کا دن آ گیا اس دن جمعہ تھا اور دوپہر بارہ بجے اسے ایئرپورٹ جانا تھا وہ صبح جلدی اٹھا اور واک پر جانے کے لئے تیار ہونے لگا احمد گہری نیند سو رہا تھا اس نے اسے بھی ساتھ آنے کو کہا لیکن اس نے نیند کی سستی میں انکار کر دیا اور کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا ریحان خود ہی اکیلا نکل آیا اس کے اپارٹمنٹ سے 10 منٹ کی واک پر پارک تھا صبح صادق کا وقت تھا ریحان کو اور لوگ بھی پارک کی طرف جاتے دکھائی دیئے۔

اسے صبح کا سہانہ وقت اور پیرس کی رومان پرور فضا دونوں بہت اچھے لگ رہے تھے وہ پارک میں آیا تو اسے بہت سارے لوگ دکھائی دیئے تقریباً ہر عمر کے لوگ وہاں تھے اس نے پہلے ایکسرسائز کی پھر پارک کا مکمل چکر لگایا پارک نا صرف خوبصورت بلکہ بہت ہی بڑا تھا پھر وہ واپسی کے لئے نکلنے لگا، اس نے جونہی پارک کے باہر قدم رکھا تو ایک لڑکی اس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی۔

لڑکی خاصی دراز قد اور دبلی پتلی تھی سرخی مائل بھورے بالوں کی چٹیا اس کی کمر پر بہت الگ تاثر دے رہی تھی خاصی پرکشش اور سادہ سی لڑکی تھی اس نے ریحان کے بہت قریب آ کر سرگوشی میں کہا" جناب میں اور میرا بچہ بہت بھوکے ہیں کل سے کچھ نہیں کھایا براہ کرم مدد کریں۔" اس نے فرانسیسی کے بجائے انگریزی میں درخواست کی۔

ریحان اچانک سامنے آنے والی کو دیکھ کر اس کی بات سن کر کچھ کنفیوژ سا ہو گیا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

پہلے تو اس کا جائزہ لیا اس کے ظاہر اور لہجے سے اس کی قومیت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا پیسے دینے لگا تو کچھ خیال آیا اس نے لڑکی سے کہا کہ ''وہ اپنا بچہ دکھائے۔'' کیونکہ وہ کہیں سے بھی ایک بچے کی ماں دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ریحان کی توقع کے خلاف ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ ''آؤ'' اور اسے لے کر پارک کے مغرب کی جانب چلنے لگی کافی دیر چلنے کے بعد وہ ایک بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور کی طرف آ گئی بلڈنگ بہت خستہ حال تھی وہ ایک بڑے کمرے میں لے گئی غالباً یہی ایک کمرہ اس کی رہائش تھا اور کمرے میں زمین پر بچھے ہوئے بستر پر ایک ڈیڑھ سال کا بچہ سو رہا تھا بچہ کچھ کمزور سا تھا۔ غور سے دیکھنے پر ریحان کو جھٹکا سا لگا کیونکہ بچہ بالکل ایشین تھا بلکہ بہت حد تک پاکستانی بچوں کی طرح۔

ریحان نے لڑکی سے سوال کیا۔ ''کیا یہ واقعی تمہارا بچہ ہے؟'' تو اس نے مختصر جواب دیا۔ ''ہاں یہ میرا اپنا بچہ ہے۔''

خیر ریحان نے اسے ایک موٹی رقم دی تو اس کی آنکھیں تشکر سے بھر گئیں۔ ریحان نے اس کے کمرے کی حالت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ واقعی مفلوک الحال تھی اس نے ریحان کا شکریہ ادا کیا۔

ریحان نے واپسی کے لئے قدم اٹھائے تو اسنے دوبارہ قریب آ کر سوال کیا کہ ''پاکستانی؟'' ریحان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ریحان تیزی سے آگے بڑھا اور پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آیا کہ وہ اچانک رک گیا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا تو وہ لڑکی بچہ سمیت غائب تھی۔ ریحان نے پورے کمرے میں بغور دیکھا مگر وہاں لڑکی بچہ سمیت ہوتی تو نظر آتی ناں۔ اب یہ معاملہ ریحان کو الجھنے میں ڈالنے والا تھا، ریحان سوچ کے پہاڑ تلے دب گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت تھا کہ اچانک لڑکی کا قہقہہ بلند ہوا تو وہ چونک گیا۔

لڑکی پھر بھی نظر نہیں آئی پھر دوبارہ لڑکی کا قہقہہ سنائی دیا اور سرگوشی سنائی دی..... ''نیک دل انسان اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا..... یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔''

اور یہ سنتے ہی ریحان کے قدم تیزی سے باہر کی طرف اٹھنے لگے۔

واپس آ کر ریحان نے اپنی سرگرمی کا آغاز کر دیا کیونکہ اسے امریکہ میں زیادہ نہیں رہنا تھا وہ پاکستان آ کر پریکٹس کرنا چاہتا تھا، سب سے پہلے اس نے شہر کی تمام لائبریریوں کا دورہ کیا یہ خاصہ طویل اور مشکل مرحلہ ثابت ہوا حتیٰ کہ اسے جادو کی عملی کتب بھی دستیاب ہوئیں لیکن اس نے عملی تجربات سے اجتناب کیا، بہرحال اس نے چند نادر اور حقائق پر مبنی کتب ذخیرہ کر لیں کیونکہ ہر چیز کو محض یادداشت کے سہارے نہیں رکھا جا سکتا، ریحان نے ممکن حد تک اس مطالعاتی جستجو کو مکمل کیا اس سارے عمل میں یہ ضرور ہوا کہ اس نے انسانی زندگی میں دوسری قوتوں اور مخلوقات کے وجود کو تسلیم کر لیا، اس سے قبل وہ گومگو کی کیفیت میں رہتا تھا۔

اس کے بعد اس نے ان لوگوں کو کھوجنا شروع کر دیا جنہوں نے عملی تجربات کئے ہوں یا اس میں کامل ہوئے ہوں، موجودہ سائنسی دور میں یہ سب بہت مشکل تھا لیکن ناممکن نہیں اس نے مختلف لوگوں سے بات کی نیٹ پر سرچ کیا اور مختلف عاملوں کے اڈوں پر جا کر ملا۔ خیر یہ کتب کی نسبت کچھ مثبت بھی اور کچھ مضحکہ خیز بھی ثابت ہوا کیونکہ کچھ لوگ محض شعبدہ باز لگے لیکن ایسا کم ہی ہوا۔

بعض مانے ہوئے وچ ایکسپرٹ بھی ملے جن کا رویہ خاصہ حوصلہ افزا تھا انہوں نے ریحان سے بہت سے خفیہ اور پیچیدہ نکات پر بحث کی اس کے ذریعے لوگوں کے کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا کچھ وہ ایسے افراد سے بھی ملا جنہوں نے ارواح اور جنات سے ہونے والی مڈبھیڑ سے متعلق واقعات بتائے۔

وہ روزانہ حاصل شدہ معلومات کو قلم بند بھی کرتا تاکہ مواد جمع رہے۔ کافی لوگوں سے ملنے اور اس موضوع

پر تحقیق کے دوران اس نے ایک ریٹائرڈ پادری ایڈورڈ جیمز کے بارے میں سنا کہ وہ بہت پائے کے روحانی معالج تھے، انہوں نے عمر کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے مسائل حل کرنے میں صرف کیا تھا وہ چرچ میں پادری کی خدمات دینے کے علاوہ جادو اور بھوت پریت کا علاج بھی کرتے تھے بعض ایسے کیسز جنہیں ہائی وچ ایکسپرٹ یعنی عملیات کے ماہر لینے سے گھبراتے تھے وہ انہوں نے لئے اور لوگوں کی بھرپور مدد کی اب وہ ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کررہے تھے۔

ریحان نے جب متعدد لوگوں سے ان کے بارے میں سنا تو فیصلہ کرلیا کہ وہ ان سے ضرور ملے گا کیونکہ اس نے پہلی بات ایسی شخصیت کے بارے میں سنا جس نے اس کام کو سوشل ورک کے تحت کیا ،بلا معاوضہ اور باقاعدہ عوام میں اس حوالے سے مثبت شہرت بھی حاصل کی۔ ان کی رہائش گاہ کا پتہ لگانا شروع کردیا کیونکہ وہ ان سے ملنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

ریحان نے فادر کے ایڈریس کا پتہ لگایا جو کہ نیویارک سے بہت دور ایک غیر معروف مضافاتی علاقے کا تھا کم ازکم دو گھنٹے کی ڈرائیو تھی لیکن ملاقات کا شوق ایسا تھا کہ وہ تیار ہوگیا اگلی صبح سویرے وہ تیار ہوکر گاڑی میں نکلا اور تقریباً سوا دو گھنٹے کے بعد وہ پوچھتا پچھتا ان کے دروازے کے سامنے تھا اس نے دیکھا کہ خاصہ خوبصورت کاٹیج نما گھر تھا سامنے کے حصہ میں وسیع لان تھا اس نے بیل بجائی تو دو منٹ کے بعد ہی دروازہ کھلا سامنے پچاس برس کے لگ بھگ ایک عورت تھی۔

ریحان نے فادر سے ملنے کی درخواست کی تو پہلے عورت نے بغور اس کا جائزہ لیا پھر کہا کہ ''اب پاپا لوگوں کے مسائل حل نہیں کرتے وہ بہت بوڑھے ہوچکے ہیں پلیز تنگ نہ کیا جائے۔'' یہ کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہا تو ریحان جلدی سے بولا۔'' مادام میں کوئی کیس لے کر نہیں آیا بلکہ صرف اور صرف ان سے ملاقات کرنے آیا ہوں براہ کرم ان سے ملوادیں میں بہت دور سے آیا ہوں۔''

اس پر عورت نے سر ہلا کر اسے رکنے کو کہا اور خود اندر چلی گئی چند لمحوں کے بعد اس کی واپسی ہوئی اور اسے اندر لے گئی لان میں دھوپ کی طرف رخ کرکے ایک باوقار شخصیت کے حامل بزرگ ایک صوفہ نما کرسی پر متمکن تھے وہ عورت اسے وہاں چھوڑ کر چلی گئی۔

ریحان نے قریب جاکر۔'' ہیلو فادر۔'' کہا اور مصافحہ کیا۔ انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ریحان نے اپنا تعارف کروایا اور پھر کہا۔'' اسے روحانیت سے بے پناہ دلچسپی ہے وہ صرف ان کی شہرت سن کر ان سے ملنے آیا ہے تاکہ وہ اپنے انداز سے اس علم کی وضاحت دیں۔''

فادر پہلے تو خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے اس کی بات ختم ہونے کے بعد بھی چند لمحے خاموش رہے اس دوران ریحان نے ان کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا، وہ اسی برس سے متجاوز عمر کے تھے لیکن بظاہر مضبوط اور صحت مند نظر آتے تھے۔

فادر نے اپنی بات کا آغاز کیا۔'' کیا تم مسلمان ہو؟''

ریحان نے فوراً کہا۔'' ہاں فادر میں پاکستانی مسلمان ہوں۔''

فادر بولے۔'' میں سمجھتا ہوں کہ آج کے نوجوانوں کو روحانیت سے قطعی کوئی شغف نہیں ان کی دلچسپی صرف مافوق الفطرت روبرو دیکھنے اور کہانیاں پڑھنے تک ہے جبکہ یہ علم ہے حقیقت ہے اور ضرورت بھی، مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی کہ تم نے اس کی گہرائی کو جانچنے کے سفر کا آغاز کیا ہے یہ بہت دقت طلب موضوع ہے، کیا تم اتنا وقت دے سکو گے کیونکہ مجھے بہت عرصہ کے بعد تم جیسا جوان ملا ہے جو سنجیدگی سے کچھ جاننے کی کوشش رکھتا ہے، میں بھی تمہیں چند لفظوں میں بتا کر تشنہ رکھنا نہیں چاہوں گا بلکہ تمہارے شوق کو صحیح سمت دینے کی پوری کوشش کروں گا۔''

ریحان کو فادر سے اتنا اچھا رسپانس ملنے کی

توقع نہ تھی ان کی پذیرائی کو سمجھتے ہوئے اس نے فوراً کہا ۔''فادر میں صرف آپ کو سننے ہی تو آیا ہوں اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو۔''

اس دوران ایک انیس بیس سال کا لڑکا ایک ٹرے لے کر آ گیا جس میں ہلکا پھلکا ناشتہ رکھا تھا، وہ ٹرے اس نے خاموشی سے وسطی میز پر رکھ دی اور پلٹ گیا۔

فادر نے کہا۔''یہ میرا نواسا کیون ہے اور جس سے پہلے ملے تھے وہ میری بیٹی تھی، میں اب بیٹی کے ساتھ رہ رہا ہوں یہ گھر میرا اپنا ہے تم پلیز! ناشتہ تو پہلے اتنی صبح آ رہے ہو تو ناشتہ نہیں کیا ہوگا۔''

ریحان نے ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھایا اور ساتھ فادر سے آغاز کرنے کا کہا۔

''بات یہ ہے جوان کہ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کا مذہب اتنا مکمل ہے کہ انہیں باقی مذاہب کو سمجھنے کی ضرورت نہیں۔''

فادر نے کہنا شروع کیا۔''میری عمر اس وقت چھیاسی برس ہے میرا خاندان ہمیشہ چرچ سے وابستہ رہا اور ہر نسل سے کسی نا کسی نے مذہبی خدمات انجام دیں جب میں چوبیس سال کا تھا اور پادری یعنی بشپ بننے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس وقت ہمارے پڑوس کے ایک آدمی کو آسیب کا مسئلہ ہوگیا میرے والد نے جا کر ہر ممکن تدبیر کی لیکن آسیب سے خلاصی نہ ہو سکی، وہ معذرت کر کے آ گئے۔

پھر معلوم ہوا کہ ایک مسلمان لڑکا جو پی ایچ ڈی کے لئے یہاں آیا ہوا تھا اس شخص کی مصیبت کا سن کر خود آیا اور اس کا علاج کرتا رہا ایک ہفتے کے بعد وہ پڑوسی تو مکمل ٹھیک ہوگیا لیکن مجھے تجسس ہوا کہ میں اس سے ملوں جو محض میری ہی عمر کا ہے کیونکہ میرے والد سے نہ ہونے والا کام اس نے کر دیا تھا۔

میں چوری چوری اس کی رہائش گاہ پر جا کر ملا تو اس نے کہا کہ''ہماری الہامی کتاب زندگی کے ہر پہلو کے لئے ہماری رہنمائی کرتی ہے خواہ وہ مادی جسمانی مسائل ہوں یا معاشرتی کاروباری اور روحانی یہ سب کا احاطہ کرتی ہے میں نے جو بھی کیا اپنی کتاب سے کیا۔''

پھر اس نے مجھے تمہارے کلام پاک کا انگریزی ترجمہ دیا اور کہا۔''خود جانو خود سمجھو اور خود ہی فیصلہ کرو۔''

تو میں نے اپنے والد اہل خانہ اور اساتذہ سب سے در پردہ اس کتاب کا مطالعہ کیا جسے تم اپنی آسمانی کتاب کہتے ہو۔'' میں اگرچہ اپنے دین کا ایک نمائندہ ہوں لیکن مجھے اس کتاب مبین نے رہنمائی بخشی لیکن میں نے اپنے خیالات کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا کیونکہ میں اس کا انجام جانتا تھا میں نے سب اپنے دل میں چھپا لیا پھر تعلیم کی تکمیل کے بعد مجھے چرچ کی خدمات دی گئیں تو پہلے بہت سارا عرصہ میں محض رسمی امور تک محدود رہا پھر مجھے بہت سارے ایسے لوگ ملے جو روحانی تکالیف کا شکار تھے۔

کوئی آسیب کا ستایا ہوتا کوئی جادو سے پریشان حال ہوتا، میں فطری طور پر ایک دردمندانہ انسان ہوں ،میرے دل نے کہا کہ''مجھے لوگوں کے کام آنا چاہئے میں نے تمہاری طرح پہلے اس کی تحقیق شروع کی کچھ علم اپنے اساتذہ سے ملا باقی میں نے سوچا کہ اگر یہ کتاب واقعی الہامی ہے کہ اس سے بھی مدد ملے گی تو اپنے طور پر کچھ مسلمان اسکالرز سے ملا انہوں نے بتایا کہ کیسے وہ اپنی اس الہامی کتاب کے علم سے لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔'' باقی میں نے بہت محنت کی اور خالصتاً انسانوں کی بھلائی کے نظریے سے سیکھا پھر جب میں نے لوگوں کی مدد شروع کی تو مجھے کامیابی ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ وقت ایسا آیا کہ میں اپنے پاس آنے والے افراد سے دو چار رسمی سوالات کے بعد جان جاتا کہ وہ جادو کا شکار ہے یا مافوق الفطرت مخلوقات کا ستایا ہوا ہے۔

میں نے یہ سب خلق خدا کے مفاد کے لئے کیا لیکن ایسے افراد زیادہ ہیں جو پیسے لے کر یا محض انتقاماً دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور بعض تو موت سے بھی ہمکنار کر دیتے ہیں۔

تم ڈاکٹر ہو جیسے تم نے بتایا تم نے اتنی محنت کچھ

www.urdumovies.net

مالی فوائد کے لئے اور کچھ انسانوں کی بھلائی کے لئے، یہ بھی بتادو کہ یہ سب جستجو بھی کسی مشن کے لئے کررہے ہو یا کہ محض تجسس کی خاطر تاکہ مجھے بھی معلوم ہو کہ اتنا قابل اور عملی سوچ رکھنے والا بندہ کیا کرنے جارہا ہے۔''

فادر ایڈورڈ کے اس سوال نے ریحان کو سوچ میں ڈال دیا کہ وہ سب کچھ کیوں کررہا ہے پھر کچھ سوچنے کے بعد وہ بولا۔ ''فادر ابھی تو صرف تحقیق کررہا ہوں یہ علم سیکھوں گا یا نہیں یہ تو ابھی میں نے نہیں سوچا۔''

فادر اس کی بات سن کر مسکرائے۔ ''تو پھر آج میری ایک نصیحت بھی سن لو میں نے ایک طویل عمر گزاری، انسانوں کو جانچا اور پرکھا ہے، ان کے دکھ درد دور کئے ہیں، میرا تجربہ کسی بھی عام انسان سے کہیں زیادہ ہے اگر میں یہ کہوں کہ تم اس مشن کو اختیار کرلو تو یہ غلط نہیں ہوگا کیونکہ مجھے تم میں مستقبل کا ایڈوڈ نظر آرہا ہے اور بحیثیت ایک مسلمان کے تمہارے لئے یہ اتنا مشکل بھی نہیں ہوگا، صرف جذبہ اور محنت درکار ہے تمہارا مذہب ہی تمہارا راستہ ہے۔''

ریحان ایک نصرانی رہنما کے منہ سے اپنے اسلام کی حمایت سن کر بہت متاثر ہوا بلاشبہ فادر ایک غیر متعصب انسان ہیں دوسرا ان کے مشورہ نے بھی اسے ایک نئی راہ دکھائی کہ وہ ایک روحانی معالج بھی ہے، اسی لمحے اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ فادر کی بات پر پورا پورا عمل کرے گا کیونکہ اتنی تحقیق کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ انسان بے شک سائنسی ترقی کررہا ہے مگر اس سے دوسری قوتوں کا وجود مٹا نہیں بلکہ وہ بھی انسانوں کے ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔

☆.....☆.....☆

زبیدہ کی کلاسز کا آغاز ہوچکا تھا، نعیم اس کا بھائی پہلے گاڑی پر بہن کو یونیورسٹی چھوڑتا اور پھر اپنے کالج چلا جاتا اور واپسی پر بھی ایسے ہی ہوتا۔ نئی جگہ نئے ماحول میں آکر ابتداء میں زبیدہ کو اپنی طبیعت کی وجہ سے گھبراہٹ تو ہوئی مگر رفتہ رفتہ وہ عادی ہوگئی البتہ جو چیز وہ نہ اپنا سکی وہ وہاں کا ایڈوانس ماحول اور فیشن کی دوڑ تھی جس کا حصہ کیا لڑکیاں کیا لڑکے سبھی تھے ویسے بھی وہ جس ڈپارٹمنٹ میں تھی وہاں اکثریت لڑکوں کی تھی جنہوں نے پہلے اس کی سادہ صورت اور پھر سادگی طبیعت دیکھ کر قطعی پذیرائی نہیں بخشی مگر اسے بھی کون سی طلب لگی تھی کہ وہ سوچتی البتہ کچھ ہی مہینوں میں اس کی قابلیت نے ضرور کھلبلی مچادی، اس مشکل ترین سبجیکٹ میں اس کی غیر معمولی استعداد نے اسے سب کی نظروں میں اجاگر کردیا۔

غیاث احمد ہر ہفتے میں چکر لگاجاتے اور ہر ضرورت کا خیال رکھتے اس کی امی اور دیگر بہن بھائی بھی خود ہی آکر مل جاتے اس بار غیاث احمد آئے تو بیگم بھی ساتھ ہی تھیں انہوں نے والدہ یعنی دادی کو بتایا کہ ان کا چھوٹا بھائی اور بھاوج دو تین بار آچکے ہیں وہ بیٹے کے لئے زبیدہ کے رشتے کے طلب گار تھے اب وہ اماں سے مشورہ کرنے آئے تھے زبیدہ کی ماں نے ساس سے کہا۔ ''آپ کے چھوٹے بیٹے نے ناک میں دم کررکھا ہے پچھلے ایک ماہ سے ہر جمعہ چلے آتے ہیں اور عمر کے لئے بار بار سوال ڈالتے ہیں کہ زبیدہ کا رشتہ انہیں دیا جائے اب آپ ہی بتائیں پہلے تو کبھی بھائی سے محبت نہ ہوئی اب ہے کہ بھتیجی کی محبت میں پاگل ہورہے ہیں بار بار اپنے ہونے کا احسان جتا کر رشتہ یوں مانگتے ہیں کہ گویا دیا ہوا قرض واپس مانگ رہے ہوں۔''

زبیدہ کی دادی بہت کھری اور صاف گو خاتون تھیں اور دانا بھی جھٹ بھوا اور بیٹے کو بولیں۔ ''بیٹا میری چھوٹی بہو کن گنوں کی مالک ہے مجھ سے بہتر بھلا کون جان سکتا ہے اگر اس عورت میں کوئی بھلائی ہوتی تو میں صرف ایک ہی بیٹے کے ہاں کیوں پڑی رہتی وہ بھی تو میرا ہی بیٹا ہے، اس پر جب میں کوئی حق نہیں رکھتی تو بھلا وہ میری پوتی پر حق جتانے کیوں چلی آئی، یہ صرف غیاث کی دولت پر نظر ہے بھلا میری سیدھی سادھی پوتی سے اسے کیا دلچسپی ماں بیٹا صرف دولت پر نظر رکھے ہوئے ہیں، رہا میرا بیٹا اور تمہارا بھائی وہ تو کاٹھ کا الو ہے وہ اگر عقلمند ہوتا تو صغریٰ جیسی عورت

سے نبھا ہی کیوں کرتا۔"

غیاث ماں کی بات سن کر بولے۔" اماں اگر مجھے خود فیصلہ کرنا ہوتا تو کب کا کر دیتا مگر آپ کی زندگی میں میں اکیلا فیصلہ کرنے والا کون، آپ بتادیں کہ میں اسے کیا جواب دوں! بھاوج تا سہی مگر بھائی کا منہ تو دیکھنا ہے۔"

اماں نے دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔" اب اگر وہ دونوں آئیں تو کہنا کہ بچی ابھی پڑھ رہی ہے ابھی رشتے ناتوں کی بات سے اس کا ذہن منتشر ہوگا پہلے وہ تعلیم مکمل کرلے تو بیٹھ کر بات کریں گے۔

ٹکا سا جواب نہ دو بلکہ ٹال دو کیونکہ میں صغریٰ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں اگر صاف بات کردی تو کوئی نا کوئی مصیبت پیدا کردے گی، بہتر ہے کہ تم صرف ٹال مٹول تک بات رکھو۔ ادھر تم بالا ہی بالا کوئی رشتہ بھی دیکھ رکھو، آخر کل کلاں رخصت تو کرنا ہے بچی کو۔" دونوں نے اماں کی بات سے اتفاق کیا اور تین دن رہ کر واپس آ گئے۔

☆.....☆.....☆

غیاث احمد واپس آئے تو کاروباری مصروفیت نے جکڑ لیا اڈا پر کام کی زیادتی کی بنا پر کئی دن مصروف رہے اور ماسٹر صاحب سے ملنے نہ جا سکے ماسٹر صاحب بھی ملنے کے خیال سے ایک شام خود ہی چلے آئے زبیدہ کی والدہ نے جو دیکھا تو فوراً بڑے کمرے میں لا بٹھایا وہ بھی ان کا بے حد احترام کرتی تھیں منجھلے بیٹے کو کہا کہ وہ چائے کھانے کا انتظام کرے اور خود دوپٹہ جما کر ان کے پاس بیٹھ رہیں۔

ماسٹر صاحب کہنے لگے۔" برخوردار غیاث سے کئی دن ہوئے ملاقات نہیں ہوئی تو سوچا خود ہی مل آؤں ویسے بھی بے بے اور بچوں کے بغیر کتنی خاموشی اور سوناپن ہے۔"

ذکیہ آہ بھر کے بولیں۔" بھائی جی کیا کیا جائے بچے پڑھائیوں میں لگے دیس سے پردیس ہوگئے اور اماں کی جان زبیدہ میں ہے وہ بھلا اس کے بغیر کیسے رہتیں نعیم کو بہن کی وجہ سے وہاں رہنا پڑا۔ ماں باپ کی زندگی تو چڑیا چڑا جیسی ہوتی ہے، بچے بڑے ہوئے پر پھیلا کر اڑان کے لئے تیار، پھر یاد آیا تو کہنے لگیں۔" بھائی جی زبیدہ کے لئے نیاز بھائی اور ان کی بیوی نے بات ڈالی ہے۔"

ماسٹر صاحب بولے۔" تو آپ دونوں نے کیا جواب دیا۔"

ذکیہ نے جواب میں ساس سے ہونے والی گفتگو بیان کردی ماسٹر صاحب چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے۔" بیٹا بے بے نے بالکل ٹھیک کہا ہے میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ تم یہ غلطی کبھی نہ کرو کیونکہ میں بھی اسی خاندان کا فرد ہوں نیاز شادی سے پہلے تک پھر بھی کچھ عقل رکھتا تھا بڑے بھائی صاحب نے غیر برادری میں صغریٰ جیسی عورت سے رشتہ کر کے بیٹا ہی گنوا دیا وہ تو اس عورت کے ساتھ رہ کر دین و دنیا سے گیا، رہا اس کا صاحبزادہ عمر تو وہ بھی ماں پر پڑا ہے ان سے اگر اچھائی کی امید کرو تو فضول ہے۔

غیاث کی خوشحالی نے خاندان کے اچھے اچھوں کے منہ میں پانی بھر دیا ہے۔ زبیدہ میرے لئے میری اپنی بچی ہے مگر اس کی سادگی اور پھر عام شکل و صورت مجھے بھی فکر مند کرتی ہے کیونکہ اس زمانے میں خیالات بدل گئے ہیں۔

☆.....☆.....☆

ریحان حتمی فیصلے کے لئے وقت لے کر فادر ایڈورڈ سے واپس آ گیا۔ وہ بہت مضبوط شخصیت کا مالک تھا اسی وجہ سے پاکستان میں رہتے ہوئے اس نے جو تحقیق کی اس کا کسی سے معمولی سا بھی ذکر نہیں کیا بلکہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہر بات خود تک محدود رکھتا تھا، جب تک وہ ضروری نہیں سمجھتا دوسروں سے بات نہیں کرتا۔ اب بھی وہ خاصی مشکل صورتحال میں تھا کیونکہ وہ جس سوسائٹی اور کلاس سے تعلق رکھتا تھا وہاں اس کا سرجن ہونا تو بہت اچھا تھا لیکن بحیثیت ایک روحانی معالج کے وہ مضحکہ خیز ہی لگتا اس کے دماغ نے سچائی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

تسلیم کرتو لی تھی لیکن کیا لوگ ایک ڈاکٹر کو ایک سائنس کی لائن سے تعلق رکھنے والے بندے کو ایک بالکل الگ حیثیت سے قبول کریں گے کیونکہ ہمارے یہاں عوام الناس عملیات اور روحانی سائنس کا فرق کسی کے علم میں نہیں ہے۔

بہرحال یہ ایک مشکل فیصلہ تھا اس نے کچھ سوچنے کے بعد یہ لائن اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے از خود اظہار کرے وہ خاموشی سے بھی ضرورت کے تحت اس علم کا استعمال کرسکتا تھا۔ ابتداء اس نے فادر سے ہی تعلیم لینے سے کی، وہ تقریباً ہفتے میں دو تین دن فادر کے ہاں چکر لگاتا اور اس کے ابتدائی رموز سیکھنے لگا، اسی دوران اس کا رزلٹ آ گیا تو اس نے فل وقت نیویارک میں ہی پریکٹس کا آغاز کردیا۔

وہ باقاعدگی سے فادر کے پاس بھی جاتا رہا مزید چھ ماہ کے بعد اس نے پاکستان واپسی کا ارادہ کرلیا، فادر نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ اپنے مذہب کے مستند ماہرین سے اس کی تعلیمات لے یہ بات اس کے ذہن میں تھی۔

اس نے فلائٹ بک کروائی اور تیاری پکڑلی، اپنے سارے دوستوں اور کولیگز سے ملنے کے بعد وہ ائیرپورٹ آ گیا، ساری کارروائیوں کے بعد وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھا تو اسے پیرس میں ملنے والی لڑکی دکھائی دی اس نے دوبارہ غور سے دیکھا بالکل وہی تھی فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے وہ بہت معمولی لباس میں تھی جبکہ اس وقت وہ معقول لباس میں تھی بلکہ ساتھ ایک پرام بھی تھی جس میں غالباً وہی بچہ تھا جسے ریحان نے اس خستہ حال کمرے میں دیکھا، وہ اٹھ کر اسی کی جانب جانے لگا تو اسی لمحے اناؤنس ہوا کہ سب لوگ جہاز کی جانب چلیں اور پھر تمام لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ جب وہ پلٹا تو وہ لڑکی بچہ سمیت دکھائی نہ دی، وہ سر جھٹک کر چل دیا۔

جب جہاز پاکستان پہنچا تو اسے نجانے کیوں بہت ساری خوشی محسوس ہو رہی تھی، ایئرپورٹ پر اس کی چھوٹی بہن اور بھائی آئے ہوئے تھے اس سے مل کر وہ دونوں اسے گھر لے آئے گھر پر تو کسی جشن کا سا سماں تھا، اس کے والدین اور دیگر قریبی رشتہ دار آئے ہوئے تھے۔

ملازمین بھی نئے لباسوں میں خوشی سے ملے، والد فاروق ملک بھی بہت خوش تھے ان کا بیٹا بزنس مین نا سہی لیکن ایک قابل سرجن بن کر بہت ساری ڈگریز کے ساتھ لوٹا تھا وہ تو اسے اسپتال کربنا کر تحفہ دینا چاہتے تھے مگر خود ریحان ابھی اس حق میں نہیں تھا وہ کچھ عرصہ شہر کے اچھے اسپتالوں میں کام کر کے ساکھ بنانا چاہتا تھا۔

بہرحال اس کی واپسی اس کے خاندان کے لئے خوشیاں لے کر آئی تھی، اس کے باقی بھائی مختلف ممالک میں تعلیم کے لئے جا چکے تھے چھوٹی بہن کے علاوہ بھائی بھی جانے والا تھا اب وہ صرف والدین کی نگاہوں کا مرکز بننے کے لئے رہ گیا تھا، ساتھ ہی بہت سے قریبی رشتہ داروں کی نظر بھی اسی پر تھی اپنی بیٹیوں کے لئے، فی الحال وہ اپنے مستقبل کو کیسے روشن کرسکتا ہے، ساری توجہ اسی طرف تھی، صنف مخالف میں دلچسپی لینے کا شوق اسے کبھی بھی نہیں رہا۔

☆.....☆.....☆

غیاث احمد کے چھوٹے بھائی نیاز احمد کے گھر سے رشتہ آنے کے بعد گویا سبھی سوئے ہوئے عزیزوں کی نیند کھل گئی اور پھر پے در پے رشتہ آنا شروع ہوگئے دونوں میاں بیوی اس صورتحال سے پریشان ہوگئے وہ اسی دنیا کے باسی تھے بھلا یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ زبیدہ کی سادہ صورت اور درویشانہ طبیعت سے کون ناواقف ہوگا جو بھی سوال ڈالے گا محض غیاث احمد کی ثروت کو دیکھ کر ڈالے گا اور جو لوگ کسی مطلب سے لڑکی لیں گے وہ کیا قدر کریں گے، ابھی تو زبیدہ کی تعلیم کو جواز بنا کر وہ معذرت کردیتے تھے۔

ایک روز ماسٹر صاحب آ گئے دونوں میاں بیوی کے سچے محرم راز وہی تھے انہوں نے زبیدہ کے لئے آنے والے رشتوں والی بات ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے جواب میں وہی بات کہی جو ان کے خدشات کی تصدیق کرتی تھی ماسٹر نے کہا کہ میاں رشتہ مانگنے

والے صرف تم پر نظر نہیں رکھتے بلکہ اضافی خوبی یہ ہے کہ زبیدہ خاندان کی واحد لڑکی ہے جو تعلیم کے میدان میں اتنا آگے ہے ورنہ ہمارے یہاں تو گریجویٹ لڑکے بھی خال خال ملتے ہیں جب لڑکی اتنی تعلیم یافتہ ہوگی تو جو بھی بیاہ کر لے جائے گا، لڑکوں میں بھر بھر کر جہیز الگ لے جائے گا اور لامحالہ بچی سے ملازمت بھی کرائیں گے کہ فائدہ اور وہ بھی دو دو، کیا سمجھے۔'' ماسٹر صاحب کی باتوں نے انہیں زیادہ سراسیمہ کردیا۔

پھر انہوں نے خود ہی تسلی دی کہ ''میاں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس پروردگار نے اتنی نیک صالح بچی دی ہے وہ اس کے مطابق اس کا نصیب بھی بنائے گا۔ بس تم اتنا کرو کہ آنے والے کسی بھی رشتہ کو ہاں نہ کرو، کم از کم اپنی برادری میں تو میرا دل نہیں مانتا۔ بس تم توکل بر خدا ہو جاؤ ابھی کچھ وقت باقی ہے اس کے ماسٹر کے مکمل ہونے میں، ویسے بھی کون سی عمر ہو چلی ہے کہ تم فکر میں پڑ گئے ہو۔''

زبیدہ کی ماں نے کہا۔ ''بھائی جی مگر ہم اس صغریٰ کا کیا کریں؟ اس نے تو ہمارا دروازہ ہی اکھاڑ مارا ہے۔''

ماسٹر صاحب بولے۔ ''بیٹا اس میں کیا الجھن ہے، صاف بات ہے کہ یہاں تو ہرگز بات نہیں ہوسکتی اتنا عرصہ ٹالنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ خود ہی سمجھ جائیں اگر وہ ڈھیٹ بن گئے ہیں تو ہم کیوں مروت میں پڑیں، صاف جواب دو کہ بیٹی نے انکار کردیا ہے خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔'' بات دونوں کی سمجھ میں آ گئی سر ہلا کر انہوں نے تائید کردی۔

☆......☆......☆

ریحان آنے کے بعد سوچ رہا تھا کہ مختلف اسپتال میں اپنے سی وی بھیجے لیکن خود ہی اسے بہت ساری آفرز آنے لگ گئیں، اس نے تین چار جگہ کا وزٹ کیا اور پھر ایک معروف اسپتال میں جاب کرلی، جاب کے آغاز کے ساتھ ہی اس کی گوں ناگوں مصروفیات کا سلسلہ چل نکلا وہ ایک ماہر سرجن ثابت ہوا مشکل سے مشکل سرجریز وہ با آسانی کرلیتا اسی وجہ سے اس کے پاس زیادہ کیسز آنے لگے۔

ظاہر ہے پھر وقت کا سوال کیا وہ اپنی جاب میں مصروف ہوکر وقتی طور پر اپنے دوسرے مقصد سے دور ہوگیا، روز یہی سوچتا کہ کل وہ اس کے لئے وقت نکالے گا پھر اگلے دن کی مصروفیات میں بھول جاتا لیکن قدرت جسے جس کام کے لئے منتخب کرلے وہ انتظام بھی کردیتی ہے اسے واپس آئے چھ ماہ ہونے کو تھے اپنے اسپتال کے علاوہ بعض اوقات اسے دوسرے اسپتال بھی جانا پڑتا تھا میجر سرجریز کے لئے۔

اس شام بھی وہ ایک مضافات کے دور افتادہ اسپتال میں آنے والے ایمرجنسی کیس کے سلسلے میں وہاں گیا ہوا تھا، یہ ایک مہنگا اور پرائیویٹ اسپتال تھا۔ انہوں نے ریحان سے رابطہ کیا کہ وہ ہفتے کا ایک دن ان کے لئے مختص کرے جس کے بدلے میں انہوں نے پرکشش پیکج دیا۔

ریحان نے بات چیت طے کرکے ایک دن مقرر کردیا اور جا کر معائنہ بھی کرلیا اگرچہ اسپتال بذات خود ایک اچھی لوکیشن پر تھا لیکن درمیانی راستہ کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کا تھا اور قدرے سنسان بھی لیکن اس نے زیادہ غور نہیں کیا یا اس کا پہلا دن تھا۔

شام پانچ بجے وہ فارغ ہوکر نکلا تو سردیوں کی وجہ سے شام ہونے والی تھی وہاں سے نکلتے نکلتے خاصہ اندھیرا ہوگیا وہ خود ڈرائیو کرتا ہوا آ رہا تھا، آدھے راستے میں آ کر اندھیرے کے باعث اس نے غلط ٹرن لے لیا اس کی گاڑی شہر کی جانب آنے کے بجائے دوسری جانب غیر آباد علاقے میں داخل ہوگئی جب تک ریحان راستے کی پہچان کرتا وہ کم از کم پندرہ منٹ کا فاصلہ طے کرچکا تھا اس نے جب اندھیرا اور ویران علاقہ دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ غلط سمت میں آچکا ہے اس نے فوراً گاڑی موڑ لی کیونکہ وہ مزید بھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے واپسی کے راستے پر گاڑی ڈالی ہی تھی کہ اندھیرے میں کچھ دور اسے کچھ روشن سا دکھائی دیا اس نے گاڑی بالکل آہستہ کرلی اور غور کرنا شروع

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

کیا، پہلے تو کچھ اندازہ نہ ہوا لیکن پھر معلوم ہوا کہ فضا ننھی منی روشنیوں سے بھری ہوئی ہے اور ڈھول جیسی ہلکی ہلکی تھاپ بھی سنائی دی، یہ اس شکستہ سڑک کے مشرقی جانب ہو رہا تھا اسے تجسس ہوا اگرچہ سنسان سڑک پر کسی بھی حادثے یا ڈکیتی کا خدشہ تھا لیکن اس نے پھر بھی رک کر دیکھنا ضروری سمجھا اس نے گاڑی روکی اور باہر نکل آیا اور چند قدم اسی طرف چلا جہاں یہ ہو رہا تھا۔

کچھ قریب آنے پر واضح ہوا کہ فضا میں بہت سارے دیئے روشن ہیں اور حرکت بھی کر رہے ہیں کسی نامانوس زبان میں گانے کی مدھم سی آواز بھی آ رہی تھی ڈھول کی آواز کے ساتھ لیکن کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ جھاڑیاں عبور کر کے مزید آگے آیا اتنے میں چاند بھی طلوع ہو چکا تھا غالباً چاند کی چودہ ہونے کے سبب مکمل چاند تھا صاف موسم کی وجہ سے اس کی چاندنی بھی بہت کھلی کھلی تھی مزید آگے اس نے دیکھا کہ صاف میدان ہے جیسے کسی نے بطور خاص صاف کی ہو اور وہیں بہت سارے لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا جو صرف محسوس ہونے کی حد تک تھا کیونکہ کوئی دکھائی تو دیا نہیں، وہ اور بھی آگے آ گیا یہاں تک کہ وہ اس میدان کی حدود میں آ گیا۔

اچانک اسے بہت خوف محسوس ہوا بار بار جھرجھری آنے لگی وہ واپس پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پاؤں اپنی جگہ جم گئے وہ بے بس سا ہو گیا۔

یکا یک ایک بہت دراز قد اور جسیم آدمی اس کے سامنے آیا وہ اتنا لمبا تھا کہ ریحان کا سر اس کے سینے تک آ رہا تھا اس نے سامنے آ کر بہت کرخت لہجے میں پوچھا ''کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

ریحان اسے دیکھ کر بالکل گھبرا گیا اور اس کے منہ سے اپنے آپ الفاظ ادا ہونے لگے اپنے تعارف سے لے کر یہاں راستہ بھٹک کر آنے تک اس نے سب کچھ کہہ دیا اس کے خاموش ہونے پر اس آدمی نے دوبارہ پوچھا۔ ''پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو اپنے راستے پر گئے کیوں نہیں؟''

ریحان نے کہا۔ ''وہ ننھی ننھی روشنیاں دیکھ کر محض تجسس کی بنا پر یہاں آیا ورنہ کوئی مقصد نہیں تھا۔''

اس آدمی نے کہا۔ ''ٹھہرو۔'' اور خود ایک طرف چلا گیا۔

ریحان نے پھر چاہا کہ وہ واپس ہو جائے مگر نا کام رہا، پانچ منٹ کے بعد وہ آدمی دوبارہ آیا اس بار اس کے ساتھ اسی کی قد و قامت کے دو نوجوان لڑکے بھی تھے ریحان کو لگا کہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ اس آدمی نے کہا ''نوجوان آج ہمارے قبیلے میں شادی کی تقریب ہے اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں نے اجازت لے لی ہے مگر کچھ شرائط ہیں کہ تم خاموشی سے سب کچھ دیکھو گے، دوبارہ یہاں نہیں آؤ گے کیونکہ ہم یہاں رہتے بھی ہیں ہمیں اپنی آبادکاری میں انسانوں کی مداخلت پسند نہیں ہے آج خوشی کا موقع ہے اس لئے تمہیں کچھ نہیں کہا جا رہا۔''

ریحان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور پاؤں بھی آزاد ہو گئے پھر اس نے لڑکوں کو دیکھا تو وہ دونوں ریحان کے دائیں بائیں ہو گئے۔ ''چلو آج ہماری تقریب بھی دیکھا اور کھانا بھی کھاؤ۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر جب سامنے چلے تو سامنے کا سارا منظر ہی بدلا تھا۔

میدان میں بہت بڑا اور خوبصورت شامیانہ لگا ہوا تھا بہت زیادہ روشنی تھی لوگوں کی چہل پہل نظر آئی جبکہ چند لمحے قبل ایسا نہیں تھا، وہ لڑکے اسے لے کر شامیانے میں آ گئے۔

ریحان کے آتے ہی تمام حاضرین جو کہ بہت دراز قامت اور وجیہہ و حسین تھے مڑ کر ریحان کو غور سے دیکھا پھر تقریب میں متوجہ ہو گئے کرسیوں کی بجائے زمین پر خوبصورت دبیز قالین بچھے ہوئے تھے مختلف تکیے لگائے لوگ باتوں اور کھانے میں مشغول تھے۔ ریحان بہت حیرانی سے یہ سب دیکھ رہا تھا دونوں لڑکے اسے اسٹیج کے قریب زمینی نشست پر بیٹھا گئے، اسٹیج پر بہت رنگ و روشنی تھی ایک جوان دلہا بنا بیٹھا تھا اس کے بائیں جانب ایک نہایت بارعب اور پروقار سفید ریش بزرگ

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

باقی سب امتیازی لباس میں بیٹھے تھے جبکہ دائیں طرف نہایت خوش رنگ سبز اور سنہرے لباس میں گھونگھٹ ڈالے غالباً دلہن ہی تھی۔

اتنے میں وہی دونوں لڑکے دو سنہرے طشتوں میں کھانا اور مشروب لے آئے اور ریحان کے سامنے رکھا ریحان کا اعتماد اب تک لوٹ آیا تھا اب وہ بہت سکون محسوس کر رہا تھا اس نے کھانے سے قبل اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے سے سوال کیا۔ ''بھائی آپ کا نام کیا ہے آپ جنات لگتے ہو؟''

لڑکا مسکرایا اور کہا۔ ''میرا نام ابوبکر ہے اور ہم واقعی جنات ہیں آپ کی طرح مسلمان بھی یہ دلہا کے ساتھ جو بیٹھے ہیں وہ ہمارے سردار ہیں ان کی اجازت سے آپ کو آنے دیا گیا۔''

ریحان سوچنے لگا کہ ''وہ بن بلایا تقریب میں آ گیا ہے کھانا بھی سامنے رکھا ہے اب تحفہ دیئے بغیر جاؤں تو برا لگے گا۔'' اب وہ جنات کو سلامی میں پیسے دینے سے تو رہا دوسری طرف بیٹھے لڑکے نے کہا۔ ''کھایئے کھانا آپ کے لئے ہے۔'' اس نے کھانا دیکھا تو چاول گوشت اور کچھ نہ سمجھ آنے والی چیزیں تھیں۔ خیر اس نے کھایا تو بہت مزے کا لگا پھر اسے خود بھی پتہ نہیں چلا اور وہ سب کھا گیا آخر میں عنابی سا مشروب بھی پی لیا۔

ریحان نے اب تک بہت سے اعلیٰ اور مہنگے ہوٹلز کا کھانا کھایا تھا لیکن اس کھانے کی بات بالکل الگ تھی کھانے کے بعد اسے یاد آیا کہ صبح آتے ہوئے اس نے اپنی بہن کے لئے ڈائمنڈ کی رنگ خریدی تھی۔ اسے دینے کے لئے جو اس کی گاڑی کے ڈیش بورڈ میں رکھی ہے اس نے ابوبکر سے کہا ''بھائی سڑک پر میری گاڑی کھڑی ہے اس کے ڈیش بورڈ میں ایک تحفہ رکھا ہے براہ کرم آپ جلدی لا سکتے ہو مجھے وقت لگے لگا آپ لا دیں۔'' وہ مسکرایا اور اس کے سامنے سے غائب ہو گیا چند سیکنڈ کے بعد وہ اس کے ساتھ بیٹھا نظر آیا اور ڈبیہ اس کے ہاتھ میں دے دی۔

ریحان نے اس سے کہا۔ ''بھائی بہت رات ہو رہی ہے میرے گھر والے فکرمند ہو رہے ہوں گے یہاں موبائل کے سگنلز بھی کام نہیں کر رہے مجھے اب اجازت دیں اور یہ رنگ میری طرف سے دلہن کو دے دیں مجھے اتفاقاً اس شادی میں شرکت کا موقع ملا ہے ورنہ میں کوئی اچھا تحفہ لاتا ابھی اسے قبول کریں کیونکہ یہ میں نے بہن کے لئے لی تھی یہ دلہن بھی میری بہن کی طرح ہیں ابھی یہی تحفہ قبول کر لیں۔''

اس لڑکے نے ریحان کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود اسٹیج پر جا کر سردار سے سرگوشی میں بات کرنے لگا، ریحان نے دیکھا کہ تمام لوگ کھانا کھا چکے ہیں برتن غائب ہو چکے تھے اب شاید رخصتی ہونے والی تھی ابوبکر واپس آ کر اسے اسٹیج پر لے گیا اور کہا ''دلہن کو تحفہ خود دو۔'' اس نے پہلے دلہا سے مصافحہ کیا اور شادی کی مبارک باد دی پھر رنگ والی ڈبیہ دلہا ہی کو دے کر کہا ''آپ کی دلہن کے لئے ہے۔''

وہ اسٹیج سے اترا تو ابوبکر اسے لے کر پنڈال سے باہر آ گیا، ریحان نے ان کی میزبانی اور مہربانی دونوں کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے جانے کی اجازت چاہی تو اس نے کہا ''آپ جائیں لیکن پلٹ کر مت دیکھئے گا۔''

''ریحان سیدھا سڑک کی طرف گیا گاڑی میں بیٹھا اور زن سے گاڑی بھگا لی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ طلسم ہوش ربا کا نام تو یونہی بدنام ہے حقیقی زندگی تو اس سے بھی زیادہ ہوش ربا ہے۔

☆.....☆.....☆

غیاث احمد کے گھر پر ان کا بھائی بھاوج اور ان کی بڑی بیٹی آئے ہوئے تھے ان کا ارادہ تھا کہ اب وہ بات طے کر کے ہی اٹھیں گے صغریٰ کو یہ زعم تھا کہ کم صورت زبیدہ بھلا خاندان میں کہاں لگنے والی ہے یہ رشتہ اسی کے بیٹے سے ہوگا۔ غیاث اور ان کی بیوی کو ماسٹر صاحب کی ہدایت یاد تھی وہ خود بھی روز، روز کی حاضریوں سے تنگ آ چکے تھے، انہوں نے بات کے آغاز میں ہی بھائی اور بھاوج کو کہا۔ ''عمر کی تعلیم تو نہ

ہونے کے برابر ہے دوسرا وہ تک کر کبھی کوئی کام نہیں کرتا اور سب سے اہم کے اماں اس رشتے سے انکاری ہیں وہ معذرت چاہتے ہیں اس بات کو یہیں ختم کیا جائے۔''

یہ جواب ان کی توقع کے برعکس تھا نیاز احمد نے اس بات کو پھر بھی تحمل سے سنا جبکہ صغریٰ سراپا آتش بن گئی۔ ''بھائی غیاث تم اپنے بھتیجے کو ٹھکرا رہے ہو تم خود نہیں جانتے کہ تم نے کیا کرلیا ہے اب بھی وقت ہے کہ مان جاؤ ورنہ تم اپنی بیٹی کی خوشیوں کو ترسو گے، رہ گئی تمہاری ماں تو سب سے پہلے اس کا علاج ہوگا بڈھی بیٹے کی دولت اور پوتی کی پڑھائیوں پر اکڑ گئی ہے اس کی اکڑ کی ایسی کی تیسی۔'' اس کے بعد صغریٰ رکی نہیں اور چلاتی رہی مجبوراً نیاز احمد خود ہی بیوی کو کھینچ تان کر واپس لے گیا۔

جبکہ وہ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے انہیں اس طوفان بدتمیزی سے بہت صدمہ پہنچا تھا انہوں نے اس کی دھمکیوں کو ردعمل سمجھا جبکہ وہ تو دنیاوی معمولی فائدہ کے لئے اپنی دولت ایمان پہلے ہی لٹا چکی تھی مزید زندگیوں سے کھیلنا اس کے لئے کیا مشکل تھا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد زبیدہ دادی کے ساتھ واپس آگئی کیونکہ وہ فائنل پیپرز دے کر فارغ ہوچکی تھی ماں باپ اپنی بیٹی کو دیکھ کر کھل اٹھے بہت سخت محنت کے بعد زبیدہ کی صحت کچھ کم ہوچکی تھی ماں کی نظروں نے فوراً بیٹی کی بلائیں لے لیں سب سے پہلے اس کی غذا بہتر کی دن رات کا آرام دیا دادی تو ہر وقت یہی کہتی تھیں۔ ''اری راحت اسے کچھ اصلی گھی کھلا میووں کی پنجیری بنا کردے۔ دن رات پڑھ پڑھ کر میری نصیبوں والی نے دماغ خشک کرلیا ہے اب اسے کسی کتاب کو ہاتھ نہ لاگنے دینا ورنہ تمہاری خیر نہیں۔''

اور زبیدہ ماں اور دادی کی محبتوں پر اللہ کا شکر بجالاتی کہ اسے پروردگار نے اتنے محبت کرنے والے عطا کئے۔

اس کی آمد کا سن کر ماسٹر صاحب بھی چلے آئے زبیدہ تایا کو دیکھتے ہی بھاگ کر جا ملی وہ بھی اس کی پسند کی مٹھائی ساتھ لائے تھے اپنے پاس بیٹھا کر خود کھلاتے رہے۔

غرض زبیدہ کے پڑھائی کی وجہ سے دور جانے سے جو جمود بن گیا تھا وہ ٹوٹ گیا اس کے بھائی بھی بہن کی خاطر مدارت میں لگے ہوئے تھے، وہی دن رات لوٹ آئے زبیدہ اپنے بھائیوں کے لئے ڈھیروں شاپنگ کرکے لائی تھی اپنی خوشیوں بھرے دنوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور زبیدہ کے رزلٹ کا دن آ گیا۔

وہ یونیورسٹی واپس آئی تو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے پورے ڈپارٹمنٹ میں دوسری پوزیشن لی ہے اسے ہر طرف سے مبارک بادیں وصول ہونے لگیں غیاث احمد خود صرف میٹرک پاس تھے لیکن بیٹی کی کامیابیوں نے انہیں ایک الگ جہان دکھا دیا جہاں بیٹی کو ملنے والی عزت اور اعزاز سے انہیں تعلیم کی اہمیت کا پتہ چلا وہ اب بیٹوں کی تعلیم کی خود نگرانی کرنے اور انہیں ترغیب دیتے کہ وہ بھی بہن کی طرح کامیابیاں سمیٹیں۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ بیٹی کو اس کے گھر کا کردیں لیکن زبیدہ نے مزید تعلیم کا کہہ کر اس سوچ کا دائرہ تنگ کردیا مگر اب وہ طے کرچکے تھے کہ وہ بیٹی کو تعلیم بھی دلائیں گے اور ساتھ ساتھ مناسب جگہ پر بات طے کرکے اس کی شادی کی تیاری بھی کرتے رہیں گے انہوں نے بیوی اور ماں سے مشورہ کیا تو انہوں نے شادی کے فیصلے کو ترجیح دی لیکن غیاث احمد نے انہیں قائل کرلیا۔

☆.....☆.....☆

ریحان خیریت سے گھر پہنچ گیا تاخیر کے لئے اس نے بہانہ کردیا لیکن جنات کی شادی میں شرکت ایک خوبصورت احساس بن کر اس کے حواسوں پر چھائی رہی اسی بات نے اسے یاد دلایا کہ وہ روحانی قوتوں کے حصول کی کوشش میں لگے اگرچہ اس کا زیادہ تر وقت اس کی پیشہ وارانہ خدمات میں جاتا تھا لیکن اس نے خود کوشش کرکے وقت نکالا بہت سے لوگوں سے ملاحتیٰ کہ اسے مزارات پر بھی جانا پڑا لیکن بہت چھان پھٹک کے بعد اسے دو ایک قابل استاد ملے جن سے اس نے

اپنی تربیت کا آغاز کیا۔

اس کا زیادہ وقت ایک بزرگ سید احسان اللہ کے ساتھ گزرتا، جنہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ وہ کلام پاک حفظ کرے۔ ریحان کے لئے یہ چنداں مشکل ثابت نہ ہوا اس نے انہی سے حفظ شروع کردیا اور ساتھ ساتھ وہ دیگر چلے اور مجاہدے بھی کرتا رہا۔

تقریباً ایک سال میں اس نے حفظ بھی کرلیا اور کافی حد تک روحانی تعلیم بھی حاصل کرلی۔

سید صاحب نے اسے آسیب زدہ انسانوں اور جگہوں کی شناخت سکھائی جادوٹونہ کے توڑ اور اثرات، بندش وغیرہ سب پر سیر حاصل علم بخشا۔

ابھی اس کی تربیت جاری تھی کہ سید صاحب کا انتقال ہوگیا اسے بہت افسوس ہوا اپنے استاد کے انتقال اور اپنی تربیت ادھوری رہنے کا، بہرحال اس نے پھر سے تلاش شروع کردی۔

اپنے محترم استاد کے ساتھ رہ کر اس نے شعائر اسلام پوری طرح اپنا لئے کہ وہ رزق حلال پر سختی سے قائم ہوگیا، ساتھ ہی صوم وصلوٰۃ کی پابندی شروع کردی گھر والے اس کی اس تبدیلی سے کچھ خائف ہوگئے کہ کہیں ریحان اپنی اصل منزل سے تو ہٹتا نہیں جارہا لیکن اس نے انہیں مطمئن کردیا کہ وہ بس ممکن حد تک اپنے فرائض پورے کرنے کی کوشش کررہا ہے باقاعدہ عمامہ داڑھی والا مولانا نہیں جارہا۔

اسی دوران اس کا اپنے والدین کے ہمراہ عمرہ کا ارادہ بن گیا وہ عمرہ کے لئے بیت اللہ کا سفر کیا دوران عمرہ اس کی ملاقات ایک بیس بیس برس کے نوجوان سے ہوئی وہ بہت کم عمر مگر بہت نورانی چہرے کا لڑکا تھا اس نے خود ریحان کو مخاطب کیا اور چند رسمی جملوں کے بعد ریحان کو یہ کہہ کر حیران کردیا کہ ”ریحان بھائی لگتا ہے کہ روحانی خدمات کے لئے کسی رہبر کی تلاش میں ہیں۔“

ریحان نے حیرانی سے سوال کیا۔ ”آپ کیسے جانتے ہیں؟“

اس نے کہا۔ ”میں بھی ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جہاں ہر دور میں ایک مسیحا لازمی ہوتا ہے میں چودہ برس کی عمر سے اپنے دادا کے زیر تربیت رہا کیونکہ میرے والد نے اس طرف آنا پسند نہیں کیا اس لئے دادا نے تمام علم مجھے منتقل کیا یہاں تک کہ دو ماہ قبل ان کا انتقال ہوچکا ہے میں نے صرف علم ہی حاصل نہیں کیا بلکہ مجھے بہت سی اہم ہستیوں کی تائید اور رہنمائی بھی حاصل ہے جو اس جہان مادی سے جاچکے ہیں اگر آپ کو پسند ہو تو میں آپ کی ادھوری تعلیم مکمل کروادیتا ہوں۔“

ریحان اس کی کم عمری اور اس کا اس تک خود پہنچنے سے ہی خاصا متاثر ہوچکا تھا پھر باقی باتوں کا کیا ذکر۔

عمرہ کی ادائیگی کے بعد وہ مسلسل اس کے ساتھ رابطے میں رہا نوجوان جس کا نام علی احمد تھا اس نے ریحان کی خاطر دبئی رہائش اختیار کرلی جہاں ریحان تھا خود اس کا تعلق بلوچستان کے ایک دور افتادہ دیہات سے تھا اس کے ساتھ رہ کر ریحان کو احساس ہوا کہ علی احمد کی ذات میں کچھ خاص ہے۔

اس نے اگرچہ ایک مختصر مدت میں ریحان کو بہت کچھ سیکھا کر کامل ہونے کی سند دے دی لیکن خود اسکی ذات ایک معمہ ہی رہی کیونکہ اس ترقی یافتہ دور میں اتنے پاکیزہ اوصاف والا بندہ ملنا یا ہونا ناممکن لگتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد ریحان کی آگہی اور اختیار مکمل ہوگیا۔

علی احمد نے ریحان سے وقت رخصت ایک بہت اہم بات کہی۔ ”ریحان بھائی آپ موجودہ دور کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابل نوجوان سرجن ہو، آپ نے اتنی تگ ودو روحانی علوم کے حصول کے لئے کی ہے کیا آپ نے خود سوچا ہے کہ اب جب آپ کامل ہوگئے ہیں تو آگے اسے استعمال میں بھی لائیں گے کیا یہ پیسے کے حصول کے لئے کریں گے یا پھر صرف بھلائی کے لئے۔“

ریحان نے جواب دیا۔ ”علی بات یہ ہے کہ ہمارے بڑوں نے ہمارے لئے بہت کچھ بنا اور جمع کررکھا ہے میں خود لاکھوں کماتا ہوں پیسہ میرا نہ مسئلہ

ہے اور نہ مقصد یہ ایک اتفاقی شوق تھا جس کے لئے راہیں خود ہی ہموار ہوتی گئیں میں خود اشتہار بننا نہیں چاہوں گا کہ لوگ آئیں اور میں ان کے مسائل حل کروں اس طرح میرا جاب اور زندگی دونوں متاثر ہوں گے میں صرف اس دنیا کے رازوں کو جاننا چاہوں گا اپنے علاوہ جو ہمارے اردگرد بستے ہیں اور باقی لوگ ان کی موجودگی سے لاعلم ہوتے ہیں انہیں جاننے کی کوشش کروں گا۔ میں دوسری قسم کی شہرت نہیں چاہتا۔ تم ایسا سمجھ لو کہ اتفاقاً اگر کوئی بات میرے سامنے آتی ہے تو اس کے لئے کچھ کروں گا جیسا میں اپنے پاس آنے والے مریضوں کے لئے کرتا ہوں۔'' اس کے بعد علی احمد بلوچستان چلا گیا اور ریحان اپنے روٹین کے کاموں میں لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

زبیدہ آج کل فراغت کے مزے لے رہی تھی اس نے ماں کے ساتھ گھر گرہستی کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹانا شروع کر رکھا تھا کہ ایک شام دادی کی طبیعت خراب ہوگئی وہ خاصی تندرست اور جسمانی لحاظ سے ٹھیک تھیں پھر بھی اچانک سے ان کی طبیعت بگڑنے لگی وہ دونوں گھبرا گئیں انہوں نے پہلے نعیم کو ڈاکٹر لانے بھیجا اور پھر غیاث احمد کو کال کر کے اڈے سے آنے کا کہا۔ ڈاکٹر کے آنے تک دادی بے حال ہو چکی تھیں وہ سینے پر ہاتھ رکھے تکلیف سے لوٹ پوٹ ہونے لگیں۔

ڈاکٹر آیا اور اس نے ان کا تفصیل سے معائنہ کیا بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی پھر ایک دم سے انہیں متلی ہوئی اور انہوں نے قے کی جو خون آمیز تھی۔

غیاث احمد بھی ماں کی بیماری کا سن کر آندھی اور طوفان کی طرح آن پہنچے ڈاکٹر نے انہیں دوا انجکشن لگائے دوائیں لکھیں اور ہدایات دے کر چلا گیا ڈاکٹر کے علاج سے وہ کچھ دیر کو پرسکون ہوئیں اور سو گئیں تمام اہل خانہ پریشان تھے رات کا کھانا بھی ڈھنگ سے کھایا نہ جا سکا۔

آدھی رات میں وہ پھر تکلیف سے تڑپنے لگیں زبیدہ اور اس کی ماں ان کے پاس ہی تھیں سنبھالنے تک انہیں ایک بڑی خون آلود قے ہوئی اس کے بعد وہ بے سدھ ہو گئیں۔

زبیدہ نے والد کو بلایا، انہوں نے ماں کو ہر طرح سے دیکھا تو لگا کہ انکا انتقال ہو گیا ہے وہ پریشان ہو گئے انہوں نے اپنے پڑوسی کو فون کر کے بلوایا تو پڑوسی نے بھی ان کے خدشات کی تصدیق کر دی۔

یہ تاریک رات ان سب کی زندگی کی بھی تاریک رات بن گئی نجانے یہ کیسی بیماری تھی جس سے انہیں چند گھنٹوں میں ملک عدم روانہ کر دیا، نہ وہ کوئی بات کہہ سکیں اور نہ کوئی ان سے کہہ سکا جلد ہی یہ خبر تمام برادری میں پھیل گئی بہت سے لوگ اسی وقت آ گئے جبکہ بیشتر اس ناگہانی پر حیران تھے کہ بھلا کوئی یوں بھی آناً فاناً دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ وہ بیمار تھیں نہ کوئی دیرینہ مرض پھر اچانک وفات کا سبب کیا ہو سکتا ہے، خود غیاث احمد اور ذکیہ بھی اس ناگہانی کی وجہ نہ جان سکے ماسٹر غلام رسول اور ان کے اہل خانہ نے اس دکھ کی گھڑی میں لمحہ لمحہ ساتھ دیا ان کے بیٹوں نے تمام رسومات میں حصہ لے کر غیاث احمد کی مشکلات آسان کیں وہ خود تو کسی قابل نہ رہ گئے تھے ذکیہ بہت ممنون تھیں کہ ماسٹر صاحب نے بڑے ہونے کا فرض نبھایا ابتداء میں تو غم بہت بڑا لگتا ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ زندگی معمول پر آتی جاتی ہے۔

یہاں بھی پہلے تو فضا سوگ اور ماتم سے لبریز رہی پھر رفتہ رفتہ صبر آتا گیا یوں ان کے چہلم کے بعد بہت حد تک غم ہلکا ہو گیا۔

زبیدہ نے یونیورسٹی جا کر اپنے نتائج معلوم کئے کیونکہ اب نتائج آ چکے تھے حسب سابق اس بار بھی اس نے شاندار رزلٹ کے ساتھ اولیت حاصل کی اور اپنے ڈپارٹمنٹ میں اول رہی لیکن دادی کی وجہ سے اس خوشی کا رنگ پھیکا رہا۔ وہ واپس آ گئی ابھی اس نے فیصلہ کرنا تھا کہ آگے تعلیم جاری رکھے یا نہیں کہ خود اسے مصائب نے گھیر لیا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

زبیدہ جیسے ہی رزلٹ لے کر واپس گھر آئی تو اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی سی آ گئی اور سر بھاری ہوگیا بھولی ماں سمجھی کہ تعلیم کے اضافی بوجھ کی وجہ سے سر چکرا رہا ہے اس لئے خاطر مدارت میں لگ گئی، رات تک طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو وہ نماز ادا کر کے سونے چلی گئی، رات دو بجے کے قریب اسے اپنے کمرے میں بہت بڑے دھماکے جیسی آواز سنائی دی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی سامنے نظر گئی تو ایک بھیانک اور کریہہ صورت دکھائی دی زبیدہ اتنی خوف زدہ ہوئی کہ زور سے چیخی اس کی چیخ سن کر والدین بھاگ کر آئے پھر اسکی جو ابتر حالات دیکھی تو گھبرا گئے پانی پلایا باپ نے خود سے لگا کر سر سہلایا اور ماں ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئی سبھی یہی سمجھے کہ خواب میں ڈر گئی ہے پھر اس کی والدہ ذکیہ اس کے ساتھ سو گئیں۔ مگر یہ ابتداء تھی اس کے بعد یہ سلسلہ ہی چل نکلا زبیدہ کے سر کی تکلیف وقفے وقفے سے اٹھتی اور دکھائی دینا بند ہو جاتا پہلے پہل وہ رات میں ڈرتی تو والدہ نے اس کے ساتھ سونا شروع کر دیا، رات کو آیات پڑھ کر دم کرتی رات تو آرام سے گزرنے لگی لیکن پھر دن میں اسے بھیانک صورتیں ڈرانے لگیں۔

رفتہ رفتہ اس کی حالت بہت گمبھیر ہوگئی زبیدہ بہت شائستہ اور نفاست پسند طبیعت کی مالک تھی اگرچہ فیشن کی پروردہ نہیں تھی لیکن جامہ زیب اور صفائی کی دیوانی تھی مگر ان دنوں اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا، ماں خود ہاتھ سے کھلاتی تو کھاتی ورنہ پروا نہ ہوتی نہ نہاتی اور کئی روز تک لباس بھی نہ بدلتی، بات کرو تو کر لیتی ورنہ خاموش رہتی۔

ذکیہ اور غیاث اپنی اکلوتی اور نازوں پلی بچی کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر زندہ درگور ہونے لگے اس کے سر میں جب تکلیف ہوتی تو ساتھ ہی آنکھیں بھی بے نور ہو جاتیں، کئی گھنٹے یہ حالت رہتی پھر خود ہی ٹھیک ہو جاتی انہوں نے مقامی تمام ڈاکٹروں کو دکھایا ہر طرح کے ٹیسٹ ہوئے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔

آخر ایک ڈاکٹر نے انہیں شہر کے اچھے دماغی ماہر سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا، اگلے ہی روز وہ لاہور والے گھر آ گئے غیاث احمد اسی دن جا کر تمام اچھے اسپتال میں بات کی اور پھر ریحان ملک کی شہرت سے متاثر ہو کر اس سے معائنہ کا وقت لیا۔

وقت پر زبیدہ کو زبردستی نہلا دھلا کر تیار کر کے لے گئے ریحان نے زبیدہ کا معائنہ کیا اور سابقہ تمام رپورٹ پڑھی پھر دوبارہ زبیدہ کو چیک کیا اسے کسی خلاف معمول بات کا احساس ہوا اس نے زبیدہ کے والدین سے مختلف سوالات کئے کچھ ذاتی نوعیت کی باتیں جانیں۔ اس کے بعد کچھ حساب کتاب کرتا رہا اور وہی بات معلوم ہوئی جس کا اسے اندیشہ ہوا تھا۔

اس نے ذکیہ اور غیاث سے کہا۔ ''اب جو بات میں آپ سے کہنے والا ہوں وہ آپ کے لئے ناقابل یقین تو نہیں ہوگی مگر سچائی یہی ہے کہ آپ کی بیٹی پر جادو کروایا گیا ہے۔''

وہ دونوں ایک لمحے کو سناٹے میں آ گئے بات ہی کچھ ایسی تھی لیکن کہنے والا اس بات سے بھی زیادہ عجیب کیونکہ اب تک ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا کہ کسی ڈاکٹر نے اپنے مریض کے بارے میں ایسا کہا ہو کہ ''اسے جسمانی بیماری نہیں بلکہ اس پر جادو کا اثر ہے۔''

غیاث احمد چند لمحے ساکت بیٹھے رہ گئے پھر ان کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ ''ڈاکٹر صاحب آپ کے بارے میں جہاں تک علم ہے کہ آپ امریکہ سے دماغی امراض کے علاج کی اعلیٰ سند لے کر آئے ہیں آپ جوان اور روشن خیال رکھتے ہیں پھر یہ کیا بات کہی آپ نے۔''

ریحان اپنی نشست سے پہلو بدل کر ان کی جانب جھک کر بولا۔ ''آپ نے جو میرے بارے میں کہا وہ درست ہے لیکن آپ کو قائل کرنا بہت وقت طلب کام ہے یہاں میں اس بات کا متحمل نہیں کہ اتنا وقت دے سکوں آپ میرے پاس آئے ہیں تو آپ کی بیٹی کا علاج انشاء میں ہی کروں گا آپ کا قیام اگر اسی شہر میں ہے تو اپنا پتہ اور نمبر مجھے لکھ دیں میں آج رات کو خود

آ کر آپ سے ملتا ہوں تاکہ تفصیل سے بات اور علاج ہو سکے آپ براہ کرم کسی اور معالج سے رابطہ مت کریں صرف میں ہی مس زبیدہ کا علاج کردوں گا۔“

ذکیہ نے غیاث احمد کو تذبذب میں دیکھا تو جھٹ خود سامنے رکھے کاغذ پر گھر کا پتہ اور سیل نمبر لکھ کر دیا اور کہا ”بیٹا میں آپ کی منتظر رہوں گی بس آپ آنا بھول مت جانا۔“

ریحان نے خود کھڑے ہو کر انہیں رخصت کیا اور یقین دہانی کروائی وہ دونوں زبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر واپس ہو لئے۔

رات تک کا وقت بہت وحشت اور اذیت کے ساتھ کٹا، دونوں کو یہ بات سکون نہیں لینے دے رہی تھی کہ ان کی بیٹی جادو کا شکار ہے اور اس امر سے آگاہ کرنے والے کا انتظار بھی لمحہ لمحہ گن گن کر ہو رہا تھا۔

تقریباً نو بجے ذکیہ کے نمبر پر ریحان نے کہا کہ وہ آ رہا ہے۔

ذکیہ نے رات کے کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا نعیم کو غیاث احمد کے ساتھ باہر گیٹ پر کھڑا کر دیا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو بدست لے آئیں۔

قریب سوا نو بجے ریحان ان کے گھر میں داخل ہو رہا تھا، غیاث احمد صبح سے اب تک خود کو سنبھال چکے تھے انہوں نے تپاک سے ریحان کو اندر بلایا۔

نعیم نے لاؤنج میں بیٹھایا پہلے ڈرنک پلایا اب تک صرف رسمی باتیں ہو رہی تھیں اسی اثناء میں ذکیہ بیگم نے کھانا لگا دیا اور خود کہنے آ گئیں۔

ریحان نے بہت انکار کیا مگر ان سب کے اصرار پر آ کر کھانے کی میز پر بیٹھ گیا۔

غیاث احمد سوچ رہے تھے کہ ضرور کوئی تشویش والی بات ہے تو ہی اتنے نامی گرامی شخصیت ان کے گھر تک آئی ہے۔ زبیدہ کو بھی کھانے پر بیٹھایا گیا لیکن اس کی توجہ نہ تو ریحان کی طرف گئی اور نہ ہی دلچسپی سے کھانا کھایا۔

بہرحال کھانے کے بعد زبیدہ سمیت سب کے سب دوبارہ لاؤنج میں جمع ہو گئے۔

بات کا آغاز خود ریحان نے کیا اس نے پہلے تو فرداً فرداً سب سے تعارف حاصل کیا پھر بات کا آغاز کیا۔

آج صبح آپ جب اپنی بیٹی کو لے کر میرے پاس آئے تو میں نے اچھی طرح سے دیکھا ان کی سابقہ رپورٹس پڑھی تو معلوم ہوا کہ انہیں کوئی دماغی یا جسمانی عارضہ بالکل نہیں ہے اب آتے ہیں دوسری جانب، میں نے سائنس پڑھی اور باقاعدہ ایک ڈاکٹر اور سرجن ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے روحانی علوم پر پہلے تحقیق کی جب مجھے کچھ سچائی محسوس ہوئی تو میں نے اسے باقاعدہ پڑھا چند مستند ماہرین سے اس پر عبور حاصل کیا اب میں با آسانی یہ شناخت کر سکتا ہوں کہ مریض کو جسمانی مسئلہ ہے یا روحانی۔

بات یہ ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ روحانی مسائل کو کوئی عجوبہ نہیں سمجھتے نا ہی اسے چند مخصوص لوگوں تک محدود کیا ہے بلکہ اسے باقی علوم کی طرح ایک علم اور ایک ضرورت کے تحت پڑھا اور سمجھا جاتا ہے اس کی بہت واضح مثالیں یہودی افریقی اور ہندو لوگ ہیں جنہوں نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا ہے ہم مسلمان اس بارے میں احادیث اور کلام پاک کے ذریعے واضح علم رکھتے ہیں پھر بھی حال یہ ہے کہ ناخواندہ طبقہ یا نیم خواندہ لوگ توہمات میں گھرے پڑے ہیں صرف زبانی جمع خرچ والے افراد پر تکیہ کرتے ہیں اور پڑھا لکھا طبقہ بھی علم نہ ہونے کے سبب اور محض روشن خیال بننے کے لئے ان باتوں سے انکار کرتے ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی کرہ ارض پر آمد کے ساتھ ہی ابلیس لعین بھی آیا تھا تب سے اب تک جادو موجود ہے اور دوسری مخلوقات بھی ہمارے ساتھ ہی ہیں تو کیا اب ایسا ہونا ناممکن ہے، بالکل نہیں بات اتنی ہے کہ ہمارے اہل علم دین حق پر ہونے کے باوجود اسے ترویج نہیں دیتے جبکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے اس میدان میں بھی ناقابل یقین حد تک ترقی کر لی ہے

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

حالانکہ ہمیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔"

غیاث احمد نے سوال کیا۔ "بیٹا ہم نے آپ کی باتوں سے یہ تو سمجھ لیا ہے کہ آپ ڈاکٹر تو ہیں ہی ساتھ ہی اس قسم کے مسائل پر بھی آپ کا علم ہے، آپ ہماری بچی کے لئے کچھ کیجیے یہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے اور بہت قابل بھی، اسے اس حال میں دیکھ کر ہمارے دل کٹتے ہیں، ابھی ہماری والدہ کو گزرے چند دن ہی ہوئے تھے کہ زبیدہ اس حال کو پہنچ گئی۔"

ریحان نے پیپر پنسل لے کر کچھ دیر حساب کتاب کیا پھر غیاث احمد سے بولا۔ "انکل زبیدہ کا علاج ہوجائے گا یہ مشکل نہیں اور آپ کی والدہ کا بھی معلوم کیا تو وہ بھی سفلی علم سے ماری گئی ہیں، یہ سب ایک ہی انسان کررہا ہے، بہتر ہوگا کہ آپ اس کا نام نہ جانیں بلکہ صرف زبیدہ کے علاج پر توجہ مرکوز رکھیں۔"

اس کے بعد ریحان نے اپنے کوٹ کی جیب سے خصوصی قلم نکالا جس میں زعفران اور عرق گلاب کی روشنائی بھری تھی، اس نے دو تین تعویز لکھے اور زبیدہ کی والدہ کو دے کر استعمال کا طریقہ بتایا اور باقی کلام پاک سے ایک سورۃ مبارکہ کو مسلسل پڑھ کر پلانے اور گھر میں پانی چھڑکنے کا کہا۔

آخر میں اس نے خود کو زبیدہ کے کمرے میں جاکر قرآنی آیات پڑھ کر اس پر دم کیا۔

غیاث احمد اس ساری کارروائی میں لب بستہ رہے مگر ذہن مسلسل ایک ہی نقطہ پر مرکوز رہا کہ ایک انتہائی ماڈرن وجیہ شکل نوجوان جو موجودہ تہذیب کا بہترین عکس ہے، وہ وہ کررہا ہے جس کا سوچنا بھی مشکل ہے لیکن دل کو یہ اطمینان بھی تھا کہ اب ان کی بچی ضرور صحت یاب ہوگی۔

زبیدہ کو دیکھنے کے بعد ریحان نے سب سے واپسی کی اجازت چاہی ذکیہ نعیم اور غیاث احمد خود دروازے تک چھوڑنے آئے نکلتے ہوئے ریحان نے کہا کہ "وہ زبیدہ کو دیکھنے وقتاً فوقتاً آتا رہے گا لیکن آخری التجا یہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی صحت یابی کے بعد اس کے بارے میں تشہیر نہیں کریں گے بلکہ خاموشی رکھیں گے، اسے شہرت بالکل نہیں پسند، سب نے اس کی بات کی تائید کی اور رخصت کردیا۔

ذکیہ نے ریحان کی ہدایات پر تندہی سے عمل شروع کردیا، نعیم بھی بہن کی حالت سے خاصہ افسردہ تھا وہ بھی فرصت کا وقت بہن کی دیکھ بھال اور تلاوت میں لگاتا، وہ اسے جلد از جلد پہلے کی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔

شروع کے چند روز کے بعد سے زبیدہ کی حالت میں بہتری آنے لگ گئی اور صرف دو ہفتوں کے بعد وہ مکمل بہتر نظر آنے لگی۔

ریحان نے اس دوران دوبارہ آکر اسے دیکھا اور اس کی بدلتی کیفیت سے بہت خوش ہوا اس کی ہدایت پر ابھی تک روحانی علاج کا سلسلہ جاری تھا۔

ایک دن زبیدہ کی حالت بالکل نارمل تھی اس نے خود نہا کر کپڑے تبدیل کئے اپنی کتابوں پر توجہ دی اور ماں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹایا۔

ذکیہ اس کی اس کیفیت سے بہت خوش تھیں خود اصرار کرکے اسے پارلر لے گئیں اور اس کے چہرے اور بالوں کی حالت ٹھیک کروائی واپسی پر اس کی پسند کی آئس کریم لی کہ گھر جاکر سب مل کر کھائیں گے۔

اس روز اس کے باقی دونوں بھائی بھی بہن سے ملنے آئے ہوئے تھے، وہ ماں بیٹی گھر واپس آئیں تو ریحان کی آمد سے مطلع ہوئیں، ذکیہ تو جاکر لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھ گئیں جبکہ زبیدہ کچن میں جاکر سب کے لئے آئس کریم ٹرے میں رکھ کر لے آئی اور سب کو سرو کی۔

ریحان نے اسے پہلی بار اتنی صحیح اور مکمل حالت میں دیکھا تو بہت اچھا محسوس کیا، ریحان نے اس سے اس کی تعلیم اور دیگر مشاغل کے بارے میں براہ راست گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ بظاہر سادہ سی زبیدہ ذہنی طور پر بہت قابل اور شائستہ مزاج ہے۔

غیاث احمد اور زبیدہ کے بھائی بھی گفتگو کے دوران ریحان اس کی تعلیمی استعداد اور سادگی طبعاً کے

بارے بتاتے رہے۔

ریحان کا وقت محدود تھا کچھ دیر بعد وہ واپسی کے لئے اٹھ گیا لیکن اس ملاقات نے ریحان کی سوچ کو ایک نئی راہ دکھائی۔

وہ شریک حیات میں جو خصوصیات چاہتا تھا زبیدہ میں اس سے کچھ زیادہ ہی تھا جیسی متوازن زندگی چاہتا تھا وہ ممکن نظر آرہی تھی ویسے بھی وہ قبل از شادی محبت سے زیادہ آئندہ زندگی میں افہام وتفہیم چاہتا تھا لیکن غیاث احمد کے اسٹیٹس کو سامنے رکھ کر والدین کو قائل کرنا ناممکن نا سہی مشکل ضرور تھا۔

اسی رات کھانے کے بعد اس نے ماں سے بات کی ردعمل حسب توقع رہا لیکن اس نے اپنی منطقی باتوں سے انہیں قائل کرلیا بلکہ اسے حتمی فیصلہ قرار دیا اگلے روز والد کے سامنے پیشی ہوئی انہوں نے ہلکی پھلکی جرح کے بعد اس کا فیصلہ قبول کرلیا۔

ریحان نے بتایا کہ زبیدہ اس کی پیشنٹ تھی وہ اسی حیثیت سے ملتا رہا ہے البتہ رشتے کے بارے میں اس کی بات بہن سے ہوئی وہ دونوں خود جا کر بات کریں۔

زاہدہ بیگم بیٹی کے ساتھ بیٹے کا فرض نمٹانا چاہتی تھیں سو انہوں نے دیر کرنا مناسب خیال نہ کیا اور دو روز کے بعد وہ پہلے بیٹی کے ہمراہ غیاث احمد کے گھر آئیں جب انہوں نے ریحان کی والدہ کے طور پر تعارف کروایا تو غیاث احمد اور ذکیہ کافی حیران ہوئے انہوں نے زبیدہ سے ملنے کی بات کی تو ذکیہ نے بتایا کہ پہلے وہ بیماری کے سبب یونیورسٹی نہیں جاسکی آج وہ یونیورسٹی گئی ہے ابھی آنے ہی والی ہے۔'' ذکیہ نے کہا۔

زاہدہ بیگم نے ان کے سامنے مدعا رکھا کہ ''وہ ریحان کے رشتے کے لئے آئی ہیں۔'' اس بات پر چونک کر دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کہا کہ ''بیگم صاحبہ ریحان صاحب کے ہم بہت ممنون ہیں کہ ان کے علاج سے ہماری بیٹی آج زندہ سلامت ہے اور جو بھی ان سے ملاقات ہوئی وہ بھی علاج اور مریضہ سے ہٹ کر نہیں ہوئی، یقین نہیں ہورہا کہ ان جیسے عالی مرتبہ جوان نے ہمیں اس قابل سمجھا جبکہ میری بچی بہت سادہ ہے۔''

ابھی یہ بات ہورہی تھی کہ زبیدہ یونیورسٹی سے واپس آگئی، آتے ہی اجنبی مہمانوں سے سامنا ہوا، وہ سلام کرکے پلٹنے والی تھی کہ ذکیہ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

ریحان کی والدہ اور بہن نے زبیدہ پر بھرپور نگاہ ڈالی وہ اپنے سادہ لباس اور چہرے سے یونیورسٹی کی طالبہ معلوم نہیں ہوتی تھی پھر بھی وہ بہت باوقار اور پرکشش نظر آئی زاہدہ بیگم نے اس سے بہت دیر تک گفتگو کی تو وہ بھی متاثر ہوگئیں کیونکہ وہ قابلیت شائستگی کے ساتھ ساتھ معصومیت کا پیکر بھی تھی۔ بہرحال انہوں نے اپنی بیٹی کی متوقع شادی کا بتا کر جلد جواب دینے کی تاکید کی، دوسری طرف غیاث احمد انہیں بار بار اپنی حیثیت کا بتا رہے تھے وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہے تھے کہ آخر ریحان کو زبیدہ میں ایسا کیا دکھائی دیا کہ اس نے شادی کا سوچ لیا، وہ ظاہری طور پر ایسی حسین وجمیل ہے اور نہ ہی میں ایسا رئیس ہوں کہ ان کے ہم پلہ قرار پاؤں۔

مہمانوں کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تلک گہری فکر میں گم رہے، جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو جھینپ کر ریحان کا کارڈ نکالا اور کال کی رسیو ہونے پر رسمی کلمات کے بعد غیاث احمد اصل موضوع کی طرف آگئے ''ریحان بیٹا آپ کی والدہ اور بہن تشریف لائی تھیں کچھ دیر قبل انہوں نے زبیدہ کے متعلق بات کی بیٹا مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کو میری بیٹی کی سادگی اور میری حیثیت کا علم ہے پھر آپ نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا۔''

ریحان نے کہا۔ ''انکل آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے مجھے میرے سرکل میں بے شمار آفرز ہیں لیکن مجھے شادی اپنی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لانے کے لئے کرنی ہے جبکہ یہی اگر والدین کی پسند سے ہوگی تو آنے والی برابری کی بنیاد پر مطالبات کرے گی ویسے بھی مجھے نام نہاد روشن

خیال لڑکیوں کے ڈھنگ پسند نہیں مجھے زبیدہ جیسی لڑکی چاہئے تھی جو مجھے زندگی میں آسانیاں فراہم کر سکے، رہی بات حیثیت کی تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی میرے والدین کو ہوگا، وہ زبیدہ کو بہو کی حیثیت سے لاکر اس کا سبھاؤ دیکھیں گے تو مزید میری پسند کو سراہیں گے، آپ بے فکر ہو کر فیصلہ کریں اور اپنی بیٹی سے بھی رائے لے لیں تاکہ آئندہ جب میری فیملی آئے تو آپ کا فیصلہ جان سکیں۔"

غیاث احمد نے کہا۔ "بیٹا ہم واپس اپنے شہر جا رہے ہیں تاکہ اپنے قریبی عزیزوں سے مشورہ کر سکیں نعیم یہاں ہوگا وہ آپ کو لے آئے گا۔" پھر کال منقطع ہوگئی۔

آگے کا قصہ مختصر غیاث احمد ذکیہ اور بیٹی کے ساتھ واپس آنے آتے ہی ماسٹر صاحب کو بلوایا پہلے تو زبیدہ کی بیماری کی غرض و غایت بتائی پھر علاج کا بھی بتایا آنے والے رشتے کو انہوں نے گھر خود چل کر آنے والی خوش قسمتی قرار دیا اور فوراً قبول کرنے کا مشورہ دیا۔

زبیدہ سے رائے خود ماسٹر صاحب نے لی تو زبیدہ نے کہا۔ "تایا ابو اگر آپ اسے مناسب خیال کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میرا ارادہ ایم فل کرنے کا ہے۔"

ماسٹر صاحب نے کہا۔ "بیٹا تم جس گھرانے میں جا رہی ہو وہ ہمارا خاندان نہیں جو تنگ نظر اور تنگ دل ہوگا، تم بآسانی اپنے شوہر اور سسرال والوں کی اجازت سے تعلیم جاری رکھ سکتی ہو بہتر یہی ہے کہ والدین تمہارے فرض سے سرخرو ہو جائیں۔"

پھر چند روز بعد نعیم نے ماں کو فون کیا کہ آنے والے اتوار کے روز ریحان کے خاندان والے اس کے ہمراہ آ رہے ہیں وہ تیاری رکھیں۔ اس نے بھی ماں سے کہا۔ "امی مجھے ریحان بھائی بہت پسند آئے ہیں اچھا ہوگا کہ آپ ان کا رشتہ قبول کر لیں۔"

ریحان کے گھر والے زبیدہ سے مل کر کسی حد تک مطمئن ہو چکے تھے سو انہوں نے بھی دو تین قریبی عزیزوں کے ہمراہ جا کر بات پکی کرنے کا ارادہ رکھا اگرچہ ریحان کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں لیکن اسے بھی ساتھ آنا پڑا۔

غیاث احمد نے ماسٹر صاحب ان کی بیگم اور ذکیہ بیگم کے دونوں بھائیوں کو بلوایا تاکہ عزیزوں کے سامنے سارا معاملہ طے کیا جائے ساتھ ہی انہوں نے ریحان کے شایان شان اہتمام کیا گھر تو از سر نو سنوارا اور سجایا گیا کھانا کچھ گھر پر تیار ہوا باقی مہنگے ہوٹلز سے منگوایا۔

آنے والے مہمانوں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا پھر رسم دنیا کے مطابق تمام معاملات طے پائے اور ریحان کی بہن کی مقرر ہونے والی تاریخ کے مطابق شادی کی تاریخ طے کر کے دعائے خیر کی گئی اور یوں ایک ماہ کے بعد زبیدہ بیاہ کر ریحان کے گھر آ گئی۔

زبیدہ اگرچہ متوسط طبقے سے طبقہ بالا میں آئی تھی لیکن نیک ہونے کی وجہ سے تمام گھر والے از خود اس کی عزت کرنے لگے، ریحان کی سوچ کے عین مطابق اس نے صالح بیوی اور اچھی بہو کا منصب بخوبی سنبھالا۔

شادی کے ایک ماہ بعد ریحان نے زبیدہ سے پوچھا کہ "اب اس کا ایم فل کا ایڈمیشن کروایا جائے۔"

تو زبیدہ نے کہا۔ "نہیں ریحان میں نے جتنا دنیاوی علم حاصل کر لیا وہ کافی ہے، اب اس علم کو حاصل کرنا چاہتی ہوں جس میں حاصل کرنے والے کا بھی فائدہ ہے اور انسانوں کے لئے فلاح بھی یعنی روحانی علم۔" وہ اب اپنے شوہر کے شوق کو اختیار کرنا چاہتی ہے یعنی وہ خود روحانی معالج بنے گی۔ ریحان اگر میں کمیسٹری میں پی ایچ ڈی کر بھی لوں تو اس سے آئندہ پیشہ وارانہ زندگی سے عائلی زندگی متاثر ہوگی جبکہ آپ خود یہ کہتے ہیں کہ ہم روحانی علوم میں باقی اقوام سے پیچھے رہ گئے ہیں تو کیوں نا میں اس کی ابتدا کروں۔

ریحان نے کہا "تم جو چاہو گی میں یقیناً ساتھ دوں گا۔"

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

جیت

بلقیس خان۔ پشاور

سارے جنات کھڑے کھڑے کانپ رہے تھے پھر اچانک وہ اپنی جگہ سے غائب ہو گئے اور کسی ان دیکھی جگہ کی طرف محو پرواز ہو گئے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انسان سے ان کا مڈ بھیڑ ہو جائے کیونکہ.....

حقیقت سے چشم پوشی انسان کو اذیت میں ڈال دیتی ہے کیا یہ حقیقت ہے؟ ثبوت کہانی میں ہے

وہ بہت لمبا چوڑا چوکور کشادہ غار تھا رات کافی گہری ہوگئی تھی۔ چاند اپنی روشنی زمین پر بکھیر رہا تھا اور ستارے ٹمٹماتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان کے جسموں کے ساتھ، سفید اور نیلے رنگ کی دھوئیں کی چادر لپٹی ہوئی تھی جن کی نیلگوں روشنی سے، سارا غار روشن ہو رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ سب ایک طرح کے ہیں لیکن ان میں ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ تیزی سے اپنی ہیت تبدیل کر سکتے ہیں۔''

درمیان سے ایک ہیولہ نے کہا وہ براہ راست اس ہیولے سے مخاطب تھا جو نمایاں جگہ پر بیٹھا تھا اور سب سے نمایاں تھا۔ وہ یقیناً سردار لگتا تھا۔

''تم یہ کن بنیاد پر کہتا رہے ہو؟'' سردار کے قریب جو ہیولہ موجود تھا اس نے سوال کیا۔ ہلکے نیلے روشنی میں اس کا بدن کافی نحیف و نزار تھا اور جب اس نے منہ کھولا

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

تو ایک لمبی داڑھی کے ہلنے جلنے کا احساس ہوا۔

بولنے والے نے جواب دیا۔ ''جب وہ آسمان سے نازل ہوا تو میں باہر کھلے ویرانے میں اپنی سرحدوں کی نگرانی کر رہا تھا پہلے میرا خیال تھا کہ ہمارے قبیلے کے حریف لوگوں نے یہ گھٹیا حرکت کی ہے لیکن جلد ہی مجھے اپنی رائے بدلنی پڑی۔ کیونکہ آنے والے کا بدن ہمارے حریفوں سے بہت مختلف تھا وہ ٹھیک وہیں اترا تھا۔ جہاں سے ہماری سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں پھر میں ڈر گیا لیکن پھر اپنے آپ پر قابو پا کر خود کو حواس باختہ ہونے سے بچایا، پھر میری نظروں کے سامنے ہی اس نے اپنی ہیئت بدلنا شروع کی اور یکے بعد دیگرے کئی حصوں میں بٹ گیا۔ اس میں سے اس جیسے کئی اور نکل کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور پھر میرا وہاں کھڑا رہنا ناممکن ہو گیا تو میں نے فوراً یہاں آ کر سب سے پہلے وزیر مملکت کو اطلاع پہنچائی۔

''ہوں.....!'' نمایاں ہونے والے ہیولے نے مڑ کر اپنے پاس نحیف الجثہ وزیر کو دیکھا اور پھر اسے حکمیہ لہجے میں کہا۔

''بابا جان وہ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کیسے ہیں؟ ان کی خاصیتیں کیا ہیں؟ ان کی اصلیت کیا ہیں؟ میں ان کے خلاف کارروائی کیسے کر سکتا ہوں۔''

بوڑھا وزیر جیسے کچھ دیر مراقبے کی حالت میں رہا۔ پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔

''ہاں تم درست سوال پوچھ رہے ہو۔ تم یقیناً ان نو واردوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے! لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میری عمر بہت لمبی ہے اور میں ان کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں اور اس مخلوق سے واقف ہوں، گو کہ ان باتوں کو بہت لمبا عرصہ گزر چکا ہے پھر بھی یادداشت کے سہارے تمہیں بتاؤں گا۔'' اس نے رک کر کچھ سوچا پھر بتانے لگا۔

''یہ ہزار سال قبل یا اس سے کچھ پہلے کی بات ہے۔''

ان دنوں ہمارے قبائل اور ان نو واردوں کے مسکن ایک ہی سرزمین پر ہوتے تھے وہاں ہر طرف ویرانیوں کا راج تھا پانی، جنگل، پہاڑ چار سو موجود تھے، لق ودق صحراؤں کی کوئی کمی نہ تھی دوسرے لفظوں میں وہ سرزمین ہمارے لئے کسی جنت سے کم نہ تھی ہماری کوشش شروع سے یہی تھی، کہ ہم ان نو واردوں سے پرے آباد ہوں۔ ہمارے پاس اس مخلوق سے بہتر طاقتیں تھیں ان دنوں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔

ان لوگوں میں ایسی کوئی صلاحیت موجود نہیں تھی کہ وہ دفعتاً خود کو بڑی مقدار میں بڑھا سکیں اس وقت وہ لوگ ہمارے رحم وکرم پر تھے اگر ہمارا کوئی ساتھی، ان کو تنگ کرتا، تو وہ لوگ خود اتنے خوف زدہ ہو جاتے، کہ ڈر سے ان کی جان نکل جاتی، اور نہ ان دنوں ان لوگوں میں ایسی کوئی صلاحیت موجود تھی کہ وہ ہماری طرح اڑ سکیں، یا پھر ہمارے جیسے غائب ہو جائیں۔

اگر کوئی ہماری بستیوں میں آ جاتا تو ہم ان کا ناطقہ بند کر دیتے، سچ تو یہ ہے کہ وہ مخلوق ہمارے نام سے بدکتی تھی اور ہماری وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔'' رک کر بوڑھے نے اپنی توانائیاں جمع کیں اور پھر بھولا۔

''مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے دیکھا کہ وہ مخلوق ہاتھ پیر کھول رہی تھی ان کی ترقی کی رفتار بہت تیز تھی وہ تیزی سے تعداد میں بڑھ رہی تھی اور وہ ویرانے بیابان، جہاں جہاں ہم آباد تھے ہمارے مسکن تھے آہستہ آہستہ ان کے وجود کے سبب آبادیوں میں تبدیل ہوتے گئے۔

ہمارے لئے یہ صورتحال بہت مخدوش تھی اور ہم نے اس کی تدارک کی سبب ڈھونڈا، میں نے پہلے بتایا کہ ہماری صلاحیتوں جیسی ان کے اندر کوئی بات نہ تھی ہم نے اپنے چند رفقاء کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے ان کے قبیلے کے کچھ اشخاص کے دماغوں پر تسلط کر لیا اور پھر ان کے درمیان زبردست پھوٹ ڈال دی اور اس پھوٹ کے سبب ان کے درمیان جنگوں

اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا ان لڑائیوں کی وجہ سے ان میں قبیلے بننے لگے اور آپس میں لڑنے کی وجہ سے جو قبیلے آباد تھے جو ویرانے آباد ہو رہے تھے وہ پھر سے ویران و برباد نظر آنے لگے۔

اور ایک بار پھر ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔''

بوڑھے وزیر نے لمبی سانس لی اور اپنے سلسلہ کلام کو آگے بڑھایا۔

''لیکن ہمارے وہ اطمینان عارضی تھے، اس قوم نے جلد ہی کچھ نئی تدبیریں و ترکیبیں وضع کیں اور ان کے ہاں دوبارہ امن قائم ہوگیا، ہم لوگ بدستور کوشاں تھے اور ان کے سرکردہ لوگوں کے دماغ پر تسلط پانے کی کوشش ہمارے جانب سے جاری تھی۔

اب صورتحال یہ تھی کہ کبھی ہم کامیاب ہو جاتے، اور کبھی نہیں دوسرے لفظوں میں وہ روبہ کمال تھے، ہم روبہ زوال۔

شاید انہیں اس بات کا احساس تھا کہ کوئی اور قبیلہ جن سے وہ واقف نہیں ہیں ان کے خلاف کام کر رہا ہے انہوں نے اس سلسلے میں کچھ کیا، یا نہیں کیا مجھے اس کا زیادہ علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ ہمارے لوگوں میں پہلے بددلی پیدا ہوئی پھر خوف مسلط ہونے لگا تو ہمارے بڑوں نے فیصلہ کیا کہ ہم کائنات کے دوسرے گوشوں کی سمت پرواز کریں اور اپنے لئے ایسے مقامات کا پتہ چلائیں جہاں اس قوم کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

ہماری صلاحیتیں بے پناہ تھیں اور ہم اس وقت کائنات کے ایک ایسے سیارے میں موجود ہیں جسے ہمارے آباؤ اجداد نے دریافت کیا تھا، آپ سب لوگ تو جانتے ہیں کہ یہ کتنی وسیع ہے اور یہاں کتنے کھلے ویرانے ہیں اور کتنے بڑے بڑے غار ہیں لیکن اب.....''

''وہ بوڑھا بولتے بولتے رک گیا جیسے کچھ پریشان سا ہوگیا ہو۔

اس وقت ایک جانب سے کسی نے پوچھا۔''

عجیب رسم

مراکش کے ایک قبیلے میں ایک انوکھی رسم ہے۔ وہاں شادی کے موقع پر مذہبی رہنما ایک تیز دھار چاقو دلہن کی گردن پر رکھ دیتا ہے۔ جب دلہن کے گلے سے خون کا ایک قطرہ ٹپکتا ہے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اس رسم کا مطلب دلہن کو یہ جتانا ہوتا ہے کہ وہ اب شوہر کے رحم و کرم پر ہوگی۔

(انتخاب: شان۔ کراچی)

تو کیا ہماری تمام قوم جو نووارد وں کی سرزمین پر رہتی تھی یہیں آ گئی تھی؟''

''نہیں ہمارے کچھ لوگ ابھی تک وہاں موجود ہیں وہ لوگ بڑے سرکش اور ضدی تھے انہیں اپنا وطن پسند تھا وطن سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے انہیں اپنا وطن کسی طور پر چھوڑنا پسند نہ تھا پھر وہ اس طرح شکست ماننے پر بھی تیار نہ تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ نووارد وں کے قبیلے سے زیادہ طاقتور ہیں۔''

''اور اب وہاں ان کی کیا حالت ہے؟'' پھر اسی سمت سے آواز آئی۔

''کچھ سال پہلے ان میں سے ایک یہاں آیا تھا اس نے ہمیں بتایا کہ نووارد لوگ عجیب عجیب طاقتوں سے لیس ہو چکے ہیں ان کا دماغ عجیب ہے وہ ایسے الفاظ سے آگاہ ہو چکے ہیں جنہیں پڑھ کر وہ ہمیں جلا دیتے ہیں، ہمیں اپنے بس میں کر لیتے ہیں اور تو اور ہم کو غلام بنا کر ہم سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں، ہماری پوری پوری بستیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''

''اگر وہ درست کہتا تھا تو میں یہی کہوں گا، کہ وہ مخلوق بہت طاقتور، خوفناک اور خطرناک ہے ہمارا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔''

''بابا'' یکا یک سردار نے کہا۔ ''تم یہ کہنا چاہتے

ہو کہ ہمیں چپ چاپ بیٹھے رہنے چاہئے ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں چپ چاپ بیٹھے رہنا چاہئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں اس سیارے سے بھی رخصت ہو جانا چاہئے، اب ہمیں دوسرے ویرانے تلاش کرنے ہوں گے اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں کیونکہ وہ یہاں بھی آ پہنچے ہیں۔"

سردار چند لمحے چپ رہا پھر اس نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "بابا تم بہت تجربہ کار ہو، اور ہم آپ کے مشورے پر ہی چلیں گے، تاہم مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی ہے کہ کائنات میں ہم اجنہ سے بھی کوئی طاقتور ہے۔"

"میرے بیٹے یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" بوڑھے نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارے باپ نے اپنے دادا سے اور تم نے اپنے باپ سے اس مخلوق کا تذکرہ نہیں سنا۔ جس کا ذکر میں نے کیا ہے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" سردار نے حیرت سے کہا۔ "میں نے اپنے باپ سے صرف ایک مخلوق کا تذکرہ سنا تھا اور میرے باپ نے کہا تھا کہ وہ اسے بہت دور! بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے لاکھوں میل دور۔"

"اور کیا تمہارے باپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس مخلوق کا نام کیا تھا۔"

"بتایا تھا۔" سردار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس خوف ناک مخلوق کا نام انسان ہے۔"

اب ہمیں اس خوف ناک مخلوق کے لئے یہ سیارہ یہ جگہ خالی کرنی پڑے گی۔"

"تو اب کیا ہم اپنے باپ دادا کی یہ سرزمین واقعی چھوڑ دیں گے۔" ایک طرف سے ایک جن کی نہایت ہی فکرمندی میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"ہاں، یہ ہماری مجبوری ہے۔ اس سے پہلے کہ انسان یہاں تک پہنچ جائیں ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔"

ایک جن باہر چلا گیا وہ کچھ دیر بعد تفکرانہ انداز میں ظاہر ہو گیا۔

"وہ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں، اس سے پہلے کہ وہ انسان، ہمارے اس گھر میں پہنچ جائیں، ہمیں یہ جگہ خالی کر دینی چاہئے۔"

سارے جنات ایک ساتھ خوف زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"وہ سارے انسان ہتھیاروں سے لیس ہیں ان کے سروں سے روشنی کی لکیریں نکل رہی ہیں جو اندھیرے میں روشنی کی لکیریں بن کر پھیلتی ہیں۔"

غالباً سارے انسان، ہوائی جہاز میں آئے تھے ان کی ٹوپیوں میں ٹارچ لائٹ لگی ہوئی تھی ان کے جہاز، کو دیکھ کر پہرہ دار جن ڈر گئے اور جب جہاز کی سیڑھی سے وہ نیچے اترے تو ان پر لرزا طاری ہو گیا۔

سب خوف سے کانپ رہے تھے اور پھر وہ سب کھڑے کھڑے غائب ہو گئے، وہ کسی ان دیکھی جگہ کی جانب محو پرواز ہو گئے جہاں انسان جیسے خطرناک عفریت کا نام و نشان نہ ہو جو، ان تک نہ پہنچ سکیں اور نہ ان کے آرام میں خلل ڈال سکیں۔

اور جو لوگ اس جگہ کا معائنہ کر رہے تھے ان کو وہ جگہ بالکل بھی پسند نہیں آئی کیونکہ وہاں پر آبادی صفر تھی اور شہر بنانے کے لئے انہیں اگلے بے شمار سال تک کی محنت درکار تھی اس لئے ادھر ادھر پھرنے کے بعد وہ لوگ بھی واپس چلے گئے۔

یہ سچ ہے کہ انسان کو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور انسان اپنی سرزمین پر اتفاق اتحاد اور مسلسل عمل سے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے تبھی جنات سے بنا لڑے وہ بازی جیت چکے تھے۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

شیطانی مخلوق

مدثر بخاری۔ شہر سلطان

اچانک خوبرو حسینہ کی ہیت بدلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی خوبصورتی گھنا گئی، اب وہ خوبرو حسینہ کی جگہ ایک بھیانک چڑیل نظر آرہی تھی کہ پھر اس کی کھرکھراتی آواز سنائی دی میں شیطان دیوتا کی پجارن ہوں۔

ذہن کے دریچے کھولتی خیروشر کی برسوں دل و دماغ سے محو نہ ہونے والی سبق آموز کہانی

میں دنیا کا کاہل ترین آدمی ہوں، بالکل سست اور نکما، کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ سستی اور کاہلی میری زندگی کا دوسرا نام ہے۔ مجھے دو کام دن میں دو بار سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ ایک کھانا پینا اور دوسرا وہ جو قدرتی عمل کہلاتا ہے۔ قارئین ذہین ہیں بات جلد سمجھ جانے کی مکمل اہلیت رکھتے ہیں۔ امید ہے سمجھ آ گئی ہوگی......

میری عمر 27 برس ہے۔ قد چھ فٹ، جسم طاقتور ہے...... چہرے سے چارم جھلکتا ہے۔ معصوم صورت چہرہ مگر ایک خوبی اور بھی ہے مجھ میں وہ ہے شرافت......! شریف آدمی کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ اس وقت ثابت ہوا تھا جب میں نے آئزہ رحمان کا پرس جو زمین پر گر گیا تھا واپس کیا تو اس نے مجھے زوردار تھپڑ مارا تھا۔ سرخ نشان میرے گال پر اثر چھوڑ گیا۔

"یوسف...... مذاق کرتے ہو مجھ سے...... خود کو

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

سمجھتے کیا ہو مسٹر علی...... اوقات دو ٹکے کی نہیں اور چلا آیا مجھ سے دوستی کرنے۔"

"آئزہ...... تم الزام مت لگاؤ، میں غریب ضرور ہوں مگر اتنی Cheap حرکت نہیں کر سکتا۔" میں بولا۔

"اچھی طرح جانتی ہوں تم لوگوں کو...... وہ دن مسکرا کے بات کیا کرلی۔ تم سر پہ چڑھنے لگے۔"

"تم محبت کو گولی مارو آئزہ...... تم جیسی لڑکی دوستی کے قابل بھی نہیں......! اور میرے سامنے مت آنا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا......" میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ آیا تھا......

اس نے واقعی میرا دل توڑا تھا، پوری یونیورسٹی میں آئزہ ہی مجھے پسند آئی تھی۔ وہ بہت اچھی تھی مگر اس دن اسے نجانے کیا ہوگیا تھا...... ہم دونوں میں اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی۔ ہم نے کچھ وقت ساتھ گزارا تھا۔ مگر پھر اچانک اسے کیا ہوگیا۔ جو وہ مجھے تھپڑ مارنے پر آگئی اور چوری جیسا الزام بھی لگا گئی۔ جب سچے دوست ہی ایسا گھناؤنا الزام لگا جائیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

واقعہ صرف اتنا تھا کہ کھانے کی ٹیبل پر وہ اپنا پرس بھول گئی اور میں نے اٹھالیا تھا، آخری لیکچر میں اس سے ملاقات ہوئی تو میں نے اسے پرس واپس کردیا مگر ساتھ ہی تھپڑ بھی کھالیا اس کے رویہ پر حیرت سے زیادہ دلی افسوس مجھے ہوا تھا۔

ایک اور بات کہ میں واقعی غریب تھا۔ حقیقت میں غریب آدمی...... میرے والدین کون تھے؟ اس کا جواب اب تک میرے علم میں بھی نہیں ہے اور رشتہ دار کون تھے؟ اس کا علم بھی مجھے نہ تھا...... شاید اس دنیا میں میرا کوئی تھا بھی نہیں صرف آئزہ رحمان کے علاوہ۔

اپنی داستان صرف چند مختصر لائنوں میں مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، میں نے کہاں آنکھ کھولی؟ اور کس کی آغوش میں جنم لیا...... کوئی نام نہ پہچان، سچ بتاؤں میرا تو نام بھی نہ تھا...... گھر کے بزرگ جنم لینے والے بچے کو نیک تمناؤں کے ساتھ دنیا میں ویلکم کہتے ہیں۔ بلکہ ہم مسلمان تو بچے کی ایک بہترین طریقے سے اسلام سے آشنائی کراتے ہیں۔ اسی لئے اس کے کان کے ایک طرف اذان اور دوسری طرف اقامت کہی جاتی ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہوا؟...... یا نہیں۔"

خیر میری زندگی کے اوائل دن کوڑا کرکٹ چنتے ہوئے گزرے اور پھر ایک دن ایک امیر صاحب آئے، خدا ترس تھے۔ کچھ لڑکوں کو کوڑا کرکٹ سے اٹھا کر ہاسٹل لے گئے۔ جہاں اچھا کھانا پینا اور تعلیم سے آگاہی حاصل ہوئی۔

☆......☆......☆

میں نے میٹرک کے بعد کامرس چنا، ہاسٹل کے بعد میرا اگلا گھر حاجی اشفاق کے گھر کا ایک کمرہ تھا...... حاجی صاحب متوسط آدمی تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حاجی صاحب سے جھگڑ پڑے تھے۔ معاملہ صرف ان کی غربت تھی۔ انہوں نے تین مہینے سے دکاندار کا حساب ادا نہ کیا تھا۔ میں موقع پر موجود تھا۔ میرے پاس کچھ پیسے تھے۔ ان دنوں میں بھی پارٹ ٹائم جاب کررہا تھا۔ غرض حاجی صاحب کا حساب چکتا کیا۔ اس دن سے حاجی صاحب نے مجھے بیٹے کا درجہ دے دیا اور اپنے گھر میں رہنے پر بھی اصرار کیا اور میں نے بھی انکار نہ کیا۔ میں صبح کالج جاتا اور شام کو میڈیکل اسٹور پر جاب کرتا......

☆......☆......☆

میں نے ایم بی اے میں داخلہ لیا...... جہاں میری ملاقات آئزہ رحمان سے ہوئی، اچھی لگی اور دوستی کب محبت میں بدل گئی، کچھ پتہ نہ چلا......! ایک پاکیزہ محبت کا آغاز میرے لئے عجیب احساس تھا جو خود زندگی بھر پیار کی بھیک مانگتا رہا۔ جسے اسے پیدا کرنے والے کچرے کے ڈھیر پر ڈال کر ہمیشہ کے لئے بھول گئے۔

میں نے تو پڑھا تھا کہ والدین عظیم ہوتے ہیں اولاد سے بڑھ کر ان کے لئے کچھ نہیں ہوتا، خود بھوکے رہتے ہیں مگر اولاد کو پیٹ بھر کے کھلاتے ہیں...... یہ میرے والدین مجھے کیوں تنہا چھوڑ گئے، مجھے والدین کا نہ پیار ملا نہ پیار کا احساس محسوس ہوا اور نہ باپ کی شفقت حاصل ہوئی...... بے نام لوگ...... گمنام جس کی کوئی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

پہچان ہی نہ ہو.....

آئزہ ایک انمول ہیرا..... قیمتی اور نایاب..... سادہ مگر پروقار شخصیت کی مالک..... امیر گھرانے سے اس کا تعلق تھا مگر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے زندگی میں سکون اور اطمینان اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔

وہ بات کرتی تو لگتا کہ جیسے میں کہیں کھو گیا ہوں..... وہ بولتی اور میں سنتا رہتا..... اس کے آنے سے زندگی کا احساس ہوا، زندگی اپنی سی لگی بلکہ پوری دنیا رنگین لگنے لگی۔

میری آرزو، میری امید، روشنی اور تعلق تھا تو صرف آئزہ کے نام سے.....! جدھر دیکھتا ہوں تو ہی تو ہے۔

ہر نام میں وہی نام اور ہر چہرے میں اس کا چہرہ نظر آیا..... جیسے خزاں میں بہار آ گئی ہو، جیسے نخلستان سے دلفریب دلکش فرحت بخش ہوائیں۔

ایک شام آئزہ اپنی بڑی سی گاڑی پر میرے غریب خانہ آئی..... گلی تنگ اور گاڑی بڑی تھی..... اور حیرت کی بات اس نے اسکارف پہنا ہوا تھا، مکمل لباس..... عین اسلامی روایات میں.....!

مجھے وہ اس حلیہ میں کوئی جنت سے اتری حور لگی..... یہ اچانک تبدیلی کیسے آ گئی.....؟

اس نے چائے پی..... اور پھر اسلامک سینٹر چلی گئی..... پھر وہ یونیورسٹی بھی مکمل لباس اور اسکارف میں آنے لگی.....

میں نے اسے کینٹین کے باہر جا لیا.....

''کیسی ہو آئزہ؟''

''الحمدللہ..... آپ سنائیں.....!'' وہ شائستگی سے بولی۔

''فائن اور ٹپ ٹاپ کہنے والی آئزہ ''الحمدللہ'' بولی..... یہ سب کچھ بہت اچھا تھا اور مجھے پسند آیا تھا۔

''تم کتنی بدل گئی ہو آئزہ.....!''

''خود کو بدلنا پڑتا ہے علی..... ورنہ لوگ آپ کو نگل جاتے ہیں..... تم خود تو کہتے تھے کہ خود کو بدلو، مجھے اسلامک لڑکیاں پسند ہیں، سو بدل گئی۔'' وہ واقعی بدل گئی..... کیونکہ وقت ظہر قریب تھا اور وہ نماز پڑھنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔ ہم جہاں گھنٹوں باتیں کرتے تھے، اب دن میں ایک مرتبہ وہ بھی پانچ منٹ بات ہونے لگی اس نے خود کو گھر داری میں الجھا رکھا تھا۔

اس رات حاجی صاحب بولے۔

''آئزہ..... بیٹا کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا..... ایک عورت کا لباس ہی اس کی پہچان ہے۔ عزت سے زندگی تب ہی گزاری جا سکتی ہے جب آنکھوں میں حیا ہو اور مرد کو نگاہ غلط ڈالنے کا موقع نہ دیا جائے۔ مجھے یہ بچی بہت اچھی لگی..... تمہاری ڈگری مکمل ہو جائے تو بہو بنا لائیں.....!''

''جی بابا..... مگر وہ امیر باپ کی بیٹی ہے..... اس کا باپ کبھی بھی مجھے اپنی بیٹی نہیں دے گا.....''

''تم فکر مت کرو..... انسان کوشش کرتا ہے اگر نیت اچھی اور ارادے پختہ ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے..... تم اپنی ڈگری مکمل کرلو..... پھر بچہ کرتے ہیں۔''

''بابا..... ڈگری کے بعد دھکے ہی کھانے ہیں۔ نہ پیسے نہ سفارش..... غریب کی کون سنتا ہے.....''

''ناامیدی کفر اور مایوسی گناہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ دنیا میں ایک واحد چیز امید ہی ہے جس کے سہارے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ ہم سب امید کے سہارے جی رہے ہیں..... یاد رکھنا..... پتھر میں پڑے کیڑے کو رزق دینے والا واحد اللہ ہے..... انسان اور مالک کا گہرا رشتہ ہے، تم اسے ایک بار پکارو..... وہ تمہیں دس بار جواب دے گا..... ایک شعر ہے..... ''ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں.....!'' تم مانگ کر تو دیکھو..... وہ خالی جھولی کس طرح بھرتا ہے.....'' وہ کہہ رہے تھے اور واقعی میرے دل پر حاجی صاحب کی باتوں کا اثر ہوا، مجھے امید پہلے بھی تھی مگر ان کی باتوں نے سکون اور اطمینان دیا۔

☆.....☆.....☆

آئزہ رحمان میری زندگی کا محور و مقصد..... پاگل ہو گئی تھی۔ وہ سائیکو تھی یا وقت نے ایسا بنا دیا تھا..... کچھ سمجھ نہ آئی..... اس دن اس نے پینٹ، شرٹ پہن

رکھی تھی، بال کٹے ہوئے..... وہ کینٹین میں مشہور بزنس مین شہریار صادق کے بیٹے حسن شہریار کے ساتھ بیٹھی تھی اور کافی خوش تھی۔

شہریار صادق ملک کا مشہور بزنس مین تھا اور اس کا بیٹا ایک نمبر کا لوفر اور چھٹا ہوا بدمعاش، البتہ شکل سے معصوم نظر آتا تھا..... نئی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانا اور پھر ایک ملاقات کے بعد مکر جانا..... ہر مہینہ ایک نئی لڑکی اس کا شکار ہوتی، عزتوں کا سودا ہوتا اور پھر سرے سے مکر بھی جاتا..... نجانے کتنی لڑکیاں اس کے عتاب کا نشانہ بنیں۔

اور اب خود میری اپنی آئزہ اس کے جال میں پھنسنے جارہی تھی۔ میں اس کے سامنے کھڑا رہا مگر اس نے میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ وہ اسے باتوں سے بہلا پھسلا رہا تھا..... آئزہ کو سب معلوم تھا پھر بھی اس نے کم ظرف کا انتخاب کیوں کیا؟

اور پھر اس کہانی میں میرا اپنا کردار کہاں تھا؟ کیا مقام دیا تھا آئزہ کو، آئزہ نے مجھے منہ کے بل زمین پر دے مارا تھا.....

وہ کتنی اچھی ہوگئی تھی پچھلے دنوں..... اور پھر اچانک نیا بدلاؤ..... مجھے اس کو روکنا تھا؟

''مت جاؤ وہ شخص عورت کو عیاشی کا سامان سمجھتا ہے..... وہ عورت کو صرف اپنے غلط مقصد کے تحت استعمال کرنا چاہتا ہے.....'' وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ آئزہ مجھے اگنور کرکے چلی گئی تھی..... وہ میرے سامنے سے گزرے تھے اور شہریار نے مجھے آنکھ ماردی تھی۔ اس کے چہرے پر زہریلی اور فاتحانہ مسکراہٹ تھی، میرا غصہ عروج پر تھا۔

اس جگہ آئزہ اپنا پرس بھول گئی اور پھر اس نے مجھے تھپڑ بھی مار دیا تھا..... مجھے افسوس یہ تھا کہ وہ ایک غلط شخص کے ساتھ خطرناک غلطی کرنے جارہی تھی۔

اس شام ساحل کتنا خوش تھا۔ سورج ڈوبنے کو تھا۔ بہتی لہریں..... ٹھنڈی ریت اور کسی کی جدائی کا احساس..... میرا دل کررہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کردوں۔

''مرد رویا نہیں کرتے مگر جواں مردی سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' حاجی صاحب نے ایک بار سمجھایا تھا۔

مگر حقیقت تو یہ تھی کہ جس نے جینا سکھایا تھا وہ خود ہی مجھے زمین میں زندہ دفن کرگئی تھی۔ مجھے سب کچھ برا لگ رہا تھا اور پھر میں دوڑ پڑا۔ سمندر کی جانب.....

''مرجانا چاہیے.....!'' میں پانی کی طرف بھاگ رہا تھا کہ پھر جیسے میرے قدم رک گئے۔ میرے شانے پر وزن سا پڑا کسی نے دو ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیے تھے۔ ایسا لگا جیسے کپاس کے ہاتھ ہوں مگر وزنی.....!

''رک جاؤ علی..... تم غلط راستے پر جارہے ہو۔'' وہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ میں حیرت سے بت بنا کھڑا رہ گیا

''لوٹ آؤ واپس..... ساحل کی طرف..... زندگی اس طرح ضائع کرنے کا نام تو نہیں..... بہت قیمتی ہے یہ زندگی۔'' کتنی پیاری آواز تھی..... میں تو واقعی خودکشی کرنے سے لوٹ آیا، مجھے جیسے ہوش آگیا تھا..... میں واقعی غلط کررہا تھا..... میں ساحل کی طرف لوٹ آیا۔

میرے ساتھ ایک سایہ تھا..... جب وہ سایہ میرے سامنے آیا تو وہاں ایک حسین وجمیل لڑکی موجود تھی۔

''کیوں کررہے تھے آپ ایسا.....'' اس کی آواز شہد جیسی میٹھی تھی۔

''پتہ نہیں..... جس کا اس دنیا میں کوئی نہ ہو، اسے سمندر میں غرق ہوجانا چاہیے، آپ نے مجھے روک کے اچھا نہیں کیا.....''

''خودکشی حرام ہے، بخشش بھی نہیں..... ہم اکیلے آئے تھے اور اکیلے جائیں گے۔ آپ دکھی لگتے ہیں۔ چلیے کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں.....''

ہم ایک مناسب قسم کے ہوٹل میں آبیٹھے۔

وہ لڑکی اپنی ذات میں بہت حسین تھی، دلکش بال، خوب صورت ہونٹ، قیمتی اور معیاری لباس، باوقار

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

انداز گفتگو.....!

''میرا نام علی ہے۔ ایم بی اے کا طالب علم..... ماں باپ دنیا میں نہیں۔'' میں نے بتایا۔

''میں سائرہ.....!'' اس سے آگے وہ بول نہ پائی۔ کھانا آ گیا تھا۔ یہ آرڈر سائرہ نے دیا تھا۔

ہم نے کھانا کھایا۔ وہ خاموش رہی اور اداس بھی۔

''علی میرا بھی اس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''مطلب آپ بھی میری طرح.....!''

ہاں.....!''

میں دل پھینک قسم کا آدمی نہ تھا۔ وہ بلاشبہ حسن و جمال میں آئزہ سے زیادہ حسین تھی۔ مگر میرے دل میں آئزہ کی محبت اتنی مضبوط تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی دوسرے کا خیال بھی نہ آتا.....

''آپ کبھی تشریف لائیں میرے گھر، یہ میرا کارڈ ہے۔'' اس نے پرس سے کارڈ نکال کر مجھے تھمایا۔

میں نے کارڈ جیب میں رکھا..... اور ہم باہر نکل آئے، ساری پیمنٹ بھی سائرہ نے کی، اس کے پاس لمبی اور مہنگی کار تھی۔ اس نے مجھے ڈراپ کیا۔

☆.....☆.....☆

وہ رات کتنی خوب صورت تھی۔ جب میں پہلی بار سائرہ ولا گیا تھا۔ خوب صورت قسم کا محل..... بڑے بڑے فانوس اور قیمتی پتھروں سے جڑا کام، مہنگے صوفے اور خوب صورت فن پارے.....!

ابھی میں کھڑا ہی تھا کہ وہ سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی۔ بلیک سوٹ میں وہ اور بھی خوب صورت لگ رہی تھی.....

''خوش آمدید علی صاحب.....!''

وہ واقعی خوش نظر آ رہی تھی۔

''بیٹھو.....!'' میں بیٹھ گیا۔

''کیسے ہو؟''

''بہت اچھا۔''

''آپ؟''

''بہت ٹھیک..... کیا پسند کرو گے؟''

''جو مل جائے.....!''

''ہمارے ہاں کا خاص شربت پیئیں۔''

اس نے ملازم کو آواز دی اور پھر چند لمحوں میں ایک خاص قسم کا شربت آ گیا۔

''آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں؟''

''ہاں..... ایک ملازم اور ملازمہ ہے..... آپ شربت پیئیں۔''

میں نے شربت پیا..... وہ عجیب سا شربت تھا۔ میٹھا مگر اثر انداز ہونے والا..... میرے جسم میں بے چینی سی محسوس ہونے لگی..... مجھے خمار آنے لگا۔ ایک عجیب سا نشہ بھی تھا۔ سرور و مستی میں ڈوبی..... جیسے میں ہواؤں میں سفر کر رہا ہوں۔ جیسے میں سب کچھ کر سکتا ہوں.....!

''کیسا محسوس کر رہے ہو علی؟'' اس نے پوچھا۔

''زبردست..... کمال کی چیز ہے سائرہ جی.....!''

مجھے لگا کہ سائرہ میرے دل و دماغ میں رچی بسی جا رہی ہے..... میں صرف سائرہ ہی کو جانتا تھا۔ اسی سے محبت کرتا تھا۔ میری زندگی کا مقصد صرف اس کا حصول تھا۔

سرور و مستی کا عالم میرے حواس پر ایک دن تک قائم رہا۔ اس دوران میں یونیورسٹی بھی گیا مگر وہاں میرے لئے کچھ بھی نہ تھا۔

آئزہ..... دودھ میں سے مکھی کی مانند میری زندگی سے نکل گئی تھی۔ مجھے بالکل یاد نہ تھا کہ آئزہ نام کی کوئی لڑکی بھی میری زندگی میں آئی تھی..... میں نے اسے سرسری طور پر دیکھا تھا۔ شہریار حسن اس کے ساتھ تھا..... مجھے نہ تو غصہ آیا اور نہ ہی کچھ محسوس ہوا۔

اگلی شام میرے قدم ایک بار پھر سائرہ ولا کی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ میرا انگ انگ خوشی سے مہک رہا تھا۔ ایک سرشاری کا عالم تھا اس کے کوچے کی طرف جاتے ہوئے۔

میں ایک بار پھر صوفے پر مست پڑا تھا۔ آج وہ اور بھی حسین نظر آ رہی تھی۔ آسمانی رنگ اس پر جچ رہا تھا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

"کہاں رہ گئے سارا دن؟" اس کی آواز میں شکایت تھی۔

"تمہاری یاد میں سائرہ......! تم نے مجھ پر کیا جادو کیا کہ میں سب کچھ بھول گیا......!"

"تم اس لڑکی کو بھولے جو تمہاری بربادی کی وجہ بن رہی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"اس کا نام آرزہ ہے......مذہب کے نام پر مجھے دھوکہ دیا......اب میں اسے یاد بھی نہیں رکھنا چاہتا......!" میں نے کہا۔

"ویری گڈ......!" وہ بولی۔

پھر وہ بولی۔ "علی تم بہت اچھے ہو۔ یہ بتاؤ پڑھائی کے بعد کیا کرو گے؟"

"جاب......جو مجھے نہیں ملتی......!"

"کیوں نہیں ملتی......تم میری فیکٹری اپنے نام کرا لو......؟" اور اس کی بات سن کر میں جیسے خلاؤں میں چکرانے لگا۔

"نہیں......مجھے دولت نہیں چاہئے اور میں کیوں لوں تم سے......کیا لگتا ہوں میں تمہارا......؟ لیکن میں تمہارا احسان مند ہوں کیونکہ تم نے میری زندگی بچائی......"

"وہ میرا فرض تھا......تم مجھے اچھے لگتے ہو، میں چاہتی ہوں کہ تم ترقی کرو، بہت آگے جاؤ۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے فیکٹری اپنے نام کرانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں تمہاری خوشی میں خوش رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"گڈ بوائے......کل پیپر ورک کرلوں گی......پھر انتقال کرا لینا......میں تمہیں ہر صورت خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ایک سرور تھا اس کی باتوں میں۔ آج میں نے شربت پیا تھا اور خوب پیا تھا۔ جس کا اثر سر چڑھ کر بولا تھا۔

☆......☆......☆

بہت جلد میری قسمت بدل گئی تھی۔ فیکٹری میرے نام ہوگئی تھی۔ مفت کا مال مجھے مزید مست کر رہا تھا۔ سائرہ نے مجھے نیا گھر لے دیا تھا۔ ایک محل نما گھر، بہت جلد ہی میں نے جدید کار بھی لے لی۔ میرا لائف اسٹائل بدل گیا تھا......

حاجی صاحب میری اس ترقی سے حیرت میں مبتلا تھے۔ یہ تبدیلی ایک دم کیسے آگئی تھی۔ حاجی صاحب نے میری مخبری شروع کردی تھی۔

اب میری زندگی میں دو چیزیں تھیں۔ ایک مستی بھرا شربت، دوسرا سائرہ......! اس کا چہرہ میرے لئے سرور تھا......اس کو ایک نظر دیکھ لینے سے سرور ملتا تھا......

مجھے کچھ علم نہ تھا کہ میری زندگی میں یہ سب کیونکر اور کیا ہو رہا ہے۔

سائرہ کون تھی؟ اور کیوں مجھ پر عنایات کی بارش کر رہی تھی اور اس شربت میں ایسا کیا تھا؟ جس نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا......

☆......☆......☆

یونیورسٹی ضرور جاتا مگر آرزہ رحمان نظر نہ آتی......مجھے اس کی ضرورت بھی نہ تھی......مگر پھر اس کی ایک دوست نے مجھے ایک خبر سنائی۔

"علی بھائی......آرزہ......بہت بیمار ہے، اس کی حالت بہت خراب ہے......!" اس نے بتایا۔

"کب ہوئی بیمار......؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں......آج ہی معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے کہ عجیب عجیب باتیں کر رہی ہے، لوگ بتا رہے ہیں کہ کسی آسیب کا سایہ لگتا ہے۔" وہ بولی۔

"آسیب کا سایہ......" کیا آج کے دور میں بھی ایسا کچھ ہوتا ہے، اچھا خیر، میں کیوں سوچوں اس کے بارے میں......مرنے دو۔" میرا دل پتھر ہو چکا تھا......پتہ نہیں کیوں مجھے اس پر رحم نہ آیا......

میں ایک بار پھر سائرہ کے محل میں تھا۔ اس کی آغوش میں......اس کی بانہوں میں سرور تھا......ساری دنیا کا نشہ......!

"تم کتنے اچھے ہو......میرا کتنا خیال رکھتے ہو......روز آتے ہو......مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتے......ویسے بھی فیکٹری کے کاغذوں میں تم

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

میرے خاوند ہو۔'' وہ بولی۔

''ہاں..... مگر کچھ وقت دو سوچنے کا.....!'' میں نے کہا۔

''ضرور سوچو، جتنا وقت لو..... مجھے امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کرو گے.....'' وہ ادائے دلربائی سے بولی۔

''جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو، مجھے آئزہ یاد ہی نہیں آتی..... وہ مغرور لڑکی خود کو کیا سمجھتی تھی۔ بیمار ہوئی پڑی ہے.....!'' میں نے بتایا۔

''میرے ہوتے ہوئے تم کسی دوسری لڑکی کا نام لو..... مجھے اچھا نہیں لگتا..... تم مجھ سے محبت کرو..... باقی سب چھوڑ دو.....!'' وہ بولی۔

☆.....☆.....☆

آئزہ کی محبت میرے دل میں ایک بار پھر جنم لے رہی تھی۔ وہ اس دن مجھے خوب یاد آئی۔

اگلے چند منٹوں میں، میں اس کے گھر پر تھا۔ اس کی امی فکرمند سی بیٹھی تھیں۔ میں پہلے بھی کئی بار وہاں جا چکا تھا۔ آنٹی بہت اچھی تھیں..... مجھے دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آؤ بیٹا..... تم کدھر تھے اتنے دن سے..... آئزہ تمہیں بہت یاد کرتی ہے بیٹا.....!''

میں مکمل ہوش میں تھا کیونکہ دو دن سے میں سائرہ کے پاس نہ جا سکا تھا اور وہ خاص شربت جو مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتا تھا میرے جسم میں نہیں اترا تھا۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ جب تک وہ خاص شربت میرے جسم میں رہتا میرا دماغ صرف سائرہ کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔

مگر حاجی صاحب نے مجھے گھر میں ایسا قید کر لیا کہ میں نے جب بھی ادھر جانے کا ارادہ کیا مجھے سائرہ کی یاد نہ رہتی۔ اس کا راستہ تک بھول گیا تھا..... حاجی صاحب نیک آدمی تھے۔ میرے سارے ارادے شاید جان گئے تھے۔

آئزہ کی حالت واقعی نازک تھی۔ پیلی شکل، کمزور و لاغر جسم، اس کی آنکھیں چھت کی طرف تھیں اور ساکت تھیں.....!

آنٹی یہ سب کیا ہو گیا ہے..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی..... یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ مجھے آئزہ کے بارے میں کچھ بتائیں۔

کچھ عرصہ پہلے میری بچی بالکل نارمل تھی۔ مگر پھر میں نے اسے خدا کے حضور روتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے اسلامک سینٹر جوائن کیا۔ اور نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگی۔ مجھے اطمینان ہوا۔ خدا نے ایک ہی اولاد دی اور وہ بھی نیک..... سب کچھ نارمل تھا مگر پھر اس کی زندگی میں ایک لڑکا آیا.....'' اس سے آگے وہ کچھ نہ بول پائیں۔

میرا خون کھول اٹھا تھا.....!

''پھر کیا ہوا آنٹی.....؟''

''اس کا نام حسن شہریار تھا..... اس نے آئزہ کو قدامت پسند ہونے کا طعنہ دیا..... وہ اسے آہستہ آہستہ اپنی غلط صحبت میں لے گیا..... اور پھر پتہ نہیں کیسے یہ دوبارہ سے پینٹ شرٹ پہننے لگی۔ اسلامک سینٹر چھوڑ گئی اور نماز بھی ختم کر دی۔ پھر ایک رات یہ نیم بے ہوشی میں ہمیں ملی۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا اور منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی..... اس کے بعد سے اس کا برا حال ہے۔ نہ بولتی ہے نہ کچھ کھاتی پیتی ہے..... دو بار تمہیں پکار چکی ہے.....''

آنٹی کی حالت قابل رحم تھی..... ایک ماں اپنی بیٹی کو اس تکلیف میں دیکھ کر کتنا پریشان ہوتی ہے اس کا اندازہ پہلی بار ہوا.....! وہ مجھے دیکھ کر بھی بے حس پڑی رہی۔ جیسے میری صورت اس کے لئے اجنبی ہو یا وہ جاننا ہی نہ چاہتی ہو۔ اس کی نگاہوں میں اداسی تھی۔ اس کا نروس سسٹم کتنا ڈیمیج ہوا تھا اس کا اندازہ اس کی ذہنی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا.....

ڈاکٹرز کا بیان کچھ یوں تھا..... جب انسانی ذہن پر بہت زیادہ دباؤ پڑتا ہے تو انسان ناامیدی کا شکار ہو کر مایوسی کی اندھی وادی میں جا پہنچتا ہے۔ مگر کچھ لوگ جب اپنی سب سے قیمتی چیز کے کھو جانے پر اس قسم کی ناگفتہ بہ صورتحال کا سامنا کرتے ہیں۔ عورت کی سب سے زیادہ قیمتی چیز اس کی عزت ہوتی ہے.....!

آئزہ کی رپورٹس میں کچھ انکشافات تھے۔ جو میں نے پڑھنا مناسب نہ سمجھا مگر مجھے معلوم ہو گیا تھا یہ

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

سب کیا ہوا ہے......! بہر حال آ ئزہ کی حالت دن بدن بگڑتی چلی جارہی تھی۔ اگر حاجی صاحب نہ ہوتے تو سائرہ کا راز نہ کھلتا اور میں اندھی وادی میں بھٹکتا رہتا۔

☆......☆......☆

"تم صرف آ ئزہ کے پاس جاسکتے ہو۔ مجھے تمہارے اوپر ایک خطرناک قسم کے سحر کا اثر لگتا ہے۔ تم اس محل میں کس کو ملنے جاتے ہو؟"

"کسی کو نہیں...... میرا ایک دوست رہتا ہے وہاں......" میں نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"وہ ڈائن ہے...... تم یقین نہیں کرو گے۔ تم جس قسم کا شربت پی رہے ہو وہ شیطانی محلول ہے۔ جو تمہاری رگوں سے نہ صرف تمہارے ایمان کو نکال دے گا بلکہ تم خود بھی شیطان کے پیروکار بن جاؤ گے۔ تم غلط اور صحیح میں پہچان کر ہی نہ پاؤ گے......!"

میں ان کے اس حیرت انگیز انکشافات پر حیران تھا۔ حاجی صاحب جیسے میری نگرانی کر رہے تھے۔

"مگر آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہے؟"

"اس کو چھوڑو۔ تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ تم آ ئزہ کا سوچو۔"

اسے اس ٹرانس کے اثر سے باہر لانا لازمی ہے۔ وہ شیطانی بلا آ ئزہ پر بھی مسلط ہے......!"

"مگر کیسے؟"

یہ چھوٹی سی کہانی ہے...... مگر ہمیں پہلے سائرہ کے محل چل کر اسے جہنم واصل کرنا ہوگا...... اس کی موت سے ہی آ ئزہ ٹھیک ہوگی۔" حاجی صاحب میری آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

اگلے چند لمحوں میں ہم سائرہ کے محل میں تھے......

اس کا اصلی چہرہ سامنے آیا تھا جب وہ ہم پر حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ مجھ پر جھپٹی تھی۔ مگر حاجی صاحب نے اسے قابو میں کرلیا...... تو اس نے بتایا۔

"میں غیر مرئی مخلوق ہوں۔ مجھے ہر سال ایک انسان کو اپنی محبت میں پھنسا کر اس سے شادی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے لئے میرا شیطانی محلول کام آتا ہے۔ شیطانی محلول سے انسان کے سوچنے سمجھنے کی طاقت ختم ہوجاتی ہے۔ میں اسے لالچ دیتی ہوں۔ وہ اگر لالچی ہوتا ہے تو میرے دام میں پھنس جاتا ہے۔ مجھے چالیس دن تک اس انسان کو شیطانی محلول پلانا ہوتا ہے۔ میں کسی مجبور انسان کی مدد کرتی ہوں۔ پھر اسے دنیا کا دولت مند آدمی بنا کر اسے خواب دکھا کر شادی کرلیتی ہوں۔ پھر وہ انسان میرے ساتھ ایک سال کے لئے شیطان کی پوجا کرتا ہے۔ پھر میں اس کو شیطان دیوتا کے سامنے ذبح کرکے بھینٹ چڑھا کر کسی نئے شکار کی تلاش میں نکل جاتی ہوں۔

آ ئزہ بہت اچھی لڑکی ہے میں نے اس کے حیات کو اپنے کنٹرول میں کرکے حسن شہریار کے جال میں پھنسا کر آخری اسٹیج تک پہنچا دیا۔ اس کے ذہن سے علی کی محبت نکال کر شہریار کی محبت کو ڈال کر میں تم پر قابض ہوگئی۔ تم اگر کچھ روز اور شربت پی لیتے تو تم میرا آخری شکار تھے۔ اس کے بعد میں امر ہوجاتی۔"

یہ ناقابل یقین مگر حیرت میں ڈال دینے والی حقیقت تھی...... آ ئزہ کی تباہی کی اصل ذمہ دار وہ شیطان عورت تھی۔

حاجی صاحب نے آگ جلوائی اور اس شیطان کی پجارن کو اپنے عمل سے اس میں جلا کر راکھ کردیا......

اس کے بعد آ ئزہ دوبارہ پہلے جیسی صورتحال میں واپس آگئی۔ شہریار کی کار ایکسیڈنٹ میں موت ہوگئی تھی۔ آ ئزہ کو پچھلا کچھ یاد نہ تھا۔ ایک وقت لگا اسے ٹھیک ہونے میں، اس کے بعد ہم دونوں نے شادی کرلی۔

اور میں اب بھی سست اور کاہل اس لئے ہوں کہ فیکٹریوں کی آمدنی آتی ہے اور میں مزے سے کھاتا ہوں۔ آ ئزہ سارا بزنس خود سنبھالتی ہے۔ میں کھاتا ہوں۔ ہے نا عجیب بات، مجھے جاتا ہی کوئی نہیں آفس میں۔ تو جانے کا کیا فائدہ......! کیوں ٹھیک ہے ناں!

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

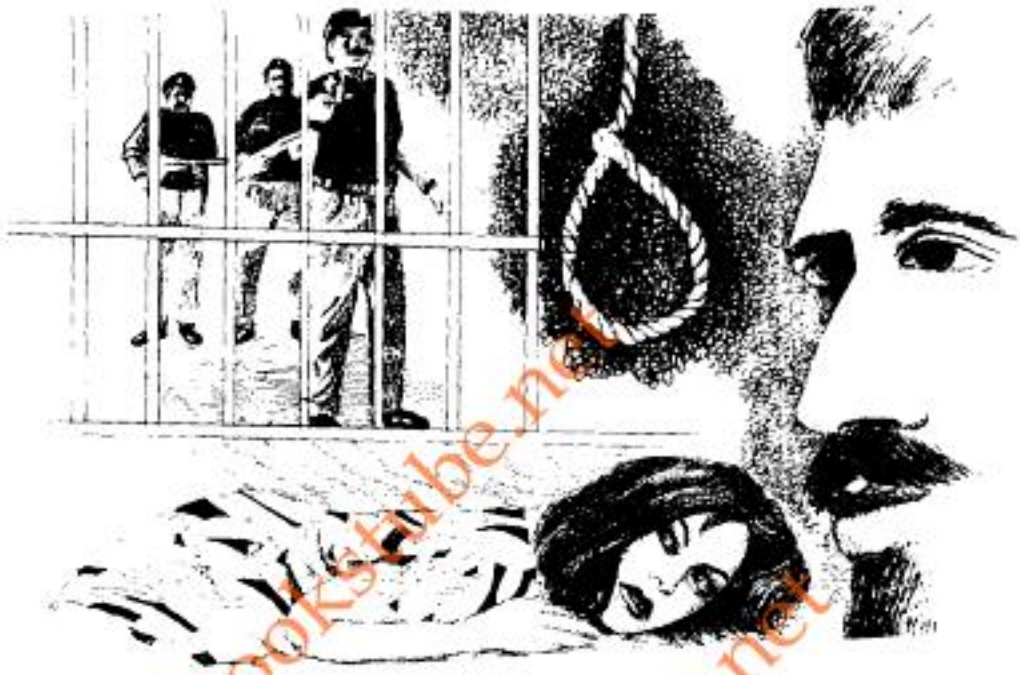

جنات سے دوستی

شگفتہ ارم درانی۔ پشاور

اچانک درخت کے موٹے تنے میں ایک گہرا شگاف پڑ گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس تنے میں سے چند لوگ نکلے اور اس تنے کے سامنے کھڑے ہوئے انہیں دیکھ کر انسپکٹر سکتے کے عالم میں آگیا اور پھر.....

کیا یہ حقیقت ہے کہ ماورائی اور نادیدہ قوتیں بھی انسان کا دوست بن جاتی ہیں کہانی پڑھ کر دیکھیں

"شام ہوتے ہی جاوید اپنے سب کام چھوڑ کر گاؤں کے پچھلی طرف واقع جنگل میں چلا جاتا تھا اور پھر تین گھنٹے بعد ہی لوٹتا تھا۔ پوچھنے پر وہ بس اتنا ہی بتاتا تھا کہ "چہل قدمی کیلئے وہاں جاتا ہوں....." سلیم نے انسپکٹر کو بتایا۔

"ہونہہ..... آپ نے کبھی جنگل میں جا کر دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ وہاں کیا کرتا ہے.....؟ میرا مطلب ہے چہل قدمی تو گاؤں میں بھی ہو سکتی ہے۔ پھر گاؤں کے جنگل میں ہی جانا کیوں ضروری تھا.....؟" انسپکٹر نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کی نظریں بدستور سلیم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"نہیں انسپکٹر، ہم نے کبھی یہ کوشش اس لئے نہیں کی کہ جاوید ہر روز بخیر و عافیت گھر پہنچ جاتا تھا اور کوئی غیر معمولی یا پریشان کن بات بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔"

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

"ہوں......! ٹھیک ہے سلیم صاحب آپ جاسکتے ہیں۔ لیکن مزید تفتیش کے لئے ہم آپ کو پھر تکلیف دے سکتے ہیں......" انسپکٹر نے مصافحہ کرتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

سلیم کے چہرے پر مختصری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی ضرور......!" اور وہ تھانے سے باہر نکل گیا۔

"کافی پیچیدہ معاملہ ہے......" انسپکٹر ابرار کیس کے تمام حقائق کی فائل سامنے رکھتے ہوئے خود سے بولا۔

چاندپور کے رہائشی جاوید کا روز گاؤں کے جنگل کی طرف جانا...... سب کچھ معمول کے مطابق رہنا اور پھر اچانک سے اس کی بے دردی سے تشدد زدہ لاش کا ملنا...... جبکہ مرحوم کی کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی......"

پریشانی کی سلوٹیں انسپکٹر کی پیشانی پر واضح ہوگئیں اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے پاس پڑا فون اٹھایا۔

"ہاں۔ موبائل ریڈی کرو، ہم جنگل کی طرف جائیں گے۔" اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

جنگل میں ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ درختوں پر چہچہاتے پرندوں کی آوازوں نے اس خاموشی کو خوشگوار بنادیا تھا۔ سرسبز جنگل میں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی اور یہ قدرتی ماحول انسپکٹر ابرار کو بہت پیارا لگ رہا تھا۔ لیکن کوئی غیر معمولی چیز انسپکٹر کو نظر نہ آئی۔

ہاں البتہ جنگل کے بیچوں بیچ ایک پرانا بیری کا درخت تھا جس کی غیر معمولی بات ایک تو یہ تھی کہ اس پر سوائے ایک اُلو کے کوئی اور پرندہ نہیں تھا اور دوسری بات اس کا عجیب وغریب حیران کن حد تک چوڑا تنا تھا۔

درخت کی طرف دیکھ کر انسپکٹر ابرار کچھ سوچنے لگا۔ وہاں کا بغور جائزہ لینے کے بعد پولیس موبائل واپس لوٹ آئی۔

آج جاوید کو گزرے تیسرا دن تھا۔ پولیس اپنی طرف سے سرتوڑ کوششیں کررہی تھی کہ کوئی سرا ہاتھ لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق جاوید کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی تھی، جس کے بعد لاش کو انتہائی سفاکی اور بے رحمی سے نوچا اور ادھیڑا گیا تھا۔

جہاں تک لاش کو نوچنے کا تعلق تھا تو اشارہ کسی جنگلی جانور کی طرف جاتا تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر جانور نے لاش کا نہ خون پیا تھا نہ ہی گوشت کھایا تھا۔

جبکہ دوسری طرف یہ بات بھی حیران کن تھی کہ اتنے گھنے جنگل میں جاوید کی موت کا سبب دم گھٹنا کیسے ہوسکتی ہے۔ حالانکہ اسے کبھی سانس کی تکلیف بھی نہیں رہی تھی۔

فائل پر جگہ جگہ انسپکٹر نے بڑے بڑے سوالیہ نشان لگائے اور ان تمام لفظوں پر ایک ایک کرکے سوچنے لگا۔ لیکن بے سود...... اسے کافی دیر تک سوچنے کے باوجود کچھ سمجھ نہ آیا کہ آخر اصل معاملہ کیا ہے......!

☆......☆......☆

آج جاوید کے کیس کو پورے 5 دن بیت گئے تھے۔ لیکن فی الوقت مسئلہ برقرار تھا۔ انسپکٹر پریشانی کے عالم میں اپنے آفس میں ٹہل رہا تھا۔ اسے ایک ہفتے کے اندر اندر اپنی ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ حکام بالا کو پیش کرنی تھی۔ لیکن وہ صرف اس مسئلے کی گتھی سلجھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ معاً کسی خیال نے اسے چونکا دیا۔ اس نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ "موبائل ریڈی کرو جلدی......!" اور اگلے 15 منٹ میں ہی وہ جنگل میں "بیری کے قدیم درخت" کے سامنے کھڑا تھا۔

بیری کے درخت کے عین سامنے زمین پر اسپیشل Liquid Spray کیا گیا جس کی مدد سے زمین اور مٹی پر پاؤں کے نشانات خاص روشنی میں واضح ہوتے چلے گئے۔ لیکن نشانات واضح ہونے پر وہاں موجود ہر فرد عجیب شش وپنج میں مبتلا ہوگیا کیونکہ پاؤں کے نشانات درخت کے غیر معمولی چوڑے تنے کے پاس پہنچ کر غائب ہورہے تھے۔

انسپکٹر کے لئے اب ایک نئی پریشانی تھی۔ وہ پہلے ہی بیری کے درخت کی وجہ سے کافی سوچ و بچار کرچکا تھا جس کے پیش نظر اس نے مزید تحقیقات کے لئے جنگل کے خاص اسی حصے کا انتخاب کیا تھا اور اس کا شک

www.booksube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

آج درست ثابت ہوسکتا تھا۔

انسپکٹر نے فوراً اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ''درخت کے تنے کی درمیان سے کٹائی شروع کریں۔''

اس کے حکم کے پیش نظر وہاں موجود دو سپاہی پولیس موبائل کی طرف بڑھے اور فوراً واپس لوٹ آئے۔

''سر، درخت کاٹنے کے اوزار تھانے سے لانے پڑیں گے.....'' ایک سپاہی نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تم دونوں جاؤ میں یہیں ہوں.....'' انسپکٹر وہیں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا جبکہ دونوں سپاہی برق رفتاری سے پولیس موبائل میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے یار کیا معاملہ ہے یہ ہے.....؟''

''مجھے کیا پتہ یہ تو درخت کاٹنے پر ہی پتہ چلے گا ناں.....'' وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے جارہے تھے۔ لیکن انہیں یہ ہوش نہیں تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر بعد ان کے ساتھ کس قدر خطرناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔

پولیس موبائل تیز رفتاری سے اپنی منزل طے کررہی تھی۔ وہ دونوں جلد از جلد ہی پولیس اسٹیشن پہنچنا چاہتے تھے۔ اچانک گاڑی کا پچھلا ٹائر راڈ ٹوٹ گیا۔ گاڑی کی رفتار چونکہ کافی تیز تھی۔ اس لئے اگلے ہی لمحے گاڑی الٹ گئی اور سڑک پر گاڑی کی چھت کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز گونجنے لگی۔ اندر بیٹھے سپاہیوں نے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن شیشے اور دروازے باہر سے لاک ہوچکے تھے۔ اس لئے ان کے باہر نکلنے کی کوشش بے سود تھی۔

گاڑی پہلے جتنی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اب اس کی رفتار پہلے سے کافی زیادہ بڑھ چکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی کی چھت سڑک کی رگڑ کی وجہ سے کٹتی چلی گئی اور پھر ایک ایسا دلخراش منظر سامنے آیا کہ اگر اس سڑک پر کوئی بھی دیکھ لیتا تو شاید وہیں اس کی جان نکل جاتی۔

دونوں سپاہیوں کے سر سڑک کی رگڑ کی وجہ سے

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ، یمنی، عمیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہوجائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد، نیک، میاں کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مردو عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ناراض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۂ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826-0333-2327650

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر

بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

کٹتے چلے گئے۔ جبکہ ان کا خون سڑک کو رنگین کرتا گیا اور وہ چاہ کر بھی ہل جل نہ پائے۔ کٹتے کٹتے ان کے سر، چہرے، ہاتھ، دھڑ، یہاں تک کہ پورے جسم کٹ گئے اور سڑک ان کے لہو سے لبریز ہوگئی۔ لیکن دور دور تک یہ دہشت ناک منظر دیکھنے والا کوئی نہ تھا جبکہ سڑک پر دور تک پڑی خون کی تہہ کافی دور تک نظر آتے ہوئے عجیب دل دہلاتا منظر پیش کرنے لگی تھی......!

☆......☆......☆

''نجانے کیا راز ہے اس درخت کے تنا میں......!'' آج اس کو کاٹنا ہی پڑے گا۔ شاید تب ہی جاوید کے قتل کا سراغ مل جائے۔'' انسپکٹر ابرار نے خود کلامی کی۔ ''نجانے یہ دونوں کہاں رہ گئے......؟''
کافی دیر گزرنے کے بعد انسپکٹر ابرار نے بے زاری سے کہا اور موبائل فون سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ لیکن دوسری طرف سے رابطہ نہ ہو پایا۔

انسپکٹر غصے سے زمین کی گھاس جوتے سے کریدنے لگا۔

شام کے سائے ہر طرف سے ابھرنے لگے تھے۔ معاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا جس کے پیش نظر اس نے سائیڈ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ ہمیشہ اپنی سائیڈ والی جیب میں ایک چاقو رکھتا تھا۔ جو اکثر پھل کاٹنے کے لئے وہ استعمال کرتا تھا۔ اس نے چاقو کھول کر درخت کے تنے کو کریدنا شروع کر دیا۔ اور شاید یہی اس کی بڑی غلطی تھی کیونکہ جیسے ہی درخت کی چھال کٹی وہاں سے خون کی بوندیں گرنا شروع ہوگئیں۔

انسپکٹر کے چہرے پر خوف اور پریشانی کے آثار نمایاں ہوگئے، اور پھر فضا میں گھٹی گھٹی چیخیں ابھرنے لگیں۔

چاقو انسپکٹر کے ہاتھ سے نیچے گر گیا اور وہ درخت سے پیچھے ہٹنے لگا۔

درخت آہستہ آہستہ روشن ہونے لگا اس پر موجود الّو بہت غضبناک نظروں سے انسپکٹر کو دیکھ کر چیخا۔ الو کی چیخ نے سارے جنگل کی فضا میں عجیب دہشت پیدا کر دی۔

انسپکٹر نے مزید کئی قدم تیزی سے پیچھے ہٹائے۔ اسے اتنی سمجھ آ چکی تھی کہ معاملہ انتہائی پیچیدہ اور خوفناک ہے۔

اور پھر انسپکٹر ابرار کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، جب درخت میں ایک چوڑا شگاف نمودار ہو گیا اور اس میں سے کئی لوگ نکل کر سامنے آنے لگے۔ وہ سب حلیے سے کسی اور ہی دنیا کے باسی لگتے تھے۔ ان کے سروں پر سینگ ہونے کی وجہ سے انسپکٹر فوراً جان گیا کہ وہ قوم جنات سے ہیں۔

پھر ان میں سے ایک بڑا آدمی جو غالباً ان کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا انسپکٹر کے سامنے آیا......

''ہم بے مقصد تم انسانوں کو پریشان نہیں کرتے تو تم لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے ہمیں تکلیف دینے کا......؟'' قہر برساتی نظروں سے وہ انسپکٹر کو گھور رہا تھا۔

''یہاں، انسانی آبادی سے قدرے دور ہمارا بسیرا اس درخت پر ہے تو تم لوگوں کو اس سے بھی تکلیف ہے......؟ ہمارا گھر توڑنا چاہتے ہو......؟''

انسپکٹر کی آنکھوں میں اپنی سرخ انگارہ آنکھیں ڈالتے ہوئے جیسے وہ چیخا۔

''ن، نن نہیں، نہیں، ووہ......'' انسپکٹر کی آواز حلق میں ہی دب گئی تھی۔ اتنا ہولناک منظر آج سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔

''تمہارے دونوں بندے ہمارا گھر توڑنے کے لئے اوزار لینے گئے تھے، انہیں ہم نے ختم کر دیا...... ہاہاہا ہا......!'' جنات کا سرغنہ بھیانک انداز میں ہنسا۔ ''اور اب...... تم نے ہمارے گھر کو توڑنے کی کوشش کی...... کیوں......؟ انتہائی غصیلے لہجے میں اس نے انسپکٹر سے پوچھا۔

''ہم...... ہم...... میں...... نن...... نہیں...... وو...... وہ...... جج...... جاو...... ید......!''

''ہاں وہ لڑکا...... جاوید...... وہ اکثر یہاں آتا تھا۔ ہمارے گھر کے نیچے بیٹھ کر وہ اپنا کام کرتا تھا۔ ہم نے اسے کبھی تنگ نہیں کیا بلکہ ہم تو اسے بہت پسند کرنے لگے تھے۔ وہ یہاں بیٹھ کر خود سے باتیں بھی کرتا

تھا۔ ہم سب اس کی باتیں سنتے تھے۔ وہ ہمیں ہمارے خاندان کا ہی لگنے لگا تھا۔ جس دن وہ نہیں آتا تھا تو ہم سب بے چین ہو جاتے تھے۔ وہ بھی یہاں آ کر بہت سکون محسوس کرتا تھا اور خود سے اکثر کہتا تھا۔

''میں یہاں آ کر اپنی ساری باتیں تم سے کرتا ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔ مجھے اکیلا کبھی مت چھوڑنا۔''

اور وہ ہمارے گھر کے دروازے سے لپٹ جاتا تھا۔'' اس نے بیری کے درخت کے چوڑے تنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔'' زندگی میں پہلی مرتبہ کسی انسان نے ہمارے گھر سے اتنا پیار کیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہم سب کو بھا گیا تھا اور ہم اس کے بغیر اپنے گھر کو اکیلا سمجھنے لگے تھے لیکن پھر ایک دن جب وہ آیا تو کافی اداس تھا۔ اس نے خود سے کہا۔

''دوست میرے لئے تعلیمی وظیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ ویسے تو میں بہت خوش ہوں۔ لیکن اس کے لئے مجھے اس گاؤں سے بہت دور شہر جانا پڑے گا۔ اگر بات مجھے پہلے پتہ ہوتا تو میں انکار کر دیتا لیکن اب گھر میں بڑے بھائی اور ابو کو بھی اس کا پتہ چل گیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں وہاں ضرور جاؤں۔ پر میں یہیں رہ کر پڑھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں چھوڑ کر میں نہیں جانا چاہتا۔ وہاں بھلا میں کس سے دل کی باتیں کروں گا۔ آخر کون ہوگا وہاں میرا ساتھی.....؟''

''وہ اس دن بہت اداس تھا۔ اس کی اداسی پر ہم بہت اداس ہو گئے تھے اور پھر میں نے خود ہمت کر کے اس درخت کے تنے سے اسے آواز دی۔ جاوید..... اپنا نام سن کر چونک گیا۔'' ڈرو مت، میں تمہارا دوست ہوں.....؟'' میں نے کہا۔

وہ بدستور ڈرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے ہمیشہ کے لئے بھاگ جاتا، میں نے خود کو اس پر ظاہر کر دیا۔ یہ منظر چوں کہ اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس لئے وہ انتہائی سہم گیا۔ لیکن میں نے بہت پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شگاف میں اندر کھینچ لیا اور درخت کا تنا باہر سے ویسے ہی برابر ہو گیا۔

اپنے گھر میں لا کر ہم سب نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ہر چھوٹے بڑے جن نے اسے دل سے خوش آمدید کہا۔ اتنا پیار اور خلوص دیکھ کر اس کا ڈر تھوڑی ہی دیر میں غائب ہو گیا اور وہ ہمارے اس ماحول میں گھل مل گیا۔

''میرا دل باہر کی جھوٹی اور فریبی دنیا سے بھر گیا ہے۔ مجھے باہر نہیں جانا۔ خدا کے لئے مجھے اپنے پاس رکھ لو.....!''

یہ خواہش اس نے خود مجھ سے کی تھی۔ جسے سن کر میں سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اب کیا کروں۔ میں نے اپنے سردار سے بات کی تو سردار نے کافی سوچنے کے بعد یہی حل بتایا کہ'' جاوید کو ہم اب واپس نہیں بھیجیں گے۔''

ہمارے قید خانے میں قید ایک سزا یافتہ جن کی موت ہوئی تو ہم نے اس کی شکل و صورت جاوید کی طرح بنا کر اسے درخت سے باہر پھینک دیا اور اس کے جسم پر جو تشدد اور نوچنے کے نشانات تھے وہ درحقیقت اس جن کی سزا کے تھے جو اس نے دوران قید یہاں برداشت کئے تھے۔

جاوید ہمارے پاس خیر و عافیت سے ہے اور انتہائی خوش ہے۔ ٹھہرو تمہیں اس سے ملواتا ہوں.....!

اور پھر شگاف میں سے سفید خوشبو دار لباس زیب تن کئے جاوید سامنے آیا اس کے سر پر سفید موتیوں کا نفیس تاج بھی موجود تھا اور وہ حد درجہ اطمینان و سکون سے انسپکٹر کی طرف دیکھا تھا۔

''انسپکٹر تم باہر کسی کو یہ سب مت بتانا۔ دیکھو مجھے..... میں یہاں بہت سکون سے ہوں مجھے یہیں رہنے دو۔ اب میں اس گھر کا باسی ہوں اور میں یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتا۔ اور ہاں ہمارے گھر کو توڑنے کی اگر کسی نے بھی کوشش کی تو ہم سب مل کر اسے برباد کر دیں گے۔ جاؤ اور ہمیں سکون سے رہنے دو.....!''

اس سے پہلے کہ انسپکٹر کچھ کہتا ایک ایک کر کے تمام جنات اندر جانے لگے اور آخر میں جاوید بھی ایک دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ''الوداع'' کہتے ہوئے درخت کے شگاف میں گم ہو گیا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 119

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سرگوشی سنتے ہی چندا بدحواس ہوگئی کیونکہ آواز واضح تھی اور بولنے والا کوئی موجود نہ تھا، باہر سے بارہ دری میں واپس آئی تو ایک وجیہہ اور خوبرو نوجوان جو کہ اکثر اس کے خوابوں میں آتا رہا تھا، خیر نوجوان کے سمجھانے پر چندا کے حواس بحال ہوگئے اور چندا کے دل میں نوجوان کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوا، لیکن چندا سوچوں کے بھنور میں پھنسی رہی۔ ایک دن تو حد ہی ہوگئی کیونکہ وہ نوجوان مجسم رات کے وقت چندا کے کمرے میں موجود تھا جسے دیکھ کر چندا گھبرا گئی اور بولی۔ آپ میرے کمرے میں اور اگر کسی نے دیکھ لیا تو..... مگر نوجوان نے اسے تسلی دی کہ میں ایک عمل پڑھتا ہوں تو دوسروں کی نظروں سے غائب ہوکر جہاں چاہوں جاسکتا ہوں۔ خیر چندا اور نوجوان جس نے اپنا نام شمران بتایا اس سے شناسائی بڑھتی گئی اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوئے۔ اور پھر یہ عقدہ کھل ہی گیا کہ چندا کسی نادیدہ ہستی کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے اور یہ پورے گھر کے لئے عذاب تھا۔ اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ چندا پر ایک جن عاشق ہوگیا ہے۔ اور پھر چندا کے والد شرف الدین خاموشی سے رولوکا کے پاس پہنچے اور گلوگیر آواز میں بیٹی کی مصیبت بیان کردی اور پھر اس طرح رولوکا نے چندا کی جان اس جن سے چھڑا دی۔ یعنی اس جن کا رولوکا نے دنیا سے صفایا کردیا۔ حکیم وقار ایک کتاب پڑھ کر رولوکا کو سنا رہے تھے۔ کتاب کا نام تھا "چور ٹپکا اور شیر" کتاب میں لکھا تھا ایک رات کی بات ہے زوروں کی بارش ہورہی تھی۔ ایک گھر میں دو ضعیف میاں بیوی باتیں کررہے تھے اور اسی دوران ایک چور آیا اور چھجے کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ اسی جگہ ایک شیر بھی دبکا پڑا تھا، بڈھا بولا اپنی بوڑھیا سے ارے ٹپکا نے پریشان کردیا اور یہ بہت ظالم ہے یہ سنتا تھا کہ چور نے سمجھا یہاں پر کام نہیں بنے گا چوری کا، اور شیر بھی یہ سن کر کہ ٹپکا خطرناک ہے، چور نے سوچا کیوں میں خالی ہاتھ جاؤں اور کیوں نہ بڈھا کمہار کا ایک گدھا ہی لیتا جاؤں اور پھر چور شیر پر سوار ہوگیا گدھا سمجھ کر اور شیر ڈر گیا کہ یہی ٹپکا ہے اگر میں نے کوئی حرکت کی تو یہ مجھے کاٹ ڈالے گا۔ اور پھر چور کی ہر جگہ دھاک بیٹھ گئی وہ جہاں بھی جاتا شیر پر سواری کرکے، اور پھر اسی جگہ کا راجہ چور سے ڈر کر اسے اپنا سپہ سالار بنالیا۔ مکان والے بوڑھے کا نام گلشن تھا اور وہ کمہار مٹی کا برتن بنانے والا۔ ایک روز چور سپہ سالار گلشن کے پاس پہنچ گیا۔ گلشن نے ایک گاؤں بسایا تھا جس کا نام خوشحال پور تھا۔ سپہ سالار سے گلشن بولا۔ اس جگہ آنے والا میں پہلا آدمی ہوں اور پھر اس کے بعد آبادی بڑھتی گئی یہاں خوشی آئی ہر آدمی سکھ شانتی میں ہے اسی لئے اس بستی کا نام خوشحال پور ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

سپہ سالار نے گردن جھکائی اور سب سے بڑے اور پہلے بیوپاری کے پاس چلا گیا۔

اس کے شیر نے دھاڑ مار کر اس کی آمد کی اطلاع دی اور گوپی چند ملہاری گھبرا کر باہر آگیا، شیر کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور زبان میں لکنت آگئی۔

بڑی مشکل سے بولا۔ "آؤ آؤ شریمان کیسے کشٹ کیا۔ مجھے حکم دیتے میں خود آجاتا۔"

چور سپہ سالار بولا۔ "پر تیری تجوری تو نہ آتی ہم تجھ سے نہیں تیری تجوری سے ملاقات کرنے آئے ہیں سنا ہے اب تو لبالب بھر گئی ہے۔"

گوپی چند سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "حکم کرو سرکار کتنا روپیہ نذر کروں سب آپ کا ہے۔"

"تو پھر نذر کرنے کی ضرورت کیا ہے ارے ہمارا ہے تو سب لیں گے....." اور اس نے گھوڑ سواروں کو اشارہ کردیا اور دو جوان اندر گئے مگر ان سے تجوری نہ

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

اٹھائی گئی۔ ''بولے سرکار بہت بھاری ہے۔''

سپہ سالار نے کہا۔ ''اس کو خالی کرلو اور سب مال ایک بوری میں بھر کے لے آؤ اور خیال رکھنا کچھ رہے نا۔''

گوپی ہائے رام کہہ کر اندر کو چلا مگر شیر کی دہاڑ سن کر اس کے پیر زمین سے چپک گئے۔

پوری بوری میں تجوری کی تمام دولت آ گئی۔ اس کو ایک گھوڑے پر لاد دیا گیا۔

سپہ سلار نے گوپی چند کو مخاطب کر کے تاکید کی۔ ''کل کا سورج تو اس سرزمین پر نہیں دیکھے گا اور اگر تو یہاں رہا تو سمجھ لے میرے شیر نے تجھے دیکھ لیا ہے آگے تو جان۔''

اور وہ شیر پر سوار ہو گیا۔

''آٹھ دن میں خوش حال پور کے سارے گندے انڈے صاف کر دیے اور ان کو اس سرزمین سے باہر کر دیا گیا۔ غریبوں، مزدوروں کے چہروں پر کچھ رونق آئی۔ چور سپہ سالار نے ساری دولت راجہ وکرم کو روانہ نہ کی اس کا بہت بڑا حصہ خود رکھ لیا اور گلشن کے مکان میں رہائش اختیار کرلی اور راجہ وکرم کی اجازت کے بغیر فوجی بھرتی شروع کر دی اور تگڑے تگڑے جوانوں کو ملازمت دینا شروع کر دی ان کا کھانا کپڑا اور رہائش سب کچھ خود مہیا کیا اس طرح اس کے پاس چند دنوں میں ایک بہت اچھی فوج تیار ہو گئی اس کو راجہ وکرم کی فوجی طاقت کا اندازہ خوب تھا۔ اس نے اس سے زیادہ بہتر انداز میں جوانوں کی تربیت کروائی اور ایک بہترین لڑاکا دستہ تیار کرلیا۔ یہ کام اس نے نہایت خفیہ انداز میں کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے کسانوں اور دیگر لوگوں کے لئے بھی اصلاحات کیں اس سے ان پر ذرا سا بوجھ تو پڑا مگر انہوں نے خوشی سے اس بوجھ کو برداشت کرلیا ان کے باغات کے فروٹ اور اناج کو فروخت کرنے کا ایک الگ سے محکمہ بنا دیا تو وہ یہ کام کرنے لگا اور اس کے بدلے کسانوں کو پیسہ ملا اور خراب ہونے سے ان کا مال بچ گیا۔

سرکاری طور پر بڑے بڑے گودام بنائے گئے ان کی حفاظت کو پہرے دار بیٹھائے گئے، عوام کی کچھ سہولت نظر آئی اور چور سپہ سالار ہیرو بنتا گیا اس کے ذہن میں گلشن کی باتیں تھیں وہ غیر محسوس طریقے پر ان پر عمل کر رہا تھا اور لوگ خوش تھے۔

مگر راجہ وکرم اس سے خوش نہ تھا۔ اس کو خبر مل چکی تھی کہ سپہ سالار نے پوری دولت اس کو نہیں دی اس نے کئی مرتبہ پیغام بھجوائے کہ سپہ سالار اس کے پاس آئے مگر وہ نہیں گیا۔

اب راجہ وکرم سمجھ چکا تھا کہ سپہ سالار کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ مگر وہ شیر سے ڈرتا تھا اس کا اس نے یہ توڑ نکالا کہ اپنی فوج میں کئی شیر کے شکاری رکھ لئے اور ان کو آگے رکھا اور خوشحال پور کی طرف کوچ کر دیا۔ چور سپہ سالار کو بھی پل پل کی خبریں آ رہی تھیں۔ اس نے خوشحال پور کے چاروں طرف گہری کھائی کھدوا دی اور اس میں پانی بھروا دیا۔

راجہ وکرم کی فوجی طاقت زیادہ تھی یہ بات سپہ سالار کو پتہ تھی اس لئے طریقہ لڑائی بدل دیا۔ آمنے سامنے فوجیں نہ آئیں ایسا انتظام کیا، کھائی کو پار کرنا پیدل اور گھوڑوں کے لئے ممکن نہ تھا، ان کو اندر آنے کا راستہ درکار تھا اور ان پر سخت نگرانی تھی اور وہ راستے اتنے تنگ تھے کہ صرف ایک گھوڑ سوار گزر سکے۔ راجہ کے گھوڑ سوار کھائی کے اطراف دوڑتے رہے، راستہ تلاش کرتے رہے، دوسرے وہ لمبا سفر کر کے آئے تھے ان پر تھکان کے آثار تھے۔

جبکہ سپہ سالار کی فوج تازہ دم اور ایک مقام پر تھی رات بھر کی لڑائی، اگر اس کو لڑائی کہا جائے تو راجہ کی فوج اپنے ٹھکانے پر رک گئی، سوار گھوڑوں سے اتر کر آرام کرنے لگے گھوڑوں کو چارہ اور جوانوں کو کھانا تقسیم ہوا، یہ سب کارروائی خوشحال پور والوں کے سامنے تھی، ان کے پہاڑ اس سلسلہ میں ان کے مددگار تھے۔ راجہ کی فوج کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے پڑی تھی ایک بڑی سی چھولداری پر راجہ کا جھنڈا لگا تھا اس کا مطلب تھا راجہ

خود لڑائی میں شریک ہے دن بھر راجہ کی فوج تھکان اتارتی رہی ان کے گھوڑے اور جانور میدان میں چرتے رہے، شام ہوتے ہی انہوں نے پھر حملے کی تیاری کی اور اندھیرا ہوتے ہی راستوں پر دھاوا بولا مگر بھاری نقصان اٹھانے کے بعد خود ہی پیچھے چلے گئے۔ سپہ سالار کی فوج کا کوئی نقصان نہ ہوا اس لئے کہ یہ لوگ اپنی جگہ پر تھے اور ان کو پہاڑ کی بہترین پناہ میسر تھی۔

راجہ کی فوج میں ابتری اور انتشار کے آثار تھے۔ شیر کے شکاری اپنی اپنی تیر کمانیں لئے شیر کے منتظر تھے مگر شیر ان کو اب تک نظر نہیں آیا تھا تین راتوں کی ناکامی کے بعد آخر راجہ کی فوج بددل ہوگئی ان کے حملوں میں زور اور جذبہ نہ رہا اور ان پر سخت تھکان سوار ہوگئی۔

ادھر چور سپہ سالار کی فوج اپنی ڈیوٹیاں بدل رہی تھی اس لئے وہ تازہ دم تھی ان کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوا تھا۔ ان کے حوصلے بلند تھے، حملہ آور فوج مسلسل ناکامیوں سے تنگ تھی راجہ نے اب تک اس قسم کی جنگ نہیں کی تھی وہ سمجھ رہا تھا آمنے سامنے مقابلہ ہوگا مگر یہاں پر تو کوئی فوجی نظر نہیں آتا تھا صرف راستوں پر مورچہ تھا اور یہاں پر سپہ سالار کے دو جوان دس پر بھاری تھے اس لئے کہ وہ محفوظ جگہ پر تھے۔

آخر راجہ خود اس طریقہ جنگ سے تنگ آگیا اور اس نے طے کرلیا کہ بذریعہ جنگ معاملہ طے نہیں ہوگا اور اس نے سپہ سالار کو پیغام دیا کہ وہ صلح کی بات کرنا چاہتا ہے۔

سپہ سالار نے جواب دیا۔ ''سب سے پہلے محاصرہ ختم کیا جائے، فوجوں کو واپس بھیجا جائے اس کے بعد میں بات کرنے کو تیار ہوں، دوسری صورت میں تم پر اور تمہاری فوج پر بہت برا وقت آنے والا ہے۔ چند روز کے بعد بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگا، تم نشیب میں ہو خود سمجھ لو کہ پانی تمہارا کیا حشر کرے گا۔''

راجہ کی سمجھ میں یہ بات فوراً آگئی اور اس نے اپنی فوجوں کو واپس روانہ کردیا صرف چند گھوڑ سوار اور شکاری دستہ رہ گیا۔

سپہ سالار کو پتہ تھا کہ راجہ کے ساتھ شکاری ہیں اس لئے اس نے پھر شرط رکھ دی کہ شکاریوں اور تمام فوجیوں کو بھی واپس بھجوایا جائے۔ میں تمہاری جان کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہوں مگر بات چیت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے فوجی اور لڑائی کا ماحول ختم کیا جائے اس کی فضا پیدا کی جائے۔''

راجہ کی تو گردن پھندے میں تھی اس کو یہ شرط بھی ماننی پڑی۔ شکاری اور اس کے فوجی بھی واپس روانہ ہوگئے یہ سب کارروائی اوپر سے نظر آرہی تھی۔

پھر راجہ کو راستہ دیا گیا اور وہ کھائی پار کرکے اندر آگیا اس کے سامنے سپہ سالار کھڑا تھا۔ وہ راجہ کو لے کر گلشن کے مکان میں آگیا اس کو عزت سے بٹھایا اور گلشن سے ملوایا۔

راجہ نے بات شروع کی۔ ''تم میرے سپہ سالار ہو اور تم نے میرے خلاف بغاوت کی ہے تو تم میرے باغی ہوئے۔''

سپہ سالار نے اقرار کیا۔ ''یہ درست ہے مگر اس کی وجوہات بھی ہیں۔''

نمبر ایک یہ کہ تم نے مجھے یہاں پر لوٹ مار کرنے اور دولت جمع کرنے کو بھیجا تھا۔ تمہاری نیت یہاں کے عوام کے ساتھ نیک نہ تھی اور نہ اس دولت کو کسی فلاحی اور انسانوں کی خدمت کرنے کو خرچ کرنے کی تھی، صرف اپنی ذاتی اور اپنی رانیوں کو خوش کرنے کی تھی پھر میں تم کو یہاں کی دولت کیوں دیتا، میں نے دولت کو یہاں پر ضرورت مندوں پر خرچ کردیا، یہاں کے چند دولت مند اور اس علاقے کے عوام دشمن لوگوں کو بھگا دیا۔ اب یہاں پر کسان اور غریب لوگ خوش ہیں وہ محنت کرتے ہیں اور اس کا پورا پورا پھل پاتے ہیں تم نے اپنے کسانوں پر لگان کا بوجھ لاد رکھا ہے۔

ان کے پیدا کردہ اناج پر تمہارا کنٹرول ہے تم کسانوں کو اتنا دیتے ہو کہ وہ دو وقت کی روٹی مشکل سے کھا پاتا ہے۔ مجھے تمہاری ریاست کے حالات پتہ تھے میں جانتا تھا کہ اس دولت کا تم کیا کروگے اسی لئے

میں نے اس سرزمین کی دولت اس کے باشندوں کا حق سمجھ کر ان پر خرچ کردی تم اس کو بغاوت کہو یا کچھ اور مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔"

راجہ بولا۔ "اس دفعہ تم نے اپنی حفاظت کرلی میرا حملہ ناکام ہوا مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہوگا یہ حملہ چند ہزار پر مشتمل گاؤں میرا مقابلہ کرسکتا ہے تم کو آخر مجھ میں شامل ہونا پڑے گا اگر خوشی سے ہوجاؤ گے تو تمہارے لئے میرے دل میں گنجائش ہے میں معاف کرکے پھر تم کو تمہارے عہدے پر بحال کردوں گا اور تم کو وہی عزت دوں گا جو کہ تھی۔"

چور سپہ سالار نے بڑے تحمل مزاجی سے راجہ کی تقریر سنی اور پھر گویا ہوا۔

"راجہ بکرم آپ نے بڑی فراخ دلی سے میری غلطیوں کو معاف کردیا میں اس کا شکر گزار ہوں مگر میں آپ کی فوج کی سپہ سالاری کو قبول نہیں کرتا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں یہ وجوہات آپ کے قریب رہنے سے مجھے پتہ چلی ہیں۔

نمبر ایک یہ ہے کہ آپ کے عوام بھی آپ کی ظالمانہ رسم و رواج اور آپ کے اخراجات جو کہ زیادہ تر آپ کے محل کے ہیں، اس سے تنگ ہیں آپ ان پر لگان لگاتے ہیں اور بہت ظالمانہ طریقہ پر وصول کرتے ہیں۔ میری نظر میں یہ انسانوں پر ظلم ہے آپ اس کو بند کروائیں، بتائیں کیا آپ وہ مراعات دیں گے جو یہاں پر رائج ہیں، نہیں دیں گے اس لئے کہ آپ کے اخراجات زیادہ ہیں۔

آپ کے مقابلے میں ہمارے کچھ اخراجات نہیں ہیں، نہ دربار ہے نہ درباری نہ وزیر ہیں نہ ان کے اخراجات، بے وجہ کے ہزاروں اخراجات آپ کے ساتھ ہیں جو کہ غیر ترقیاتی ہیں، ان سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہے ہم ان غیر ترقیاتی اخراجات کو ترقیاتی مقامات پر استعمال کرتے ہیں ان سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے میں آپ کی ریاست کے بارے میں خوب جانتا ہوں، آپ لوگ عوام کا خون چوس کر اپنے بے ضرورت اخراجات پورے کرتے ہیں۔

آپ کی ریاست اب آخری حد پر ہے آپ کا خزانہ خالی ہے، صرف چند مہینے کے بعد آپ کسی ریاست کے پاس قرض لینے جائیں گے۔"

"تم کو یہ سب کس نے بتایا۔" راجہ بات کاٹ کر بولا۔

"آپ کے وزیر نے بتایا ہے اس کا کہنا ہے کہ "آپ اندرونی طور پر قلاش ہوچکے ہیں۔"

میں آپ کو قرض دے سکتا ہوں مگر اپنی شرط پر، آپ کو وہ کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔" سپہ سالار بولا۔

"میں تم سے قرض لوں گا اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔" راجہ بولا۔

"یہ آپ کو ریاست واپس جانے کے بعد پتہ چلے گا کیونکہ آپ نے جو اخراجات حملہ کرنے پر کئے ہیں۔ وہ بہت زیادہ ہیں، سپاہیوں کی تنخواہیں اور گھوڑوں کے اخراجات باربرداری کے اخراجات آپ کو ادا کرنے ہیں اور آپ کی ناکامی آپ کے چہرے کو کالا کردے گی، رعایا آپ سے نفرت کرے گی آپ ان پر نئے نئے اخراجات تھوپیں گے اور وہ ادا نہیں کریں گے پھر آپ ان پر ظلم کریں گے اور وہ ریاست کے باغی ہوجائیں گے، آپ نے خوشحال پور کو سونے کی چڑیا سمجھ کر پنجرے لے کر آگئے تھے مگر یہ آپ کے گلے کی ہڈی ثابت ہوا۔ مگر میری پیشکش اب بھی موجود ہے، قرض آپ کو دوں گا مگر آپ کو میری مرضی پر چلنا ہوگا۔" سپہ سالار بولا۔

"میں فوراً جواب نہیں دے سکتا، مجھے مشورہ کرنا ہوگا۔" راجہ بولا۔

"ضرور مشورہ کریں مگر وزیر خزانہ سے نہ کریں اور اس کو اس عہدے سے فوراً ہٹادیں وہ غدار ہے آپ کے ساتھ وفا نہیں کرے گا۔"

راجہ واپس اپنی ریاست کو روانہ ہوا مگر وہ ایک ہارا ہوا جواری تھا۔ اس نے بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا اور ہار گیا تھا سپہ سالار کی ساری باتیں درست تھیں۔

خزانہ خالی تھا رانیوں کے مطالبات اور فرمائشیں وزیروں کی مراعات فوجی اخراجات پورے کرنے کو کچھ نہیں تھا اور یہ اطلاع وزیر خزانہ نے اس وقت دی جب وہ خزانہ خالی کر چکا تھا۔

راجہ ریاست میں پہنچا اور اس نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کرلیا اور پوری صورت حال تمام وزیر اور مشیروں کے سامنے رکھ دی اس صورت حال کو سن کر سب پریشان ہوئے اور سب کو اپنی اپنی فکر لگ گئی۔

خزانہ خالی ہے تو ان کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے سب نے ایک زبان ہو کر قرض لینے کی سفارش کردی اور سب کی منظوری سے یہ بات طے پا گئی کہ قرض لیا جائے گا اور فوراً اس منظوری کا خط خوش حال پور روانہ کردیا گیا۔

خط پڑھ کر سپہ سالار مسکرایا۔ تو بوڑھے گلشن نے پوچھا۔ ''کس کا خط ہے؟''

''راجہ بکرم چند کا خط ہے وہ ہم سے قرض لینے پر راضی ہے ہماری شرائط پر۔'' سپہ سالار بولا۔

''تم نے جو پلان بنایا ہے وہ بہت اچھا ہے بغیر کسی لڑائی کے کسی ریاست پر قبضہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے اس ریاست پر قرض کا بوجھ لاد دیا جائے اور پھر اپنی مرضی کے کام کروائے جائیں تم نے شرائط طے کرلی ہیں۔'' گلشن نے پوچھا۔

''کچھ طے کرلی ہیں مگر ان کو تحریری شکل میں نہیں لایا۔'' سپہ سالار بولا۔

''کچھ بتاؤ کیا طے کیا ہے۔'' گلشن نے پوچھا۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ سارے وزیروں کو فارغ کردیا جائے، ان کے ذاتی اخراجات کی مد سے جو رقم بچے گی وہ ترقیاتی کاموں پر خرچ کی جائے۔ محل کے اخراجات قطعی بند کردیئے جائیں صرف ایک رانی کا خرچ ادا کیا جائے گا..... اس بچت کو کسانوں میں تقسیم کیا جائے ان کو مراعات دی جائیں۔

سرکاری محکمے جو کہ غیر ضروری ہیں جیسے محکمہ وصولی لگان ہے اس کو ختم کردیا جائے اور کسانوں پر سے لگان ختم کردیا جائے ان کو بیج کی خریداری کے لئے بلاسود قرض دیا جائے۔

ہمارا قرض ادا کرنے کو یہ طریقہ اپنایا جائے کہ ریاست کے صاحب حیثیت افراد اپنی جائیداد اور رقم پر سود ریاست کو ادا کریں گے..... اور اگر جو رقم ادا نہ کرے اس کے بارے میں ہمیں اطلاع دی جائے۔''

''بہت خوب تم نے یہ بڑی پیاری شرط رکھی ہے۔'' گلشن بات کاٹ کر خوشی سے بولا۔

سپہ سالار بولا۔ ''اور اسی قسم کی باتیں ہیں آپ کو اچھی لگی ہیں؟''

''ان میں ایک شرط اور رکھ لو ہر بوڑھا آدمی جس کی عمر ساٹھ سے اوپر ہے سرکاری خرچ سے ادا کیا جائے گا۔''

''رکھ دوں گا اور بھی کچھ آپ کے ذہن میں آئے تو بتادیں میں کل شرائط نامہ تحریر کررہا ہوں۔''

راجہ بکرم چند کے روبرو شرائط نامہ رکھا اور وہ گہری سوچ میں تھا۔ اس کے خواب و خیال میں نہ تھا کہ اتنی کڑی شرطوں پر قرض ملے گا۔ مگر حالات بہت خراب تھے، اب کسی وزیر یا درباری سے مشورہ کرنے کی ذرا سی گنجائش نہیں تھی کیونکہ شرط کی رو سے ان کو تو فارغ ہی کرنا تھا۔

مگر محل کے اخراجات بند کرنے کی شرط راجہ کو ذرا پسند نہ آئی مگر اس کے بس میں کچھ نہ تھا اگر شرط نہ مانی تو قرض نہیں ملے اور محل کے اخراجات تو خود بخود بند ہو ہی جائیں گے اس سے کم از کم رانی اور میرا تو تحفظ ہے اس لئے اس نے اس شرط نامے پر دستخط کردیئے اور واپس روانہ کردیا۔

اور لوگوں نے دیکھا کہ چند گھوڑ سواروں کے ساتھ سپہ سالار اپنے شیر پر سوار راجہ کے پاس آ گیا خوشامدی نے سب کو محل سے نکال دیا باہر چوکیداری پر صرف ایک آدمی رکھا گیا۔

اس طرح راجہ کے ذاتی محل کے تمام لوگوں کو باہر کردیا اور حکم دیا کہ وہ سب اپنے گھروں کو جائیں، جو

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

عورتیں تھیں ان کو بھی روانہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے راجہ کے ملازمین اور فوج کے جوانوں کو تنخواہ ادا کیں اور کسانوں کو بلا کر یقین دہانی کرائی کہ آج سے ان پر کسی قسم کا لگان نہیں ہے وہ جو اناج پیدا کریں گے اس کو ریاست خریدے گی اور نقد رقم ادا کرے گی۔ کسانوں اور عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سب ''سالار صاحب زندہ باد'' کے نعرے لگانے لگے۔

چند روز میں ریاست دونی کے لوگ راجہ کو بھول گئے اور سالار صاحب کو ہی راجہ سمجھنے لگے اب چور سپہ سالار زیادہ دن ریاست دونی میں رہنے لگا اور صرف سالار صاحب ہوگیا۔ راجہ صرف اپنے محل تک محدود ہوگیا ہر فیصلہ سالار صاحب کا چلنے لگا۔ اس نے ریاست میں اصلاحات بھی کیں، غریبوں کو اوپر اٹھایا اور سرمایہ داروں کو دبایا گیا۔ مگر ان کو ریاست سے نہیں جانے دیا کاروبار کرنے کی چھوٹ دی اور جائز منافع پر پابندی نہ لگائی۔

''راجہ بکرم چند کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف دو راج کماری تھیں، دونوں جوان اور شادی کے قابل تھیں راجہ ان کی شادی کرنا چاہتا تھا، مگر ریاست کے معاملات خراب ہونے سے وہ ان کی طرف سے غافل ہوگیا تھا۔

سالار کے سلطنت کے نظام کو سنبھالنے سے اس کو ذرا فرصت ملی اور اس کے ذہن میں پھر ان کی شادی کا خیال آگیا۔ ریاست کے نظام کو سالار نے جس خوبی اور عقل مندی سے چلایا تھا اس سے راجہ کے ذہن میں اپنے داماد کا تصور جیسا تھا سالار ہزاروں میں ایک تھا جوان تھا صاحب عقل تھا اور امور سلطنت کو خوب سمجھ گیا تھا مگر صرف ایک خرابی تھی اور وہ تھی اس کے مذہب کی، راجہ خاندانی راجپوت تھا اور سالار مسلمان، یہ رشتہ ہونا آسان نہ تھا۔

راجہ بہت دن غور و فکر کرتا رہا، آخر اس نے رانی سے مشورہ کرنے کی ٹھان لی اور ایک دن بولا۔

''رانی میں چند روز سے بہت فکر میں پڑا ہوں۔''

رانی بولی۔ ''اب کاہے کی فکر ریاست کے سارے کام تو سالار کرتا ہے تم تو فارغ ہو۔''

راجہ بولا۔ ''یہ تو درست ہے سالار نے مجھے فارغ کردیا ہے اور ایسا انتظام کردیا ہے کہ بغیر کسی وزیر کے کم سے کم خرچہ پر حکومت چل رہی ہے اور جو بچت ہو رہی ہے وہ رعایا پر خرچ ہو رہی ہے اس سے رعایا بھی خوش ہے ابھی کچھ دن جاتے ہیں کہ ریاست دونی خوش حال ہوجائے گی اور قرض بھی اتر جائے گا۔''

''رانی بولی۔ ''پھر تم کو کس بات کی فکر لاحق ہے۔''

راجہ نے جواب دیا۔ ''رجنی اور کانتا دونوں شادی کے قابل ہیں، میں ان کی شادی کرنا چاہتا ہوں مگر داماد سپہ سالار جیسا چاہتا ہوں اور یہ مجھے بہت مشکل نظر آرہا ہے۔''

''ہے تو مشکل اگر سالار راجپوت ہوتا تو کتنا بڑھیا لڑکا تھا۔'' رانی بولی۔

''مگر ہے نہیں۔'' راجہ نے جواب دیا۔

رانی بولی۔ ''اور اگر وہ راجپوت ہوجائے تو کتنی بڑھیا بات ہوگی۔''

''بات بڑھیا تو ہوگی مگر ایسا ناممکن ہے مسلمان کیسا بھی ہو کتنے بھی برے حال میں وہ رہے مگر مسلمان ہی رہتا ہے وہ پیدائش سے مرنے تک اپنے مذہب پر کاربند رہتا ہے چاہے اس کے گلے پر تلوار رکھ دی جائے۔'' راجہ نے مایوسی سے رانی کو جواب دیا۔

''یہ بات تو اچھی ہے مگر ہمارے حق میں اچھی نہیں ہے تم دوسرے لوگوں پر نظر ڈالو قریب دور کی ریاستوں پر نظر دوڑاؤ شاید کوئی ڈھنگ کا رشتہ مل جائے۔'' رانی نے کہا۔

''شاید ایسا ہوجائے مگر میرے من میں جو نقشہ داماد کا ہے وہ سالار ہے۔'' راجہ بولا۔

''ارے تو کیا مسلمان سے لڑکی کو بیاہ دو گے.....'' رانی حیرت سے بولی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے مگر میرا دل کرتا ہے کہ میں اس سے ایک دفعہ بات کروں شاید کوئی راستہ نکلے کیونکہ اکیلا آدمی جو فیصلہ کرتا ہے وہ غلط بھی ہوسکتا ہے

مشورہ کرنے میں کیا ہے۔'' راجہ بولا۔

''رانی نے کہا۔'' کرلو ایسا بھی اور میں رجنی اور کانتا سے مشورہ کرتی ہوں۔''

''تم ان سے کیا بات کروگی۔'' راجہ بولا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑو دونوں سالار کے گن گاتی ہیں ہر طرف سالار کی دھوم ہے ان کے کانوں میں بھی سالار کی بہادری کے قصے ہیں وہ شیر پر سواری کرتا ہے، یہ بات کیا کم ہے اس سے کون متاثر نہ ہوگا، تو وہ دونوں بھی ہیں۔'' رانی نے جواب دیا۔

راجہ کو تو جلدی تھی۔ وہ خود ہی سالار کے پاس چلا گیا۔

سالار نے اٹھ کر اس کو تعظیم دی اور کہا۔'' آپ نے کیوں تکلیف کی حکم کرتے میں آجاتا۔''

راجہ اس کی بات پر خوش ہوا اور کہا۔'' کام میرا تھا تو مجھ کو آنا چاہئے۔''

سالار بولا۔'' آپ عمر میں اور رتبہ میں بڑے ہیں میں دس بار آپ کے پاس آؤں گا حکم کریں۔''

راجہ بولا۔'' بات یہ ہے کہ میں دو لڑکیوں کا باپ ہوں باپ کا فرض ہوتا ہے کہ جب لڑکیاں شادی کے قابل ہو جائیں تو ان کی شادی کردی جائے میں بھی یہی کرنا چاہتا ہوں۔''

سالار نے کہا۔'' ضرور ایسا کریں اگر روپے پیسے کی ضرورت ہے تو فرمائیں انتظام کردیا جائے گا۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی مگر میری پریشانی دوسری قسم کی ہے، میں تم جیسا داماد چاہتا ہوں تم میں جو خوبیاں میں نے دیکھی ہیں وہ کسی اور جوان میں مجھے نظر نہیں آتیں میں تم جیسے داماد کہاں سے پیدا کروں۔''

سالار بولا۔'' قدرت نے ہر انسان میں کچھ نہ کچھ خوبی رکھی ہے میں خود حیران ہوں کہ قدرت نے میرے اندر جو خوبی رکھی تھی میں اس سے ناواقف تھا۔ پھر قدرت نے مجھے اپنی خوبی کو باہر لانے کا موقع دیا اور میں نے وہ کام کر لئے جو شاید میں نے سوچے بھی نہ تھے میں تو نہایت گھٹیا سا آدمی ہوں اور آج بھی خود کو گھٹیا ہی سمجھتا ہوں۔ جس روز مجھ میں بڑھیا آدمی پیدا ہوگا میری ساری خوبیاں دم توڑ دیں گی میں بڑھیا آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی بننا چاہتا ہوں۔ میں اپنی اوقات بھولنا نہیں چاہتا۔''

''واہ بیٹا سالار تم نے دل خوش کردیا۔ کاش تم میرے داماد ہوتے۔'' راجہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

سالار راجہ کے بیٹا کہنے پر تو چونکا ہی تھا داماد کے لفظ پر تو حیران رہ گیا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' وہ بولا۔

''میں جانتا ہوں تم مسلمان ہو، مسلمان اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتا تم بھی نہیں چھوڑو گے میری حسرت تو پوری نہیں ہوگی یہ میری خاندانی ریاست ہے میں چاہتا تھا لڑکی بھی یہاں رہے اور داماد حکومت کرے میری یہ تمنا پوری ہوسکتی ہے۔'' راجہ کی آواز میں بڑی حسرت تھی۔

سالار راجہ کی بات سمجھ رہا تھا اس لئے اس نے صاف صاف بات کرنے کی نیت سے کہا۔

''راجہ صاحب میں ایک غریب مسلمان کے گھر پیدا ہوا، پیدا ہونے کے کچھ دن بعد ماں مرگئی، ذرا بڑا ہوا کچھ تھوڑا بہت پڑھا تھا کہ باپ بھی مرگیا اور پھر میری تعلیم گلیوں پر ہوئی، اچھے برے لوگوں کو دیکھا ان کے زیر نگرانی رہا۔ مگر ہر حالت میں میں مسلمان ہی رہا۔ میرا نام کسی کو نہیں پتہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا نام شوکت خان ہے میں کتنا بھی گھٹیا کام کرتا رہا اور زیادہ مذہبی بھی نہیں رہا مگر رہا مسلمان، میں آپ کا داماد بننے کو تیار ہوں مگر میں اپنا مذہب کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا، آگے آپ کے لئے راستہ کھلا ہے، میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔''

راجہ بولا۔'' میاں شوکت خان تم میں جہاں اور خوبیاں ہیں وہیں پر مجھے ایک خوبی کا پتہ چلا کہ تم نے خود کو چھپایا نہیں تم نے اپنی کمزوریاں بھی بیان کردیں، یہ بات بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ میں ابھی تم کو کوئی جواب نہیں دیتا میرے جواب کا تم کو

انتظار کرنا ہوگا۔''

''شوکت بولا۔ ''میں انتظار کروں گا آپ اطمینان سے غور کریں۔''

رانی نے رجنی سے بات کی کیونکہ وہ بڑی تھی اس کی شادی پہلے ہونی تھی۔ سالار کے بارے میں رجنی نے کہا۔ ''وہ انسان کم اور دیوتا زیادہ ہیں۔'' اس سے بڑھ کر وہ اور کیا تعریف کرتی۔ ماں نے چند لفظوں میں پورا مطلب سمجھ لیا اور راجہ کو بتادیا تو راجہ نے کہا۔

''میں نے شوکت سے بات کرلی ہے۔'' رانی حیران ہوکر بولی۔ ''یہ شوکت کون ہے؟''

راجہ مسکرا کر بولا۔ ''سالار کا نام شوکت ہے وہ ایک مسلمان کا بیٹا ہے واجبی تعلیم ہے مگر اپنی عقل اور بہادری سے یہاں تک آ گیا ہے، وہ شادی کرنے پر تو راضی ہے مگر اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں پر آ کر گاڑی رک جاتی ہے آگے تم راستہ بناؤ۔''

''آگے راستہ تو ہے مگر اس پر بہت کچھ پریشانیاں ہیں خاندانی نام نمود ہے بدنامی بھی ہے۔ اس گاڑی کے نیچے بہت کچھ دب جائے گا یہ سوچ لو.....'' رانی بولی۔

''مجھے اندازہ ہے تم کیا کہنا چاہتی ہو تم رجنی کے بارے میں بتاؤ وہ کیا کہتی ہے۔'' راجہ بولا۔

''وہ شوکت کو دیوتا مانتی ہے اس سے زیادہ وہ اور کیا کہہ سکتی ہے۔'' رانی بولی۔

''تو پھر فیصلہ ہوگیا رجنی کی شادی شوکت سے ضرور ہوگی۔'' راجہ بولا۔

''مگر کس طرح؟'' رانی نے پوچھا۔

راجہ بولا۔ ''وہ اس طرح کہ رجنی مسلمان ہوجائے گی اس کے بارے میں بھی تم اس سے مشورہ کرو وہ کیا کہتی ہے۔''

رانی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں اس کے پیٹ کا راز معلوم کروں گی۔''

''ایک روز میں تم جواب دو پھر آگے قدم بڑھائیں گے۔'' راجہ بولا۔

دوسرے ہی روز رانی نے راجہ کو بتادیا کہ رجنی راضی ہے وہ تو ایک مدت سے اپنے دل میں یہ خواہش رکھتی تھی۔ راجہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

اور اس نے شوکت کو بلا کر کہا۔ ''لو میاں شوکت فیصلہ ہوگیا ہے ہماری بیٹی رجنی تم سے شادی پر راضی ہے اور مسلمان ہو کر شادی ہوگی۔'' شوکت یہ سن کر ذرا حیران ہوا مگر خوش بھی ہوا۔

پہلے رجنی کو ایک مسلمان مولوی کے پاس لے جا کر مسلمان کیا گیا اس کو کلمہ پڑھایا گیا اور اس کا نام مریم رکھ دیا گیا اور پھر ایک ماہ تک اس کو نماز روزہ اور ضروری باتیں پڑھائی گئیں..... ایک ماہ کے بعد شادی کی تیاریاں ہوئیں اور یوں مریم اور شوکت خان کا نکاح ہوگیا اور راجہ کی دلی تمنا پوری ہوگئی۔

شوکت خان اور مریم کی شادی کے بعد راجہ کے دور کے عزیزوں نے راجہ کے خلاف بڑی باتیں بنائیں مگر راجہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

شوکت کی شادی کی سب سے زیادہ خوشی گلشن کو ہوئی۔ شوکت اب تک گلشن کے اس مکان میں رہتا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں اس نے ایک دفتر نما بھی بنا رکھا تھا۔ یہاں پر لوگ آتے تھے اور وہ ان سے بات کیا کرتا تھا۔

شادی کے بعد ایک دن گلشن نے شوکت سے کہا۔

''اب تم بتاؤ تم کون ہو، تم میرے پاس مدت سے ہو، میں نے یہ سوال تم سے ابھی تک نہیں کیا تھا۔ مگر اب کر رہا ہوں اور تم کو جواب دینا ہے شاید میرا یہ حق ہے کہ میں جس کو اپنا بیٹا خیال کرتا ہوں اس کے بارے میں جان سکوں کہ وہ کون ہے؟''

شوکت کے پاس مریم بھی موجود تھی شوکت نے مریم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''گلشن چچا آج تک میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی مگر آج بتاتا ہوں کیونکہ اس کا جاننا مریم کے لئے بھی ضروری ہے۔''

یہ کہانی ایک برسات کی اندھیری رات سے

شروع ہوتی ہے میں سارے دن کام کی تلاش میں پھرتا رہا کام نہ ملا میرے پیٹ میں صبح سے کچھ نہ گیا میں سخت بھوکا تھا۔ پھر رات آ گئی اور اس کے ساتھ بارش ہونے لگی بارش کے ساتھ سخت سردی میرے جسم پر ناکافی کپڑے اور پیٹ خالی میں بڑی مشکل سے ایک جھونپڑی نما مکان کی دیوار کے سائے میں کھڑا تھا، بارش کی بوچھاڑ وہاں پر آ رہی تھی میرا پورا بدن کانپ رہا تھا پھر میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا اندر زیادہ روشنی نہ تھی ایک بہت ہلکی روشنی کا چراغ جل رہا تھا۔ اس کمرے کی چھت کھپریل کی تھی اور کھپریل بڑی خستہ تھی جگہ جگہ پانی ٹپک رہا تھا اس کمرے میں ایک بوڑھا اور ایک بڑھیا تھے وہ دونوں باتیں کر رہے تھے اپنے دکھ و پریشانی کی باتیں اور کام کے بند ہونے کی باتیں وہ بوڑھا کمہار تھا اس کے گدھے بھی دیوار کے زیر سایہ کھڑے تھے۔

بوڑھے کمہار کا کام بارش نے بند کر دیا تھا وہ اب برتن نہیں بنا سکتا تھا اور اس کی روزی بند تھی، دونوں اس فکر میں مبتلا تھے بوڑھا تھوڑی تھوڑی دیر میں کھاٹ کو کھسکا رہا تھا۔ کبھی آگے کرتا کبھی دائیں کبھی بائیں۔

بوڑھی نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

''وہی تنگ کر رہا ہے۔''

عورت نے پوچھا کون تنگ کر رہا ہے تو وہ بولا۔

''ٹپکا یہ ٹپکا بہت خطرناک چیز ہے زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ اری نیک بخت ٹپکا بہت خطرناک شے ہے اس سے بچنا چاہئے۔''

وہ دونوں مسلسل باتیں کر رہے تھے میں ان کے سو جانے کے انتظار میں تھا کہ یہ سوئیں تو میں کچھ تلاش کروں کچھ نہ ملے روٹی ہی مل جائے مگر ایسا لگتا تھا کہ ان دونوں کی نیند اڑ چکی ہے یہ نہیں سوئیں گے میں نے نا امید ہو کر جانے کے بارے میں سوچا کہ ابھی رات باقی ہے کسی اور جگہ کوشش کرتے ہیں مگر جاتے جاتے مجھے خیال آیا کہ چلو کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے گدھے تو بہت کھڑے ہیں ایک لئے چلتے ہیں سویرے کسی کے ہاتھ بیچ دوں گا کچھ تو مل ہی جائے گا اور میں اندھیرے گھپ میں دیوار کے کنارے کنارے تگڑے گدھے کی تلاش میں ان کے قریب آیا اندھیرا بہت تھا نظر کچھ آتا نہ تھا میں ٹٹول ٹٹول کر گدھے کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک میرا ہاتھ ایک بڑے اور مضبوط تگڑے گدھے پر پڑا اور میں اچک کر اس پر سوار ہو گیا۔ وہ گدھا چونک کر ذرا کسمسایا اور پھر بھاگ کھڑا ہوا اس گدھے کی گردن پر بہت بڑے بڑے بال تھے میں نے ان کو پورے جسم کی طاقت سے پکڑ لیا میں گدھے کی حیرت انگیز رفتار سے پریشان تھا مگر اس کی پیٹھ سے چپکا ہوا تھا اور وہ گدھا ایک رفتار سے بھاگا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ بھی ڈرا ہوا ہے اور بس بھاگا جا رہا ہے، کس طرف جا رہا ہے۔ اس کو پتہ نہ تھا۔

ساری رات وہ بھاگتا رہا اب دن کی روشنی ہونے لگی تھی میں نے روشنی میں دیکھا کہ میں کسی گدھے پر نہیں بلکہ ایک ببر شیر پر سوار تھا اور شیر گھبراہٹ میں بھاگ رہا تھا وہ مجھ سے خوف زدہ تھا اور میری اپنی جان سولی پر تھی شیر دوڑتا دوڑتا ایک آبادی کی طرف آ گیا مجھے اپنی جان بچانے کی فکر تھی آبادی میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص شیر پر سوار ہے اور شیر دوڑ رہا ہے ان کو کیا پتہ تھا شیر اور سوار دونوں پریشانی میں بھاگے جا رہے ہیں۔

اب میرے ذہن میں آدمیوں کو دیکھ کر ہمت ہوئی اور میں نے اشارہ سے رسی مانگی اور ایک رسی آ گئی میں نے اس کو شیر کے گلے میں کس دیا، پھر دوسری تیسری رسیاں میں نے شیر کے گلے میں باندھ دیں اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس کو پکڑ لیں جب سب نے ایسا کر لیا تو میں شیر پر سے کود پڑا اور شیر رسیوں میں الجھ گیا، رات بھر وہ دوڑتا رہا تھا تھک بھی گیا تھا لوگوں نے اس کو باندھ دیا، شیر تھک کر بیٹھ گیا تو میں اس کے قریب گیا اور اس سے کہا۔ ''بس زیادہ زور نہ کر میں تیرا مالک ہوں، اگر میری بات نہیں مانے گا تو کاٹ ڈالوں گا۔''

شیر نے گردن ہلا کر پوچھا۔ ''تو کون ہے؟''

میں نے کہا۔ ''کیا بھول گیا اس بڈھے کمہار کی بات میں پکا ہوں، وہ بھی پکا سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ شیر سے کہیں زیادہ خطرناک ہے اب تجھے وہ کرنا ہے جو میں کہوں گا تیرے کھانے کا میں خیال رکھوں گا مگر تو کسی انسان یا جانور کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

شیر نے کہا۔ ''میں کل سے بھوکا ہوں میرے کھانے کا بندوبست کردے۔''

میں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور ایک بکرا شیر کے آگے ڈال دیا اور شیر نے اپنا پیٹ بھر لیا اور میرے حکم پر چلنے لگا..... میری بہادری کی شہرت ہوگئی۔ میری بہادری کی خبر ریاست کے راجہ بکرم چند کو بھی پہنچ گئی اس نے میری بہادری اور شیر کی وجہ سے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا ڈالا۔ راجہ بکرم چند شیر سے بہت ڈرتا تھا وہ شیر کے قریب کبھی نہیں آیا تھا۔

ریاست کے اخراجات بہت زیادہ تھے۔ راجہ کے محل کے اخراجات کے ساتھ ساتھ وزیروں اور مشیروں کے فضول اخراجات بھی ریاست کے خزانے پر تھے آمدنی کا ذریعہ صرف عوام تھے۔ وزیروں کے مشوروں سے عوام پر بہت بوجھ ڈالا گیا تھا لگان اور پانی کی مد میں ان کو تلاش کردیا تھا اس رویے سے وزیروں اور مشیروں کے عیش ہو رہے تھے مگر پھر بھی خزانے کو خالی کیا جارہا تھا اور یہ کام وزیر خزانہ دوسرے کئی وزیروں کے ساتھ مل کر کر رہا تھا۔ ریاست دونی اندرونی طور پر بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اس کے بعد کے حالات آپ کے سامنے ہیں، میں تو ایک چور ہوں جو چوری کرنے کی نیت سے اس کمہار کی جھونپڑی میں گیا تھا وہی برسات کی کالی رات میری زندگی میں اجالا لے کر آ گئی۔

میری خفیہ خوبی جن کے بارے میں میں خود نہیں جانتا تھا ابھر کر باہر آ گئیں اور میں پکا بن گیا۔ مگر یہ پکا خطرناک نہیں تھا یہ لوگوں کو موت نہیں دیتا تھا یہ پکا انسان کو انسان سمجھتا تھا آج میں ریاست دونی کا راجہ ہوں مگر راجہ راج کرتا ہے عیش و عشرت میں زندگی گزارتا ہے۔ میں پکا ہوں جو خود بخود پک جاتا ہے۔''

گلشن نے شوکت خان کی پوری کہانی سنی اور پھر بولا۔

''اور میں وہی کمہار ہوں جس کی جھونپڑی میں تم چوری کرنے آئے تھے اور شیر کو گدھا سمجھ کر اس کو لے بھاگے تھے۔'' گلشن نے زور سے ہنس کر کہا۔

''شوکت خان حیرت سے بولا۔ ''ہیں تو کیا وہ برسات کی کالی رات ہماری قسمت بلکہ سب کی قسمت کا روشن سویرا تھی۔''

گلشن نے کہا۔ ''یہ درست ہے مگر تم اور میں دونوں کو قدرت نے کسی کام کے لئے نوازا ہے تم ایک ریاست اور خوشحال پور کے کرتا دھرتا ہو تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ درست ہے مگر ابھی بہتری کی اور بہت گنجائش ہے ابھی تم کو اور بہت کچھ کرنا ہے یاد رکھو تم پکا ہو۔

تم کو سن کر شاید حیرت ہو کہ میرا یہ مکان اور یہ سرزمین پکا نے مجھے دی تھی اس نے پہلے دو مکان اور بھی بنا کر دیئے تھے مگر وہ زمیندار نے چھین لئے تھے میں نے اس سے کوئی گلہ نہیں کیا میں نے خاموشی سے اس کے حوالے وہ مکان کردیئے اور پکا نے پھر اس ویران اور اجاڑ وادی میں یہ مکان بنایا پھر یہاں پر قدرتی جھرنا گرنے لگا اور نہر بھی بن گئی پھر آبادی ہونے لگی اور آج یہ خوشحال آبادی ہے اس خوش حال اور زرخیز زمین پر راجہ کی نیت خراب ہوئی اور پھر اس کا انجام ہوا۔

مگر ابھی بات ختم نہیں ہوئی ہے، تم بے فکر ہو کر نہ بیٹھ رہنا اب تمہاری کٹھن منزل شروع ہو رہی ہے جب انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو اس کو فکر بھی نہیں ہوتی مگر تمہارے سر پر ایک وزن ہے تم پر ذمہ داری آ گئی ہے تم کو بہت کچھ سوچنا پڑے گا، پھل دار درخت جھکا رہتا ہے اور اس کے پھل سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے اس راہ میں تم یہ نہ سمجھنا کہ سب تمہارے دوست ہیں تمہاری ذات سے کسی کو ضرور نقصان ہوا ہوگا وہ تمہارا دوست نہیں ہوگا موقع کی تلاش میں ہوگا ہر طرف

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

تمہارے دشمن موجود ہیں تم کو یہی سمجھنا ہے تب ہی تم ہوشیار رہو گے۔"

شوکت خاں نے بوڑھے کمہار کی باتیں سنیں ان پر غور کیا اور پھر کہا۔ "میں نے آپ سے بہت سیکھا ہے آپ کی باتیں ضرور میرے بہت کام کی ہیں میں ان کو یاد رکھوں گا اگر کہیں پر میں غلطی کر رہا ہوں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ مجھے ٹوک دیں روک دیں۔"

☆.....☆.....☆

ریاست دونی جو ایک مالی طور پر بہت کمزور ریاست تھی اس کے وسائل تو تھے مگر ان پر جن لوگوں کا کنٹرول تھا وہ بے ایمان اور چور تھے آمدنی کا بہت بڑا حصہ وہ خود ہضم کر جاتے تھے ریاست کے خزانے تک نہیں آ پاتا تھا راجہ ان کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا ان کے خلاف کچھ کرنا تو سارے چور ایک آواز ہو جاتے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیتے۔ رعایا پر ناجائز بوجھ تھا غریب اور غریب ہو رہا تھا مہنگائی بڑھ رہی تھی۔

پھر اچانک حالات نے رخ بدل لیا وزیروں کو برطرف کر دیا گیا اور غیر ترقیاتی اخراجات بند کر دیئے گئے اور ریاست میں عوام کی امید کے خلاف ایک انقلاب آ گیا ہر جگہ تبدیلی کا احساس جاگا بازار پر بھی اس کا اثر ہوا غیر یقینی صورت حال بدل گئی اور بیوپاریوں نے جو چیز چھپا کر رکھی تھی ان کو بازار میں لانا پڑا لازمی طور پر قیمت پر اثر ہوا اور عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ریاست خود بخود خوش حالی کی طرف رواں دواں ہو گئی۔ کسانوں کے حوصلے بلند ہو گئے مگر ایک ٹولہ ایسا ضرور تھا جو یہ سب دیکھ کر خوش نہ تھا۔ اور وہ ٹولہ تھا جو راجہ کو اور ریاست کو لوٹ رہا تھا ساری کمائی ان کے پیٹ میں جا رہی تھی۔ اب ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔

مگر ان کے پاس لوٹی ہوئی دولت تو تھی اس کے ذریعہ وہ چند شر پسندوں کو جمع کر کے راجہ کے خلاف بغاوت کرنے کے پروگرام بنایا کرتے تھے۔ مگر اب راجہ تو برائے نام راجہ تھا۔ ریاست کا سارا کاروبار شوکت کے پاس تھا شوکت کے ذہن میں گلشن کے الفاظ تازہ تھے وہ جانتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے۔

ریاست میں خوش حالی کا دور آیا تو اطراف کے لوگ بھی ریاست دونی اور خوش حال پورے کی طرف آنے لگے اور ریاست کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا، شوکت نے کسی آنے والے کو منع نہیں کیا۔ زمین بہت تھی جو کسان آئے ان کو چند معمولی شرائط پر زمین دی گئی مگر اناج کا کنٹرول ریاست کے پاس ہی رہا، آبادی کے اضافے سے بھی ریاست دونی کی ترقی پر کچھ اثر نہ پڑا۔

شرارتی ٹولہ جب مایوس ہونے لگا تو ان میں ایک لیڈر پیدا ہو گیا یہ لیڈر وہی وزیر خزانہ تھا جس نے سب سے زیادہ ناجائز دولت جمع کی تھی اور ریاست کو قلاش کر دیا تھا۔

اس نے ایک خفیہ مقام پر ایک اپنے ہم خیال لوگوں کی میٹنگ بلائی جب سامنے آ گئے تو وہ سب کو مخاطب کر کے بولا..... "میرے ہم خیال دوستو! تم ریاست کے حالات دیکھ رہے ہو ان حالات میں تمہاری اور میری جگہ نہیں بنتی راجہ تو برائے نام کا راجہ ہے اس بے غیرت نے تو اپنی لڑکی بھی ایک مسلمان کو دے دی۔

کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ ہندو ریاست سے نکل جائے گی اور یہاں پر مسلمان راجہ برسر اقتدار آ جائے گا اس وقت یہاں کی ہندو آبادی اور ہمارا کیا بنے گا ہم اس دھرتی کے بیٹے ہیں کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اس مسلمان کے خلاف بغاوت کریں۔ ہندو آبادی کو اس کے خلاف کریں اور منظم طریقہ پر دوبارہ اپنا مقام بنائیں۔ کالی داس نے کھڑے ہو کر کہا مگر ابھی تو اس نے ہر کسان کو برابری کے درجے پر رکھا ہے، ہندو مسلمان میں فرق نہیں کیا سب اس کے گن گا رہے ہیں۔"

وزیر خانہ تلسی مل نے جواب دیا۔ "یہ اس کی بہت گہری چال ہے مگر اندرونی حالات یہ ہیں کہ کچھ دن

کے بعد ہاتھ دکھائے گا اپنے اصلی رنگ میں آئے گا کیا تم بھول گئے کہ یہ ہمارے دیوتاؤں کو کتنا برا بھلا کہتے ہیں ہمارے دھرم کا مذاق اڑاتے ہیں بھائیو یہ دھرم کا معاملہ ہے میری بات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کرو اور اندرونی طور پر ہندو آبادی کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرو۔''

اب کے جگل کشور نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''اور اس کے شیر کا کیا کریں وہ تو ہر جگہ شیر پہ جاتا ہے اس کو دیکھ کر ہی آدمی خوف سے آدھا مر جاتا ہے۔''

تلسی مل غصے سے بولا۔ ''بزدلی کی باتیں مت کرو تم جیسے لوگوں کی بزدلی نے ہی اس کو آسمان پر چڑھا دیا ہے اور وہ ہم سب کے سروں پر سوار ہے ارے ایک شیر کیا کرے گا ہم اس کا بھی بندوبست کریں گے تم سب ایک آواز تو ہو جاؤ۔''

تلسی مل جوش دلاتا رہا یہ سب لوگ تو شوکت کے مخالف ہی تھے ان کو تو تلسی مل کی باتیں ماننی ہی تھیں مگر ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ ہندوؤں کو کس طرح حکومت کے مخالف کریں کیونکہ ہندو مسلمان سب شوکت کے گن گاتے تھے، غریب آدمی کی ضروریات زیادہ نہیں ہوتیں ان کو سکون سے روٹی ملے، مکان اور کپڑا اس کے علاوہ ان کو کسی چیز سے غرض نہیں ہوتی، شوکت نے ان کو یہ سب دیا تھا اس کے علاوہ بھی اگر ان کی کوئی ضرورت تھی تو وہ بھی پوری ہوتی تھی اسی لئے سارے شرارتی پریشانی میں تھے۔

چھ ماہ گزر گئے انہوں نے اپنی سی کوشش کی ضرور مگر کسی ایک بھی ہندو نے ریاست کے خلاف ان کا ساتھ دینے کا وعدہ نہیں کیا اب ان پر مایوسی چھانے لگی تھی کہ تلسی مل کے شیطانی دماغ میں ایک نیا خیال آیا۔

دونی ریاست کی خوش حالی سے دوسری ریاستیں خوش نہیں تھیں کیونکہ ان کے عوام بھی دونی کی مثال دینے لگے تھے یہ بات وہاں کے حکمرانوں کے لئے ناپسندیدہ تھی۔ تلسی کو یہ سب پتہ تھا۔ اس نے پھر ایک خفیہ میٹنگ بلائی اور بتایا۔

''میرے ہم خیال دوستو! چھ ماہ کے بعد بھی حالات میں فرق نہیں آیا۔ اب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا اور وہ طریقہ میں بتاؤں گا اس طریقہ کا پہلا حصہ یہ ہے کہ بڑے چوک پر مائی شیراں والی کا مندر ہے اس مندر میں پورے شہر کے ہندو آتے ہیں اور اس کو مانتے ہیں، آدمی مذہب کے معاملے میں بڑا جذباتی ہوتا ہے اس کے جذبات کو ذرا بھڑکانے کی ضرورت ہے ہم کو دل پر پتھر رکھ کر اس مندر کو نقصان پہنچانا اور مائی شیراں والی کے بت کو سڑک پر ڈال دینا ہے یہ کام ہمارے آدمی کریں گے اور الزام شوکت پر لگایا جائے گا ظاہر ہے ایسا کام کوئی ہندو نہیں کرے گا سب ہی یہ خیال کریں گے اور بات گھوم پھر کر شوکت پر آ جائے گی اور ریاست کے ہندو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دوسرے مرحلے میں، میں اور دوسرے میرے ساتھی قریب دور کی ہندو ریاستوں میں دورہ کریں گے اور شوکت کے بارے میں بتائیں گے ان کو معتمد کر کے ریاست دونی پر حملہ کرنے اور شوکت پر قابو پانے کا کہیں گے کوئی ایک ریاست تو اس پر راضی نہ ہوگی مگر جب سب دھرم کا سنیں گی تو ضرور مل کر شوکت کے خلاف فیصلہ کریں گی۔ یہ دو طرفہ حملہ ہوگا ایک طرف اندرونی انتشار اور پھر راجاؤں کی طرف سے بیرونی حملہ ان راجاؤں کی مدد یہاں کے ہندو بھی کریں گے کیونکہ وہ مندر والے معاملے کی وجہ سے شوکت کے خلاف ہوں گے۔ ہماری تقریریں ان کے جوش کو اور بڑھائیں گی۔

تیواڑی جی نے آگے بڑھ کر تلسی مل کے ہاتھ چوم لئے اور کہا۔ ''ارے واہ گورو اب کے تم نے ایسی ترکیب نکالی ہے کہ اس ملیچھ کو بھاگے راستہ نہیں ملے گا بھگوان سوں۔ پنڈت شکلا نے بھی تعریف کی اور یہ طے ہو گیا کہ ایک پارٹی بنائی جائے جو کہ مندر کو نقصان پہنچائے گی اور اس کے فوراً بعد پانچ رکنی پارٹی ریاستوں میں اس واقعہ کے بارے میں بتانے اور ان کو ہموار کرنے جائے گی۔''

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

اسماء الحسنٰی ۔۔۔۔ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

پریشانیوں سے چھٹکارہ

ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

- شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو
- جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
- شوہر یا بیوی کی اصلاح
- اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مر جانا
- گھریلو ناچاقی
- کاروباری بندش
- جنات کا سایہ
- دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم حیات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہو گا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سسرال میں، محبوب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% راز داری کے ساتھ

کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہو گی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزما لیجئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہو گی۔

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ۔ وہ آنکھیں کی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ قلم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

اچھرہ سٹاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان

سید فرمان شاہ

0300-6484398

www.booktube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

اس میٹنگ کے ٹھیک آٹھ روز کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ رات کو شر پسندوں نے چوک کے مائی شیراں والی کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مائی شیراں والی کا بڑا بت توڑ کر سڑک پر ڈال دیا اور چشم دید گواہوں نے یہ بیان دیا کہ یہ کام شوکت اور اس شیر نے کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر کیا ہے۔''

ڈرامہ کا پہلا ایکٹ مکمل ہوا ہندوؤں کے ذہن میں شوکت کے لئے نفرت پیدا ہوگئی اور اس نفرت کو اور پکا کرنے کو لیڈروں نے بھی کام کیا اور ایک نفرت کی فضا پوری ریاست میں شوکت کے خلاف ہوگئی۔

یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ریاست مان پور کے راجہ کا خط دوئی پور کے راجہ بکرم کے نام آ گیا اس میں صاف کھلے الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ ریاست سے شوکت کو فوراً نکالا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب راجہ مل کر دوئی پر حملہ کر دیں گے اس کی ذمہ داری راجہ دوئی پر ہوگی۔

راجہ دوئی کی پریشانیاں یہ سن کر بہت زیادہ ہوگئیں اور اس نے شوکت کو فوراً طلب کر لیا اور کہا۔

''میں جانتا ہوں تم نے مندر پر حملہ نہیں کیا تھا اور نہ مورتی کو توڑا ہے مگر تمہارے دشمنوں نے یہ ثابت کر دی ہے حالات تمہارے خلاف ہیں حالانکہ تم بے قصور ہو۔

پڑوس کی ریاستوں کے راجہ دوئی پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں ہماری فوجیں بہادر ہیں مگر ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس کی وجہ اندرونی خلفشار بھی ہمارے لئے نقصان کا باعث ہوگا عوام تمہارے خلاف ہوگئی ہے وہ تمہاری اصلاحات اور نوازشوں کو بھول گئی ہے ان کے دماغ میں صرف مائی شیراں والی کی بے عزتی اور مندر کی تباہی ہے۔ ان حالات میں میرا دماغ کام نہیں کر رہا تم بتاؤ اگر کچھ ترکیب ہے تو؟'' راجہ نے پوچھا۔

شوکت کچھ منٹ خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''راجہ صاحب یہ ریاست آپ کی ہے اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے میرا جتنا کام تھا وہ میں نے کر دیا ہے ایک طریقہ رائج کر دیا ہے۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

خوش حال پورا آپ کی ریاست کا حصہ نہیں ہے اس کا مالک وہ ہے جس نے اس کو آباد کیا۔ اس کا نام گلشن کمہار ہے میں خوشحال پور جا رہا ہوں میری بیوی مریم بھی میرے ساتھ جائے گی آپ اس خط کے جواب میں لکھ دیں کہ میں نے شوکت کو ریاست بدر کر دیا ہے۔ اب وہ ریاست دوئی میں نہیں آئے گا۔ مگر آپ کو ہوشیار رہنا ہوگا آپ کا وزیر خزانہ تمسی مل یہ سب کر رہا ہے وہ پھر سے ریاست میں اقتدار پر آنا چاہتا ہے میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔

مگر خوش حال پورے کی طرف ان کو آنے سے منع کر دیں اگر انہوں نے کچھ کیا تو میں ضرور لڑائی کروں گا۔''

شوکت اور اس کی بیوی مریم خوش حال پور چلے گئے۔

راجہ نے خط ڈال دیا اور شر پسند ٹولہ دوئی آ گیا اور سیدھا راجہ کے پاس پہنچا۔

تمسی نے راجہ سے کہا۔ ''اب بولو راجہ جی شوکت تو چلا گیا اور اس کا شیر بھی گیا۔ اب تم کس پر پھولو گے، ارے ہمارے بنا یہ ریاست تم چلا پاؤ گے۔''

پنڈت نے کہا۔ ''راجہ کے ہاتھ پیر تو ہم ہیں ہمارے بنا تم کیا ہو۔''

تواڑی نے بھی بول کر اپنی موجودگی کا احساس کرایا۔ ''راجہ جی پرانی باتیں بھول جاؤ اور ہماری پرانی جگہیں ہمیں دے دو اور اگر نہ دو گے تو یاد رکھو تمہارے خلاف بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''

راجہ نے تمسی سے کہا۔ ''تم جانتے ہو تم نے ریاست کو دیوالیہ کرنے میں کمی نہیں کی تھی تم نے لگان کی شکل میں کسانوں کا خون پی لیا تھا۔ آج کسان پر کوئی بوجھ نہیں ہے کسان آزادی سے پیداوار کر رہا ہے اور ریاست کو اناج دے رہا ہے میں تم کو بحال کر سکتا ہوں۔ مگر تم موجودہ نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کرو گے میری رعایا ہے مجھے اس کے آرام کا خیال رکھنا ہے دوسری

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

صورت میں میں کسی کو نہیں رکھوں گا۔"

پنڈت نے راجہ کے تیور دیکھے تو وہ فوراً پینترا بدل کر بولا۔

"ارے تو ہم کب بدل رہے ہیں آخر ہماری بھی کچھ عزت ہے وہ عزت دربار سے ہٹ کر ختم ہوگئی ہے۔ آخر ہمیں اس کو بھی تو بحال کرنا ہے آپ بے فکر رہیں ہم کسی معاملے میں اپنی نہیں چلائیں گے۔" تلسی مل بھی راضی ہوگئے تو راجہ نے ایک شرط رکھی۔

"تم سب کو معافی نامہ لکھ کر دینا ہوگا آخر میرے پاس بھی تمہارے دوبارہ رکھے جانے کا جواز ہو۔"

اس پر دونوں سیانے ذرا تلملائے مگر دربار تک رسائی کی خاطر مان گئے۔

"راجہ بڑا ہوشیار ہوگیا ہے پہلے تو ایسا نہ تھا۔" تیواڑی بولا۔

"ارے اس شوکت نے اس کو پڑھایا ہے۔" تلسی نے کہا۔

"تو کیا لکھ کر دینا ہوگا۔" پنڈت نے پوچھا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے میں تو لکھ کر دے دوں گا کیونکہ ایک دفعہ اندر آ گیا تو کچھ نہ کچھ راستہ نکل ہی آئے گا۔"

پنڈت بولا۔ "بات میرے من میں بھاتی ہے باہر رہ کر تو کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"تو پھر طے ہے کہ معافی نامہ دیں گے....."

شوکت نے خوش حال پور میں جاتے ہی کام کرنا شروع کر دیا۔ جو زمین کاشت کاری کی تھی اس کے اور خوش حال پور کے چاروں طرف ایک نہر بنا ڈالی اس کے بعد اندرونی کھائی موجود تھی نہر نے دو کام کئے ایک تو کسانوں کو ان کی ضرورت کا پانی ہر وقت دستیاب ہونے لگا دوسرے وہ اتنی چوڑی تھی کہ اس کو پار کرنا آسان نہ ہوگا۔ نہر کے اندرونی اور بیرونی کناروں پر ببول کا جنگل لگایا گیا، اس سے نہر کے قریب جانا بھی آسان نہ رہا۔

یہ سب شوکت نے اس لئے کیا کہ خوش حال پور کی افرادی قوت کم تھی اور زیادہ فوج نہیں بنا سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا مضبوط انتظام کر لیا تھا کہ اس سے کئی گنا زیادہ افرادی قوت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ مگر خوشحال پور کی خوشحالی کی وجہ سے کئی راجاؤں کی نظریں اس پر تھیں پھر شوکت کی وجہ سے تو ان کے دل میں مروڑ تھی کیونکہ وہ مسلمان تھا اور اس کے خلاف یہ الزام تھا کہ اس نے مائی شیراں والی کا مندر توڑا ہے۔

راجہ نے تلسی اور اس کے ساتھیوں کے معافی نامے لے کر ان کو باندھ ضرور دیا تھا مگر ان کی فطرت تو نہیں بدلی تھی ان کی نگاہیں بھی خوشحال پور کی زرخیز زمین پر تھی۔

"پنڈت جی ہمارے ہاتھ تو دونی میں اب چلیں گے نہیں۔ کچھ اپائے تو کرو۔" تلسی مل نے پنڈت شکلا کو ایک روز کہا تو پنڈت بولا۔

"لگتا ایسا ہے کہ ہم نے معافی نامہ لکھ کر دینے میں جلدی کر دی۔"

"اب تو جو کر دیا وہ کر دیا آگے کی بات کرو پنڈت۔" تلسی بولا۔

"تیواڑی تم بھی کچھ کہو جب بیر پک جائیں گے تو کھانے آ جاؤ گے ارے خود کچھ تو کرو۔"

"میں تو جانو خوش حال پور پر تو کسی راجہ کی حکومت نا ہے تو پھر اس کی کوئی فوج بھی نہ ہوگی ارے ذرا سا تو علاقہ ہے کسی راجہ کو اکساؤ اور اس پر چڑھائی اپنا حصہ رکھ کر راجہ کو دے ڈالو پر راجہ بکرم تو یہ کرے گا نہیں۔ کیونکہ وہاں پر اس کی بیٹی اور داماد موجود ہیں۔ اس کے تو کانوں کان خبر نہ ہونے دو اور اوپر ہی اوپر چکر چلاؤ۔"

پنڈت بہت دیر سے تیواڑی پر چھپر پھاڑ کر بولے۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے پر کام بہت مشکل ہے ہم نے دونی پر چڑھائی کے لئے راجاؤں کو راضی کر لیا تھا مگر اس کی ایک بہت معقول وجہ ہمارے پاس تھی اس کے لئے ہم نے پہلے میدان بنایا تھا مگر یہاں پر تو کچھ نہیں ہے تم کو پتہ ہے لڑائی میں جانی اور مالی نقصان

دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ہر راجہ لڑائی جھگڑے سے بچتا ہے پہلے اس کی وجہ بتانی پڑے گی راجہ کو بتانا پڑے گا اس کو کیا ملے گا اس کے نقصان سے دو گنا اس کا فائدہ ہوا تو شاید لالچ میں وہ آ جائے مگر اس کے لئے بھی جواز کا ہونا ضروری ہے۔'' تلسی مل نے جواب دیا۔

''آپ کی بات میں وزن تو ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے تو کچھ نہیں ہوگا کوئی نہ کوئی کارروائی تو ضرور کرنا ہوگی۔'' تیواڑی بولا۔

''کریں گے اور ضرور کریں گے مگر سب برابری سے کام کریں گے۔ چل برابر کھا برابر کے اصول پر کام ہوگا۔'' پنڈت نے اپنی رائے دی۔

''اور بھی کچھ اچھے راز دار لوگوں کو شامل کرنا ہوگا یہ کام نہایت خفیہ ہوتا ہے کیونکہ راجہ کو خبر ہوگئی تو وہ اپنی بٹی داماد کو بتا دے گا اور پھر ہماری کامیابی مشکل ہو جائے گی۔'' تلسی مل بولا۔

پنڈت نے کہا۔ ''خوش حال پور ہے چھوٹا سا مگر تم کو یاد ہے اس نے چاروں طرف سے کیسی کھائی بنائی کہ دولی کے راجہ کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔

''ارے وہ شوکت بڑا بڑھیا جرنیل ہے اس کا خیال رکھنا ہوگا نہیں تو راجہ چڑھائی کرے اور کامیاب نہ ہوا تو وہ ہم پر چڑھ دوڑے گا یہ سمجھ لو اچھی طرح۔'' پنڈت بولا۔

''بات تمہاری بھی سولہ آنے صحیح ہے مگر ہم اسی کارن سر جوڑ کے بیٹھے ہیں سب اونچ نیچ پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں۔'' تلسی مل نے جواب دیا۔

''راجہ کرن چند ہے۔ گوکل پور کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ اس کی حالت ذرا خراب ہے۔ اس کے کسان کام نہیں کر رہے اناج کی پیداوار بہت کم ہوگئی اور زیادہ تر کسان زمین بنجر کر کے چلے گئے ہیں وجہ یہ ہے کہ ان پر راجہ نے بوجھ زیادہ لاد دیا تھا وہ نہیں دے پا رہے تھے راجہ نے وصولی کا یہ طریقہ نکالا کہ ان کے جانور پکڑ لئے راجہ کے کارندے بھی شیر ہوگئے اور کسان بھاگنے لگے اور ریاست گوکل پور سے چلے گئے، اب تو گنے چنے رہ گئے ہیں وہ کتنا لڑیں۔ آمدنی بند ہوگئی اناج کی قلت ہوگئی، غریب آدمی کو روٹی نہ ملی تو وہ بھی جانے لگا راجہ نے روک تھام تو کی ہے مگر راجہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے فوج تو ہے اس کی تنخواہیں بڑی مشکل سے پوری ہو رہی ہیں۔ اس صورت حال میں راجہ شاید راضی ہو جائے کیونکہ اس کو اناج اور روپے کی سخت ضرورت ہے۔'' تیواڑی نے گوکل پور ریاست کے بارے میں بتایا۔

پنڈت بولا۔ ''واہ تیواڑی جی تم نے تو راجہ کے بارے میں خوب پتہ چلایا اگر حالات جیسے تم نے بتائے ہیں وہی ہیں تو راجہ فوراً راضی ہو جائے گا۔''

''تو پھر ایسا کریں کہ پانچ آدمی فوراً گوکل پور روانہ ہو جائیں اور راجہ سے بات کریں۔''

تلسی مل بولا۔ ''اس کام میں ذرا دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سفر بھی پورے دن کا ہے اور میرا خیال ہے پتہ نہیں راستہ کیسا ملے اس لئے سب اپنے اپنے گھوڑوں پر چلیں کے بگھی میں نہ جائیں۔''

پنڈت نے کہا ''ہم تینوں کے علاوہ اور کون ہوگا ساتھ؟'' پنڈت نے پوچھا۔

تیواڑی نے کہا۔ ''میرے خیال میں ابھی بات کو نہ پھیلاؤ ہم تینوں ہی چلتے ہیں۔''

''چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔'' تلسی نے کہا۔ ''کل سویرے تم دونوں تیار ہو کر میرے گھر آ جاؤ دوپہر کا بھوجن اور پانی میں سب رکھ لوں گا کیونکہ دن بھر سفر کرنا ہے کیا پتہ سفر کیسا ہو۔''

اور تینوں شر پسند گوکل پور روانہ ہوگئے سارے دن کے سفر نے ان کو نڈھال کر دیا۔ راجہ کے دربار میں پیش ہوگئے شام ہونے کو تھی مگر انہوں نے اس وقت ملنا ضروری سمجھا۔

پنڈت نے بات شروع کی۔ ''راجہ جی بات یہ ہے کہ ہم تو دھرم کے سیوک ہیں اور اسی کارن کشٹ بھوگ کر اتنا لمبا سفر کیا ہے بات یہ ہے کہ ہماری نظر میں گوکل پور ریاست کی حالت ہے اگر حالات اسی طرح رہے تو شاید آپ اور زیادہ پریشان ہو جائیں۔ ہم ایک

ایسا وچار لے کر آئے ہیں کہ آپ پر سے بڑی آفت دور ہوجائے ریاست پھر سے خوش حال ہوجائے۔‘‘

راجہ کرن نے فوراً پوچھا۔ ’’تو پھر بتاؤ۔‘‘

اب کے تلسی نے کہنا شروع کردیا۔ ’’راجہ جی ہر آدمی جواری ہے وہ زندگی میں بہت مقام پر جوا کھیلتا ہے ہارا تو مرجاتا ہے اور جیت گیا تو اس کی عزت بڑھ جاتی ہے وہ جوا نہ سمجھتے ہوئے بھی یہ کھیل کھیلتا ہے بات یہ ہے کہ آپ کی ریاست دیوالیہ کے نزدیک ہے آپ کے پرکھوں کی کمائی آپ خرچ کررہے ہیں یہ آخر کب تک کریں گے اس کا انت تو ہونا ہی ہے۔‘‘

راجہ بات کاٹ کر بولا...... ’’آپ کو اتنے اندرونی حالات کس نے بتائے۔‘‘

تلسی مل نے جواب دیا۔ ’’یہ ہماری عقل نے اور آپ کے حالات نے ریاست کی حالت نے بتائے ہیں۔ مگر یہ صرف ہم تک ہی ہیں اگر ہم ہمدرد نہ ہوتے تو آپ کے پاس کیوں آتے۔ اس دنیا کا دستور ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے یہ اس کی مجبوری ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو خود مر جائے دنیا کے لوگ اسی طرح زندہ ہیں وہ مرنے والوں کی طرف نہیں دیکھتے اپنی زندگی کی فکر کرتے ہیں آپ کو بھی یہی کرنا ہے آپ کو بھی دیکھنا ہے کہ چھوٹی مچھلی کہاں ہے۔‘‘

راجہ نے بے چینی سے سوال کیا۔ ’’آپ نے اب تک اپنی بات کی وضاحت نہیں کی۔‘‘

تلسی مل نے اطمینان سے کہا۔ ’’میں اسی طرف آرہا ہوں، ریاست دولی کے قریب ایک پہاڑی درے میں ایک چھوٹی سی آبادی ہے اس کا نام خوش حال پور ہے جیسا نام ہے وہ ویسا ہی ہے۔ پیداوار ضرورت سے بہت زیادہ ہر قسم کے درخت اور پانی بے حساب یہ پہاڑی جھرنا ہے اور کبھی نہیں رکتا اس پانی سے آدمی صحت مند اور فصل بہت زیادہ ہوتی ہے زمین سے درخت تیزی سے باہر آتے ہیں۔ اس کی آمدنی بے حساب ہے اس پر ایک مسلمان شوکت خان کا قبضہ ہے۔ یہ وہی شوکت ہے جو کبھی ریاست دولی میں سپہ سالار ہوا کرتا تھا اور راجہ کا بہت منہ چڑھا تھا اور اسی کارن بے غیرت راجہ نے اپنی لڑکی اس کو دے دی اور وہ لڑکی مسلمان ہوگئی ہمارے منہ پر کالک لگ گئی۔ اس شوکت کے کارن ہمارا دربار سے نکالا ہوا ہمارے سینے میں تو بدلے کی بھاؤنا آگ بن گئی تھی۔ مگر ہمارے ہاتھ پیر تو شوکت کاٹ چکا تھا ہم خاموش نہ رہے اور اس کا بھی ریاست سے منہ کالا کروا دیا اور وہ خوشحال پور میں جم گیا۔ ذرا ہمت کی ضرورت ہے اس کے پاس افرادی قوت کم ہے۔ اس لئے فوج بھی زیادہ نہیں مگر ایک شیر اس کے پاس ہے وہ اس پر ہی سواری کرتا ہے۔

تم کو یہ کرنا ہے کہ دو چار شیر کے شکاری اور فوج جمع کرنی ہے اور ٹکڑے ٹکڑے میں وہاں پہنچانی ہے جب سب پہنچ جائیں تو اس پر حملہ کرنا ہے بھگوان نے چاہا تو کامیابی ہوجائے گی۔‘‘

راجہ نے پوری بات سنی اور پھر بولا...... ’’کام آسان نہیں فاصلہ زیادہ ہے میرے پاس اتنی فوج نہیں کہ میں اتنی دور حملہ کرنے جاؤں اور اگر نا کام ہوا تو میں خود بخود مر جاؤں گا۔‘‘

’’راجہ صاحب میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ انسان کو بعض اوقات جوا کھیلنا پڑتا ہے۔‘‘ تلسی بولا۔

’’موت صاف نظر آئے تو جوا کھیلنا دانش مندی نہیں ہوتی۔ تم نے میری ہمدردی میں اتنا لمبا سفر کیا، یہ تمہاری مہربانی ہے پر جوا تو تم لوگوں نے بھی کھیلا ہے تم بتاؤ تمہاری اصل دلچسپی کیا ہے؟‘‘

پنڈت راجہ کی بات کو سمجھ گیا اور بولا۔ ’’راجہ صاحب ہر آدمی کے ساتھ پیٹ ہے اس کو بھرنے کے لئے آدمی بھاگا پھرتا ہے آپ کی جے ہوگی تو ہمارے پیٹ میں بھی کچھ جائے گا۔‘‘

راجہ بولا۔ ’’ہاں یہ بات درست ہے میں تمہاری بات پر غور کروں گا مگر یہ کام میں اکیلا نہیں کرسکوں گا۔ تلسی اور راجہ کو اس مشن میں شامل کرنا ہوگا مگر وہ کام میں خود کروں تو میرے اشارے کے منتظر رہنا تم کو یہاں پر آنا ہوگا یا تم کو خوش حال پور میں ہم سے ملنا ہوگا تم نے

ایک امید کی کرن دکھائی ہے میں اس کرن کو آگے رکھ کر کام کروں گا، شاید کچھ راستہ نظر آ جائے۔"

یہ تینوں راجہ کو راستہ دکھا کر چلے آئے اور راجہ کے من میں خوش حال پور کی دولت کی چمک لہریں مارنے لگیں اور وہ دل ہی دل میں خوش حال پور پر قبضہ کرنے کے پروگرام بنانے لگا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اکیلے وہ یہ کام نہیں کرسکتا۔ مگر اس میں برابر کا حصہ ادا کرنے کا سوچ کر وہ کسی راجہ کو اس کام میں شریک کرنے پر راضی نہ ہوا اور اس نے خود ہی تیاریاں شروع کر دیں، خاندانی خزانہ اس نے اس کام پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ فوج کو پھر سے منظم کیا ان کے ہتھیاروں پر خرچ کیا اور نئے تر و تازہ گھوڑے خریدے گئے، نئے نوجوان لڑکوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا بے کاری اور بے روزگاری ریاست میں پہلے سے تھی اس لئے وہ ایک بڑی فوج بنانے میں کامیاب ہوا۔ اس کام میں سات ماہ گزر گئے اور راجہ نے اپنا خاندانی خزانہ داؤ پر لگا دیا۔

اور تمسی مل کو خبر کر دی کہ ہماری فوج کا پہلا دستہ روانہ ہو رہا ہے اور وہ خوش حال پور سے ایک کوس دور پڑاؤ کرے گا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے آن ملو تمسی مل تو انتظار میں ہی تھا پنڈت اور تیواڑی کے ساتھ اس نے بھی ایک بیس آدمیوں کا خفیہ دستہ بنایا اس کے پاس بھی پورے ہتھیار اور اپنے گھوڑے تھے۔

خوش حال پور سے قریب راجہ کی فوج کا انتظار کرنے لگے ایک رات کے سفر کے بعد راجہ کا دستہ آ گیا اور وہ ان میں شامل ہو گئے اور انہوں نے کھلے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنی چھولداری لگائیں وہ جگہ خوش حال پور سے نشیب میں تھی ان کو اس کا اندازہ نہ ہوا کیونکہ یہ میدانی علاقہ تھا اور چاروں طرف سے کانٹے دار جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا ان کے خیال میں یہ محفوظ جگہ تھی۔

پہلے دستہ کے آتے ہی شوکت کو خبر ہو گئی اور شوکت نے اندازہ کر لیا کہ یہ فوجی دستہ ہے اس کے قیام کرنے کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا رکنا بے مقصد نہیں ہے۔

اس نے نہر میں پانی چھوڑ دیا نہر پوری لبالب بھر گئی تو پرانی کھائی میں بھی پانی بھر دیا اور نہر کے پشتوں کو اوپر اٹھا دیا اب چاروں طرف نہر تھی اور اس پر کوئی پل نہ تھا۔ اس کے بعد گہری کھائی تھی اس کے بعد جو راستہ تھا وہ صرف اتنا تھا کہ ایک گھوڑ سوار گزر سکے اس راستے پر کڑا پہرہ تھا۔

تمسی اور اس کے ساتھیوں کو نہر کے بارے میں علم نہ تھا مگر کھائی کے بارے میں وہ جانتے تھے اس کو پار کرنے کے لئے وہ لکڑی کے پل بنا رہے تھے کھائی کی چوڑائی ان کو پتہ تھی اس حساب سے وہ پل بنا رہے تھے تین دن کے بعد دوسرا دستہ آ گیا اور ان کی طاقت میں اضافہ ہوا۔

پھر تین دن کے بعد ایک اور دستہ آ گیا تمسی مل اور پنڈت نے سکھ کا سانس لیا کہ اب طاقت پوری تھی، آخری دستے میں راجہ خود موجود تھا اس کا گھوڑا نہایت شاندار اور چاک چوبند تھا اس نے سارے انتظامات کا اچھی طرح جائزہ لیا، سارے کمانڈروں سے حالات پوچھے تو اس کو پتہ چلا کہ خوش حال پور والوں کو شاید ان کی آمد کی خبر ہی نہیں ہے اگر خبر ہوتی تو ضرور کچھ ہلچل اس طرف نظر آتی، بڑا اچھا موقع ہے ان کی بے خبری میں ان پر حملہ کر دیا جائے مگر راجہ کے کمانڈروں کو پتہ نہیں تھا کہ خوشحال پور اوپر تھا اور ان کی تمام تر کارروائیوں پر ان کی نظر تھی۔ ان کی اپنی تیاریاں پوری تھیں۔

شوکت نے اپنی کم فوج کو اس طرح ترتیب دیا تھا کہ اس کا جانی نقصان نہ ہو۔

دشمن کے پاس تیر اندازوں کا خطرناک دستہ تھا شوکت نے اس کا پورا اندازہ کر لیا تھا۔ دشمن کھلے میدان میں تھا اور اس کو کہیں سے بھی کمک آ سکتی تھی اور خوش حال پور گھرا ہوا تھا اس کو بیرونی امداد کی ذرا سی امید نہ تھی، شوکت نے ان سب حقائق کو ذہن میں رکھ کر نقشہ بنایا تھا اور اپنے دماغ کو مضبوط کیا تھا وہ خود حملہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

راجہ کی تیاریاں مکمل ہوگئیں کھائی پار کرنے کے پل بن گئے تو ایک رات اس نے خوش حال پور کی طرف کوچ کا حکم دے دیا مگر ان کے حواس گم ہوگئے جب انہوں نے اپنی راہ میں ایک چوڑی اور گہری نہر پائی۔ نہر میں پانی بھرا ہوا تھا اور چاندنی رات میں اس کی چوڑائی صاف نظر آرہی تھی انہوں نے تو کھائی کے چوڑائی کے پل بنائے تھے وہ اس نہر پر بے کار تھے۔ نہر کے کنارے پڑاؤ کرنا پڑا اور راجہ نے تلسی مل اور اس کے ساتھیوں کو طلب کرلیا۔ اور غصے سے بولا۔ ''تم نے دیکھا نہیں کہ کھائی کے ساتھ نہر بھی موجود ہے تم پہلے آئے تھے تم کو دیکھنا تھا اب بتاؤ اس نہر کو کس طرح پار کریں۔''

''حضور یہ تو جادو ہوگیا یہ شوکت تو کوئی جادوگر لگتا ہے۔'' پنڈت بولا۔

''تو پھر اب کیا کریں یہ بتاؤ۔'' راجہ بولا۔

''یہ نہر بنائی ہے تو ضرور اس پر پل بھی ہوگا اس پل پر قبضہ کرنا ہوگا۔'' پنڈت بولا۔

''ہاں بات درست لگتی ہے، ضرور اس نہر پر پل ہوگا اور وہی اندر جانے باہر آنے کا راستہ ہوگا۔ اس پر قبضہ کرلیا جائے تو کام آسان ہوسکتا ہے۔'' راجہ بولا۔

''تو پھر نہر کے کنارے کنارے گھوڑے دوڑاؤ اور پل تلاش کرو اور جہاں پر پل ہو اس پر حملہ کرنے کی تیاری کرو۔''

یہ سنتے ہی ایک گھوڑ سوار دستہ نہر کے کنارے کنارے دوڑنے لگا چاندنی رات تھی دور تک صاف نظر آرہا تھا گھوڑے دوڑتے رہے اور دو گھنٹے کے بعد گھوم کر پھر اسی مقام پر آگئے جہاں سے گئے تھے اور راجہ کو رپورٹ دی کہ نہر پر کوئی پل نہیں ہے۔

راجہ حیرت سے بولا۔ ''تم اندھے ہو ایسا کبھی ہوسکتا ہے اندر کے لوگ کیا کبھی باہر نہیں آتے۔ پل ضرور ہوگا۔'' پھر پنڈت کو اشارہ کرکے بولا۔

''تم اس دستے کے ساتھ جاؤ اور دیکھ کر آؤ۔''

پنڈت اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور دستے کے ساتھ روانہ ہوا مگر واپس آکر اس نے بھی وہی خبر دی تو راجہ چکرایا اور بولا..... ''ارے تلسی مل تو نے کہاں پھنسا دیا۔ یہ کیسی آبادی ہے کہ باہر نہیں آتی۔''

تلسی بولا۔ ''راجہ صاحب پل تو ضرور ہیں مگر وہ اس قسم کے ہوں گے کہ وقت ضرورت استعمال کیا اور ہٹا دیئے۔ اب ہم کو حملہ کرنے کے لئے اور انتظار کرنا ہوگا۔ نہر کے ناپ کے پل بنانا ہوں گے۔''

راجہ بولا۔ ''اس کا مطلب ہے پھر سے نئی تیاری کرنا ہوگی اور لکڑی کا انتظام کرنا ہوگا۔''

تلسی مل نے جواب دیا۔ ''یہ تو ضروری ہے ایسا ہوتا ہے جنگ میں کہ ہم جو پروگرام بناتے ہیں وہ میدان میں کام نہیں آتا موقع محل ہم کو نئے کام کرواتا ہے اور جے ہو جاتی ہے۔ پریشانیاں تو ہیں مگر اب سر پر آپڑی ہے اس کو چھوڑ چھاڑ کر فرار ہونا بھی کوئی عزت کی بات نہیں ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں پل بنانے کی تیاریاں کریں۔'' تلسی مل نے راجہ کو تسلی دی۔

نہر کے کنارے سے فوجیں واپس آگئیں اور نہر کی چوڑائی کے حساب سے لکڑی کے پل بنانے لگی لکڑی کا حاصل کرنا بھی آسان نہ تھا بہت دور کے جنگل سے لکڑی لائی جارہی تھی اور فوج اس کام میں مصروف تھی۔ آخر وہ پل بنانے میں کامیاب ہوگئے اور پھر ان پلوں کو بڑی مشکلوں سے اٹھا کر نہر کے کنارے پہنچے یہ اتنی محنت کا کام تھا کہ سب تھک کر چور ہوگئے اور ابھی اصل کام باقی تھا وہ ان پلوں کو نہر پر رکھنا تھا اس لئے تیراک فوجیوں کو نہر میں اترنا تھا اور پلوں کو آہستہ آہستہ پانی کی سطح پر رکھنا تھا۔

مگر دو پلوں کو نہر کے پاس لاتے ہی ان کی ہمت جواب دے گئی تھی اس لئے یہ کام روکنا پڑا، کئی دن کے آرام کے بعد یہ کام پھر شروع ہوا اور کئی آدمی نہر کے تیز بہاؤ کی نذر ہوگئیں اور ایک پل نہر پر ٹک گیا دوسرا کنارے پڑا رہا۔ مگر اس پل کے لگ جانے سے راجہ کے دم میں دم آگیا اور اس نے حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔

فوج لڑائی سے پہلے ہی تھکن کا شکار تھی اس لئے

اس کو لکڑی لانے پل بنانے اور نہر تک لانے میں پھر نہر پر رکھنے میں بہت محنت کرنا پڑی تھی، اس لئے کمانڈروں نے کچھ آرام کا وقت طلب کرلیا اور راجہ کو وہ دینا پڑا، اس طرح پل کے لگ جانے کے بعد بھی ایک ماہ تک جنگ نہ شروع ہوسکی۔

ایک ماہ کے بعد فوج کے کھانے کے انتظامات والوں نے راجہ کو اطلاع دی کہ اب راشن صرف پندرہ دن کا رہ گیا ہے یہ سن کر تو راجہ اور پریشان ہوگیا ابھی اصل جنگ شروع نہیں ہوئی کہ راشن بھی ختم ہوگیا۔

راجہ نے تلسی اور پنڈت کو طلب کر کے صورتحال بتائی۔ ''ہمارا خیال ہے وقت ضرورت سے زیادہ ہوگیا ہے ہم جس انداز سے راشن لے کر چلے تھے وہ پورا تھا مگر بے وجہ زیادہ قیام نے ہمارا راشن ختم کروادیا یہاں کی قریب ترین ریاست دونی ہے تم وہاں سے کچھ کرو.....''

تلسی مل نے جواب دیا۔ ''راجہ صاحب ہم نے دونی کے راجہ سے بات چھپائی ہے اس لئے کہ خوش حال پور میں شوکت اس کا داماد ہے اور وہ ہرگز اپنے داماد کے خلاف نہیں جائے گا۔ پھر وہ اناج کیوں دینے لگا۔''

راجہ مایوسی سے بولا۔ ''پندرہ دن کے بعد فوج کے پاس کھانے کو نہیں ہوگا تو وہ کیا خاک لڑے گی۔ ہم کو مایوسی کے عالم میں واپس جانا ہوگا۔ یہ تو کچھ نہ ہوا لاکھوں خرچ کئے محنت الگ کی اور کیا تم لوگوں نے مجھے چوڑے میں مروادیا۔''

تلسی بولا ..... ''پندرہ دن بہت ہیں جنگ کا فیصلہ اس سے پہلے کروانے کی کوشش ہوسکتی ہے۔ جلد از جلد اس پل کے ذریعہ حملے کا آغاز کرنا ہوگا ہماری فوجیں اندر جائیں گی اور کارروائی کریں گی۔''

راجہ بہت غصے میں تھا بولا۔ ''نہر کے بعد تمہاری پھوپھی کھائی جو موجود ہے اس کا کیا کرو گے۔ ارے عقل کے دشمن نہر اور کھائی کے درمیان فوج پھنس نہ جائے گی۔ ذرا سے راستے سے کتنی اندر جاپائے گی اور اس راستے کو اس نے کھلا تو نہ چھوڑا ہوگا تم بے وقوف اور نادانوں کے کہنے میں آکر میں برباد ہوگیا میرا خاندانی خزانہ بھی خرچ ہوا اگر میں وہی اپنی رعایا پر خرچ کرتا تو وہ خوشحال ہوجاتی، افسوس کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کردی۔''

راجہ کے چہرے پر پچھتاوا تھا اس کو اپنی حماقت کا احساس تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ شوکت ایک بہت ہوشیار آدمی ہے اس نے راجہ کی فوج کو لڑائی کے بغیر زیر کرلیا تھا۔ اب راجہ کو اپنی سلامتی کا صرف ایک راستہ نظر آیا تھا کہ وہ واپس چلا جائے۔ اس نے اس کے بارے میں بہت غور کیا اور آخر اس نے پڑاؤ پر واپس فوج کو جانے کا حکم دے دیا اور حملہ نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

راجہ کی تمام فوج پڑاؤ پر واپس آگئی، نہر کے کنارے ایک آدمی نہ رہا تھا۔ تو نہر کے پل کے ذریعہ ایک گھوڑسوار اندر سے آیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے راجہ کے پڑاؤ پر آکر راجہ سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس کو راجہ کے روبرو پیش کردیا گیا۔ آنے والے نے راجہ کو سلامی دی اور پھر کہا۔

''میں خوش حال پور کا نمائندہ ہوں آپ کے پاس بات کرنے آیا ہوں، آپ اس میں ہماری کمزوری یا بزدلی خیال نہ کریں تو آپ بات کریں۔''

راجہ تو پہلے ہی پریشان تھا فوراً بولا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات ہمارے ذہن میں نہیں ہے آپ فرمائیں۔''

نمائندہ بولا..... ''آپ نے دیکھا کہ خوش حال پور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے مگر اس پر نہ معلوم کتنوں کی نظریں ہیں اس کی وجہ اس کی خوش حالی اور پیداواری صلاحیت ہے یہ پیداواری صلاحیت کسان کی ہے یہاں کا کسان محنت کرتا ہے اور اس کا پھل اس کو پورا پورا ملتا ہے اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے وہ سارا اناج انتظامیہ کو اپنی خوشی سے دیتا ہے اس کو اس کی پوری ادائیگی کی جاتی ہے۔ ہر آدمی آزاد ہے وہ جو کام بھی کرتا ہے دل لگا کر کرتا ہے اس لئے اس کے سر پر کسی کا ڈنڈا نہیں ہے۔

عوام اگر خوش حال ہے تو ریاست کیسے غریب ہوسکتی ہے۔ آپ نے اپنے وزیروں اور مشیروں کے کہنے پر عوام پر بوجھ ڈالا، کسانوں پر لگان کا بوجھ ڈالا، محنت وہ کرتے تھے اور فائدہ آپ کے وزیر اٹھاتے، ان

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

لوگوں کے اخراجات اتنے زیادہ کہ وہ آپ سے بھی ہیں اور کسانوں اور عوام پر بھی ٹیکس لگا کر وصول کریں اور اس کا زیادہ حصہ ان کی جیب میں جائے بدنام ریاست، گالیاں اور بددعائیں راجہ کے حصے میں یہی کچھ دونی میں ہوا کرتا تھا مگر اب نہیں ہوتا۔

خرابی عوام میں نہیں ہے آپ کے وزیروں کی فوج کی ہے آپ ان کو برخاست کردیں عوام کو آزاد کردیں ان کے سر کا بوجھ کم ہوگا تو وہ محنت کریں گے اور اتنا غلہ پیدا کریں گے کہ آپ دوسروں کو دے سکیں گے۔ آپ کی کمزوری یہ ہے کہ آپ دوسروں کے مشوروں پر عمل کرتے ہو، ہمیں پتہ ہے کہ آپ کو یہاں آنے کا راستہ ریاست دونی کے چند غداروں نے بتایا ہے کیونکہ دونی میں ان کی آمدنی کے ناجائز ذرائع بند ہو چکے ہیں۔

راجہ صاحب میری باتیں بڑی کڑوی تو ہیں مگر آپ غور کریں گے تو آپ کے لئے مفید بھی ہیں۔ ہماری تو چھوٹی سی بستی ہے آپ راجہ ہیں آپ کے پاس بڑی فوج ہے مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کی فوج یہاں پر آکر کتنی بے بس ہوگئی ہے آپ لڑائی سے پہلے ہی شکست خوردہ نظر آتے ہیں۔ آپ حملہ آور ہیں مگر ہم کسی سے بھی لڑائی نہیں کرتے کیونکہ لڑائی اچھی چیز نہیں ہے ہم صلح پسند لوگ ہیں دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور چین سے رہتے ہیں آپ بھی لڑائی جھگڑے سے دور رہیں اس لئے کہ اس میں سوائے بربادی کے کچھ نہیں ہے آپ ہم پر جنگ مسلط نہ کریں ہم آپ کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ڈاکو نہیں بلکہ انسان ہونے کے ناطے۔''

راجہ نمائندے کی باتوں سے متاثر ہوا اور بولا۔

''تم کون ہو تمہاری اس مقام پر کیا حیثیت ہے؟''

نمائندہ بولا...... ''میں اس بستی کا ایک بہت معمولی ملازم ہوں اور میرا نام شوکت خان ہے۔''

راجہ چونک کر کھڑا ہوگیا۔ ''تم شوکت خان راجہ دونی کے داماد اور سپہ سالار پھر تم معمولی ملازم نہیں بلکہ تمہاری بہادری اور عقل مندی کے تو سب قائل ہیں۔ میرے دل میں تمہاری عزت ہے مجھے احساس ہوگیا ہے کہ میں غلطی کر بیٹھا ہوں میں نے واقعی غلط لوگوں کے کہنے پر خود کو داؤ پر لگایا ہے میں خواب پچھتا رہا ہوں۔''

شوکت نے کہا۔ ''انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ معافی کا حق دار ہو جاتا ہے۔ آپ کو اس کا احساس ہوگیا ہے تو سمجھ لیں آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوگیا ہے میں آپ کو اتنا اناج دوں گا کہ آپ کی رعایا کے لئے سال بھر کو پورا ہوگا آپ اپنے وزیروں کے گلے سے پٹے اتار دیں اور ان کو کہہ دیں کہ وہ ریاست سے باہر چلے جائیں۔ وہیں رہیں گے تو مشکلات پیدا کریں گے۔

کسانوں پر سے سارا بوجھ ختم کردیں اور ان کو آزاد کردیں خیریت سے واپس جائیں چند سال میں آپ کا خزانہ پھر بھر جائے گا۔''

شوکت جانے کو کھڑا ہوا تو راجہ بھی کھڑا ہوگیا اور بولا ''میں تمہاری باتوں پر پورا پورا عمل کروں گا۔''

شوکت نے پھر کہا۔ ''میری مدد کی جہاں پر ضرورت ہو میں حاضر ہوں۔''

پڑاؤ اٹھالیا گیا اور فوجیں واپسی کی تیاریاں کرنے لگیں تو راجہ نے تکسی مل پنڈت اور تیواڑی کو طلب کرلیا اور کہا۔ ''تم لوگوں کی لالچ نے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے تم اپنی ریاست کے بھی غدار ہو اور میرے ساتھ تم نے غداری کی ہے۔ مگر میں تم کو سزا نہیں دیتا تمہاری سزا یہ ہے کہ تم تینوں میرے ساتھ نہیں جاؤ گے تمہارا فیصلہ شوکت خان کرے گا۔''

تیواڑی قدموں میں گر پڑا۔ ''راجہ صاحب ہمیں اس کے حوالے نہ کرو تم سزا دے لو۔''

پھر تکسی مل اور پنڈت بھی قدموں میں لوٹ پوٹ ہونے لگے مگر راجہ نے ان کی ایک نہ سنی اور ان کو پڑاؤ پر چھوڑ کر راجہ کی فوج کوچ کر گئی ان تینوں کے گھوڑے اور سامان بھی فوج لے گئی۔

اور رات ہوگئی، رات کو اندھیرے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا ابر شیر ان کے سر پر موجود

ہے مارے ڈر کے ان کی آواز بھی نہ نکلی اور تینوں کو شیر نے چیر پھاڑ دیا ان کی مکاریاں ان کے کچھ کام نہ آئیں برے لوگوں کا انجام بھی برا ہوتا ہے ان کا لالچ ان کو لے ڈوبا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

رات کو جنگلی جانوروں نے ان کے گوشت پر دعوت اڑائی، سویرے تین انسانی پنجر نہر کے کنارے پڑے تھے لوگ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑ رہے تھے اور توبہ توبہ کر رہے تھے۔

''جب ٹپکا نے ایک چور کو نوازا تم حیرت انگیز طور پر بہتری کی طرف رواں ہوئے اور تم نے حیرت انگیز کام کر ڈالے۔ تم کو یاد ہے۔''

شوکت نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''انسان نہ سمجھ میں آنے والی چیز ہے میں نے جو کیا کسی پروگرام سے نہیں کیا بس میں کرتا گیا نہ میں نے کچھ کرنے کا پروگرام بنایا نہ کسی سے مشورہ کیا۔''

''تم سے جو کروایا گیا وہ پروگرام کے مطابق ہی تھا۔ تم قدرت کے فیصلوں کے مطابق کام کر رہے تھے۔ قدرت تم سے کام لے رہی تھی اور تم کر رہے تھے۔'' گلشن نے جواب دیا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر تم ٹپکا کو بھول رہے ہو۔'' شوکت نے کہا۔

''اب ٹپکا کا کام ختم ہو رہا ہے تم شیر کو بتا دو کہ تم ٹپکا نہیں ہو۔ اس کو بھی آزاد کر دو۔'' گلشن بولا۔

شوکت نے کہا۔ ''ہاں اب شیر کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کو اس کے مقام پر جانا چاہئے۔''

دوسرے دن شیر رخصت ہو کر چلا گیا تو شوکت نے گلشن کو کہا۔ ''شیر چلا گیا۔ میں ٹپکا نہیں رہا اب کیا کروں۔''

گلشن نے کہا۔ ''ٹپکا سے آخری ملاقات کر لو، وہ بھی جانے والا ہے۔''

پھر شوکت نے دیکھا کہ گول سا پانی کا بڑا سا ایک قطرہ اس کے سامنے کھڑا ہے اور اس میں سے آواز آ رہی ہے۔ ''میں ہوں اس رات کا ٹپکا جو تمہاری شکل میں دنیا میں رہا ہوں تم نے وہی کیا جو میں کرنا چاہتا تھا تم خوش نصیب چور ہو کہ تم کو اتنی عزت ملی، اب میں جا رہا ہوں مگر خود کو تم ٹپکا ہی سمجھنا اور وہی کرنا جو اب تک کرتے رہے ہو، اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔''

اور وہ پانی کا بڑا سا قطرہ پانی بن کر زمین میں جذب ہو گیا اس طرح ٹپکا کی کہانی تمام ہو گئی۔

مکمل کہانی پڑھ کر حکیم وقار خاموش ہو گئے اور مسکراتے ہوئے رولو کا سے مخاطب ہوئے۔ ''جی حکیم صاحب کیسی لگی کہانی؟''

رولو کا بولا۔ ''مصنف کی سوچ کا جواب نہیں۔ جب آپ نے کہانی کا نام ''چور ٹپکا اور شیر'' بتایا تو فوراً میرے ذہن میں آیا ہے کہ کوئی مزاحیہ کہانی ہے، مگر جوں جوں آپ کہانی پڑھتے گئے اور میں اچنبھے میں پڑتا گیا کیونکہ مصنف نے کرداروں کے مزاحیہ نام سے جو حقیقت بیان کی ہے اس کا جواب نہیں، ایک اچھا اور باشعور مصنف اپنی تحریر میں ''سبق'' کا پہلو ہمیشہ رکھتا ہے اور پھر پوری تحریر کو اس انداز سے آگے بڑھاتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا اس کی گرفت میں رہتا ہے۔

بہر حال مصنف کی سوچ اور انداز تحریر کا جواب نہیں۔ مجھے یہ کہانی دلی طور پر بہت اچھی لگی ہے۔''

حکیم وقار بولے۔ ''مجھے خود بھی یہ کہانی بہت اچھی لگی ہے اور میں مصنف کی سوچ کی داد دیتا ہوں، کاش! کہ عام زندگی میں ہر شخص اپنے قول و فعل کے متعلق سنجیدگی سے غور کرے اور حقیقت سے چشم پوشی نہ کرے تو اس کی اپنی زندگی خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔

اب کافی وقت ہو گیا ہے کیوں نا چل کر کھانا کھا لیا جائے۔''

حکیم وقار کی بات سن کر رولو کا بولا۔ ''ٹھیک ہے حکیم صاحب چلئے کھانا کھاتے ہیں، اور پھر دونوں اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

(جاری ہے)

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

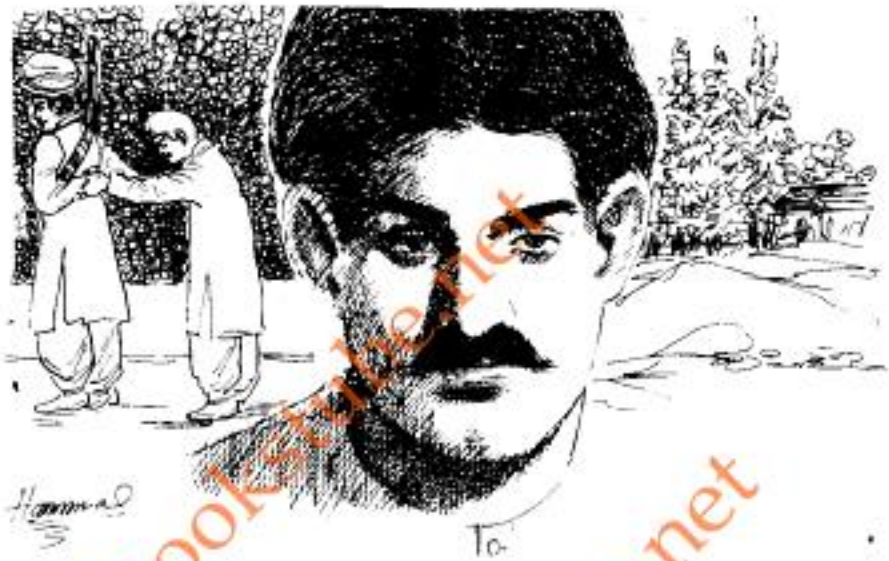

تباہی بربادی

محسن عزیز حلیم۔ کوٹھا کلاں

کمرے میں اچانک ایک فلک شگاف چیخ ابھری اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست شعلہ بھڑکا پھر کمرے میں موجود ساری چیزیں دھڑا دھڑ شعلوں کی لپیٹ میں آکر چند لمحے میں خاکستر ہو گئیں۔

خوف و دہشت سے لرزہ براندام کرتی عجیب و غریب دل گرفتہ اور دل برداشتہ کہانی

"**جلدی** کرو پھر واپس بھی تو آنا ہے۔" شرافت نے سلامت کو آواز لگاتے ہوئے کہا۔

"بھائی بس ہو گیا چلو آؤ بیٹھ جاؤ۔" دراصل شرافت اور سلامت جنگل میں لکڑیاں لینے جا رہے تھے کیونکہ ان کی بہن چندا کی کچھ دنوں میں شادی ہونے والی تھی۔

سلامت گدھا گاڑی سے باربرداری کا کام کرتا تھا۔ کام سے فارغ ہو کر دونوں بھائی اس پر سوار ہو کر جنگل کی طرف جا رہے تھے۔ "گاڑی جلدی چلاؤ دوپہر ڈھلنے والی ہے۔"

اکتوبر کے مہینے میں ویسے بھی دن چھوٹا ہو جاتا ہے اس لئے شرافت سلامت کو گدھا گاڑی جلدی بھگانے کو کہہ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں جنگل کی حدود میں داخل

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

ہو چکے تھے۔ "بھائی مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" سلامت نے سکتے ہوئے شرافت سے کہا۔

"ارے اس میں ڈرنے والی کون سی بات ہے میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں کیا؟" شرافت نے بھائی کا ڈر ختم کرنے کی کوشش کی۔

"ایسا کرو گاڑی کو تم سامنے درخت کے ساتھ باندھ دو۔" شرافت نے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جبکہ سلامت اثبات میں سر ہلاتا ہوا درخت کے ساتھ گاڑی باندھنے لگا۔

گاڑی کو درخت کے ساتھ باندھنے کے بعد وہ دونوں جنگل میں آگے کی طرف چل پڑے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ان کا مطلوبہ درخت مل گیا ایک سوکھا ہوا کیکر کا درخت جو کہ کافی بڑا تھا، دونوں بھائی بہت خوش ہوئے۔

"کلہاڑی دو۔" شرافت نے سلامت کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے کلہاڑی تو گدھا گاڑی پر رہ گئی۔" سلامت نے اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ادھر ٹھہرو میں کلہاڑی لے کر آتا ہوں۔ تب تک تم چھوٹی چھوٹی لکڑیاں الگ کرو۔" یہ کہہ کر شرافت کلہاڑی لینے چلا گیا جبکہ سلامت چھوٹی لکڑیاں توڑنے کے لئے آگے بڑھا کہ اچانک اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی ہو۔ "آگے مت جانا اور اس درخت کو ہاتھ مت لگانا۔" یہ سنتے ہی سلامت کا دل اندر سے دہل گیا۔

پر اس نے اسے اپنا وہم جان کر اپنے ذہن کو جھٹک دیا اور درخت کی طرف بڑھ گیا۔ درخت کے قریب جا کر جیسے ہی وہ لکڑیاں توڑنے کے لئے نیچے کی طرف جھکا تو اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اسکی کمر پر ہاتھ رکھا ہو۔ اس نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا تو وہاں پر کوئی نہیں تھا، اب کی بار وہ سچ مچ ڈر گیا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ شرافت بھائی ابھی تک نہیں آئے کہ اسے کسی کے رونے کی آواز سنائی دی، اس نے غور کیا تو وہ آواز قریب ایک درخت کے عقب سے آ رہی تھی، اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے وہ اس طرف بڑھا۔

ابھی وہ درخت سے چند قدم پر تھا کہ اچانک ایک الو جو نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گیا تھا، بڑی تیزی سے کریہہ اور کرخت آواز نکالتے ہوئے اس کے قریب سے گزرا کیونکہ یہ عمل تیزی سے ہوا تھا اور اچانک ہوا تھا، الو کی فلک شگاف چیخ اردگرد کے ماحول کو لرزا گئی۔

شرافت جو کہ کلہاڑی لے کر آ رہا تھا سلامت کی اچانک چیخ سن کر تیزی سے بھاگا قریب آنے پر دیکھا تو سلامت خوف سے کانپ رہا تھا۔

شرافت کو قریب دیکھ کر سہمے ہوئے الفاظ میں سلامت بولا۔ "بب...... بھیا میں نے ابھی سامنے درخت کے عقب میں کسی کے رونے کی آواز سنی ہے۔"

شرافت کو سلامت کی بات پر بے اختیار ہنسی آ گئی اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سلامت تو تو واقعی بدھو ہے۔"

"نہیں بھیا میں سچ کہہ رہا ہوں میرا یقین کرو۔"

"چلو ٹھیک ہے میرے ساتھ آؤ۔" دونوں چل کر دیکھتے ہیں کہ آخر ویران جنگل میں کون رو رہا تھا۔" یہ کہہ کر دونوں درخت کی طرف بڑھے قریب جانے پر جب دونوں نے دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔ "میں نے کہا تھا ناں کہ یہ سب تمہارا وہم ہے اب دیکھ لو اور اپنی تسلی کر لو یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔" شرافت بولا۔

لیکن سلامت کا ڈر اور خوف اپنی جگہ بدستور قائم تھا۔

شرافت نے پوری قوت سے کلہاڑی کے پھل سے درخت کے تنے پر وار کیا کہ اچانک اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اسکے کان کے قریب سرگوشی میں کہا ہو۔ "رک جاؤ ابھی بھی وقت ہے رک جاؤ۔"

لیکن شرافت تو جیسے اپنی دھن میں لگا پڑا تھا اور پھر چند ہی منٹ میں ڈھیر ساری لکڑیاں جمع ہو گئیں اتنی دیر میں سلامت گدھا گاڑی قریب لے آیا تھا پھر دونوں

www.booksube.net
www.urdutube.net
www.urdunovels.net

بھائیوں نے لکڑیوں کو اکٹھا کر کے گدھا گاڑی پر لاد دیا اور پھر کچھ ہی دیر میں دونوں بھائی اپنے گاؤں میں داخل ہوئے۔ گھر پہنچ کر دونوں نے لکڑیوں کو صحن میں ایک طرف ڈھیر کی صورت میں میں لگادیا اس کے بعد کچھ دیر ستانے کے لئے چارپائیوں پر لیٹ گئے۔

چونکہ انہیں جنگل میں کافی دیر گئی تو اس لئے گھر آتے آتے کافی اندھیرا پھیل چکا تھا پھر وہ اٹھے ہاتھ منہ دھویا اس کے بعد دونوں کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹ گئے اور جلد ہی نیند کی دیوی نے ان دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ گہری نیند سو گئے۔

رات کے تقریباً 12 بجے کا وقت رہا ہوگا کہ اچانک بھیانک شور سے شرافت کی آنکھ کھل گئی۔

''صحن میں یہ کیسی روشنی ہے؟'' شرافت نے آنکھ مسلتے ہوئے کہا۔

اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ روشنی نہیں بلکہ وہ آگ تھی جو کہ صحن میں رکھی ہوئی لکڑیوں کو لگی ہوئی تھی۔ شرافت نے گہری نیند میں سوئے ہوئے سلامت کو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ ''جلدی اٹھو دیکھو آگ لگ گئی۔''

اسی افراتفری میں چندا اور ان کی ماں بھی جاگ گئیں۔

''ارے پانی لاؤ جلدی کرو۔'' لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی ساری لکڑیاں جل کر خاکستر ہو چکی تھیں۔

''یہ آگ کیسے لگی؟'' شرافت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں ہمارا تو چولہا بھی کافی دور ہے۔'' چندا نے کہا۔

''لگتا ہے کسی بچے نے شرارت کی ہے۔'' ان کی ماں نے کہا۔

''نہیں اماں اگر بچے نے یہ شرارت کی ہے تو وہ اندر کیسے آیا کیونکہ اندر سے تو دروازہ بند ہے اور پچھ دیوار

مسکرائیے......!

انسان کا چہرہ اس کے خیالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر شخص آپ کا چہرہ دیکھ کر آپ کی طبیعت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ آپ اگر کسی سے ملتے وقت خلوص اور محبت کا اظہار کریں گے تو جواب میں وہ شخص بھی آپ سے پرتپاک ملاقات کرے گا۔ آپ کی مسکراہٹ ہر شخص کے دل میں گھر کر لے گی اور وہ بھی آپ کی مسکراہٹ سے متاثر ہو کر مسکرا دے گا لیکن اگر آپ کا چہرہ بسورتا ہوا یا غصے کی پیشانی پر تیوری چڑھی ہوئی ہو تو کوئی بھی آپ کے پاس نہیں آئے گا یا آپ سے مل کر خوش نہیں ہوگا۔

اگر آپ اپنے دل سے کینہ اور بغض کو نکال دیں تو آپ ہر دل میں جگہ پائیں گے۔ نکتہ چینی اور عیب جوئی کی عادت کو بھی چھوڑ دیں۔ اگر کسی میں کوئی عیب نظر آئے تو چشم پوشی اختیار کریں اور دوسروں کی خوبیوں کی خوب دل کھول کر داد دیں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح آپ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح دوستی بڑھے گی اور معاشرے میں محبت اور اخوت میں اضافہ ہوگا۔ اپنے چہرے کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی غمناک نہ بنائیں۔ کیونکہ روتی صورت کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ کسی دانش مند کا قول ہے کہ جب آپ گھر سے نکلیں تو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ ہونی چاہئے۔ دوستوں کا استقبال مسکراہٹ سے کیجئے۔ خود بھی خوش رہئے اور دوسروں کو بھی خوش رہنے کا موقع دیجئے۔ کیونکہ مسکراہٹ کے لئے کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی لیکن اس کے بہت سے فائدے ہیں۔

(ایس امتیاز احمد)

پھلانگنے سے رہا۔'' سلامت نے جواب دیا۔

''خیر جیسے تیسے کرکے رات گزر گئی صبح تمام گھر والوں کے لئے اور بھی حیرت ناک تھی، چندا کے جہیز کے سارے بستر جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان کی والدہ کا رو رو کر برا حال تھا چندا اپنی جگہ الگ پریشانی کے عالم میں آنسو بہا رہی تھی شرافت اور سلامت اپنی جگہ پریشان تھے۔

''آخر یہ سب کیسے ہوا؟ کون ہے جو یہ حرکت کر رہا ہے؟ اور کیوں کر رہا ہے؟'' آخر کار بچارے روٹھ کر بیٹھ گئے، اور پھر وہ سب صبر کرنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

دن گزر گیا تیسری رات آئی اور اس نے آہستہ آہستہ اپنے کالے پر پھیلانے شروع کر دیئے ویسے بھی اماوس کی کالی راتیں شروع ہو چکی تھیں آسمان سے چاند غائب تھا وقفے وقفے سے دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ماحول کو اور بھی ہولناک بنا رہی تھیں..... سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبکے پڑے تھے، گلیاں بالکل سنسان تھیں۔

شدید پیاس کی وجہ سے چندا کی آنکھ کھل گئی وہ اپنی چارپائی سے اٹھی اور قریب پڑے ہوئے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اور پینے لگی..... پانی پی کر پیچھے کی طرف مڑی تو وہ ٹھٹک کر رہ گئی کیونکہ دو سائے جو اندھیرا ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہے تھے ایسا لگ سن رہا تھا جیسے ایک سایہ دوسرے سائے کو کوئی حکم دے رہا تھا۔ چندا نے سمجھا کوئی چور ہے، اس لئے وہ بنا کوئی آواز نکالے ان کی طرف غور سے دیکھنے لگی اور پھر آگے کو بڑھی کوئی دس قدم کی دوری پر چندا رک گئی اور اب ان کی آواز آسانی سے چندا سن سکتی تھی۔ ''ہم نے تمہیں 2 دن کا وقت دیا تھا کہ اس گھر کو اور اس گھر کے سارے افراد کو جلا کر ختم کر دو لیکن تم نے۔''

''مجھے معاف کر دیجیے سردار میں حکم کی تعمیل نہیں کر سکا مجھے ایک اور موقع دیجیے۔'' دوسرے سائے نے التجایہ انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے..... ان دونوں بھائیوں نے ہمارے مسکن یعنی اس درخت کو کاٹ دیا تھا اسی طرح انہیں ختم کرنا، ہم نے انہیں طرح طرح سے ڈرانے کی کوشش کی اور ان کے کان میں سرگوشی بھی کی لیکن یہ نہیں مانے اور انہوں نے ہمارے سکون میں خلل ڈالا اور ہمارے رہنے کی جگہ کو تباہ کر ڈالا..... اور اب ان کی باری ہے تباہ ہونے کی..... قبیلے کے ایک افراد نے ان پر الو کی صورت میں بھی حملہ کیا تاکہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں اور دوسری عورت کی آواز رونے کی طرح نکال کر ڈرایا تب بھی یہ نہیں ڈرے اور نہ مانے۔ ان کی ہر ایک چیز جلا دو۔''

''جو حکم..... سردار۔''

یہ سنتے ہی چندا کو جیسے کاٹو تو بدن میں خون نہیں کے مترادف تھی، اس کی نظر جیسے ہی ان سایوں کے سر کے نیچے والے حصے پر پڑی تو بے اختیار چندا کی چیخ نکل گئی۔

چندا کی چیخ سن کر دونوں سائے دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئے اور اسی دوران گھر کے باقی بھی افراد جاگ چکے تھے۔

چندا ڈر سے تھر تھر کانپ رہی تھی والدہ نے جلدی سے اس کو پانی دیا۔ ''کیا ہوا تھا؟'' شرافت نے پوچھا۔

''وہ ب..... بھوت.....'' اور پھر چندا نے سب کچھ جو اس نے سنا تھا گھر والوں کو بتا دیا۔

پہلے تو انہوں نے یقین نہیں کیا لیکن پھر چندا کے بے حد اصرار پر انہیں ماننا پڑا..... اور پھر سلامت نے گھر والوں کو وہ سب کچھ بتایا جو اس کے ساتھ جنگل میں ہوا تھا۔

اب تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

''اس سے پہلے کہ کچھ اور برا ہو ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔'' شرافت نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم صبح ہی صبح جا کر پیش امام صاحب کو بلا کر لانا۔'' ان کی والدہ نے کہا اور اللہ کے حضور سجدے میں گر کر اپنے گھر کے لئے سلامتی کی دعائیں مانگنے لگیں۔

اللہ اللہ کر کے صبح ہوتے ہی سب سے پہلے پیش امام صاحب کو لینے شرافت چلا گیا جبکہ اس نے سلامت

کو چند ہدایات دیں کہ وہ گھر میں ہی رہے۔ شرافت کے جانے کے بعد سلامت صحن میں چارپائی بچھا کر لیٹ گیا۔

اچانک کمرے سے تڑ..... تڑ..... کی آوازیں آنے لگیں..... وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور کمرے کی طرف بڑھا۔

اوہ..... یہ کیا.....! کمرہ تو آگ سے جل رہا تھا۔ سلامت مدد کے لئے چیخنے لگا، پاس پڑوس کے لوگ بھی جمع ہوگئے، آخر سب نے پانی سے کافی حد تک آگ پر قابو پالیا لیکن کمرے میں موجود ہر شے جل کر خاکستر ہوچکی تھی کیونکہ کمرے میں موجود چندا کی شادی کا جہیز تھا جو جل کر راکھ ہوگیا تھا۔

دن کے دس بجے کے قریب پیش امام صاحب کو لے شرافت آ گیا، پرنور چہرہ اور چہرے پر گھنی لمبی سفید داڑھی۔

''پیش امام صاحب۔'' ان کی والدہ یہ کہہ کر پیش امام صاحب کے سامنے زاروقطار رونے لگیں۔

''بہن صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اللہ کا شکر ہے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔'' یہ کہہ کر پیش امام صاحب نے شرافت کی والدہ کو دلاسہ دیا اور۔

''پیش امام صاحب کچھ کیجیے یہ کیسی آفت آن پڑی ہے ہم پر۔'' شرافت کی والدہ نے روتے ہوئے کہا۔

''بس کچھ دیر صبر کریں اگر اللہ نے چاہا تو آج ہی آپ لوگوں کو اس آفت سے چھٹکارا مل جائے گا۔'' یہ کہہ کر پیش امام صاحب نے ایک دائرہ کھینچا اور گھر والوں کو اس دائرے میں بیٹھنے کو کہا اور پھر بولے۔ ''کچھ بھی ہوجائے آپ لوگ اس دائرہ سے باہر مت نکلنا۔'' اور خود بھی ایک دائرہ کھینچ کر اس میں بیٹھ گئے، ساتھ میں لائی ہوئی بوتل ان کے قریب تھی جس میں پانی موجود تھا، وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے اور اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کچھ پڑھنے لگے۔

جیسے جیسے وہ پڑھتے جارہے تھے ویسے ویسے گھر کے صحن میں ہوائی جھکڑ چلنے شروع ہوگئے اس کے بعد پیش امام صاحب بلند آواز میں قرآنی آیات پڑھنے لگے کچھ دیر تک پیش امام صاحب اسی طرح پڑھتے رہے پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور سامنے پھونک ماری تو وہاں کالے رنگ کا دھواں پھیلنا شروع ہوگیا۔

دھواں چھٹا تو وہاں عجیب قسم کی ایک مخلوق کھڑی تھی جس کی انگارہ برساتی آنکھیں شرافت اور سلامت پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم لوگ انہیں کیوں تنگ کررہے ہو؟'' پیش امام صاحب نے بارعب آواز میں پوچھا۔

''ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے، ان دونوں بھائیوں نے ہمارے گھر کو تباہ کیا ہے، ہم انہیں تباہ و برباد کر کے رہیں گے۔'' سامنے کھڑی پرہیبت مخلوق کی کھرکھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ہوا کیا تھا۔'' پیش امام صاحب بڑے پیار سے اس سے پوچھا۔

جواباً اس مخلوق نے سب کچھ پیش امام صاحب کو بتادیا۔

''دیکھو ان لوگوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، اگر انہیں پتہ ہوتا تو ایسا نہ کرتے، دیکھو تم نے ان کا کتنا نقصان کردیا ہے..... میں مانتا ہوں کہ ان سے غلطی ہوئی ہے تمہارا تعلق تو جنات سے ہے تمہیں حضرت سلیمانؑ کا واسطہ انہیں معاف کردو آئندہ یہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔''

''ٹھیک ہے پیش امام صاحب اگر آپ کہتے ہیں تو ہم انہیں معاف کرتے ہیں اور ہاں ان سے کہہ دیں کہ آئندہ اس طرف جنگل میں بھی بھی نہ آئیں ورنہ..... اتنا کہہ کر وہ جن دوبارہ تنگ نہ کرنے کا وعدہ کر کے وہاں سے غائب ہوگیا۔

پیش امام صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شرافت و سلامت کو ایسی غلطی دوبارہ نہ کرنے کو کہا۔

شرافت، سلامت بلکہ گھر کے تمام افراد نے پیش امام صاحب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا، اس کے بعد پیش امام صاحب واپس مسجد میں چلے گئے کیونکہ نماز ظہر کا وقت ہونے والا تھا۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

پراسرار حویلی

خلیل جبار- حیدرآباد

رات میں جب نوجوان سویا تو کھنڈر نما کمرے میں خوف نے اسے دبوچ رکھا تھا خیر نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے اس حقیقت کے پیش نظر نوجوان کو نیند آگئی کہ پھر اچانک اس کی آنکھ کھلی تو وہ زرق برق کمرے میں موجود تھا کہ اچانک

مافوق الفطرت کی دیدہ دلیری کو عیاں کرتی چشم دید اور جسم میں لہو منجمد کرتی حقیقت

میں ڈرتے ڈرتے گھر کی طرف جارہا تھا۔ دل میں پٹائی کے خوف سے میں بہت سہما ہوا تھا۔ آج پہلی بار میں اسکول سے غیر حاضر تھا۔ مجھے بچپن ہی سے پڑھائی کا شوق نہیں تھا۔ ابا کی پٹائی کے ڈر سے اسکول جاتا تھا۔ میں جس دن بھی پڑھنے نہیں جاتا تھا۔ شام گئے ابا جب گھر گئے تو انہیں کسی نہ کسی طرح سے خبر ہوجاتی تھی کہ میں نے اسکول سے چھٹی کرلی ہے، پھر میری خیر نہیں ہوتی تھی، وہ جوتوں اور چپلوں سے میری خوب خاطر مدارات کرتے اس پٹائی کا یہ اثر ہوتا تھا کہ میں دوسرے دن خاموشی سے صبح سویرے تیار ہوکر اسکول چلا جاتا۔

میرے ابا نصیر الدین سخت دل نہیں تھے۔ اندر سے وہ نرم دل رکھنے والے انسان تھے۔ وہ مجھ پر سختی اس لئے کرتے تھے کہ وہ خود غربت کے سبب تعلیم حاصل نہیں کرسکے تھے وہ ابھی دس سال کے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا اور گھر میں بڑے ہونے کے سبب گھر کی ساری ذمہ داری کا بوجھ ان کے سر پر آگیا تھا۔ اس لئے ابا نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر محنت مزدوری شروع کردی تھی۔ آہستہ آہستہ محنت کرتے ہوئے اتنے پیسے جمع کرلئے تھے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرسکیں اپنے ایک دوست ظہیر کے کہنے پر ابا نے ایک دکان کرائے پر حاصل کی اور اس میں سبزی کا کاروبار شروع کردیا۔ سبزی کا کام ابا کو خوب راس آیا۔ چند سالوں میں ہی انہوں نے ذاتی دکان خرید لی۔ ابا کا اخلاق اچھا ہونے کے سبب ان کی دکان خوب چلتی تھی۔

انہیں پیسے جمع کرنے کا شوق نہیں تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے خوب دولت سے نوازا تھا۔ اس کاروبار سے ان کی شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی، پھر ان کی دونوں بہنوں ثریا اور بلقیس کی شادیاں ہوئیں۔ ابا کو صرف اسی بات کی کسک تھی کہ وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکے تھے۔ اس لئے وہ مجھے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے اس کے برعکس مجھے پڑھائی کا بالکل شوق نہیں تھا۔ میرا بس چلتا تو اسکول کی صورت بھی نہیں دیکھتا۔ ابا کی پٹائی مجھے اسکول جانے پر مجبور کردیتی تھی۔ میں تعلیمی مدارج طے کرتا ہوا آٹھویں جماعت میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنا قد کاٹھ بھی خوب نکال لیا تھا۔ گاؤں میں میری جماعت میں کئی لڑکے ایسے تھے جو صبح کے وقت تیار ہوکر اسکول کے لئے ضرور نکلے تھے لیکن اسکول جانے کے بجائے ادھر ادھر وقت گزار کر چھٹی کے وقت گھر پہنچ جاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

اسکول سے چھٹی کرلی تھی۔ میں مختلف کھیتوں کی سیر کو نکل گیا تھا۔ صبح کے وقت ہرے بھرے کھیت بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ شام تک یونہی کھیتوں میں گھومتا رہا ہوں لیکن اس طرح میرے گھر وقت پر نہ پہنچنے سے میری چوری پکڑی جاتی۔ اسی بنا پر میں چھٹی کا وقت ہونے پر گھر کی جانب چلا جارہا تھا۔ تاکہ گھر والوں کو کسی قسم کا شک نہ ہونے پائے۔

گھر پہنچ کر میں نے بستہ اپنی کمر سے اتارا کہ جیسے میں بہت تھک گیا ہوں۔

''لگتا ہے کہ میرے بیٹے نے آج بہت پڑھائی کی ہے جبھی بہت تھک گیا ہے۔'' امی جان نے میری بلائیں لیں۔

''جی امی ماسٹر صاحب بہت کام کراتے ہیں انگلیاں تھک جاتی ہیں کاپی میں لکھتے لکھتے۔'' میں نے اپنی انگلیوں کو دباتے ہوئے ایسے اداکاری جیسے واقعی آج میں نے اسکول میں بہت لکھا ہے۔

امی جان نے میری انگلیوں کو بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کر پیار کیا۔

''مت گھبراؤ محنت سے انسان بڑا آدمی بنتا ہے۔ جب تم بڑے آدمی بن جاؤ گے پھر تمہیں احساس ہوگا کہ ماسٹر صاحب تمہیں اسکول میں کام کرایا کرتے تھے وہ تمہارے حق میں اچھا تھا۔'' امی جان نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''آپ تو ماسٹر کی ایسے طرف داری کرتی ہیں جیسے وہ رشتہ دار ہو۔'' میں نے جل بھنتے ہوئے کہا۔

خیر میں جب بھی ماسٹر صاحب کی برائی کرتا امی جان ان کی تعریفیں کرنا شروع کردیتی تھیں۔ یہ بات مجھے بہت بری لگتی تھی۔

''میں نے ماسٹر صاحب کی بہت تعریفیں سنی ہیں کہ وہ شاگردوں پر بڑی محنت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگرد آج بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر کام کررہے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر ہے کوئی انجینئر ہے۔'' امی جان نے کہا۔

''اور وہ خود وہیں گیا، ماسٹری سے آج تک آگے نہیں بڑھ سکے۔'' میں نے جل کر کہا۔

''بیٹے ایسے نہیں کہتے وہ تمہارے استاد ہیں، استاد کا کام بچوں کو پڑھانا ہے اگر وہ کوئی اور کام کرتے تو پھر ان کے شاگرد کیسے ترقی کرتے۔''

''امی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ماسٹر صاحب کے ایسے شاگردوں کو بھی جانتا ہوں جو گدھا گاڑی چلا

رہے ہیں۔'' مجھ سے ماسٹر صاحب کی تعریف ہضم نہیں ہورہی تھی۔ اس لئے میں برابر کی مخالفت میں بول رہا تھا۔

''یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک استاد کے سارے شاگرد ترقی کر جائیں۔ کچھ نکمے شاگرد بھی ہوتے ہیں جو وقت کی قدر نہیں کرتے۔ پڑھائی پر بالکل توجہ نہیں دیتے جس کا نقصان انہیں ہی ہوتا ہے۔ استاد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''

''امی بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔'' میں نے موضوع بدلنے کو یہ بات کہی۔ بھوک ضرور لگی تھی مگر اتنی شدید بھی نہیں تھی کہ برداشت نہ کرسکوں۔ ''ہاں، ہاں کیوں نہیں آج میں نے اپنے بیٹے کی پسندیدہ ڈش بنائی ہے۔ دال چاول تمہیں بہت پسند ہیں نا؟'' امی جان نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''جی۔'' میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

امی جان انٹر پاس تھیں۔ اس لئے وہ اتنی اچھی گفتگو کرلیتی تھیں۔ اور سامنے والے کو باتوں ہی باتوں میں لاجواب کردیتی تھیں۔ میں ماسٹر صاحب کی خوب برائیاں کرنا چاہتا تھا مگر امی جان کے سامنے میری ایک بھی نہ چل سکی تھی۔ اس لئے میں نے بھوک کا ذکر کرکے بات کا موضوع ہی تبدیل کردیا تھا۔

رات گئے ابا کی واپسی ہوئی۔ اس وقت میں صحن میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ ابا کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہوگیا۔ میں ڈر رہا تھا کہیں انہیں میرے آج اسکول نہ جانے کی خبر نہ ہوگئی ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ مجھے مار مار کر ادھ موا کردیں گے لیکن ایسا ہوا نہیں ابا نے مجھے دیکھا۔ میں دم سادھ کر ایسا بن گیا جیسے سو رہا ہوں۔ مجھے سوتا دیکھ کر وہ کمرے کے اندر چلے گئے۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ ''شکر ہے ابا کو میرے اسکول سے غیر حاضر ہونے کی خبر نہیں ورنہ وہ ابھی مجھے مارنا شروع کردیتے۔''

دوسرے دن میں اسکول جانے کے ارادے سے تیار ہوکر گھر سے نکلا تھا۔ پھر نہ جانے کیوں ایسا ہوا کہ جب اسکول کچھ فاصلے پر تھا میرا ارادہ تبدیل ہوگیا اور میرا رخ کھیتوں کی طرف ہوگیا۔ آج مجھے اپنے اسکول کے وہ ساتھی بھی مل گئے تھے جو اسکول کا وقت ادھر ادھر گھوم پھر کر پورا کرلیتے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''نیاز محمد! تم بھی۔'' نوازش نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

''جب تم تفریح کرسکتے ہو۔ تو کیا میرا حق نہیں بنتا کہ کبھی کبھار تفریح کرلوں۔'' میں نے جواباً کہا۔

''ضرور..... ضرور..... تمہیں تمہارے حق سے کون روک سکتا ہے۔'' کاشف نے کہا۔

دوستوں کی جانب سے خوش آمدید کہنے پر میں خوش ہوگیا۔ اب ہمارا روز کا یہ معمول بن گیا تھا کہ صبح اسکول کے لئے تیار ہوکر گھر سے نکلتے۔ پھر ایک مخصوص مقام پر مل کر پروگرام مرتب کرتے کہ آج کدھر کی سیر کو جانا ہے۔

پندرہ دن ایسے گزرے کہ پتا ہی نہیں چلا۔ ایک شام ابا گھر جلدی آگئے اور آتے ہی میرا پوچھا۔ میں اس وقت کمرے میں تھا۔

''نیاز کمرے میں ہے۔'' امی جان نے بتایا۔

''نیاز ذرا ادھر آنا۔'' ابا نے مجھے آواز دی۔

''جج..... جی ابا۔'' میں ابا کی کڑک دار آواز سے سہم گیا تھا۔

''مجھے دیکھتے ہی ابا نے اپنا جوتا نکالا اور میری پٹائی شروع کردی۔ میں اچانک اس پٹائی سے بوکھلا گیا اور میرے منہ سے سوائے۔

''اوئی..... آ..... کے'' کچھ نکل نہیں رہا تھا۔

''کیا ہوگیا ہے آپ کو میرے بچے کو کیوں مار رہے ہو۔'' امی نے مجھے چھڑانے کی کوشش کی۔

''دور ہو جاؤ ورنہ تمہاری بھی پٹائی کردوں گا۔'' ابا بہت غصے میں تھے۔

''کچھ پتا بھی چلے اس نے کیا کردیا جو آپ اسے اتنا پیٹ رہے ہو۔''

''آوارہ ہوگیا ہے تمہارا لاڈلہ..... اسکول جانے کے بجائے ادھر ادھر آوارہ گردی کرکے گھر چلا آتا ہے۔'' ابا بولے۔

''یہ آپ سے کس نے کہہ دیا، یہ تو روزانہ گھر سے تیار ہوکر اسکول جاتا ہے۔''

''یہ ہمیں بے وقوف بنانے کے لئے اسکول جانے کو تیار ہوکر گھر سے ضرور نکلتا ہے پھر اسکول جانے کے بجائے دوسرے آوارہ لڑکوں کے پاس چلا جاتا ہے۔ جو اسے کہیں اور لے جاتے ہیں۔'' ابا میری پٹائی کرتے کرتے بری طرح ہانپنے لگے تھے۔

''بچے کو مارنے سے پہلے پوچھ بھی لیتے کہ یہ بات سچ بھی ہے یا نہیں۔'' امی خفا ہوتے ہوئے بولیں۔

''پہلے مجھے مسجد کے پیش امام صاحب نے بتایا پھر میں نے ماسٹر نذیر صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ''آپ کا لاڈلہ پندرہ دن سے اسکول ہی نہیں آرہا ہے۔'' ابا غصے سے پھنکارتے ہوئے بولے۔

''کیوں بیٹے یہ ابو کیا کہہ رہے ہیں۔'' امی نے میرا کندھا پکڑتے ہوئے پوچھا۔

میں کیا کہتا۔ میں مجرم تھا۔ پیش امام صاحب نے کئی بار مجھے آوارہ گردی کرتے دیکھا تھا۔ اس لئے میری شکایت لگائی تھی۔ پیش امام صاحب بہت اچھے آدمی تھے۔ اس لئے ہر کوئی ان کی دل سے عزت کرتا تھا۔ میرے ابو کی طرح وہ بھی چاہتے تھے کہ میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں، اکثر ملاقات ہونے پر مجھے نصیحتیں بھی کرتے تھے۔ وہ بڑے ہی ہمدرد اور شفیق انسان تھے اس لئے میں ان کی بہت عزت کرتا تھا مگر اس وقت وہ مجھے بہت زہر معلوم ہورہے تھے۔ ان کی شکایت کرنے پر آج ابو نے اس قدر پٹائی کردی تھی۔ ابو کی پٹائی کھا کر میرے جسم کا ایک، ایک جوڑ دکھ رہا تھا۔

''یہ کیا کہے گا، کہنے کو کچھ ہوگا تو کہے گا نا، ایک بات اسے اچھی طرح سمجھا دینا اس گھر میں اگر رہنا ہے تو اسکول جانا پڑے گا ورنہ اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ابو گھر سے نکل گئے۔

''نیاز بیٹا یہ تم نے کیا کردیا، کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔'' ابو کے چلے جانے پر امی مجھ سے مخاطب ہوئیں۔

''ماں یہ سب پیش امام صاحب کی وجہ سے ہوا ہے وہ نہ میری شکایت کرتے اور نہ ابو کو یہ بات پتا چلتی۔'' میں نے کہا۔

''اس میں پیش امام صاحب کا کیا قصور ہے انہوں نے تمہارے بھلے کے لئے ہی شکایت کی ہے۔ تمہیں خود سوچنا چاہیے کہ کیا یہ اچھی بات ہے۔ اسکول سے وہ بھاگتے ہیں جو پڑھائی کے چور اور آوارہ ہوتے ہیں۔''

''امی.....'' امی کی ہمدردیاں پاکر میں بلک پڑا اور آنسوؤں کا سمندر آنکھوں سے بہہ نکلا۔

''نہ رو، بس اب چپ کر جاؤ۔'' امی نے مجھے سینے سے لگایا۔

''ابو نے بہت زور سے پیٹا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے بھلے کے لئے ہی مارا ہے وہ تمہارے دشمن تھوڑی ہیں۔''

''میری پٹائی ایسے کی ہے کہ میں ان کا بیٹا نہیں کسی دشمن کا بیٹا ہوں۔''

''انسان کے غصے میں جذبات کہاں قابو رہتے ہیں، غصے میں آنا ان کا فطری ردعمل ہے۔ تم نہ ایسی حرکت کرتے اور نہ وہ پٹائی کرتے۔ اب آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنا ورنہ تم جانتے ہو اپنے ابو کے غصے کو اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ آوارہ لڑکوں سے دوستی ہمیشہ کے لئے ختم کردو، کیونکہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہوسکتے۔ وہ تمہارے پکے دشمن ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ تم ترقی کرو۔'' امی نے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

میں مزید کچھ بولنے کے بجائے سسک کر رہ گیا۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر پھر میں نے اسکول جانے کے بجائے آوارہ گردی کی تو امی کی طرف سے کوئی ہمدردی کی امید نہیں ہوگی۔ اس معاملے میں وہ ابو کا ہی ساتھ دیں گی۔ اس لئے میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ میں آوارہ گردی چھوڑ کر اسکول جانے لگوں۔ اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن شرافت سے اسکول چلا گیا۔ ماسٹر صاحب مجھے دیکھ کر مسکرائے لیکن کہا کچھ نہیں کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں میری غیر حاضری پر جو پٹائی کرنا تھی وہ ابو پہلے ہی گھر پر کر چکے

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdunovies.net

ہوں گے۔

اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں اپنی گلی سے باہر سڑک پر نکل رہا تھا کہ سامنے سے پیش امام صاحب آ گئے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک لمحے کو ملیں اور پھر میں نے نظریں نیچی کر لی تھیں۔ میں ان سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنی شکایت لگائے جانے کا شدید دکھ تھا کہ ان کی شکایت پر میری پٹائی ہوئی ہے اگر وہ ابو سے میری شکایت نہ کرتے تو وہ کبھی بھی ماسٹر صاحب سے نہ پوچھتے کہ میں اسکول آ رہا ہوں یا نہیں۔ اور میں خوب سیر و تفریح میں مشغول رہتا۔ میں جیسے ہی نظریں بچاتے ہوئے ان کے پاس سے گزرنے لگا۔ وہ میرے سامنے آ گئے۔

''نیاز بیٹے ناراض ہو؟'' پیش امام صاحب نے پوچھا۔

''جج..... جی.....'' میں ایک لمحے کو چونکا۔

''تم میری شکایت کرنے پر ناراض ہو، دیکھو بھئی میں نے تمہارے بھلے کو شکایت کی تھی۔'' وہ مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیا کہوں۔ دل میں ان پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ ایک تو میری شکایت کردی اور پھر مجھے غصہ دلانے کو بتا بھی رہے ہیں۔ میں جب کچھ بھی نہیں بول سکا تو وہ خود ہی بولے۔

''اسکول سے بھاگنا اچھی بات نہیں ہوتی، جو بچے اسکول سے بھاگتے ہیں وہ کبھی بھی بڑے آدمی نہیں بن سکتے۔ تمہارے ابو کی بڑی خواہش ہے کہ تم پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بنو۔ ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب تم دل لگا کر خوب تعلیم حاصل کرو۔''

میں ان کی بات خوب سمجھ رہا تھا۔ اس وقت جو میری عمر تھی اس عمر میں بچے عموماً یہ بات سمجھتے ہوئے بھی سیر و تفریح کرنا چاہتے ہیں۔ جو بزرگوں کی نظر میں آوارہ گردی کرنا ہے۔

''ہاں میں کوشش کروں گا بشرطیکہ میرا دل پڑھائی میں لگ جائے۔'' میں نے کہا۔

''پڑھائی میں دل نہ لگے تب بھی زبردستی اسے لگاؤ۔ یہ وقت گزر جانے پر پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اور تمہارے پاس سوائے افسوس اور ہاتھ ملنے کو کچھ باقی نہ رہے گا۔'' وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولے۔

میرے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیا جواب دوں اسی لئے ان کی باتوں کا ہاں، ہوں میں ہی جواب دیتا رہا۔ وہ مجھے سمجھا کر ایک جانب بڑھ گئے۔ میری یہ سمجھنے والی عمر کہاں تھی۔ مجھے اسکول سے غیر حاضر رہ کر آوارہ گردی کرنے کا شوق پڑ چکا تھا۔ وہ کسی طور پر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں دس پندرہ دن اسکول باقاعدگی سے جاتا لیکن پھر آوارہ گردی شروع کر دیتا۔ جب بھی ابو کو میری آوارہ گردی کی خبر ملتی وہ میری پٹائی لگا دیتے۔ اس پٹائی کا یہ اثر ہوتا کہ میں پھر سے اسکول جانے لگتا جب دیکھتا کہ ابو مطمئن ہو گئے ہیں پھر چھٹیاں کرنے لگتا۔

پیش امام صاحب جب بھی مجھے ملتے نصیحتیں کرتے ہوئے پڑھنے پر توجہ دینے کی تلقین کرتے، مجھے نہ جانے کیوں ان کی نصیحتیں پسند نہیں آتی تھیں۔ وہ جب سر راہ مجھے نظر آتے میں ان سے بچنے کی کوشش کرتا مگر وہ مجھے آواز دے کر روک لیتے تھے۔ وہ مسجد کے پیش امام ہونے کے ساتھ ساتھ ابو کے دوست بھی تھے۔ اس لئے ان کا احترام کرنا ضروری تھا۔

میں نے جیسے تیسے کر کے میٹرک پاس کر ہی لیا تھا۔ گاؤں میں اس وقت انٹر میں داخلہ لینے کے لئے کالج نہیں تھا۔ جس بچے کو بھی انٹر کرنا ہوتا اسے شہر کے کسی کالج میں داخلہ لینا ہوتا تھا۔ ابو کی خواہش پر مجھے بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے شہر جانا پڑا۔ شہر میں میری خالہ بتول رہتی تھیں، طے یہی پایا تھا کہ میں ان کے گھر پر رہوں گا اتفاق سے شہر جانے سے دو دن قبل میں جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد میں گیا۔ جب میں نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آنے لگا تو پیش امام صاحب نے مجھے آواز دے کر بلا لیا۔ میں جب ان کے پاس گیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''نیاز محمد سنا ہے کہ تمہارا شہر کے کالج میں داخلہ ہو گیا ہے۔''

''جی۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''دیکھو بیٹا شہر جا کر وہاں کی رونق میں مصروف نہ ہو جانا اور دل لگا کر پڑھنا تمہیں اپنے ابو کا نام روشن کرنا ہے۔''

''میں پوری کوشش کروں گا کہ میرا دل پڑھائی میں لگ جائے۔''

''کوشش نہیں زبردستی دل لگانا جبھی تم تعلیم کے میدان میں کامیاب ہو گے۔'' پیش امام صاحب نے میرے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

''میں کیا کروں میرا دل پڑھائی میں نہیں لگتا۔ زبردستی دل مار کر پڑھ رہا ہوں۔'' بے اختیار میرے دل کی بات زبان پر آ گئی۔

''یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے سیر سپاٹے میں دل لگتا ہے۔ تم تعلیم حاصل کرلو، پھر پوری زندگی سیر سپاٹے کرتے رہنا۔''

''ٹھیک ہے میں سیر و تفریح سے زیادہ تعلیم پر توجہ دوں گا۔'' میں نے جان چھڑانے کو کہا۔

''شاباش! میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔ جب بھی تم خود کو کسی مصیبت میں پاؤ، ایک بار مجھے ضرور یاد کرلینا۔'' پیش امام صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

مسجد کی سیڑھیاں اترتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ پیش امام صاحب ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں انہیں کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہی یاد کروں گا اور وہ منٹوں میں جادو کے ذریعے پہنچ کر مجھے مصیبت سے چھٹکارا دلا دیں گے، بے اختیار میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

گاؤں کی نسبت شہر میں گھومنے پھرنے کے لیے تفریحی مقامات بہت تھے۔ سینما گھر بھی ان دنوں بہت ہوا کرتے تھے۔ ہر سینما پر مختلف اداکاروں کی فلمیں لگی ہوتی تھیں۔ فلم دیکھنے کو سینما گھر جانا پڑتا تھا۔ ٹی وی کی نشریات بھی شام کو چلتی تھیں، کالج میں انعام، کامران اور شریف میرے گہرے دوست بن گئے تھے۔ صبح میں کالج جاتا تھا اور شام کو میرے دوست آ جاتے۔ ہم لوگ گھومنے پھرنے نکل جاتے۔ ہفتے میں ایک دو فلمیں ہم ضرور دیکھتے تھے۔ ہوٹل میں بیٹھ کر سگریٹ پینا ہمارا معمول بن گیا تھا۔

ایک شام ہم دوست ایک سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک پرانی بوسیدہ سی حویلی پر ہماری نظر پڑی۔

''دیکھو یار یہ حویلی اپنے وقتوں کی اچھی حویلی میں شمار ہوتی تھی۔'' انعام نے کہا۔

''پھر یہ غیر آباد کیوں ہو گئی؟'' میں نے پوچھا۔

''اس حویلی کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس حویلی میں جنات کا بسیرا ہے، کوئی کہتا ہے اس حویلی میں ایک خوب صورت دوشیزہ رہتی ہے جس پر ایک جن عاشق ہو گیا تھا۔ وہ اس سے شادی کر کے اپنے دیس لے جانا چاہتا تھا مگر گھر والے اس شادی پر تیار نہ ہوئے۔ اس جن کو غصہ آ گیا اور اس نے اس میں مقیم خاندان کو تہس نہس کر دیا۔''

''اس دور میں یہ سب فرسودہ باتیں ہیں، لوگ ایسے ہی باتیں پھیلا دیتے ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔'' میں نے کہا۔

''ہم بھی تمہاری بات سے متفق ہیں، مگر جس جس شخص نے بھی اس راز سے پردہ اٹھانے کی غرض سے حویلی میں رات بسر کی ہے وہ دوسرے دن مردہ حالت میں ملا ہے۔'' کامران نے کہا۔

''خوف..... خوف..... اچھے اچھے صحت مند لوگوں کے حوصلے پست کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے ذہنوں پر پہلے سے ہی خوف ہو، اور اسی خوف کے نتیجے میں ان کا انتقال ہو گیا ہو۔'' میں نے کہا۔

''کیا خیال ہے کیوں نہ ہم اس راز سے پردہ چاک کر دیں۔'' انعام نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' کامران نے پوچھا۔

''وہ ایسے کہ اکیلا آدمی واقعی رات کی تاریکی میں اس پراسرار حویلی میں خوف زدہ ہو سکتا ہے لیکن ہم چاروں حویلی میں ہوں گے تو پھر خوف نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ اور ہم رات حویلی میں رہ کر اس کے اسرار

سے واقف ہوجائیں گے۔'' شریف نے کہا۔

''بات تمہاری معقول ہے۔ ایک کی نسبت چار اس آسیب پر بھاری پڑیں گے۔'' میں نے زور دار قہقہہ لگایا۔

میری بات پر وہ بھی مسکرادیئے۔ پھر ہم میں طے پایا کہ پہلے پورا دن اس میں گزاریں گے پھر امن و سکون رہنے پر پوری رات گزاریں گے۔

اتوار کو ہماری چھٹی تھی۔ اس لئے ہم اتوار کی صبح ہی ناشتہ کرکے وہاں پہنچ گئے۔ حویلی اندر سے بہت ہی خستہ حال ہورہی تھی۔ دیواروں سے پلستر ادھڑ چکا تھا۔ کمروں کی چھتیں ایسی ہورہی تھیں کہ اب گریں، دن کی روشنی میں ہم نے پوری حویلی کو اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ برسوں سے صفائی نہ ہونے سے مٹی، گردوغبار موجود تھا۔ کمروں میں جگہ جگہ جالے لگے تھے۔ کئی کالے رنگ کی بلیاں بھی وہاں نظر آئیں۔ وہ ہمیں دیکھ کر ادھر ادھر چھپ گئیں۔ ہمیں پورا دن حویلی میں گزارنا تھا۔ اس لئے صحن کی صفائی کرکے ہم نے چادر بچھائی اور اس پر بیٹھ گئے۔ دوپہر کے کھانے کے طور پر ہم کھانے پینے کی اشیاء بھی لے کر آئے تھے۔ دن بھر ہمارا اس حویلی میں گپ شپ کرتے وقت گزرا۔ ہم وقفے وقفے سے حویلی کے مختلف کمروں میں بھی جاتے رہے۔

شام ہوئی لیکن ہمارے ساتھ ایسا کوئی بھی ناقابل فراموش واقعہ پیش نہ آیا۔ جب ہم حویلی سے باہر آئے۔ ہمارا دل فخر سے پھولا ہوا تھا اور ہم سمجھ رہے تھے کہ ہم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا ہے۔

ایک ہفتہ کے بعد اکٹھی تین چھٹیاں آرہی تھیں۔ اس سے اچھا موقع ہمارے ہاتھ پھر نہیں لگ سکتا تھا۔ اس لئے ہم دوستوں نے مل کر یہ پروگرام بنایا کہ میں اپنی خالہ کو گاؤں جانے کا بہانہ بنا کر اس حویلی میں آجاؤں گا، میرے دوست بھی اپنے اپنے گھر یہی بتائیں گے کہ وہ گاؤں کی سیر کرنے کو میرے ساتھ گاؤں جارہے ہیں اور ہم یہ تین دن اور تین راتیں اس حویلی میں گزاریں گے اور اس اسرار کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس حویلی کے بارے میں جو باتیں پھیلائی گئی ہیں۔ ان میں کتنی صداقت ہے۔

وہ سستا دور تھا۔ ہماری جیبوں میں اتنی رقم موجود تھی کہ وہ تین دن آسانی سے کھانا گھر سے باہر کھاسکیں، جیسے ہی چھٹیاں آئیں، ہم دوپہر کا کھانا کھا کر اس حویلی میں آگئے۔ شام تک ہم نے خوب آرام کیا، کیونکہ رات ہمیں جاگ کر گزارنی تھی۔ ہم اپنے ساتھ دو لالٹین لائے تھے۔ جن میں ہم نے مٹی کا تیل ڈلوایا تھا۔ ماچس کی ایک ڈبی ہمارے لئے کافی تھی پھر بھی احتیاطاً ماچس کی تین ڈبیاں لے لی تھیں۔ رات کی تاریکی بڑھنے پر ایک لالٹین کی جگہ دو لالٹین روشن کرلیں تھیں تاکہ رات کی تاریکی میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ رات کا کھانا کھا کر ہم باتوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ ہماری باتوں کا موضوع پراسرار واقعات ہی تھا۔ ہم نے جو مختلف لوگوں سے واقعات سنے تھے انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کررہے تھے۔

''یار خدا کو مانو اس طرح کے واقعات سنانے سے پرہیز کرو۔'' انعام نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' میں چونکا۔

''ہمیں حویلی میں رات گزارنی ہے۔'' انعام نے کہا۔

''رات گزارنے سے ان واقعات کا کیا تعلق۔'' شریف نے کہا۔

''یہ پراسرار حویلی ہے جو تم واقعات سنارہے ہو ان کا اثر ہمارے ذہنوں میں رہے گا اور رات گئے جب سناٹا ہوگا۔ ایسے میں کسی کاغذ کے ٹکڑے کا آکر ادھر ادھر گرنے پر ہمارے دل زور زور سے دھڑکیں گے اور رات گزارنا ہمارے لئے نہ صرف مشکل ہوجائے گا مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم یہاں سے بھاگ ہی نہ لیں۔'' انعام نے کہا۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

’’تم بھی سدا کے ڈرپوک ہو۔‘‘ کامران نے زوردار قہقہہ لگایا۔

’’ابھی ہنس لو، تھوڑا وقت گزرے پھر دیکھیں گے۔‘‘ انعام نے کہا۔

’’ہاں بھئی ہم واقعی کچھ دیکھنے کو ہی یہاں جمع ہوئے۔‘‘ میں مسکرایا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہمیں باتوں میں اس کا احساس ہی نہ ہوا، رات کا ایک بجتے ہی میرے دوستوں کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ نیند کے بہت کچے تھے۔ میں بار، بار انہیں اس بات کا احساس دلا رہا تھا کہ ہم یہاں سونے نہیں بلکہ ایک خاص مقصد کے تحت آئے ہیں۔ رات میں بالکل بھی نہیں سونا ہے مگر ان کی سمجھ میں میری بات بالکل بھی نہیں آرہی تھی وہ مجھے یہ یقین دلاتے دلاتے کہ وہ نہیں سوئیں گے سو گئے، میرے بار بار اٹھانے پر بھی نہیں اٹھ رہے تھے۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ نہیں اٹھ رہے تو اکیلے جاگنے کا سوچ لیا تھا۔

رات کا نجانے وہ کون سا پہر تھا کہ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں کہ اچانک مجھے صحن میں کسی کے موجود ہونے کا احساس ہوا۔ ایک لمحے کو مجھے ڈر لگا مگر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے ایک لالٹین اٹھائی اور کمرے سے نکل گیا۔ چاند کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے صحن روشنی میں نہایا ہوا ہو۔

ایک کمرے کے دروازے پر میری نظریں پڑیں تو میں پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ وہاں ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ میں حیرت سے گم صم اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا گول چہرہ، ناک نقشہ بہت حسین تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ہونٹ بہت خوب صورت اور گلابی تھے۔ بال کمر تک لمبے، سنہری اور گھنے تھے۔ چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

ہم دونوں کی جیسے ہی آنکھیں ملیں۔ مجھے سحر سا ہو گیا۔ میں اس لڑکی کی طرف ایسے بڑھنے لگا جیسے وہ مقناطیس ہو۔ میں جیسے ہی اس کے نزدیک پہنچا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے لے کر کمرے کے اندر بڑھ گئی۔ میں ایک فرمانبردار شاگرد کی طرح اس کے اشاروں پر چلنے کو مجبور ہو گیا۔ دن میں جس کمرے میں کوڑا کرکٹ پڑا تھا وہ اب بالکل صاف تھا۔ کمرہ ایسے منور تھا جیسے ایک وقت کئی بلب روشن ہوں۔ ایک جانب خوب صورت سا بیڈ بچھا ہوا تھا۔ اس لڑکی نے مجھے بیڈ پر لٹا دیا۔ اور خود بھی بیڈ کے ایک طرف بیٹھ کر مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

’’تم اپنے دوستوں کے ساتھ اس حویلی کی ویرانی کا راز کیوں لینا چاہتے ہو؟‘‘ وہ بولی۔

’’تجسس...... ہم صرف یہ جاننے کے لئے ہی حویلی کے اندر آئے ہیں۔‘‘ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

’’کیا کرو گے جان کر، اس سے پہلے جو حویلی کا راز معلوم کرنے آئے تھے ان کے حشر سے واقف نہیں ہو۔‘‘

بیٹیاں پھول ہیں

پھول جب شاخ سے کٹتا ہے بکھر جاتا ہے

پتیاں سوکھتی ہیں ٹوٹ کے اڑ جاتی ہیں

بیٹیاں پھول ہیں ماں باپ کی شاخوں پر جنم لیتی ہیں

ماں کی آنکھ کی چمک بنتی ہیں

باپ کے دل کا سکون ہوتی ہیں

گھر کو جنت سا بنا دیتی ہیں...... ہر قدم پیار بچھا دیتی ہیں

جب بچھڑنے کی گھڑی آتی ہے...... غم کے رنگوں میں خوشی آتی ہے

ایک گھر میں تو اترتی ہے اداسی لیکن

دوسرے گھر کے سنورنے کا یقین ہوتا ہے، بیٹیاں پھول ہیں اک شاخ سے کٹتی ہیں مگر سوکھتی ہیں نہ کبھی ٹوٹتی ہیں

اک نئی شاخ پہ کچھ اور نئے پھول کھلا دیتی ہیں

(انتخاب: شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

''ہاں...... سنا ہے کہ وہ اس دنیا میں...... زندہ نہیں رہے۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔

''پھر بھی تم اس حویلی میں آ گئے ہو۔ مجھے تم پر بہت ترس آیا ہے۔ تم اس حویلی سے فوراً چلے جاؤ۔ میرے خاندان کے جنات تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے چلے جاؤ۔'' وہ بولی۔

''ہم ضرور چلے جائیں گے۔ بس اس حویلی کا راز معلوم ہو جائے۔'' میں نے کہا۔

''اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ راز معلوم ہو جانے پر تم چلے جاؤ گے۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میرے خاندان کے جنات بہت ظالم ہیں۔ وہ انسانوں پر ترس یا رحم کھانے کے حق میں نہیں ہیں۔ جب تم اس حویلی میں پہلی بار آئے تھے میں نے ہی انہیں تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے سے روکا تھا۔ آج رات بھی وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ میں نے اس وعدے پر روکا ہے کہ صبح ہو جانے پر تم سب یہاں سے چلے جاؤ گے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں ہم صبح ہوتے ہی چلے جائیں گے، مگر وہ راز......''

''وہ راز میں تمہیں بتائے دیتی ہوں اس شرط پر کہ صبح تم یہاں نظر نہیں آؤ گے۔ ورنہ تم خود ذمہ دار ہو گے، میں تمہاری مدد کرنے سے قاصر ہوں گی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر سنو میں ایک جن زادی ہوں۔ اس گھر میں ایک برگد کا درخت تھا۔ جس پر ہمارا خاندان رہتا تھا۔ اس گھر میں ایک قاسم نامی نوجوان رہتا تھا وہ مجھے بچپن ہی سے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں اس سے شادی کی خواہش مند تھی۔ بچپن میں انسانی شکل میں دوسرے بچوں کی طرح قاسم کے ساتھ کھیلتی تھی۔ جوان ہونے پر بھی میں اس سے ملتی رہی۔ اکثر ہم ملاقات چھت پر ہی کرتے تھے۔ قاسم میرے چھت پر اچانک آنے سے حیران رہ جاتا تھا۔ اس کی ضد پر مجھے ظاہر کرنا پڑ گیا کہ میں جن زادی ہوں اور اس سے شادی کر کے بقیہ زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ قاسم بھی مجھے پسند کرتا تھا۔ اس لئے شادی کرنے کو تیار ہو گیا۔

جب اس نے اپنے والدین سے میرے خاندان کے بارے میں بتایا تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ کسی بھی صورت میں قاسم کی شادی مجھ سے نہیں کریں گے۔ انہوں نے نہ صرف شادی سے انکار کیا کہ بلکہ اس درخت کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ میرے خاندان کو ان کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا وہ انہیں نقصان پہنچانا چاہتے تھے مگر میں نے انہیں اس اقدام سے روک دیا۔

قاسم کے والدین نے اس خوف سے کہ کہیں قاسم ان سے چھپ کر مجھ سے شادی نہ کر لے اس کی شادی نسرین نامی ایک لڑکی سے کر دی۔ نسرین کو بھی میرے اور قاسم کی محبت کے بارے میں پتا چلنے پر مختلف عاملوں سے رابطہ کر کے ہمارے خاندان کو جلا کر بھسم کر دینا چاہا۔ حالانکہ میں اسی میں بھی خوش تھی کہ میں قاسم کو دیکھ دیکھ کر جیتی رہوں، وہ عاملوں سے ملاقات کر کے مختلف وظائف پڑھنے لگی تھی۔

میرے خاندان والے یہ کب برداشت کرتے۔ انہوں نے نسرین کو وظائف پڑھتے وقت ڈرانا شروع کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ نسرین سے وظائف پڑھنے میں غلطیاں ہونے لگیں۔ ان وظائف کا الٹا اثر یہ ہوا کہ اس حویلی کے خاندان میں جو سب سے پہلی موت ہوئی وہ قاسم کی ہی ہوئی تھی۔ اس کے مرنے سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ حویلی کے لوگوں سے میری دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ اس لئے میں اپنے خاندان والوں کو ان کے کسی اقدام سے روکتی نہیں تھی جس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک ایک کر کے حویلی کے سب لوگ مر گئے۔

اب پوری حویلی پر ہمارا راج ہے، پھر اس حویلی کے خاندان کے دیگر عزیز و رشتہ داروں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر میرے خاندان کے جنات نے انہیں

ایسا ڈرایا کہ پھر کبھی انہوں نے یہاں کا رخ نہیں کیا۔

میں اب بھی قاسم کی یادوں کے سہارے جی رہی ہوں، ورنہ میرے جینے کا مقصد فوت ہو چکا ہے۔ جب تم اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ میرے خاندان کے جنات تمہیں ایسا سبق سکھانا چاہتے تھے کہ تم پھر کبھی یہاں لوٹ کر نہ آؤ۔ صبح ہوتے ہی اس حویلی سے نکل جانا ورنہ وہ میری بھی نہیں سنیں گے اور تمہاری ایسی درگت بنائیں گے کہ کبھی بھلا نہ سکو گے۔'' وہ بولی۔

''میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

میری بات پر وہ خوش ہوگئی اور اس نے غور سے میری آنکھوں میں جھانکا۔ مجھ پر مدہوشی طاری ہوگئی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

صبح ہونے پر مجھے میرے دوستوں نے اٹھایا۔ میں اس کمرے میں ہی موجود تھا۔ مگر اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ پورے کمرے میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا اور کچرے کے ڈھیرے پر میں پڑا تھا۔ میرے برابر میں ہی لالٹین رکھی تھی۔

''تمہیں سونا تھا تو ہمارے پاس سو جاتے، یوں اکیلے کیوں ہو گئے۔'' انعام نے کہا۔

''رات میں تمہارے پاس ہی بیٹھا تھا کہ مجھے صحن میں کسی کے چلنے کی آواز آئی اور جب میں کمرے سے باہر آیا تو میری حیرت کا ٹھکانہ نہیں رہا کیوں کہ صحن میں ایک......'' میں نے کہنا چاہا۔

''پری چہرہ حسین لڑکی موجود تھی۔'' انعام نے کہا۔

''ہاں ایسا ہی تھا مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے ہر کہانی میں یہی ہوتا ہے۔ وہ حسین لڑکی پھر حویلی کے ایسے کمرے میں لے جاتی ہے جو بہت ہی خوبصورت طریقے سے سجا ہوتا ہے اور پری چہرہ لڑکی اپنے بیڈ پر لے جاتی ہے پھر اسے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ صبح ہونے پر رات کا ماحول غائب ہو جاتا ہے اور وہ حسین لڑکی بھی نہیں ہوتی یہ سب باتیں ہم پہلے ہی ڈراؤنی کہانیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں بے وقوف مت بناؤ۔'' کامران نے کہا۔

''تم میری بات کا یقین کرو ایسا ہی ہوا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہ فضول باتیں چھوڑو اور ناشتے کی فکر کرو کیوں کہ بہت زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔'' کامران نے کہا۔

میں انہیں رات کا واقعہ تفصیل سے سنانا چاہتا تھا۔ مگر وہ سننے کو قطعی طور پر تیار نہ تھے۔ ہم نے قریبی ہوٹل میں جا کر ناشتہ کیا۔ ناشتے کے دوران میں نے زبردستی پورا واقعہ سنا دیا اور اس جن زادی سے کیا وعدہ بھی بتا دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے یہ واقعہ سن کر بولے۔

''دیکھو نیاز محمد تمہیں اپنا گھر یاد آ رہا ہے اس لئے تم چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ، ہم بالکل بھی یہاں سے نہیں جائیں گے۔'' انعام نے کہا۔

''ہم جس مقصد کے تحت یہاں آئے تھے وہ حل ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم مزید یہاں ٹھہر کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کریں گے۔'' میں نے انہیں سمجھایا۔

''وقت ہوتا ہی اس لئے ہے کہ اسے ضائع کیا جائے۔'' کامران نے کہا۔

''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جنات تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان پہنچائیں۔'' میں نے کہا۔

''یار ہمیں جنات کس طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم نے آتے ہی ان کی لڑکی کو پھانس لیا ہے۔ ہم اب ہر طرح کے خطرے سے محفوظ ہو گئے ہیں۔'' شریف نے زوردار قہقہہ لگایا۔

میرے بار بار سمجھانے پر وہ نہیں مانے، وہ کسی بھی صورت اس حویلی سے کہیں جانے کو تیار نہ تھے۔ مجبوراً مجھے بھی ان کے ساتھ رکنا پڑ گیا۔ مگر میں اندر سے

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

بری طرح خوف زدہ بھی تھا کہ کہیں ہمیں جنات نقصان نہ پہنچائیں۔

رات کے بارہ بجنے پر ہم چوکس تھے۔ وہ تینوں بظاہر مجھ پر یہ ظاہر کررہے تھے کہ وہ کسی بھی طرح خوف زدہ نہیں ہیں۔ ان کے چہروں سے خوف عیاں ہورہا تھا ہم اپنا خوف دور کرنے کو بات چیت کررہے تھے۔

اچانک شریف پر پانی آ گرا، اس کے جسم پر موجود کپڑے مکمل طور پر گیلے ہوگئے۔ بے اختیار ہماری نظریں کمرے کی چھت پر اٹھ گئیں وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

''کمال ہے کمرے کے اندر کچھ بھی نہیں ہے پھر ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی نے بالٹی بھر کر پانی شریف پر ڈال دیا ہے۔'' کامران نے کہا۔

''ہماری خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اس لئے ہمیں اب ہوشیار ہوجانا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''واقعی ہماری خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔'' شریف نے مسکرا کر اپنے چہرے پر آئے خوف کو دور کرنے کی کوشش کی۔

کچھ وقت گزرنے پر مجھے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ میں نے ایک لمحے کو آرام کے لئے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ میری آنکھ لگ گئی۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ سوتے میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی میری ٹانگیں کھینچ رہا ہے۔ میں بڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا، میں کیا دیکھتا ہوں کہ کمرے میں میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ ایک خوفناک شکل کی پراسرار مخلوق کھڑی ہے۔ جسے انسان نہیں کہا جاسکتا ہے وہ قہر آلود نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔ خوف کے مارے میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ مجھے دیکھ کر ایسی آواز میں مخاطب ہوئی جو میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میری مسلسل خاموشی پر اس نے مجھے زوردار لاتیں ماری۔ تکلیف کی شدت سے میری چیخ نکل گئی۔

میری چیخ سن کر اس مخلوق نے ایسے اچھل کود کرنی شروع کردی جیسے اسے خوشی ملی ہے۔

میں نے اپنے دوستوں کو آوازیں دیں۔ مگر ان کا دور دور تک کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ میری مدد کو بھلا کس طرح آسکتے تھے۔ وہ مخلوق اچانک اچھل کود کرتے کرتے رک گئی اور پھر مجھے ایک لات رسید کی، میں درد سے بلبلا اٹھا۔ اب تو جیسے اس مخلوق کو تفریح مل گئی، وہ وقفے وقفے سے زوردار لاتیں رسید کرنے لگی۔ میں جیسے ہی درد سے چیختا وہ زور زور سے اچھلنے لگتی۔

میں ایک عجیب عذاب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس مخلوق نے لاتیں مار، مار کر مجھے ایسا ادھ موا کردیا تھا کہ میں اٹھ کر بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ تکلیف کی شدت سے میرے آنسو نکل کر زمین پر گر رہے تھے۔ میری حالت پر اس مخلوق کو بالکل بھی رحم نہیں آرہا تھا۔ ایسے میں مجھے پیش امام صاحب یاد آگئے جنہوں نے کہا تھا کہ ''میں کسی تکلیف میں مبتلا ہوجانے پر انہیں یاد کرلوں۔'' وہ بھلا میری مدد کو کس طرح آسکتے تھے۔ پھر بھی میں دل ہی دل میں پیش امام صاحب کو یاد کرنے لگا کہ اچانک کمرے میں پیش امام صاحب وارد ہوئے۔ وہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ ان کے کمرے میں داخل ہونے پر اس مخلوق کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ چیختی چلاتی کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جانے پر پیش امام صاحب میرے پاس آئے۔

''دیکھو نیاز بیٹے میں نے تمہیں سمجھایا تھا پھر بھی تم نے غلطی کردی۔ جن دوستوں کی خاطر تم یہاں رکے تھے۔ وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئے، کیا دوست ایسے ہوتے ہیں آئندہ بھول کر بھی ایسے لڑکوں سے دوستی نہیں کرنا۔''

''جی میں نے آپ کی بات نہ مان کر واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے، آپ نہ کرتے تو یہ خوفناک مخلوق مجھے مار، مار کر ہلاک کردیتی۔'' میں نے کہا۔

''میں کمرے میں کچھ پڑھ کر پھونک دیتا ہوں اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ صبح تک کوئی بھی مخلوق تمہیں کچھ نہیں کہے گی لیکن صبح ہوتے ہی اس حویلی سے نکل

جاتا۔" پیش امام صاحب نے کہا۔

"رات میں آپ کہاں جائیں گے۔ یہاں رک جائیں۔ صبح ساتھ ہی گاؤں چل دیں گے۔" میں نے کہا۔

"مجھے بہت طویل سفر پر جانا ہے میرا یہاں سے جانا بہت ضروری ہے۔" پیش امام صاحب نے کہا۔

وہ کچھ دیر میرے پاس رکے اور پھر چلے گئے۔ خوف اور تکلیف کے سبب پوری رات مجھے پھر نیند نہ آسکی۔ صبح ہونے تک میری طبیعت بہتر ہو چکی تھی۔ پیش امام صاحب کے جانے پر مجھے پھر کسی مخلوق نے تنگ نہیں کیا۔ مجھے اپنے دوستوں کے رویے پر بہت افسوس ہوا اور میں نے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ آئندہ دوست بنانے میں احتیاط برتوں گا، وہ دن میں خود کو بہت بہادر ثابت کررہے تھے۔ لیکن رات میں مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

صبح ہونے پر میں سیدھا گاؤں پہنچا۔ میں جب گھر پہنچا۔ ابا جان بھی گھر میں ہی موجود تھے۔ انہی کی زبانی مجھے جب پتا چلا کہ پیش امام صاحب کا کل رات انتقال ہو گیا تھا اور صبح ان کی تدفین بھی ہو چکی ہے تو مجھے حیرت کا جھٹکا لگا مجھے کسی بھی صورت یقین نہیں آرہا تھا کہ پیش امام صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔

میں رات کا واقعہ سنانا چاہتا تھا مگر یہ سوچ کر نہیں بتایا کہ میری بات کا کسی کو بھی یقین نہیں آئے گا۔ جب شام کو میں پیش امام صاحب کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو میرے ساتھ ابا جان بھی تھے۔ جب فاتحہ پڑھ کر میں فارغ ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پیچھے کوئی ہے، میں ابھی پلٹ کر دیکھنا ہی چاہتا تھا کہ مجھے اپنے سر پر کسی کا شفقت بھرا ہاتھ محسوس ہوا۔

"کیا بات ہے بیٹے کیا دیکھ رہے ہو۔" ابا جان نے پوچھا۔

"ہمارے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں کوئی بھی نہیں ہے، کیا تمہارے کسی دوست کو آج آنا تھا۔" ابو نے پوچھا۔

"جی نہیں" میں نے کہا۔

"رات سے ہی میرے ساتھ جو پراسرار واقعات پیش آرہے تھے، اگر میں کسی کو بتاتا تو کوئی بھی میری بات کا یقین نہ کرتا، اس لئے میں نے خاموش رہنا ہی بہتر جانا۔

چالیس سال کا عرصہ ایسے پلک جھپکتے گزر گیا کہ پتا ہی نہیں چلا۔ آج صبح ناشتے کی ٹیبل پر میں تازہ اخبار کا مطالعہ کررہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک خبر پر پڑی۔ خبر کے مطابق کل شام میں تیز طوفانی بارش سے پرانی حویلی گر کر زمین بوس ہو گئی تھی۔ ساتھ میں حویلی کی پرانی تصویر بھی تھی۔ جسے دیکھ کر میری پرانی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔

وہ واقعات جو ہمارے ساتھ اس حویلی میں پیش آئے تھے میرے سامنے کسی فلم کی طرح آگئے تھے۔ اور چند لمحوں تک میں ان واقعات میں کھوسا گیا۔ اس پرانی حویلی کی جو خستہ حالت تھی اسے دیکھتے ہوئے حویلی کو چالیس سال پہلے ہی گر جانا چاہیے تھا۔ عمارت کے گرنے سے کسی بھی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے اس حویلی کے قریب لوگ دن میں جانے سے کتراتے تھے پھر طوفانی بارش میں کس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا۔

پیش امام صاحب کی ہدایت پر میں نے انعام، شریف اور کامران سے دوستی ختم کرلی تھی۔ وہ دوست کہلانے کے لائق نہیں تھے، مجھے حویلی میں سوتا چھوڑ کر چلے گئے تھے کہ یہ بہت بہادر بنتا ہے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر یہ بات ابھی تک ذہن تسلیم نہیں کرتا کہ رات گاؤں میں پیش امام صاحب کا انتقال ہو گیا تھا تو وہ پھر مجھے کس طرح اس مخلوق سے بچانے آگئے تھے۔ وہ مجھے اس خوفناک مخلوق سے نہ بچاتے تو میں آج یہ کہانی لکھنے کے لئے زندہ نہیں ہوتا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

ابدی زندگی

ضرغام محمود۔ کراچی

کمرے میں نظر پڑتے ہی لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا، نظریں پتھرا گئیں، دل کی حالت ناقابل بیان ہو گئی، تمام مسام کے منہ کھل گئے اور ان مساموں میں موجود تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پھر ٹھنڈے پسینے بہنے لگے اس لئے کہ.....

جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی رگوں میں لہو منجمد کرتی اور خوف سے دل دہلاتی لرزیدہ حقیقت

اغوا کی اس واردات سے پورا ملک ہل گیا تھا پولیس کے کئی اعلیٰ افسران معطل ہو گئے تھے کئی افسران کو لائن حاضر کر دیا گیا تھا، واردات ہی کچھ ایسی تھی کیونکہ وزیر کے پوتے کا اغوا کوئی مذاق نہیں تھا اور پوتا بھی وہ جو بڑی منتوں اور مرادوں سے پیدا ہوا تھا وزیر افضال شاہ کے سات دن کے پوتے کو ہسپتال سے کسی نے اغوا کر لیا۔ افضال شاہ کے اکلوتے بیٹے عابد شاہ کی شادی چھ سال قبل ہوئی تھی، چھ سال بعد عابد شاہ کے گھر پہلی ولادت تھی اور بچہ محض سات دن بعد ہی اغوا ہو گیا۔

میں اور عابد شاہ بچپن کے دوست تھے، دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلو اور ہم محلہ بھی تھے، ہم دونوں نے اسکول کالج اور یونیورسٹی تک ساتھ تعلیم حاصل کی پھر تعلیم مکمل کر کے عابد نے اپنے والد کا بزنس سنبھال لیا چونکہ میری طبیعت میں ایڈونچر ازم زیادہ تھا اور مجھے شروع سے آرمی میں جانے کا شوق تھا لہٰذا میں نے آرمی جوائن کر لی اور آرمی میں میری صلاحیتوں سے متاثر ہو کر مجھے ملٹری سیکریٹ سروس میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔ جاسوسی کا شوق مجھے بچپن سے تھا لہٰذا میں ملٹری سیکریٹ سروس میں شامل ہو گیا، وہاں میں نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیے جس سے محکمے میں میری شہرت ہر جانب پھیل گئی۔

عملی زندگی میں آنے کے باوجود عابد اور میں اچھے دوست تھے حالانکہ ہم ملٹری سیکریٹ سروس والے عموماً خفیہ رہتے ہیں اور اپنی جاب وغیرہ کے بارے میں کسی کو نہیں بتاتے مگر عابد کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم تھا اس سے میرا کوئی راز چھپا ہوا نہیں تھا مگر اس نے میرے راز کو اپنے تک ہی محدود رکھا تھا حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز بیوی فوزیہ کو بھی میرے بارے میں زیادہ کچھ نہیں بتایا تھا۔

عابد اور فوزیہ کی محبت کی شادی تھی فوزیہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھی اور ہمارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ عابد اور فوزیہ کی محبت پہلی نظر کی محبت تھی مگر اس محبت کے درمیان ظالم سماج بن کر عابد کے والد آ گئے مگر عابد نے خودکشی کی دھمکی دے کر انہیں منا لیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

فوزیہ نے اپنے رکھ رکھاؤ اور محبت سے جلد ہی سب گھر والوں کے دل میں جگہ بنا لی۔

انکل افضال جو اس شادی کے سب سے بڑے مخالف تھے اپنی بہو سے سب سے زیادہ پیار بھی

وہی کرنے لگے۔

شادی کے پانچ سال تک عابد کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی عابد نے مہنگے سے مہنگا علاج کروایا بیرونِ ملک تک اپنا اور فوزیہ کا چیک اپ کروایا، ہر جگہ ڈاکٹر یہی کہتا تھا کہ ''سب نارمل ہے نہ عابد میں کوئی کمی ہے نہ فوزیہ میں کوئی خامی ہے۔''

جب سب مایوس ہو گئے تو اچانک اللہ کے رحمت کو جوش آیا اور فوزیہ امید سے ہوگئی، جب یہ خبر انکل افضال اور آنٹی کو معلوم ہوئی تو وہ خوشی سے نہال ہوگئے اس وقت عابد اپنے بزنس کے سلسلے میں اٹلی گیا ہوا تھا۔ انکل افضال نے فون کر کے یہ خوشخبری مجھے سنائی تو میں فوراً اپنی بیوی اور چار سالہ بیٹے سمعان کو لے کر ان کی کوٹھی پہنچ گیا، وہاں عید کا سماں تھا گھر کا ہر فرد خوش تھا۔

آنٹی نے فوزیہ کو ہاتھ کا چھالا بنایا ہوا تھا، وہ فوزیہ بھی کو بیڈ سے بھی نہیں اترنے دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ''ابتدائی دو تین مہینے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔'' لہٰذا ایک کل وقتی نرس ہائیر کی گئی جو فوزیہ کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

عابد کو اٹلی میں جب یہ خوشخبری ملی تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گیا، خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی میں نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دی۔

☆.....☆.....☆

چند ماہ بعد فوزیہ نے انتہائی خوبصورت بچے کو جنم دیا اصل میں عابد اور فوزیہ دونوں بہت خوبصورت تھے لہٰذا بچہ بھی ان دونوں کے نقوش لے کر پیدا ہوا تھا۔ بچے کا نام انکل افضال نے اس کے پیدائش سے پہلے ہی رکھ دیا تھا۔ ظلِ شاہ۔ ظلِ شاہ اپنے نام کی طرح خوبصورت تھا اس کا سرخ و سفید چہرہ اس کی ستواں ناک اس کے باریک باریک گلابی ہونٹ اور اس کی معصومیت ہر ایک کا دل موہ لے رہی تھی۔

ظلِ شاہ کے سینے کے داہنے جانب ایک چاند سا بنا ہوا تھا ایسا لگتا تھا جیسے نیا چاند طلوع ہو رہا ہو، میڈیکل سائنس تو اس طرح کے نشان وغیرہ کے سلسلے میں خاموش ہے مگر ہمارے معاشرے میں ایسے بچے کے سلسلے میں توہمات بہت پائے جاتے ہیں۔

قدیم دیومالائی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسے بچے جن کے جسم پر ابھرے چاند کا نشان ہو چندر لیکھا کہلاتے ہیں اور ایسے بچے غیر معمولی ذہین ہوتے ہیں اور قسمت کے بھی دھنی ہوتے ہیں۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdunovels.net

ظلِ شاہ کی پیدائش بڑے آپریشن سے ہوئی اور کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی کہ فوزیہ کی جان پر بن آئی تھی مگر ڈاکٹر درشہوار بہترین گائنا کولوجسٹ تھیں، انہوں نے اس پیچیدہ آپریشن کو بخوبی ہینڈل کیا۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ڈاکٹر درشہوار فوزیہ کے لئے حقیقت میں مسیحا بن گئی خدانخواستہ اگر ڈاکٹر درشہوار نہ ہوتی تو جانے کیا ہوتا۔

ظلِ شاہ کی پیدائش کے ایک ہفتے بعد مجھے یہ خبر ملی کہ ننھے ظلِ شاہ کو ہسپتال سے اغوا کرلیا گیا۔ اس خبر سے پورے شہر میں بھونچال آ گیا، انکل افضال وزیر تھے لہٰذا قانون کے بڑے بڑے افسران کی دوڑیں لگ گئیں۔ عابد اور فوزیہ کی حالت بہت بری تھی اتنی منتوں مرادوں سے پیدا ہونے والا بچہ ہسپتال سے اغوا کرلیا گیا تو انکل افضال کے گھر والوں کے لئے اس سے بڑا سانحہ کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا فوزیہ پر غشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔

باضابطہ طور پر یہ کیس علاقے کے ایس پی کے پاس تھا وہ تحقیقات کررہا تھا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا cc tv کی فوٹیج میں بھی کچھ نہیں آیا کوئی شخص بچے کو ہسپتال سے باہر لے جاتا نظر نہیں آیا میں بھی اپنے طور پر تحقیقات کررہا تھا کیونکہ یہ ملٹری سیکریٹ سروس کا کیس نہیں بنتا تھا۔ مگر اگلی صبح مجھے چیف نے بلوایا۔

''سر'' میں نے چیف کے کمرے میں پہنچ کر انہیں سلیوٹ کیا۔

''بیٹھو۔'' چیف نے سامنے رکھی کرسی کی جانب اشارہ کیا تو میں خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ینگ مین۔'' چیف نے بارعب آواز میں کہا۔ ''تم جانتے ہو آج کل ہر اخبار اور ہر نیوز چینل پر کونسی خبر گردش کررہی ہے؟''

''یس سر..... ظلِ شاہ کا اغوا ہر نیوز چینل کا موضوع ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ کیس ہمارا تو نہیں بنتا پولیس کا کیس ہے مگر حکومت نے خاص طور پر ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لیں۔''

چیف نے تمہید باندھی میں خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

''پچھلے ایک سال کے دوران شہر سے تقریباً سو سے زائد بچے اغوا ہو چکے ہیں اور نہ کسی بچے کی لاش ملی اور نہ بچوں کے گھر والوں کو تاوان کے لئے کوئی فون آیا۔ پہلے غریب یا متوسط طبقے کے بچے اغوا ہورہے تھے اس لئے کسی کا زیادہ دھیان نہیں گیا مگر کل وفاقی وزیر کا پوتا اغوا ہوا ہے تو چاروں طرف اودھم مچ گئی۔ میں نے حکومت کی درخواست پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، تم ہمارے محکمے کے سب سے قابل آفیسر ہو اور پھر عابد شاہ کے پرسنل دوست بھی ہو اس لئے میں یہ کیس تمہیں سونپتا ہوں۔ مجھے امید ہے جلد ہی تم اچھی خبر دو گے۔'' چیف نے مزید کہا۔

''میں اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کرکے اس کیس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرونگا۔'' میں نے پر عزم لہجے میں جواب دیا

''یہ فائل پڑھ لینا اس میں اس کیس کے متعلق تمام ضروری تفصیلات موجود ہیں۔'' چیف نے ایک فائل میری جانب بڑھائی۔

''سر کیا میں اپنا تعلق سیکریٹ سروس سے ظاہر کرسکتا ہوں۔'' میں نے دریافت کیا

''نو'' چیف نے جواب دیا۔ ''اگر تم اپنا تعلق ظاہر کردو گے تو تمہارے لئے آگے خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ تمہیں ایک کارڈ ملے گا جو ظاہر کرے گا کہ تم ایک اسپیشل فورس کے آدمی ہو اور اس کیس پر کام کر رہے ہو، محکمے سے جس جس کو اپنے ساتھ اس کیس پر لگانا چاہے ہو ان سب کا نام دے دو ان سب کو بھی کارڈ مل جائے گا جو یہ ظاہر کرے گا کہ تم سب ایک خاص اسپیشل فورس کے آدمی ہو اور اس طرح تم پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مدد حاصل کرسکتے ہو۔'' چیف نے تفصیلاً بتایا۔

''یس سر'' میں نے جواب دیا اور اپنی مدد کے

لئے محکمے کے چند نام انہیں دے دیئے

تھوڑی دیر میں مجھے سب کے کارڈ مل گئے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ہم ایک اسپیشل فورس کے سپاہی ہے اور کسی بھی جگہ کی تلاشی لے سکتے ہیں اور کسی کو بھی گرفتار کر سکتے ہیں اس سلسلے میں قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے ہم سے تعاون کرنے کے پابند ہیں۔

میں نے کارڈ اپنی جیب میں ڈالے اور چیف سے رخصت ہو کر اپنے دفتر میں آیا اور اپنے ماتحتوں میں اسپیشل فورس کے کارڈ تقسیم کئے اور انہیں اس کیس کے سلسلے میں مختلف کاموں پر لگا دیا، پھر میں چیف کی دی ہوئی فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔

فائل کی رو سے پچھلے ایک سال کے دوران شہر سے سو سے زائد بچے غائب ہوئے جن کی عمریں ایک دنسے چھ سال تک کی تھیں، کسی بچے کی نہ لاش ملی اور نہ ہی کسی بچے کے گھر والوں کو تاوان کے لئے کوئی فون آیا۔

زیادہ تر بچے گورنمنٹ ہسپتال کے طراف سے غائب ہوئے، کچھ بچے نجی ہسپتالوں سے بھی غائب ہوئے۔ میں نے فائل پوری پڑھنے کے بعد اپنی تفتیش کا آغاز اسی ہسپتال سے کرنا ضروری سمجھا جہاں سے ظل شاہ غائب ہوا تھا، میں اپنی جیپ میں ہسپتال پہنچا، یہ شہر کا ایک بڑا اور جدید ہسپتال تھا جس کا اپنا سیکورٹی سسٹم تھا، گیٹ پر سیکورٹی گارڈ الرٹ کھڑے تھے لیکن اسے کے باوجود ظل شاہ اس ہسپتال سے اغوا ہو گیا بات ہے ناں تعجب کی۔

میرے ہسپتال پہنچتے ہی میرے موبائل پر عابد کی کال آئی، میں نے اس سے پوچھا کہ ''وہ کہاں ہے؟''

اس نے بتایا کہ ''وہ فوزیہ بھابھی کو لے کر گھر چلا گیا ہے۔ فوزیہ کی حالت نہیں سنبھل رہی..... ہسپتال سے انہیں وحشت ہو رہی تھی لہٰذا عابد انہیں ہسپتال سے لے کر گھر چلا گیا۔

جب میں نے عابد کو بتایا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر میرے حوالے کر دیا گیا ہے تو اس نے میرے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا، اس کی آواز اس کی حالت کی چغلی کھا رہی تھی، میں سمجھ رہا تھا کہ عابد ضبط کی کس منزل پر ہو گا۔ عابد کا فون سننے کے بعد میں ڈاکٹر درشہوار کے کمرے کا رخ کیا۔ ڈاکٹر درشہوار ابھی ابھی آپریشن سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تھی تھکن اس کے چہرے پر نمایاں تھی

''سوری ڈاکٹر۔'' میں نے ڈاکٹر درشہوار کے کمرے میں پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت تھکی ہوئی ہیں، میں صرف چند منٹ لونگا۔''

''چند منٹ کا مطلب کا چند منٹ ہی ہونا چاہیے، میں رات بھر کی جاگی ہوئی ہوں، رات کو میں نے چار آپریشن کئے ہیں۔''

''بس چند منٹ۔ آپ کو کب پتا چلا کہ بچہ غائب ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے تین بجے وزٹ کیا تھا تو بچہ موجود تھا، ساڑھے تین بجے شور اٹھا کہ بچہ غائب ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا

''آپ اس ہسپتال میں کب سے جاب کر رہی ہیں۔؟''

''میں باقاعدہ اس ہسپتال میں جاب نہیں کرتی جب کوئی پیچیدہ کیس آتا ہے تو مجھے بلا لیا جاتا ہے۔''

''آپ باقاعدہ کہیں جاب نہیں کرتیں۔؟''

''میں اس ہسپتال میں جاب نہیں کرتی لیکن گورنمنٹ ہسپتال میں، میں باقاعدہ جاب کرتی ہوں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اس طرح دو دو جاب کرنے سے آپ کی فیملی لائف تو کافی متاثر ہوتی ہوگی۔'' میں نے پھر پوچھا

''جی میری کوئی فیملی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''مطلب یہ کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی لہٰذا میرا کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے والدین اللہ کو

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

پیارے ہو چکے ہیں۔''

''اور آپ کی شادی مطلب شوہر وغیرہ۔''

''میرے شوہر جاوید عالم کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا اور وہ اسی حالت میں گھر سے نکل گئے تھے پھر ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی بچے اللہ نے دیئے ہی نہیں لہٰذا میں اکیلے ہی رہتی ہوں۔'' ڈاکٹر درشہوار کے لہجے میں اداسی تھی۔

مجھے ڈاکٹر درشہوار سے کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوسکی، اسی وقت موبائل فون کی گھنٹی بجی میں نے چونک کر اپنی جیب کی جانب دیکھا جہاں میرا موبائل فون موجود تھا مگر رنگ ٹون بتا رہی تھی کہ یہ میرا فون نہیں ہے۔

ڈاکٹر درشہوار نے میز پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور اس پر نمبر دیکھا تو مجھ سے معذرت کرکے موبائل فون اٹھا کر کمرے کی دوسری جانب چلی گئی اور آہستہ آواز میں بات کرنے لگی، میں نے بظاہر ایسا تاثر دیا کہ میں اس کی بات سننے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا مگر میرے کان اس کی بات چیت پر ہی لگے تھے، فون پر ہونے والی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر درشہوار کسی بچے کی صحت کے بارے میں مشورہ دے رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹر درشہوار کی میز پر نظر ڈالی تو حیرت سے میرے ہونٹ سکڑ گئے مجھے امید نہیں تھی ایک پڑھی لکھی خاتون بھی اتنی توہم پرست ہوسکتی ہے، ڈاکٹر کے میز پر اس کے پرس کے ساتھ ایک گھوڑے کی نعل رکھی تھی۔ عموماً گھوڑے کی نعل کو خوش قسمتی کے لئے لوگ اپنے گھر کے دروازے پر لگاتے ہیں یا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر آپ کو اس کیس میں اسسٹ کون کر رہا تھا۔'' جب ڈاکٹر فون سے فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا۔

''ڈاکٹر فائزہ احمد۔''

''او کے ڈاکٹر پھر ملاقات ہوگی۔'' میں یہ کہہ کر ڈاکٹر کے کمرے سے نکل گیا، اب میرے قدم ڈاکٹر فائزہ کے کمرے کی جانب اٹھ رہے تھے، ڈاکٹر فائزہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دستک دی اور کمرے میں داخل ہوگیا۔

''آیئے آفیسر مجھے پتا ہے کہ آپ اس کیس پر تحقیق کر رہے ہیں۔''

''جی ہاں، میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور پوچھیے۔ مگر آپ پہلے بیٹھیے۔'' ڈاکٹر فائزہ نے خوش اخلاقی سے کہا

''شکریہ۔'' میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہاں کب سے جاب کر رہی ہیں؟''

''تین سال ہوگئے۔''

''آپ نے ایم بی بی ایس کہاں سے کیا؟''

''آپ تو میرا انٹرویو لے رہے ہیں۔'' ڈاکٹر فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا، ڈاکٹر فائزہ کی ہنسی واقعی دلکش تھی، ویسے وہ خود بھی کافی خوبصورت تھی اور کم عمر بھی لگتی تھی۔

''میں نے کنگ ایڈورڈ سے ایم بی بی ایس کیا۔'' تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر فائزہ گویا ہوئی۔ ''وہیں پر میں نے اپنا ہاؤس جاب مکمل کیا، ایم بی بی ایس میں میں نے ٹاپ کیا تھا، اسی وجہ سے ہسپتال کے ایم ڈی ڈاکٹر ریاض نے مجھے جاب کی آفر دی، میں نے خود اس ہسپتال میں نوکری کی درخواست نہیں دی تھی چونکہ یہاں کا سیلری پیکیج دوسرے ہسپتالوں سے اچھا تھا لہٰذا میں نے اس ہسپتال کو دوسرے ہسپتالوں پر ترجیح دی۔''

''ڈاکٹر درشہوار کیسی ڈاکٹر ہے۔'' میں نے پھر سوال کیا

''ڈاکٹر تو وہ بہترین ہے مگر......'' ڈاکٹر فائزہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''کبھی کبھی وہ عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہے ایسا لگتا ہے جیسے وہ......'' ڈاکٹر فائزہ پھر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیسا لگتا ہے؟

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

''پتا نہیں مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں۔''
ڈاکٹر فائزہ اپنے ماتھے کو رگڑتے ہوئے بڑبڑائی۔
''آپ کھل کر بات کریں آپ جو کچھ کہیں گی وہ میرے دل میں دفن ہو جائے گا۔'' میں نے ڈاکٹر فائزہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا
''دراصل ڈاکٹر درشہوار کبھی کبھی اس طرح کی حرکتیں کرنے لگتی ہے جیسے وہ ایب نارمل ہو۔'' آخر کار ڈاکٹر فائزہ نے اپنی بات مکمل کی
''جی۔آپ درست کہہ رہی ہیں میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ وہ اکثر بات کرتے کرتے کھو سی جاتی ہے اور نہ جانے منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑانے لگتی ہے۔'' میں نے ہوا میں تیر چھوڑا۔
''جی بس ایسی ہی کچھ بات ہے مگر وہ ڈاکٹر بہت اچھی ہے بڑے بڑے پیچیدہ کیس آرام سے حل کر لیتی ہے، اللہ نے اس کے ہاتھوں میں شفا دی ہے۔'' ڈاکٹر فائزہ بولی۔
''ڈاکٹر صاحبہ۔آپ شادی شدہ ہیں۔'' میں نے اچانک غیر متعلق سوال کیا کیونکہ ڈاکٹر فائزہ کے ہاتھ میں مجھے ہیرے کی انگوٹھی نظر آئی تھی۔
''نہیں۔ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔''
''منگنی وغیرہ۔''
''یہ۔یہ سب آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' ڈاکٹر فائزہ نے پریشانی سے پوچھا۔
''بس ایسے ہی، دراصل ہمیں فائلوں کا پیٹ بھرنا ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں سے اتنے سوال کیے۔'' میں نے بات گھمائی۔
''نہیں میری منگنی نہیں ہوئی۔''
''آپ کی رہائش کہاں ہے؟''
''جی۔گلبرگ میں۔''
''آپ کے والد کیا کرتے ہیں اور آپ کی فیملی کتنی ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''ہم دو بہنیں ہیں بھائی نہیں ہے چھوٹی بہن لمز میں پڑھ رہی ہے میرے والد ایجوکیشن میں تھے مگر اب ریٹائرمنٹ لے لی ہے۔'' ڈاکٹر فائزہ نے تفصیل سے بتایا۔
''ایجوکیشن میں کیا تھے؟''
''وہ..... وہ اسکول ٹیچر تھے۔پرائمری اسکول ٹیچر۔'' ڈاکٹر فائزہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔
''اس میں اتنا جھجکنے کی کیا ضرورت ہے، فخر سے کہیئے کہ میرے والد استاد تھے، جن بچوں کو انہوں نے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا آج وہ کتنے بڑے بڑے عہدوں پر ہوں گے بلکہ انہوں نے آپ کو بھی لکھنا سکھایا ہوگا اور آج آپ قابل عزت ڈاکٹر ہیں۔'' میں نے لیکچر دیا۔
کیونکہ میں معاشرے کی اس روش سے سخت نالاں تھا کہ اب ہمارے معاشرے سے استاد کی عزت و تکریم ختم ہوتی جارہی ہے، استاد کے اپنے بچے اپنے والد کا پروفیشن بتاتے ہوئے شرماتے ہیں۔
''جی ہاں آپ صحیح کہہ رہے ہیں مگر ہمارا معاشرہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ.....'' ڈاکٹر فائزہ کو شائد موضوع الفاظ نہیں مل رہے تھے
''آپ شروع سے گلبرگ میں ہی رہائش پذیر ہیں.....'' میں نے بات کا رخ بدل دیا۔
''نہیں پہلے ہم مغل پورہ میں رہائش پذیر تھے۔'' ڈاکٹر فائزہ نے ایک لوئر مڈل کلاس آبادی کا نام لیا۔صرف تین سال میں ایک لوئر مڈل کلاس لڑکی نے گھر کی کفالت کرتے ہوئے مغل پورہ سے گلبرگ تک کا سفر طے کر لیا، مجھے پہلی مشکوک شخصیت مل گئی۔
ڈاکٹر فائزہ کے کمرے سے نکل کر میں نے اپنے ماتحت کیپٹن علی کو کال کر کے ڈاکٹر فائزہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا کہا اور خود سیکورٹی روم کی جانب چل دیا تاکہ cctv فوٹیج دیکھ سکوں۔شائد ان فوٹیج سے مجھے کوئی کلیو مل جائے۔
میں سیکورٹی روم میں داخل ہوا تو سیکورٹی انچارج ریٹائرڈ کرنل شمشیر خان نے میرا استقبال کیا
''آپ کے بارے میں ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ آپ اسپیشل فورس کے آدمی ہیں اور افضال شاہ

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

کے پوتے کے کیس کی تفتیش کررہے ہیں آپ کو ہمارا پورا تعاون حاصل رہے گا۔'' کرنل شمشیر نے پرخلوص لہجے میں مجھے مخاطب کیا

''تھینک یو کرنل۔'' میں نے جواباً کہا۔'' کرنل مسئلہ کافی گھمبیر ہے آپ کو پتا ہے کہ بچے کے اغوا کو چوبیس گھنٹے گزر چکے ہے اور ابھی تک ہمارے ہاتھ کوئی کلیو نہیں آیا پلیز مجھے سیکورٹی کی صورتحال کے متعلق بتایئے کہ یہاں کتنے سیکورٹی گارڈ ہیں۔''

''سر چار گارڈ ہسپتال کے مین گیٹ پر ہوتے ہیں جو آنے جانے والی گاڑی کو میڈل ڈیٹیکٹر سے چیک کرتے ہیں پھر دو گارڈ ہسپتال کے اندر آنے والے داخلی دروازے پر ہوتے ہیں جو ہر آنے جانے والے افراد کو چیک کرتے ہیں، خاص طور پر اگر کسی کے پاس کچھ سامان وغیرہ ہو تو اس کو آتے جاتے چیک کیا جاتا ہے اس کا سامان وغیرہ بھی چیک کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چار گارڈ عمارت کی چھت پر ہوتے ہیں جو عمارت کے چاروں طرف نظر رکھتے ہیں سارے گارڈ ایل ایم جی سے مسلح ہوتے ہیں۔'' کرنل شمشیر نے تفصیل سے سیکورٹی کے متعلق مجھے بریف کیا۔

''ہسپتال کا صرف ایک ہی دروازہ ہے جس سے آیا اور جایا جاتا ہے۔'' میں نے پوچھا

جی ہاں مین گیٹ ایک ہی ہے داخلی دروازہ ایک سامنے ہے اور دوسرا ایمرجنسی دروازہ پیچھے ہے مگر وہ بند ہی رہتا ہے اور اس کی چابی میرے اور ایڈمنسٹریٹر کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوتی۔'' کرنل شمشیر نے بتایا

''بچے کے اغوا کے بعد پچھلا دروازہ چیک کیا تھا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''جی۔ میں نے خود چیک کیا تھا وہ دروازہ بند تھا بلکہ اس دروازے کا تالا اتنا زنگ آلود ہوگیا ہے کہ چابی سے بھی نہیں کھل رہا۔ ایڈمنسٹریٹر صاحب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کیس کے بعد تالا تبدیل کردینگے کہیں ایمرجنسی ہوگئی تو بہت مشکل پیش آئیں گی۔''

''او کے۔ آپ مجھے فوٹیج دکھائیں۔ تین سے ساڑھے تین کے درمیان کی۔'' میں نے کرنل شمشیر سے کہا تو وہ مجھے فوٹیج دکھانے لگے۔ فوٹیج میں کچھ خاص نہیں تھا چند لوگ آجارہے تھے مگر کسی کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے اندازہ ہو کہ اس کے ذریعے طفل شاہ کو اغوا کر کے ہسپتال سے باہر لے جایا گیا ہے۔

''تین بجے ڈاکٹر درشہوار نے راؤنڈ کیا تھا تو بچہ موجود تھا اور ساڑھے تین بجے بچے کے اغوا کا پتا چلا۔'' میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''مسز عابد شاہ کے کمرے میں ڈیوٹی کس نرس کی تھی؟'' میں نے کرنل شمشیر سے پوچھا۔

''نرس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔ میٹرن کو معلوم ہوگا۔''

''میٹرن سے انٹرکام پر معلوم کر کے اس نرس کو بلوایئے۔'' میں نے کہا تو کرنل شمشیر میٹرن کو کال کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ایک ادھیڑ عمر چاک و چوبند نرس کمرے میں داخل ہوئی۔

''سر میرا نام تھریسا ہے میری ڈیوٹی تھی میڈم کے روم میں۔'' نرس نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد کہا

''بچے کو آپ نے آخری بار کب دیکھا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''دو بجے میں نے میڈم کو دوا دی تھی تو بے بی موجود تھا پھر میں نے ساڑھے تین بجے راؤنڈ لیا تو بے بی غائب تھا۔'' نرس نے تفصیل بتائی۔

''ڈاکٹر درشہوار تین بجے راؤنڈ پر گئی تو آپ ان کے ساتھ نہیں تھیں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''دراصل اس وقت ڈاکٹر صاحبہ کے راؤنڈ کا ٹائم نہیں تھا وہ ایسے ہی چلی گئیں۔ اس لئے میں ان کے ساتھ نہیں تھی۔'' نرس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے آپ جاسکتی ہیں اگر ضرورت پڑی تو آپ کو دوبارہ بلوالیں گے۔'' میں نے کہا تو نرس سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

''کرنل آپ مجھے دو سے تین کے درمیان کی فوٹیج دیکھایئے۔'' میں نے کرنل شمشیر سے کہا۔

''خیریت سر۔تین بجے تک تو بچہ موجود تھا۔'' کرنل شمشیر نے حیرت سے پوچھا۔

''کرنل۔کچھ نہ کچھ کام تو کرنا ہی ہے۔اس لئے فوٹیج ہی دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے اپنے ذہن میں موجود خدشے کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔اسی وقت میرے موبائل پر کیپٹن علی کی کال آئی۔''یس کیپٹن کیا معلومات ہیں۔''

''سر۔ڈاکٹر فائزہ کے والد پرائمری اسکول ٹیچر تھے قابل آدمی تھے مگر ہمارے معاشرے میں استاد کا وہ مقام نہیں ہے جو ہونا چاہیئے لہٰذا وہ ساری زندگی پیسے کے لئے ترستے ہی رہے جیسے تیسے گزارا کرتے تھے مگر ان کی دونوں بیٹاں بہت ذہین تھیں دونوں نے بورڈ کے ہر امتحان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں ڈاکٹر فائزہ ڈاکٹر بن گئی جبکہ ان کی چھوٹی بہن لمز میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔'' کیپٹن علی نے جواب دیا

''کیپٹن یہ باتیں مجھے معلوم ہیں۔یہ بتاؤ تین سال کی نوکری میں گلبرگ کا مکان اور بہترین گاڑی یہ سب کہاں سے آیا۔''

''سر۔اسی بات کی تحقیق کر رہا تھا تو ایک انکشاف ہوا۔'' کیپٹن علی اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا

''تمہاری سسپنس پھیلانے والی عادت سے میں تنگ ہوا صل بات بتاؤ۔'' میں نے جھنجلا کر کہا

''سوری سر۔دراصل ڈاکٹر فائزہ کا چکر میرا مطلب ہے محبت کا چکر مشہور انڈسٹریل حیات اللہ نیازی کے بیٹے فراست اللہ نیازی کے ساتھ چل رہا ہے دونوں عنقریب شادی کرنے والے ہیں گلبرگ کا مکان،گاڑی اور ٹھاٹھ باٹھ فراست اللہ نیازی کی دین ہے۔'' کیپٹن علی نے تفصیل سے بتایا

''اوہ۔اس کا مطلب ہے ہمارا شک بلاوجہ ہے۔''

''جی سر۔ڈاکٹر فائزہ کی کوئی سرگرمی مشتبہ نہیں ہے۔'' کیپٹن علی نے کہا

''ٹھیک ہے کیپٹن علی تم ڈاکٹر فائزہ کو چھوڑو اور ذرا ڈاکٹر درشہوار کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔'' میں نے کیپٹن علی کو دوسرا ٹارگٹ دیا

''یس سر۔مگر سر آج مجھے تھوڑا جلدی گھر جانا ہے۔''

''خیریت۔''

''سر۔وہ۔آج چودھویں کی رات ہے میں نے بیگم سے وعدہ کیا تھا کہ آج رات اسے راوی کنارے لے کر جاؤں گا۔'' کیپٹن علی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''یعنی آج آپ کا رومانس کا ارادہ ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا کیونکہ میں جانتا تھا کہ کیپٹن علی کی شادی کو ابھی دو ماہ ہی ہوئے ہیں۔

''جی۔جی سر۔''

''ٹھیک ہے تم چھٹی کرو اور ڈاکٹر درشہوار کی معلومات کے لئے کیپٹن رحمان کو لگا دو۔'' میں نے کہا۔

''تھینک یو سر۔'' کیپٹن علی سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنا موبائل آف کر دیا۔

موبائل پر بات ختم کر کے میں کرنل شمشیر کی جانب متوجہ ہوا کرنل شمشیر نے فوٹیج جمع کر لی تھیں اس نے فوٹیج چلانی شروع کی عام سی فوٹیج تھی لوگ آ رہے تھے جا رہے تھے۔اچانک میں چونک اٹھا فوٹیج میں ایک بوڑھا آدمی جو جمعدار کی وردی میں تھا کچرے کا بڑا سا ڈبہ ہسپتال سے باہر لے جا رہا تھا ڈبہ تقریباً چار فٹ سے بڑا تھا اور دو فٹ سے چوڑا تھا،ڈبے کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے جمعدار اس ڈبے کو اطمینان کے ساتھ دھکیلتا ہوا باہر لے جا رہا تھا۔

''یہاں روکو۔'' میں نے کرنل شمشیر سے کہا تو اس نے فوٹیج پوز کر دی۔

''یہ کون ہے۔؟'' میں نے کرنل شمشیر سے پوچھا۔

''یہ جمعدار ہے تارا مسیح۔صفائی کا کام کرتا ہے۔'' کرنل شمشیر نے مجھے بتایا۔

''کیا کچرا لے جانے کے لئے یہی ڈبہ استعمال کیا جاتا ہے۔؟ میں نے پھر پوچھا۔

''عام کچرا لے جانے کے لئے تو عام سا ڈبہ استعمال ہوتا ہے اس ڈبے میں آپریشن تھیٹر کا فضلہ جاتا ہے اس ڈبے کو باہر رکھ دیا جاتا ہے شام کو ایک ٹرک کے ذریعے یہ فضلہ آبادی سے دور لے جا کر کیمیائی طریقے سے ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے۔'' کرنل شمشیر نے تفصیل سے بتایا۔

''اس ڈبے میں چھپا کر بچے کو لے جایا جا سکتا ہے۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''آگے دیکھیے سر۔ دروازے میں کھڑے گارڈ فضلے کا معائنہ کر کے جانے دے گئے۔'' کرنل شمشیر نے کہا اور فوٹیج آگے بڑھائی واقعی گارڈ نے کچرے کے ڈبے میں رکھے پلاسٹک کے تھیلے کو کھول کر اچھی طرح دیکھا پھر جمعدار کو جانے کی اجازت دی، جمعدار کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر درشہوار بھی باہر جاتی نظر آئی۔

''یہ ڈاکٹر درشہوار تو کہہ رہی تھی کہ انھوں نے تین بجے راؤنڈ کیا ہے یہ اڑھائی بجے ہی جا رہی ہے۔'' میں نے کہا

''ہو سکتا ہے یہ اپنی کار تک گئی ہو۔'' کرنل شمشیر نے خیال ظاہر کیا تھوڑی دیر بعد بوڑھا جمعدار واپس آتا ہوا نظر آیا اس کے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر درشہوار بھی واپس آتی نظر آئی۔

''اس جمعدار کو بلائیے۔'' میں نے کرنل شمشیر سے کہا تو اس نے انٹر کام پر جمعدار کو بلوایا۔ تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا شخص جو جمعدار کی وردی میں تھا کانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور سلام کر کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔

''تمہارا نام مائیکل مسیح ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''جی صاحب۔'' مائیکل مسیح نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

''گھبراؤ مت۔ اطمینان سے میرے چند سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔'' میں نے بوڑھے جمعدار کی گھبراہٹ ختم کرنے کے غرض سے اس کی ہمت بندھائی۔

''جی صاحب۔''

''تم آپریشن تھیٹر کا فضلہ خود اٹھاتے ہو۔'' میں نے پوچھا

''نہیں صاحب۔ مجھے آپریشن تھیٹر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے میں آپریشن تھیٹر کے دروازے پر ڈبہ رکھ دیتا ہو کوئی نہ کوئی نرس اس ڈبے کو لے جاتی ہے اور اس میں آپریشن تھیٹر کا فضلہ ڈال کر دوبارہ دروازے کے باہر رکھ دیتی ہے پھر میں وہ ڈبہ ہسپتال کے پارکنگ کے ایک کونے میں رکھ دیتا ہوں جہاں شام کو ٹرک آتا ہے اور اس فضلے کو لے جاتا ہے۔'' جمعدار مائیکل مسیح نے تفصیل بتائی۔

''کل آپریشن تھیٹر میں کون سی نرس ڈبہ اندر لے کر گئی تھی؟'' میں نے پوچھا

''کل تو حیرت انگیز بات ہوئی میں نے کچرے کا ڈبہ جب آپریشن تھیٹر کے دروازے پر رکھا تو ڈاکٹر صاحبہ خود باہر آئیں اور ڈبہ اندر لے گئیں اور پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی ڈبہ باہر لا کر رکھ دیا پھر میں نے وہ ڈبہ پارکنگ میں لے جا کر رکھ دیا۔''

''کون سی ڈاکٹر؟'' میں نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ڈاکٹر درشہوار۔''

''ڈبہ دکھاؤ۔'' میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور مائیکل مسیح کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا مائیکل مسیح نے مجھے ڈبہ دکھایا ڈبہ تقریباً چار فٹ سے بھی بڑا تھا اور دو فٹ سے زیادہ چوڑا تھا۔ میں نے ڈبے کا معائنہ کیا اگر بچے کو کسی مضبوط لکڑی کے بکس میں رکھ کر ڈبے کی تہہ میں رکھ دیا جائے اور پھر اس پر فضلے کا پلاسٹک کا تھیلا رکھ دیا جائے تو بچہ با آسانی ہسپتال سے باہر جا سکتا ہے کیونکہ گارڈ تو صرف اوپر سے فضلے کا تھیلا ہی چیک کرتے ہیں۔ میں نے ڈبے کا بغور معائنہ کیا مگر

ڈبے میں کوئی سراغ نہ ملا یہ میرا شک تھا اور صرف شک کی بنا پر میں ایک سینئر ڈاکٹر پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔

اسی وقت میرے موبائل کی گھنٹی بجی میں نے موبائل پر نظر دوڑائی تو کال کیپٹن رحمان کی تھی۔

''یس کیپٹن کیا رپورٹ ہے؟''

''سر رپورٹ حیرت انگیز ہے۔''

''ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔'' میں پوری توجہ سے کیپٹن رحمان کی باتیں سننے لگا۔

''سر ڈاکٹر در شہوار اکیلے رہتی ہیں ان کے شوہر جاوید عالم پچھلے سال لاپتہ ہو گئے تھے۔ جاوید عالم فارن سروس میں سیکریٹری کے عہدے پر کام کرتے تھے ان کی آخری پوسٹنگ افریقہ کے ملک برونڈی میں ہوئی تھی جہاں انہیں شکار کھیلتے ہوئے افریقہ کے قدیم باشندوں نے اغوا کر لیا تھا وہ دو سال ان کے قید میں رہے پھر حکومت نے مذاکرات کر کے انہیں افریقہ کے قدیم باسیوں کی قید سے رہا کروایا مگر قید کے دوران جاوید عالم کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا اور وہ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگے تھے لہٰذا انہیں سروس سے ریٹائر کر دیا گیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جاوید عالم زیادہ تر گھر ہی میں رہتے تھے مگر وہ اپنے گھر میں بھی عجیب حرکتیں کرنے لگے تھے وہ جادو ٹونا وغیرہ میں پڑ گئے تھے اکثر وہ راتوں کو قبرستان میں عجیب وغریب حرکات کرتے پائے جاتے تھے اور ان کے گھر سے بھی عجیب عجیب آوازیں آتی تھیں لہٰذا محلے والوں نے ان کے خلاف پولیس میں شکایت کر دی پولیس نے جاوید عالم کو تنبیہ کی۔ پولیس کے واقعے کے بعد جاوید عالم گھر سے غائب ہو گئے۔ اپنے شوہر کے غائب ہونے کے بعد ڈاکٹر در شہوار بھی تارک دنیا ہو گئی اور وہ بھی محلے داروں سے زیادہ و روابط نہیں رکھتی۔ محلے والوں کی دونوں میاں بیوی کے بارے میں رائے کچھ اچھی نہیں ہے۔'' کیپٹن رحمان نے تفصیل بتائی۔

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''سر میں ڈاکٹر در شہوار کے مکان کے باہر کھڑا ہوں۔''

''او کے تم ڈاکٹر در شہوار کے نگرانی کرو اگر کوئی خاص بات ہو تو مجھے مطلع کرنا۔''

''یس سر۔''

کیپٹن رحمان سے بات کرنے کے بعد میں نے اپنے آدمیوں کو چند ہدایتیں دیں اور خود عابد شاہ کے گھر کی جانب چل دیا تاکہ عابد کو تسلی بھی دے سکو اور اس سے اس واقعے کی مزید تفصیلات بھی لے سکو۔ میں اپنی جیپ میں عابد شاہ کے گھر کی جانب رواں دواں تھا میرا ذہن مسلسل اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ آخر ظل شاہ کو اغوا کیوں کیا گیا اگر پیسوں کے لئے اغوا کیا گیا تو اب تک انکل افضال کو اغوا کاروں کی جانب سے تاوان کے لئے فون آ جانا چاہیے تھا۔

اس پورے کیس میں ڈاکٹر در شہوار کا کردار خاصا مشکوک تھا پھر شہر میں پچھلے ایک سال کے دوران سو سے زائد بچوں کا اغوا ہونا اور کسی کا بھی نہ ملنا نہ ہی کسی کی لاش کا ملنا یہ حیران کن تھا کہ آخر بچے کہاں ہیں اتنی بڑی تعداد میں بچوں کا غائب ہو جانا سمجھ سے بالاتر تھا۔

میرا ذہن الجھ رہا تھا کیس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت میرے موبائل کی گھنٹی بجی۔ میں نے جیپ سڑک کنارے روکی اور موبائل آن کر کے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے کیپٹن رحمان کی آواز سنائی دی۔

''سر حیرت انگیز خبر ہے ڈاکٹر در شہوار اپنے گھر سے نکل کر ایک کچی آبادی میں گئی ہیں اور انہوں نے یہاں آنے کے لئے اپنی گاڑی کے بجائے ٹیکسی استعمال کی ہے۔''

''کچی آبادی میں وہ کس سے ملی؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ کسی سے نہیں ملی بلکہ ایک مکان میں گئی اس مکان کے متعلق میں نے معلومات کی تو پتا چلا کہ وہاں ایک مجہول قسم کا بوڑھا رہتا ہے جو کسی سے زیادہ بات نہیں کرتا بلکہ اس آبادی میں وہ بوڑھا اور اس کا مکان

آسیب زدہ کہلاتا ہے۔''

''ڈاکٹر کون سی بچی آبادی میں گئی؟'' میں نے پوچھا۔

''سر۔ غریب نگر میں۔'' کیپٹن رحمان نے جواب دیا۔

''میں غریب نگر کے قریب ہی ہوں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں تم ڈاکٹر درشہوار پر نظر رکھنا۔'' یہ کہہ کر میں نے موبائل آف کیا اور جیپ کا رخ غریب نگر کی جانب موڑ دیا۔

دو منٹ بعد ہی میں غریب نگر پہنچ گیا میں نے سیل فون کے ذریعے کیپٹن رحمان کی لوکیشن معلوم کی اور تھوڑی دیر میں میں کیپٹن رحمان کے ساتھ کھڑا تھا۔

''سر۔ وہ مکان ہے آبادی سے تھوڑا الگ تھلگ ہے۔ اس مکان تک جانے کے لئے اس گندے پانی میں رکھی اینٹوں پر چل کر جانا ہوگا۔'' کیپٹن رحمان نے کہا۔

میں اور کیپٹن رحمان گندے پانی میں رکھی اینٹوں پر احتیاط سے پیر رکھتے ہوئے اس آسیب زدہ مکان کی جانب بڑھے۔

''بدبو سی آرہی ہے۔'' میں نے فضا کو سونگھتے ہوئے کہا۔

''سر۔ چاروں طرف گندا پانی ہے بدبو تو آئے گی۔''

''نہیں گندے پانی کے علاوہ بھی ایک تیزابی قسم کی بدبو ہے۔'' میں نے کہا۔

''حیرت ہے ڈاکٹر درشہوار یہاں اتنی گندی جگہ کیوں آئی ہے کیا اس کے پاس کوئی سامان بھی تھا۔'' گندا پانی پار کرنے کے بعد میں نے کیپٹن رحمان سے پوچھا۔

''ہاں ان کے پاس ایک لکڑی کا بکس تھا۔''

''لکڑی کا بکس کتنا بڑا بکس تھا؟'' میں نے جوش سے پوچھا۔

''سر۔ تقریباً دو اڑھائی فٹ چوڑا بکس تھا جسے ڈاکٹر درشہوار نے بڑی احتیاط سے اٹھا رکھا تھا۔'' کیپٹن رحمان نے جواب دیا۔

میرا اندازہ صحیح ثابت ہو رہا تھا، ننھے خلل شاہ کو لکڑی کے بکس میں ڈال کر ہی اغوا کیا گیا ہے مگر کیوں؟ اس سوال کا جواب ابھی باقی تھا میں اور کیپٹن رحمان اس آسیب زدہ مکان کے قریب پہنچے۔

مکان پوری طرح اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اگر آج چودھویں کی رات نہیں ہوتی تو ہمیں بہت مشکل پیش آتی مگر چودھویں کے چاند کی روشنی اتنی تھی کہ ہر چیز واضح نظر آرہی تھی۔ میں نے مکان کو چاروں طرف سے دیکھا دو مرلے کا چھوٹا سا مکان تھا جس کی دیواریں بھی زیادہ اونچی نہیں تھیں میں کیپٹن رحمان کی مدد مکان کی دیوار پر چڑھ گیا اور نہایت احتیاط سے بغیر کسی آواز کے مکان کے اندر اتر گیا۔ مکان باہر کی طرح اندر سے بھی آسیب زدہ لگ رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے برسوں سے اس مکان کی صفائی نہیں ہوئی ہے میں مکان کے صحن میں اترا تھا صحن کچا تھا اور وہاں کافی کوڑا کرکٹ پڑا تھا مکان کے صحن میں بدبو ناقابل برداشت تھی میری ناک میں سوزش ہونے لگی۔

''یہاں کی فضا بہت تیزابی ہے۔'' میں نے سوچا۔ صحن میں تین چار پلاسٹک کے بڑے بڑے ڈرم رکھے تھے ایسے ڈرم جو اکثر کیمیکل وغیرہ کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میں نے ایک ڈرم کا ڈھکنا اٹھایا تو ایک تیزابی قسم کی تیز بو میری ناک ٹکرائی میں نے جلدی سے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا پھر میں نے دوسرا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر ایک چھوٹی سی جیبی ٹارچ نکالی اور ٹارچ جلا کر ڈرم کے اندر دیکھنے لگا ڈرم میں کالے رنگ کا سیال بھرا تھا میں بغور ڈرم کے اندر دیکھنے لگا۔

''اوہ یہ تو تیزاب ہے۔'' میرے ذہن نے مجھے متنبہ کیا مجھے تیزاب میں کوئی ٹھوس شے نظر آئی میں نے ڈرم کے ساتھ رکھی لکڑی سے اس ٹھوس چیز کو ہلایا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اپنی سروس کے دوران

میں نے بہت سے دردناک اور دل ہلا دینے والے مناظر دیکھیں مگر یہ منظر دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔

اندر ڈرم کے تیزاب میں ایک بچے کی لاش تھی جو تیزاب کی وجہ سے دھیرے دھیرے گل رہی تھی بچے کا۔

دھڑ کافی حد تک گل چکا تھا مگر سر ابھی سلامت تھا مجھے وحشت ہونے لگی۔ ''یا میرے اللہ۔'' دوسرے ڈرم میں جھانکتے ہی بے ساختہ میرے منہ سے نکلا کیونکہ اس ڈرم میں بھی ایک بچے کی لاش نظر آئی جو تیزاب میں آہستہ آہستہ گل رہا تھا۔ میرے اوپر سکتہ طاری تھا ہم ملٹری سیکریٹ سروس والوں کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ بڑے سے بڑا دل دہلا دینے والا واقعہ بھی ہمیں متاثر نہیں کر پاتا لیکن تیزاب میں گلتے بچوں کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی انسان اتنا شقی القلب ہو سکتا ہے کہ پھول جیسے معصوم بچوں کو اتنی دردناک موت سے ہمکنار کرے۔ مجھے جھرجھری آگئی اسی وقت میرے کانوں میں کچھ آوازیں آئیں آوازیں صحن سے ملحق کمرے سے آرہی تھی میں دبے قدموں اس کمرے کی جانب بڑھا اور کمرے کے دروازے کی جھری میں سے اندر کمرے میں دیکھنے لگا۔

''اوہ خدایا۔'' اندر کا منظر دیکھ کر میں ایک بار پھر سکتے میں آگیا۔ اندر کمرے میں ایک بت زمین پر موجود تھا سیاہ چمکدار بت جو چار ساڑھے چار فٹ اونچا تھا گول مٹول بت کی سرخ زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اس بت کی لال لال آنکھیں سامنے والے کو گھورتی محسوس ہو رہی تھی اس بت کی آنکھوں میں عجیب وحشت تھی اس بت کا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا وہ بت مکمل طور پر برہنہ تھا اس بت کے دونوں ہاتھ سامنے کی جانب پھیلے ہوئے تھے اس بت کے سامنے کی جانب پھیلے ایک ہاتھ میں ایک عجیب طرح کا خنجر تھا زگ زیگ کی طرح کے اس بڑے سے خنجر کے پھل سے خون ٹپک رہا تھا بت کے دوسرے ہاتھ میں ایک بچے کی کٹی ہوئی کھوپڑی تھی کھوپڑی سے بھی خون ٹپک رہا تھا۔ خون بہہ کر اس بت کے نیچے پڑے ہوئے ایک چوڑے برتن میں گر رہا تھا۔ بت کا پورا چہرہ اس خون میں نہایا ہوا تھا جس کی وجہ سے بت کا سیاہ چہرہ اور بھیانک ہوگیا تھا۔

یہ بھیانک منظر دیکھ کر ایک لمحے کو مجھے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا اپنی سروس کے دوران میں نے نہ جانے کتنے بھیانک مناظر دیکھے مگر مجھے کبھی ڈر نہیں لگا مگر کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر میری حالت بری ہو گئی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے سنسنی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ میں نے اپنے حواس بحال کر کے پھر کمرے میں جھانکا کمرے میں بہت ساری موم بتیاں جل رہی تھی ان موم بتیوں کو ایک خاص ترتیب سے لگایا گیا تھا اور ایک بوڑھا شخص اس بت کے گرد رقص کر رہا تھا ساتھ ہی کچھ منتر وغیرہ بھی پڑھتا جا رہا تھا۔

بوڑھے کا رقص کافی مجنونہ قسم کا تھا ایسا لگتا تھا جیسے بوڑھے کو اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ ہو۔ اس بوڑھے کی داڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی اس کے سر کے بال بھی کافی لمبے تھے وہ بوڑھا رقص کے دوران اپنے سر کو وحشیانہ انداز میں گھماتا تو اس کے بال چاروں طرف گردش کرنے لگتے جو کمرے کے منظر کو مزید خوفناک بنا دیتے۔

اس بوڑھے کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی اور رقص کے دوران اس بوڑھے کی نظریں مسلسل بت پر گڑی تھیں۔

کمرے میں ڈاکٹر درشہوار بھی ایک کونے میں کھڑی نظر آئی وہ چپ چاپ بوڑھے کا رقص دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھے نے اپنا رقص بند کیا اور بت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور کوئی منتر پڑھنے لگا پھر اس نے بت کے قدموں میں رکھا ایک لکڑی کا بکس اٹھایا اور اسے کھل کر اس میں سے کپڑے میں لپٹی کوئی چیز نکالی جب اس نے اس چیز پر سے کپڑا ہٹایا تو میں

دھک سے رہ گیا۔

اس کپڑے میں لپٹا ہوا تھا ظلِ شاہ تھا، ظل شاہ بالکل ساکت لیٹا تھا اس میں کوئی جنبش نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بوڑھے نے بت کے ہاتھ سے خنجر نکالا اور خنجر اپنے لباس سے صاف کرتے ہو بولا۔

اے زندگی اور طاقت کے دیوتا۔ آج میں تیرے قدموں میں جس بچے کی بھینٹ چڑھا رہا ہوں وہ چندر لیکھا ہے اس کے بدن پر چاند بنا ہوا ہے۔ اے دیوتا۔ میں تجھے ایک سو چوبیس بچوں کے خون سے غسل دیا ہے آج یہ ایک سو پچیس واں بچہ ہے اور بچہ بھی چندر لکھا اور آج چندرما بھی اپنی پوری آب و تاب میں ہے، اے زندگی اور طاقت کے دیوتا میری آج کی بھینٹ قبول کر لے اور مجھے ابدی زندگی دے دے مجھے امر کر دے۔ مجھے وہ طاقت دے جس سے میں موت پر فتح حاصل کر سکوں۔'' بوڑھے نے اپنا خنجر والا ہاتھ بلند کیا تاکہ ظلِ شاہ پر وار کر سکے، اب میرا رکنا فضول تھا میں نے دروازے کو ایک ٹھوکر ماری اور کمرے میں داخل ہو گیا، دروازے کی آواز سن کر بوڑھا اور ڈاکٹر درشہوار چونک اٹھے۔

''ہینڈز اپ کوئی حرکت نہیں کرنا۔'' میں نے پستول نکال کر ان دونوں پر تان لیا

''اگر پولیس والے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ ورنہ۔'' بوڑھا عجیب لہجے میں بولا

''خنجر پھینک دو ورنہ۔'' میں نے بوڑھے کو دھمکی دی

''نہیں آج میری برسوں کی تپسیا کا آخری دن ہے۔ آج کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کروں گا..... آج میں ابدی زندگی پالوں گا پھر مجھے کبھی موت نہیں آئے گی۔''

''ذلیل آدمی۔ تو نے سینکڑوں بچوں کو اس بے جان بت کی بھینٹ چڑھا دیا حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر انسان کو ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' میں دھاڑا۔

'' میں انسان نہیں ہوں۔ میں شیطان ہو ۔شیطان کا سب سے بڑا بھگت۔'' بوڑھا چیخا۔ اسی وقت ڈاکٹر درشہوار جو میرے پیچھے کھڑی تھی اس نے میرے اوپر حملہ کر دیا اس نے میری کمر پر مکہ مارنے کی کوشش کی مگر میری ملٹری کی تربیت کام آئی اور میں فوراً ذرا سا دائیں جانب ہو گیا ڈاکٹر درشہوار اپنی جھونک میں آگے نکلی تو میں نے پیچھے سے اس کی کمر پر زوردار لات رسید کی۔ ڈاکٹر درشہوار سیدھی اس بوڑھے سے ٹکرائی اور بوڑھے کے ہاتھ میں پکڑا خنجر ڈاکٹر درشہوار کے جسم میں اتر گیا۔ ڈاکٹر درشہوار کے جسم سے خون کا فوارا بلند ہوا اور وہ کمرے کے فرش پر گر کر تڑپنے لگی، ڈاکٹر درشہوار کی چیخیں بہت بھیانک تھیں۔

''ظالم یہ تو نے کیا کیا میری بیوی۔ میری ساتھی کو مار ڈالا۔'' بوڑھا پھر چیخا۔

''بیوی۔'' میں حیرت سے بڑبڑایا پھر میں نے غور سے بوڑھے کو دیکھا اس کے نقوش کافی بدلے ہوئے تھے مگر وہ جاوید عالم تھا۔ ڈاکٹر درشہوار کا شوہر۔ جو ایک سال پہلے غائب ہو گیا تھا۔

''تم جاوید عالم ہو فارن سروس کے ملازم۔ تم نے یہ جنتر منتر یہ جادو ٹونا وغیرہ افریقہ کے قدیم باسیوں سے سیکھا۔''

''ہاں۔ افریقہ میں بڑے بڑے وچ ڈاکٹر ہیں جن کے پاس ایسے ایسے منتر ہیں کہ وہ دنیا کو بھسم کر سکتے ہیں۔''

''احمق آدمی اگر ایسا ہوتا تو افریقہ کے باسی اچھی زندگی نہ گزار رہے ہوتے یہ سب بکواس ہے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

نہیں یہ صحیح ہے اور آج میں یہ ثابت کر دوں گا آج میں ابدی زندگی پالوں گا۔ بھینٹ کا وقت نکلا جا رہا ہے چندرما اپنے پورے جوبن پر آ گیا ہے۔'' اتنا کہہ کر اچانک جاوید عالم نے مجھ پر حملہ کر دیا وہ خنجر لہراتا ہوا میری جانب آیا، میں اپنی ایڑیوں کے بل گھوم گیا اور میں نے اس کی کمر پر لات رسید کی وہ ڈکراتا ہوا دیوار سے جا

ٹکرایا اور دیوار سے ٹکراتے ہی زمین پر گر پڑا مگر پھر فوراً کھڑا ہو گیا۔

''وہیں رک جاؤ ورنہ۔'' میں نے پستول سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے دھمکی دی مگر ایسا لگتا تھا جیسے جاوید عالم پر جنون طاری ہو گیا ہو وہ چیختے ہوئے مجھ پر پھر حملہ آور ہوا اب میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا میں نے اس کے خنجر والے ہاتھ کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی گولی سیدھی جاوید عالم کے دائیں کندھے میں پیوست ہو گئی اور وہ تکلیف سے چیختا ہوا زمین پر گر پڑا۔

خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس کے کندھے سے خون بہنے لگا مگر حیرت انگیز طور پر اس کے خون کا رنگ سرخ کے بجائے سیاہ رنگ کا تھا۔

فائر کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر جاوید عالم کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری۔ ظالم انسان تو نے معصوم بچوں کو دردناک موت دی اگر میرا بس چلتا تو میں بھی تجھے زندہ تیزاب میں ڈال دیتا۔

اسی وقت مجھے بچے کے رونے کی آواز آئی، میں نے گھوم کر دیکھا تو ظلِ شاہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ پیر ہلا کر رو رہا تھا۔

ظلِ شاہ کو زندہ دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی، میں لپک کر ظلِ شاہ تک جانا چاہتا تھا مگر اسی وقت جاوید عالم نے میری ٹانگ پکڑ لی اور اپنے دانت میری پنڈلی میں گاڑ دیئے۔ درد اور تکلیف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی، میں نے اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے پستول کا دستہ زور سے جاوید عالم کے سر پر مارا تو وہ چیختا ہوا پیچھے کی جانب الٹ گیا پھر میں نے اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا وہ ادھ موا ہو گیا۔

میں نے پیچھے ہٹ کر اپنے پیر کا معائنہ کیا جاوید عالم کے دانتوں نے میری پنڈلی کا گوشت ادھیڑ دیا تھا، میں نے جلدی سے پنڈلی پر رومال باندھا کہ خون زیادہ نہ بہہ جائے۔ ظلِ شاہ مسلسل رو رہا تھا میں نے ظلِ شاہ کو گود میں اٹھایا اور سینے سے لگایا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور کیپٹن رحمان کمرے میں داخل ہوا اندر کا منظر دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا۔

''سر۔ یہ۔'' کیپٹن رحمان نے بت اور بچے کی سر کٹی لاش کی جانب اشارہ کیا۔

''یہ ہے وہ ظالم انسان جس نے شہر سے سو سے زائد بچے اغوا کیے اور ان معصوم بچوں کو اس بت کی بھینٹ چڑھا دیا۔'' میں نے نفرت سے جاوید عالم کی جانب اشارہ کیا۔ ''باہر جو ڈرم رکھے ہیں اس میں تیزاب ہے یہ ظالم بچوں کو مار کر انہیں تیزاب میں گلا دیتا تھا۔''

یہ سن کر کیپٹن رحمان نے جھرجھری لی۔ ''سر یہ تو غیر ملکی جاسوسوں سے بھی زیادہ ظالم نکلا۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو اگر میرا بس چلتا تو اس کو بھی میں اسی تیزاب کے ڈرم میں ڈال دیتا۔''

''کیپٹن۔ تم پولیس کو فون کر کے اس مکان کی لوکیشن بتاؤ۔'' تھوڑے توقف کے بعد میں نے کیپٹن رحمان سے کہا اور خود عابد شاہ کو ظلِ شاہ کے زندہ ملنے کی خوشخبری سنانے کے لئے فون کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں پولیس کے اعلیٰ افسران موقعے پر پہنچ گئے۔

عابد شاہ بھی میرا فون سنتے ہی دوڑا چلا آیا، میں نے ظلِ شاہ کو اس کے حوالے کیا اور اسے ہسپتال لے جانے کی تاکید کی۔ ''شکر ہے ظلِ شاہ کو کچھ نہیں ہوا تھا بس اسے نیند کا انجکشن دیا گیا تھا۔''

پولیس نے اس ساری کارروائی کا کریڈٹ خود لے لیا کیونکہ میں اور میری ٹیم میڈیا کے سامنے نہیں آسکتی تھی مگر مجھے خوشی تھی کہ میں یہ کیس حل کرنے میں کامیاب رہا اور میں نے ظلِ شاہ کو زندہ بچا لیا۔

گرفتاری کے بعد جاوید عالم پر کیس چلا اور اسے پھانسی کی سزا ہو گئی مگر پھانسی پانے سے پہلے ہی اس نے جیل میں خودکشی کر لی۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

زندہ صدیاں

ایم اے راحت

قسط نمبر: 07

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر جھلمل کرتی، قوس قزح کے دھنک رنگ بکھیرتی، حقیقت سے روشناس کراتی، دل و دماغ میں ہلچل مچاتی ناقابل یقین ناقابل فراموش انمٹ اور شاہکار کہانی

سوچ کے نئے دریچے کھولتی اپنی نوعیت کی بے مثال، لاجواب اور دلفریب کہانی

''میں نے بہت کچھ دیکھا ہے اس سنسار میں۔ بڑا بڑا عجیب اور حسین ماحول لیکن اس سے نجانے میں کیسا محسوس کررہی ہوں۔ بڑا عجیب لگ رہا ہے مجھے بہت ہی عجیب۔'' کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

''ہاں واقعی بڑا سحر انگیز ماحول ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کوروتی تم تو خیر بہت سی صدیاں گزار چکی ہو، تمہاری زندگی میں تو نجانے کیسے کیسے مناظر آئے ہوں گے۔ میں نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اپنی زندگی میں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ذہنی اختراع زیادہ ہوتی ہے۔ انسانی ذہن جہاں تک پہنچ سکتا ہے اگر الفاظ سے رشتہ ہو تو ایک ادیب اپنے مناظر میں پڑھنے والے کو نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے جبکہ وہ منظر وہ ماحول صرف اس کے ذہن میں ہوتا ہے وہ وہاں سے گزرا نہیں ہوتا لیکن اس کی سچی لگن اور سچے الفاظ ان مناظر کو حقیقی بنا دیتے ہیں۔''

کوروتی میرے الفاظ سے بہت متاثر تھی۔ اس نے کہا۔

''بڑا سحر انگیز ماحول ہے وہ دیکھو..... چاند اپنی بلندی پر پہنچ رہا ہے۔''

میں اور کوروتی چاند کے آسمان تک پہنچنے کا انتظار کررہے تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ بوڑھا تجگیت خود ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا۔ تو ہم دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف چل پڑے۔

''تم لوگ جاگ رہے ہو۔''

''ہاں بابا! آپ نے ہمیں ایسی جگہ پہنچا دیا ہے کہ نیند ہماری آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی ہے۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' بوڑھے نے کہا اور ہم دونوں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

چاند آسمان کے بیچوں بیچ جا کر ٹک گیا تھا۔ روشنی کا حسین مناظر ناقابل فراموش تھا۔ میرے ساتھ صدیوں پرانی ایک انوکھی روح سفر کررہی تھی اور ایسی روح جسے روح بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اور لازمی طور پر ایک طویل عمر کے زندہ وجود کو تسلیم کیا جاسکتا تھا۔

ہم آگے بڑھتے رہے اور اس کے بعد اس ٹیلے پر پہنچ گئے۔ ٹیلے سے تھوڑے فاصلے پر ایک اور ٹیلا سا بنا ہوا تھا اور اس ٹیلے پر ایک ابھری ہوئی سی جگہ نظر آرہی تھی لیکن جو کچھ ہماری آنکھوں نے دیکھا وہ ناقابل فراموش تھا۔ چاند کی روشنی اس جگہ کو نمایاں کررہی تھی جہاں دو انسانی وجود اس ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ایک

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdunovels.net

www.urdutube.net
www.urdumovies.net

دوسرے کو دیکھ رہے تھے میں اور کوروتی دنگ رہ گئے اور بڑی عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہوگئے۔

''یہ دونوں کون ہیں بابا۔''

''دو محبت کرنے والے دو پریم روگی جن کی کہانی میں تمہیں سنا رہا تھا اور چاند کی ان تاریخوں میں جب چندرماں جوانی پر ہوتا ہے یہ دونوں یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں اور چاندنی میں ایک دوسرے سے راز و نیاز کرتے ہیں۔ میں تمہیں ثمن گپتی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ میرے دادا سے اجازت ملتے ہی یہ بنجارے ٹیلے کے آس پاس رہنا شروع کرچکے تھے۔ گھر گھر گھومنے والے بنجارے فقیروں، پرندوں، ہواؤں، بادلوں کی طرح کہیں جم کر نہیں ٹکتے، ان کے مزاج، لہجے، جذبے، ارادے، خوبصورتیاں، چاہتیں اور دشمنیاں بھی موسموں، رتوں، رشتوں، منظروں، جگہوں اور ضرورتوں کی ساتھی ہوتی ہیں۔ بس یہ غصیلے جابر، جاہل گنوار اونٹ جیسے کینہ توز ہوتے ہیں۔ بس ان کو رزق چاہئے اور رزق کی خاطر یہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ غیرت، اخلاق، مذہب، حلال، جائز وغیرہ یہ کسی کے معنی اور مطلب نہیں جانتے۔ اکثر مرد بدشکل اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور لڑکیاں زنگی مشکی اور حسین نقوش کی مالک ہوتی ہیں۔ ان کی اکثریت کے پاس انتہائی مہلک قسم کے ہتھیار ہوتے ہیں اور ان ہی کی بنا پر یہ ہر جگہ قیام کرلیتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش ہوتے ہیں اور اپنی فطرت اور ضرورت کے مطابق میلہ کما کر کسی نئی جگہ کی تلاش میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قیام کے دوران اگر کوئی مرجائے تو یہ بغیر کسی شور شرابے یا رونے پیٹنے کے خاموشی سے مردے کو کسی بے آباد جگہ یا جھونپڑی جہاں ان کے قیام ہوتے ہیں گڑھا کھود کر گاڑ دیتے ہیں۔ نہ کہیں اطلاع نہ اندراج۔ اسی طرح کسی بچے کی پیدائش بھی ان کے ہاں ایسے ہی ہوتی ہے۔ ان کی عورتوں میں زچگی کی حالت میں آرام اور احتیاط برتنے کا کوئی تصور نہیں اور نا ہی کسی خاص اہتمام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ آخری دنوں کا حمل اٹھائے ہوئے بھی محنت و مشقت سے بھیک مانگتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مستانہ آنکھوں میں سرمہ اور ہونٹوں پر دنداسہ ناک میں دونوں طرف سونے اور چاندی کی لونگیں، بڑے ناز و ادا سے ہتھیلی پھیلائے بھیک مانگتی رہتی ہیں۔ ان کے مانگنے کا انداز ایسا ہوتا ہے جیسے وہ آپ سے بھیک نہ مانگ رہی ہوں بلکہ آپ کو اپنے حسن کی بھیک دے رہی ہوں۔ ویسے ٹولیاں بنا کر چلتی ہیں تاکہ کہیں کوئی ان کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

تو میں بات کر رہا تھا ثمن گپتی کی کہ وہ بھی دوسری عورتوں اور لڑکیوں کی طرح بھیک مانگنا یا نخرے دکھا کر لوٹ مار کرنا پسند نہیں کرتی تھی چونکہ بنجاروں کے قبیلے کی سردار تھی۔ ہاں وہ کبھی کبھی دوسری لڑکیوں کے اصرار پر قرب و جوار میں ضرور نکل جاتی اس کی ساتھی لڑکیاں تو گانا بجانا بھی کرلیتی تھیں۔ مگر یہ جگہ جگہ ڈگڈگی بجا کر ماہر نے سنانا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ البتہ یہ اس کی برکت تھی یا اس کے حسن کی برکت کہ جب بھی دن ڈھلے وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کے ساتھ ڈیرے پر واپس لوٹتی تو ان کے پلو، چادریں، اجناس اور دوسری کھانے پینے کی اشیاء سے بھری ہوتی تھیں۔ چھوٹی موٹی رقمیں بھی پلو کی گانٹھ میں بندھی ہوتی تھیں اور یہ سب اس وقت ہوتا جب ثمن گپتی ان کے ساتھ جاتی تھی۔ جب وہ واپس پلٹتی تب بھی خالص، مدھ بھری، معصوم سی، بھینی بھینی خوشبو والی ثمن ہوتی۔ اس کا باپ اسے دیکھ کر جیتا تھا وہ جانتا تھا کہ ثمن ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ آتی ہے۔ بھیک تو وہ مانگے جو بھکاری ہو یا جس کا ذہن مانگنے والوں کا ذہن ہو۔ اس کے سوچ اور خیالات بھکاریوں جیسے ہوں۔ اس کا انگ انگ بھکاریوں سا ہو۔ اس کے پیٹ میں بھوک اور طبیعت میں ہوس ہو جو حسن و جمال سے سرشار ہو اس کا خیالوں سے کیا واسطہ۔ چنانچہ بوڑھا باپ جب بھی وہ واپس آتی اس کی پیشانی کو آگے بڑھ کر چوم لیتا اور پھر سوچ کی کوئی لہر اس کے جھریوں بھرے چہرے کو اور

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

جھریوں میں لپیٹ دیتی۔ کہاں سے لاؤں گا میں اس کے لئے بَر۔ اس ہیرے کو کہاں چھپا کر رکھوں گا۔ وہ تو سات پردوں سے نکل کر بھی اپنی شناخت کرا سکتی ہے۔ لیکن اس شہزادی کے لئے شہزادہ کہاں سے آئے گا۔ اس کے اپنے قبیلے میں تو کہیں دور دور تک اس کی جوتیوں کو بھی چومنے کے کوئی قابل نہیں تھا۔ انجانے خدشے خیالات اس کو دہلا کر رکھ دیتے اور وہ بازو بڑھا کر اپنی لختِ جگر کو اپنی گود میں بھر لیتا جیسے وہ اسے اپنی حفاظت میں لے کر دنیا سے چھپا لینا چاہتا ہو۔

یہ تو وہ چنگاری ہے جسے بھوسے بھرے گھر میں زیادہ دیر رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس چنگاری کے متعلق سوچ بچار اگر عملی جامہ نہ پہنایا جائے تو پھر ذرا سی کوتاہی اور غفلت سے پورے گھر گھرانے کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ ثمن گیتی کی نہ تو ماں زندہ تھی نا کوئی بھائی بہن جو اس کے بوڑھے باپ کو سہارا دیتے۔ روئے تو اس کی آنکھیں پونچھتے اور اس کی ڈھارس بندھاتے۔ بیٹی کا پھولوں جیسا بوجھ ہوتا ہے۔ پھر اس کا باپ بھی بوڑھا تھا اس کی مرنے والی بیوی بھی بہت خوب صورت اور طرح دار تھی۔ لیکن بیٹی کو جنم دیتے ہی وہ مر گئی تھی۔ ایک خوفناک حادثہ ہوا تھا۔ بچی کو اوپر کے دودھ پر ڈال دیا گیا۔ دودھ کا اثر تھا یا جنم کا کوئی پھیر کہ کچھ عرصے کے بعد بچی کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہونے لگے ان میں عجیب سے بل آ گئے تھے۔

''لگتا ہے کوئی ہوا اس کو لگ گئی ہے۔ بھگوان بھلا کرے۔ عمر بڑھے گی تو ہوسکتا ہے کچھ فائدہ ہو جائے۔''

لیکن اس حسین ترین بچی کی یہ کیفیت دیکھ کر باپ کے دل پر جو کچھ بیتی تھی وہ وہی جانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بڑی ہونے لگی۔ تین یا چار سال گزر گئے لیکن ثمن کے ہاتھ پاؤں اسی طرح ٹیڑھے کے ٹیڑھے رہے۔ ایسی پیاری بچی اور اس کی یہ حالت جو دیکھتا دکھ کا شکار ہو جاتا۔ یہ نامراد بیماری کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ جو کچھ بھی ممکن ہوسکتا تھا کیا جاتا تھا۔ طرح طرح کے تیل جسم پر استعمال کئے جاتے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔ پھر بہت عرصہ بعد یہ بنجارے کسی مسلمان بزرگ کے مزار پر گئے۔ رنگ و نسل..... مذہب و ملت سے دور بوڑھا باپ اسے سلام کرانے کے لئے بزرگ کے مزار پر گیا اور ان کے قدموں میں جا گرا۔ مزار سے تھوڑے فاصلے پر دریا کے کنارے خانہ بدوشوں کا ایک اور قبیلہ ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ یہیں اس کی ملاقات ایک عمر رسیدہ بزرگ سے ہوئی اور باپ نے بچی کو اس عمر رسیدہ بزرگ کی گود میں پھینک دیا اور بابا کے پاؤں پکڑ کر رو کر بولا۔

''بابا..... اس بچی کو دیکھو اس کی شکل و صورت کو دیکھو اور اس کے ہاتھ پاؤں کو دیکھو۔ میری اکلوتی بن ماں کی بچی، میرا اس کے سوا سنسار میں اور کوئی نہیں ہے۔ یہ میری مرنے والی بیوی کی نشانی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں دیکھو۔ پیدا ہوئی تھی تو ٹھیک تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہونے لگے۔ بڑے جتن کئے لیکن کچھ بھی نہ حاصل ہوسکا۔ بابا میں اسے اس ارادے سے یہاں لایا ہوں کہ یا تو اس پاک مزار پر اسے صحت دلوا دوں ورنہ پھر بزرگ سے کہیں کہ اسے موت دے دیں۔ میں اسے کہاں پار لگاؤں گا۔ اگر یہ ٹھیک نہ ہوئی تو میں اسے اسی دریا میں دھکیل دوں گا۔ بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ قبیلے بھر میں سب سے خوب صورت ہے مگر دیکھو کیا کر رہی ہے۔ یہ اب سمجھدار ہوئی ہے اپنی اپاہج زندگی سے اکتائی ہوئی لگتی ہے۔ منہ سے کسی سے کچھ نہیں کہتی لیکن روتی رہتی ہے۔''

بزرگ آنکھیں بند کئے خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے اور جب بوڑھا باپ خاموش ہو گیا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ مسکراتے ہوئے ایک نظر بچی پر ڈالی اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ ہاتھ سر پر رکھ کر انہوں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور کہیں گم ہو گئے۔ ان کا ہاتھ بچی کے سر پر ہی رہا تھا اور وقت جیسے ٹھہر گیا

تھا۔ بچی بھی پتھر کی سل بنی رہی تھی اور کافی دیر کے بعد بزرگ نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے اس کے سر سے ہاتھ ہٹایا اور پھر بوڑھے بنجارے سے بولے۔

''انسان کو ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی راز چھپا ہوتا ہے۔ جہاں تکلیفیں، مرض، بیماریاں آتی ہیں وہیں ان کے لئے شفا بھی اتاری گئی ہے۔ لیکن کچھ بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے چھٹکارا پانا مشکل ہوجاتا ہے۔ انہی بیماریوں میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ پیدائش کے وقت اناڑی دائیوں سے کچھ بھول چوک ہوجاتی ہے۔''

''لیکن بابا پیدائش کے وقت اور اس کے بعد بھی یہ بالکل ٹھیک تھی۔'' بنجارہ کسی خوفناک سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔ ''بابا صاحب اس کی بیماری کا کوئی علاج بھی ہے؟''

''ہاں! بیٹا ہر وہ مشکل بیماری جس کا کوئی علاج ممکن نہ ہو۔ ایسی بیماری کا بھی ایک حتمی علاج ہوتا ہے۔ لیکن وہ علاج بڑی سنگٹ اور تپسیا مانگتا ہے۔ بھینٹ چاہتا ہے وہ۔''

''میں اپنی بچی کے جیون کے لئے اپنی جان تک بلی کرسکتا ہوں بابا۔'' بوڑھے نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

''نہیں اپنی جان کی بلی دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ بلی بھی اسی بچی کو دینی پڑے گی۔''

بوڑھے باپ نے حیرانی سے بزرگ کو دیکھا۔ تو بزرگ کہنے لگا۔

''میں سمجھاتا ہوں تجھے۔ دیکھو یا تو اس کو یونہی رہنے دو یہ مکمل ہے۔ اس کی شادی بھی کرسکتے ہو گھر بال بچے یہ سب کچھ ہوگا اور یہ بالکل نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے پیدا ہونے والے بچے بھی اسی طرح کے ہوں گے۔ یہ تو پیدا کرنے والے کی اچھا ہوتی ہے۔ کیا سمجھے۔''

''لیکن بابا آپ سمجھ نہیں رہے۔ جس ناری کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے ہوں اس سے کون مورکھ بیاہ کرے گا۔ یہ صرف عورت ہی تو نہیں ہے ماں بھی ہوگی، گھر کی بہو بھی ہوگی، گھر کے کام کاج بھی ہوگے۔ ہم بنجارے جس طرح جیون بتاتے ہیں آپ کو اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے، ہمارا تو کام ہی دربدر پھرنا، بھیک مانگنا اور جیون بتانا ہوتا ہے۔ اسے کون قبول کرے گا صرف صورت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔''

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو..... ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن ایک علاج بھی ہے اس کا اگر اللہ نے چاہا تو یہ ٹھیک ہوجائے گی۔''

امید کی ایک کرن بوڑھے باپ کے دل و دماغ پر چمکی اور اس نے آگے بڑھ کر بزرگ کے پاؤں پکڑ لئے۔

''کیا بابا! وہ کون سا علاج ہے۔''

''اگر اس کے مڑے ہوئے ہاتھ پاؤں ٹھیک ہوجائیں تو پھر یہ شادی نہیں کرسکے گی۔ اس کی شادی نہ کرنا بہتر ہوگا کیونکہ جو مرد اس کے جیون میں آئے گا وہ جیتا نہ رہے گا اور مرجائے گا۔''

''کیا؟'' بوڑھا باپ حیرت سے اچھل پڑا۔

''ہاں وہ پھر جیتا نہ رہ سکے گا۔ دیکھ لو اور سوچ لو یا تو اس کا علاج کرکے اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کردو یا پھر اسے اسی طرح رہنے دو۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''بابا! کوئی بھی باپ اپنی بیٹی سے اس کی عورت چھیننے کی جرات نہیں کرسکتا۔ دنیا میں لاکھوں عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پتی نہیں ہوتے۔ مرجاتے ہیں یا وہ شادی نہیں کرنا چاہتیں لیکن انہیں یہ احساس ہی سکون دیتا ہے کہ وہ مکمل عورت ہیں اور ایک ایسی چیز جو بھلے اندر سے عورت ہی ہو مگر اپاہج سمجھی جائے اور اس کا مرد اس کے ساتھ جیتا نہ رہ سکے تو یہ تو ہین تو ایک عورت کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ اس کے لئے تمام عمر کا دکھ ہوگا۔ بابا اگر اس کا کوئی علاج ہے تو بھگوان کے لئے مجھے بتادو۔ کیسی لگتی ہے یہ اس کا ماتھا دیکھو اس کی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

آنکھیں دیکھو، اس کے ہونٹ، دانت اس کا بھول پن، مڑے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ یہ سب کچھ کتنا عجیب لگتا ہے۔ اسے پیالہ تھما کر لمبا سبز جھولا پہنا کر بازار لے جائیں تو لوگ اسے خیرات کے خزانے بھر دیں گے۔ لیکن...... لیکن بابا اس کا عورت پن ختم ہو جائے گا۔ میں اپنے قبیلے کا سردار ہوں، مجھ سے کوئی میری سرداری لے لے سب کچھ چھین لے، پر میری بچی کے ہاتھ پاؤں ٹھیک ہو جائیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ جو میں تجھے بتاؤں گا اسے تو اپنے من میں رکھے گا۔ اگر تو نے میری ان بتائی ہوئی باتوں کو کسی اور کو بتا دیا تو سمجھ لے کہ جو کچھ ہوگا تو سوچ بھی نہیں سکے گا۔ تیرا سارا قبیلہ اپاہج ہو جائے گا۔“

”میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا بابا جی! آپ مجھے بتایئے۔“

اور بوڑھا بابا اسے آہستہ آہستہ سمجھانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن جب ساری تفصیل اس کے علم میں آئی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ایسا جوکھم والا کام پر کیا کیا جائے۔ اولاد تو بڑے بڑے امتحانوں سے گزار دیتی ہے۔ اس کے لئے ماتا پتا کو بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے۔ وہ بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے بابا! میں یہ سب کچھ کروں گا......“

”تو جا یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی اور سنسار اس کے نام کی مالا جپے گا۔“

بہر حال بوڑھا باپ واپس آ گیا اور اس کے بعد اس نے اس جگہ سے اپنے ڈیرے اٹھا دیئے جہاں وہ مقیم تھا۔ بزرگ کی ہدایت پر وہ سارے کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے قبیلے کو لے کر ایک دور دراز علاقے میں جا نکلا جو کتنا پھیلا بے آب و گیاہ تھا۔ وہاں اس نے اپنی جھونپڑیاں نصب کر دیں۔

ادھر شمن کچی اب بچی نہ رہی تھی جو اپنے بھلے برے باپ کی پریشانی اور اس کے جذبات کو نا سمجھ پاتی۔ وہ سب کچھ جانتی اور سمجھتی تھی۔ اس نے وہ گفتگو بھی سنی تھی جو اس بزرگ اور اس کے بوڑھے باپ کے درمیان ہوئی تھی۔ بابا نے اسے جیون کا ایک نیا سندیس دیا تھا۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اس بات سے بھی آگاہ ہو چکی تھی کہ ہاتھ پاؤں ٹھیک ہونے کے بعد بیاہ کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو سکے گا اور وہ جس مرد کو پتنی یا عورت کی حیثیت سے چھوئے گی وہ مر جائے گا۔

آنے والے چند دن اس کے پتا نے بہت مصروف گزارے اور اپنے کام میں مصروف رہا۔ بنجارہ تھا۔ میدانوں، جنگلوں، پہاڑوں اور ان میں رہنے والے حشرات الارض کے بارے میں خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے ساتھی بنجاروں نے کئی بار بڑے بڑے سانپ پکڑے انہیں مارا اور انہیں بیچا تھا اور اب اسے ایک ایسے ناگ کی ضرورت تھی جس کے بدن پر کوئی بھی دھبہ نہ ہو۔ سر سے پاؤں تک کالا سیاہ دانتوں کے بغیر زندہ یا مردہ چاہئے تھا اور وہ اس کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ خود بھی سانپ پکڑنا جانتا تھا۔ جیون میں بہت سے سانپ پکڑے تھے۔ ایک بار تو اسے شیش ناگ ملتے ملتے رہ گیا تھا اور اسے برسوں حسرت رہی تھی کہ کاش شیش ناگ اسے حاصل ہو جاتا اور وہ اس کا منکا لے لیتا۔

خیر وہ اپنی کوشش میں سرگرداں رہا اور آخر کار اسے ایک ایسا ناگ مل گیا جو اس کی ضرورت کے لئے پورا تھا۔ اس نے ناگ کو جان جوکھوں میں ڈال کر پکڑ لیا اور اسے ٹوکرے میں بند کر دیا۔ اب اسے کالی سرسوں کے بیج اور دیگر ضروری چیزوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ یہ تمام چیزیں لے آیا اور دوسرے دن صبح وہ اپنے جھونپڑے کے پچھواڑے ایک جگہ منتخب کر کے کھرپی سے زمین کھودنے لگا۔ جب حسب منشا زمین کھد چکی تو اس نے بابا کی ہدایت کے مطابق بغیر دانتوں کے کالے ناگ کو ٹوکری سے باہر نکالا۔ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے جبڑے دبا کر منہ کھولا، دائیں ہاتھ سے وہ بوٹی نکالی جسے تلاش کرنے میں بھی اسے کافی مشکل پیش آئی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

تھی۔ لیکن بنجارے جڑی بوٹیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور کبھی کبھی حکیموں اور ویدوں کے ہاتھ یہ جڑی بوٹیاں مہنگے داموں فروخت کردیتے ہیں۔ کاسنی بوٹی اسے آسانی سے حاصل نہیں ہوسکی تھی لیکن مل گئی تھی۔ تب اس نے کاسنی بوٹی ایک چٹکی سے دبا کر اس کے قطرے ناگ کے حلق میں اتارے اور اسے دوبارہ ٹوکری میں بند کردیا۔ دو چار منٹ کے بعد اس نے ٹوکری کھول کر دیکھی تو وہ خوفناک کالا ناگ جو کوئی چار ہاتھ لمبا تھا مرچکا تھا۔ کاسنی بوٹی سانپ کے زہر سے بھی زیادہ خوفناک تھی جس کو یہ کالا ناگ برداشت نہیں کرسکا تھا اور حیرانی کی بات تھی کہ اس نے انسان کے اس ازلی خوفناک دشمن کو دو چار منٹوں میں ہی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

بہرحال بابا کی ہدایت کے مطابق بوڑھے بنجارے نے کوئی ڈیڑھ بالشت بھر زمین کھودی اور اندر مردہ سانپ جلیبی کی شکل میں پھیلا کر رکھ دیا اوپر ہرمل کے دانے چھڑک دیئے۔ پھر حقے کا سڑا ہوا پانی انڈیل کر گڑھے کو گردن تک مٹی سے بھر دیا اور کالی سرسوں کے بیج بکھیرے اور ایک بار پھر حقے کا بدبودار پانی اس پر ڈالا اور اوپر بڑا ٹوکرا رکھتے ہوئے شمن کیتی کو بلایا اور بولا۔

''دیکھو بیٹا یہ سب میں تیرے لئے کر رہا ہوں۔ تجھ سے زیادہ بھروسہ میں کسی پر نہیں کرسکتا۔ حالانکہ میں بنجاروں کا سردار ہوں اور یہ میرے ہر حکم کی تکمیل کرتے ہیں لیکن چونکہ بابا صاحب نے یہ کام میرے اور تیرے لئے کیا ہے اس لئے تو خود ہی سب کچھ کرے گی میں تجھے بتا رہا ہوں کہ یہ تیرے جیون کے لئے بہت بڑا کام ہو رہا ہے۔ اب تو اس جگہ پر ہر وقت نظر رکھیو...... کوئی بھی یہ رکھا ہوا ٹوکرا نہ اٹھائے۔ نہ کوئی جناور ادھر آئے۔ تیس دن جب پورے ہوں گے تو یہاں سرسوں اگ آئے گی جس کے بیج میں نے اندر ڈالے ہیں اور پھر ان دانوں سے تیرے لئے ایک تیل نکالا جائے گا۔ تجھ پر یہ لازم ہے کہ ہر روز صبح شام ٹوکرے کے اوپر سے ہی پانی سے ترائی کرتی رہیو۔''

یہ کہہ کر بوڑھے بنجارے نے ٹوکرے کے ارد گرد ایک بڑے بانس کی تیلیاں ٹھونک دیں اور رسی کی مدد سے کھونٹے گاڑ کر ٹوکرے کو مضبوط کردیا تاکہ اسے ہٹایا نہ جاسکے۔ وقت کی چکی چل پڑے تو صبح، دوپہر، شام و رات، ایک دن پھر وہ بات ہفتوں عشروں اور پھر مہینے، سال، صدیوں، نسلوں تک سب کچھ پیس کر کھرل کردیتی ہے۔ یہ تو پھر ایک چاند کا اتر تا چڑھتا تھا۔ چند دن نیلی پیلی رتوں ایک آدھ بارش کی جس کی راتوں اور چمکتی ہوئی دوپہروں کے آجانے سے کالی سرسوں کے پھول پتوں سے ٹوکرا بھر گیا بلکہ پھول پتے ٹوکرے کے چھتر ے سوراخوں سے باہر بھی جھانکنے لگے تھے۔ قرب و جوار کے ماحول نے سرسوں کی خوشبو سے ہواؤں کو معطر سا کردیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ چودھویں کے چاند کی آخری رات آگئی۔

یہ وہی وقت اور سماں تھا جب اس کالی سرسوں کے بیجوں والے پھولوں کی چاندی کی دھیمی دھیمی روشنی میں علیحدہ کرتا تھا اور انہیں محفوظ کرتا تھا۔ شمن کیتی اچھے پن کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ اسے خود بھی اس بات کی خوشی تھی کہ ہوسکتا ہے بھگوان اسے بھی عام لڑکیوں جیسا کردے۔ اس کے ہاتھ پاؤں بھی سیدھے ہوجائیں۔

چنانچہ وقت آنے پر باپ بیٹی ایک کھلے منہ والا شیشے کا مرتبان لے کر ٹوکرے کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر جونہی رات کا دوسرا پہر لگا بوڑھے بنجارے نے ٹوکرے کی رسیاں کاٹنا شروع کردیں۔ سرسوں کی جھاڑیوں میں پھنسا ہوا ٹوکرا بڑی مشکل سے علیحدہ ہوگیا۔ چاندنی ماحول کو بہت پراسرار کئے ہوئے تھی۔ چاندنی اپنے شباب پر تھی۔ زمین کا ایک ایک ذرہ نگینوں کی مانند دمک رہا تھا۔ آخرکار سرسوں کے پتوں سے ٹوکرا علیحدہ کرلیا اور یوں لگا جیسے حیرت کا کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ عجیب سی پراسرار خوشبو جو انسانوں کے لئے سونگھنے کے لئے نہ ہو پریوں اور پری زادوں کے پروں کے پسینے جیسی جسے اگر زیادہ دیر تک سونگھا جائے تو

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

انسان ایک عنصر لطیف میں تبدیل ہو کر فضا میں تحلیل ہو جائے۔ چمکتے ہوئے سیاہی مائل نیلگوں پتوں، پھولوں اور ڈنٹھلوں کا چھوٹا سا ایک جنگل، ہر ڈنٹھل کالی ناگ بوٹی کی طرح دل میں خوف پیدا کر دینے والا، سو یہی کیفیت ان دونوں باپ بیٹی کی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑے ان جھاڑیوں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ بوڑھے بنجارے نے ہاتھ بڑھا کر اس میں سے ایک ڈنٹھل اکھاڑ لیا۔ لیکن اچانک ہی اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی، ڈنٹھل کی ڈنڈی سے ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے ڈنٹھل پھینک دیا۔

کافی دیر تک دونوں باپ بیٹی بیٹھے حیرت سے ان سانپوں کی کھیتی کو دیکھتے رہے۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک تنکے سے کیڑے کو چھیڑا تو کیڑا ڈنٹھل سے علیحدہ ہو کر نیچے زمین پر گر پڑا۔ نہ تو کیڑے نے کوئی حرکت کی اور نہ ہی اس کے اندر کوئی مزاحمت پیدا ہوئی۔

بنجارے نے دوبارہ اسے تنکے سے الٹ پلٹ کیا نیلے رنگ کا ننھا سا سانپ اسی طرح بے حس و حرکت رہا۔ جیسے زندہ ہی نہ ہو۔ تب بنجارے نے دوسرا قدم اٹھایا۔ دونوں نے ڈنٹھل اکھاڑنے شروع کر دیئے۔ ہر ڈنٹھل سے کیڑے لپٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے پاس کیڑوں کا بھی ڈھیر لگ گیا..... سارے ہی چھوٹے چھوٹے سانپ بے حس و حرکت تھے جیسے زندہ نہ ہوں۔ غرض یہ کہ باپ بیٹی ساری کالی سرسوں اٹھا کر اندر اپنے جھونپڑے میں لے آئے اور باپ کے اشارے پر بیٹی بھی بیجوں والے پھول علیحدہ کر کے شیشے کے مرتبان میں ڈالنے لگی۔

ایک گھنٹے میں دونوں نے مل کر یہ کام مکمل کر لیا۔ بے کار ڈنٹھل اور پتے وغیرہ اٹھا کر وہ باہر آ گئے تاکہ انہیں دوبارہ ان کی جگہ گاڑ دیا جائے۔ لیکن وہاں پہنچ کر ایک بار پھر حیرت نے ان کا استقبال کیا۔ وہاں سارے کیڑے کالے اور نیلے پانی میں تحلیل ہو چکے تھے اور کچھ کیڑے ابھی تک ایسے بھی موجود تھے جو آدھے پانی تھے آدھے کیڑے۔ یہ انہیں غور سے دیکھتے رہے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی زہریلے نیلے پانی میں تبدیل ہو گئے۔

خیر اس کے بعد انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور اس جگہ سے مٹی ہٹا کر ڈنٹھل اور پتے بھی اسی جگہ دفن کر دیئے۔ ایک انوکھے عمل سے گزرے تھے چنانچہ حیرت کا شکار تھے۔ ساری رات وہ دونوں باپ بیٹی جاگتے رہے اور مدھم سی روشنی میں وہ سرسوں کے پھولوں سے کالے کالے بیج نکالتے رہے۔

دوسرے دن صبح بنجارے نے کالی سرسوں کے دو سیر پکے بیجوں کو لے کر پاس کے گاؤں ایک کولہو والے کے پاس پہنچا۔ ان بیجوں میں یہ سانپ والے بیج بھی موجود تھے۔ ایک بڑی بوتل میں تیل بنوایا گیا اور وہ یہ انوکھا تیل لے کر دوپہر سے پہلے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ ایک علیحدہ پوٹلی میں وہ بیجوں کا بچا ہوا کچلا بھی موجود تھا۔ وہ کچلا اس نے واپس ایک ایسی جگہ دبا دیا کہ کہیں کسی کا ہاتھ اس تک نہ پہنچے یا کوئی جانور منہ مار کر ہلاک نہ ہو جائے۔ وہ دنیا کا بدترین زہر تھا جس کا ایک چھوٹا سا حصہ کسی کو دے دیا جائے یا کسی جانور کی خوراک میں شامل ہو جائے تو جانور بھی ان کالے کیڑوں کی طرح پانی بن کر بہہ جائے۔

اب بزرگ کے بتائے ہوئے عمل کے تحت اس تیل کو پورا مہینہ دھوپ دکھانی تھی۔ پھر کہیں جا کر یہ استعمال کرنے کے قابل ہوتا۔ بڑا خوفناک اور پراسرار ماحول تھا۔ موسم بھی بدل رہا تھا اور اب یہ جگہ بڑی بھیانک ہو گئی تھی۔ خاص طور سے وہ کیڑوں والی اور فصل اگانے والی جگہ جہاں ابھی بھی کیڑے سے کلبلاتے دکھائی دیتے تھے۔

بہرحال کچھ وقت گزارنے کے بعد یہ قافلہ کسی اور نامعلوم منزل کی جانب چل پڑا کہ بنجارون کی یہی زندگی ہوتی ہے۔ کئی دن کا سفر کیا گیا اور جب کھانے پینے کی اشیا میں کمی پیدا ہونے لگی اور کسی آبادی کی

تلاش ضروری ہوگئی تو آخر کار انہیں ایک آبادی مل ہی گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ریلوے لائن گزر رہی تھی اور ریلوے لائن کی نگاہوں کی حد کے سرے پر آبادی نظر آرہی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک جوہڑ کے کنارے پہلے سے خانہ بدوشوں کی ایک بستی آباد تھی۔ اس بستی سے کچھ فاصلے پر بوڑھے سردار بنجارے نے بھی ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ جگہ اس کی جانی پہچانی تھی اور وہ آبادی جو ریلوے لائن کے آخری سرے پر نظر آرہی تھی ایک اچھے خاصے بڑے شہر کی آبادی تھی۔ عورتوں کی ریلوے اسٹیشن پر اچھی خاصی دیہاڑی لگ جاتی تھی اور بچے بالے بوڑھے بھی آتے جاتی ریلوں کو دیکھ کر جی بہلاتے رہتے۔ اس کے علاوہ اس جگہ سے بوڑھے بنجارے کی ایک اور یاد بھی تعلق رکھتی تھی۔ یہاں اس کی مرنے والی بیوی کے بہن بھائی بھی موجود تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ثمن گپتی کے علاج کے لئے جس احتیاط اور راز داری کی ضرورت تھی وہ یہاں بہ آسانی میسر آسکتی تھی۔

علاقہ بہت خوب صورت تھا۔ رونق بھی تھی، تھوڑے فاصلے پر دوسرا قبیلہ بھی آباد تھا جو انہی کی طرح بنجاروں کا قبیلہ تھا۔ ثمن بھی یہاں پہنچ کر بہت خوش ہوئی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے ماموں ممانیاں اور ان کے بچے یہ بڑا سا جوہڑ درخت، آتی جاتی گاڑیاں، دھواں اگلتا ہوا سیاہ انجن، سگنل ڈاؤن نہ ہونے پر پھاٹک کے پرے کھڑی ریل کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے مسافر بچے اور بار بار انجن کی سیٹی کا بجنا، یہ سب کچھ سب ہی کو بہت اچھا لگتا تھا۔ ثمن گپتی بھی اس سے بہت خوش ہوتی تھی۔ بنجارے نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے سالوں کو ثمن گپتی کے علاج کے بارے میں اعتماد میں لیا۔

بابا صاحب نے جو کچھ بتایا تھا اس کے بارے میں ان لوگوں کو بتایا گیا اور چونکہ مری ہوئی بہن کے محبت بھرے بھائی بھانجی سے محبت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس مسئلے میں مکمل طور پر وہ بوڑھے بنجارے کے ساتھ شریک ہوگئے۔ بنجارے نے سرسوں کی بوائی تک ایک ایک لمحے کی کتھا کہانی تفصیل سے سنائی تھی۔ پھر ان کے مشورے سے یہ کالے سرسوں کے تیل والی بوتل اچھی طرح بند کرکے مضبوط رسی کے ساتھ ریشم کے درخت کے اوپر والی شاخ میں باندھ دی گئی تاکہ مہینہ بھر تیل خوب دھوپ کھائے۔ یہ شیشم کا درخت اس کی جھونپڑی کے بالکل ساتھ تھا اور اندازے کے مطابق اب یہ تیل اگلی چودھویں کے چاند کی رات کو اتارنا تھا۔ یہ دن بھی کسی ریل کی طرح شوں شوں کرتے گزر گئے اور آخر وہ لمحے آگئے کہ بوتل کو اتار لیا جائے۔

رات کے دوسرے پہر بنجارے کا چھوٹا سالہ بوتل اتارنے کے لئے ایک مضبوط سی رسی لے کر اوپر چڑھا۔ رسی اس لئے کہ بوتل کو باندھ کر احتیاط سے نیچے لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ وہی چاندنی رات کا سحر گرد و پیش کی ہر چیز دودھ میں نہائی ہوئی آسمان کے سمندر میں بادبانی کشتیوں کی طرح تیرتے ہوئے سرمئی بادلوں کے ٹکڑے بوتل والی ٹہنی ابھی چند قدم آگے تھی کہ اچانک ہی بنجارے کے سالے نے گھبرائی ہوئی آواز میں اوپر سے کچھ عجیب وغریب آوازیں نکالنی شروع کردیں۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا اس کے منہ سے نہیں نکل پا رہا تھا۔ لیکن گھبراہٹ کی حالت میں عجیب و غریب سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

نیچے بنجارہ موجود تھا اور اپنے سالے کے بوتل کے لٹکانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اس کی خوفناک آوازیں سنیں اور ایک دم گھبرا گیا اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو اسے عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے قریب ہی کوئی خوفناک کالا سانپ لہرا رہا ہو۔ لازمی طور پر یہ پراسرار چیز سانپوں کے لئے بڑی سنسنی خیز ہوگی اور ممکن ہے وہ سانپ اس سالے کو ڈس لے۔ وہ پھرتی سے پیچھے ہٹا اور منہ پر ہاتھوں کا بھونپوں بنا کر بولا۔

''گھبرانا نہیں۔ یہ سانپ کا سایہ ہے۔ اصلی سانپ نہیں ہے۔ یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

جہاں بیٹھے ہو وہیں ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑ کر جمے رہو۔ میں اوپر آ رہا ہوں۔"

بنجارہ اوپر پہنچا تو اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ اس بوتل سے ایک انتہائی خوفناک کالا سانپ لپٹا ہوا ہے ایک لمحے تک تو سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ لیکن پھر اپنی طویل محنت کو ضائع ہوتے دیکھ کر اس کے اندر ہمت پیدا ہوئی۔ اس نے ایک بڑی سی ٹہنی توڑی آگے بڑھ کر سانپ کی طرف لہرائی لیکن سانپ جو بوتل سے لپٹا ہوا تھا، بالکل بے حس و حرکت رہا۔ بنجارے نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر ذرا زور سے سانپ کی بوتل کی گرد گرفت کو ڈھیلا کر کے ایک جھٹکا دیا تو سانپ نیچے گر گیا۔ بنجارے نے جلدی سے اپنے ہاتھوں سے یہ بوتل اتاری اور رسی سے باندھ کے نیچے لٹکا دی پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ سالے کا بھی خیال تھا کہ کہیں وہ درخت کی بلندی سے گر نہ پڑے۔ لیکن نیچے اتر کر ایک اور منظر اس کا منتظر تھا۔ کالا لمبا سانپ جس جگہ گرا تھا وہاں ایک گاڑھے سے کالے تاگ کے مواد کو دیکھ کر بنجارے کو کوئی تعجب نہیں ہوا۔ اس کے سالے کا بدن اب بھی کانپ رہا تھا اور وہ دہشت بھری نگاہوں سے کالے سانپ کے اس حال کو دیکھ رہا تھا لیکن بنجارہ جانتا تھا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ اس نے فوراً اس جگہ پر گھاس پھوس ڈال کر آگ لگا دی۔

رات کا باقی حصہ بھی جاگتے ہی گزرا۔ وہ اپنے سالے کو تفصیل سے ساری باتیں بتا رہا تھا۔ پھر دوسرے روز ایک اور عمل کرنا تھا۔ جو بنجارہ بزرگ کے بتائے ہوئے طریقے کے ساتھ کر رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے تیل کو بوتل سے باہر نکال کر صاف کیا اور پھر دو تین چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں بھر کر محفوظ کر لیا۔ جس کا انتظام اس نے کر لیا تھا۔ لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ تیل کی خوشبو سے پوری بستی مہک اٹھی۔ ایسی نادر اور پراسرار خوشبو کہ جسے کوئی بھی اندر سے محفوظ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بزرگ کی ہدایت کے مطابق اس تیار تیل کی ایک چھوٹی سی شیشی کو خالص سرسوں کے تیل میں ایک اور آٹھ کی نسبت سے ملا کر استعمال کیا جاتا تھا اور باقی یہ تریاق مضبوط شیشیوں میں بدن کر کے حقے کے پانی سے بھرے ہوئے مٹکے میں ڈبو کر محفوظ کرنا تھا۔

آخر کار وہ وقت آ گیا جو ثمن گپتی کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ باپ ہی کو ماں کا درجہ بھی حاصل تھا اس کے علاوہ اور کون ہوتا جو اس لگن اور خطرے سے بے نیاز ہو کر اس کے ہاتھوں اور پیروں پر مالش کرتا۔ بنجارے نے تمام کام صحیح طریقے سے سر انجام دینا تھا۔ صاف اور نئے کپڑے کی چوڑی چوڑی بڑی پٹیاں بنائی گئی تھیں اس کے بعد اس نے ثمن گپتی کے پیروں پر بہت اچھی طرح اس تیل کی مالش کی اور اس کے بعد ان پر چوڑی چوڑی پٹیاں لپیٹ دیں۔ پھر اسی تیل سے اس نے اس کے ہاتھوں پر مالش کی اور خوب اچھی طرح سے ہاتھوں کی مالش کر کے پٹیاں لپیٹ دی گئیں۔ ایک ایک عمل وہ بزرگ بابا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہا تھا۔ اور اس طرح یہ علاج شروع ہو گیا۔

ثمن گپتی بھی اس علاج کے معاملے میں بڑی دلچسپی لے رہی تھی۔ بس ایک قباحت تھی اور وہ بھی اس تیل کی مہک نہ خوشگوار نہ ناگوار۔ ملی جلی کیفیتوں کی حامل جیسے پگھلتے ہوئے امبر پر کوئی پسا ہوا کافور ڈال دے۔ یا دہکتی اور سلگتی ہوئی جاوتری پر کوئی اڑھن کے تیل سے چھینٹا دے دے۔

بہر حال ثمن گپتی کے لئے یہ بڑا عجیب تجربہ تھا۔ ویسے بھی وہ عام طور سے خاموش اور تنہا رہنا زیادہ پسند کرتی تھی۔ حالانکہ اس کے بے پناہ حسن کے کارن اس کی سکھیوں کی تعداد بے پناہ تھی وہ اس کے ساتھ زیادہ تر رہنا پسند کرتی تھیں لیکن ثمن گپتی احساس کمتری کا شکار تھی، اسے اندازہ تھا کہ اس کے مڑے ہوئے ہاتھ پاؤں اس کے سارے حسن کو ختم کر دیتے ہیں۔

بہر حال تین چار دن اسی طرح گزر گئے اور اچانک ہی اس کے ہاتھوں، پیروں میں ہلکا ہلکا درد سا

رہنے لگا۔ ایک دو بار بخار کی سی کیفیت بھی طاری ہوئی لیکن وہ یہ ساری تکلیفیں بڑی سخت جانی سے جھیل رہی تھی اور کسی پر اپنی تکلیف ظاہر کئے بغیر اپنی کومل سی جان کو سنبھالے رہتی۔ ساتھ میں روز آدھی رات کے وقت اسے یوں لگا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے ہوں۔ اس کی ہڈیاں تڑخ رہی ہوں۔ باپ تھوڑے فاصلے پر سو رہا تھا۔ ہاتھوں اور پیروں میں تیل ملا ہوا تھا اور پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے بمشکل ایک دیوار سے ٹیک لگائی اور بیٹھ کر اپنے پیروں کو دیکھنے لگی لیکن اچانک ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ تڑختی ہوئی ہڈیاں نجانے کس طرح جنبش کر رہی تھیں۔ اس جنبش میں اس کے اپنے عمل کو دخل نہیں تھا۔ بس ہاتھ مڑ رہے تھے۔ پاؤں مڑ رہے تھے اور اس نے کئی بار چھو چھو کر انہیں دیکھا۔ اور پھر دفعتاً ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھوں کا رخ بدل رہا ہو۔ ہڈیوں کی تڑخ شدید درد کا احساس دلا رہی تھیں لیکن جس طرح یہ ہڈیاں مڑ کر سیدھی ہو رہی تھیں وہ اسے عجیب سی حیرت و مسرت کا احساس دلا رہی تھیں یکا یک ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور بوڑھا بنجارہ جو اس سے تھوڑے فاصلے پر سو رہا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے جلدی سے بتی کی روشنی بڑھائی اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اسے بھی عجیب سا احساس ہوا اور وہ آگے بڑھا۔ آگے بڑھ کر اس نے جلدی سے سب سے پہلے ثمن گپتی کے پیروں کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں جو کچھ اسے دکھا رہی تھیں وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا۔ پیروں کا رخ تبدیل ہو گیا تھا اور وہ بالکل سیدھے نظر آ رہے تھے۔ اس نے جلدی سے ثمن گپتی کے ہاتھوں کو پکڑ کر دیکھا اور پھر اس کے منہ سے ایک گھگھیائی ہوئی سی آواز نکلی۔

"ثمن..... ثمن..... میری بیٹی..... میری بچی..... ذرا اپنے ہاتھوں کو دیکھ، ذرا اپنے پیروں کو دیکھ۔"

ثمن نے تو پہلے ہی انہیں دیکھ رکھا تھا اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ خوشی سے ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ بوڑھا اس کے ہاتھ پکڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی ساری پٹیاں کھول دے۔ لیکن پتہ نہیں ابھی اسے یہ پٹیاں کھولنی تھیں یا نہیں اس کے ہاتھ پیروں کو ہوا لگنی چاہئے تھی یا نہیں لگنی چاہئے تھی۔ لیکن وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں اپنی آغوش میں رکھ لئے۔ وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے اظہار کے ساتھ ثمن گپتی کے ہاتھوں اور پیروں کو پکڑ پکڑ کر دیکھ رہا تھا۔ یہ تو بہت ہی خوب صورت ہاتھ پاؤں تھے بہت ہی خوب صورت، وہ بڑی عجیب و غریب سی لگ رہی تھی۔ بنجارے کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔

قبیلے والوں کو یہ تو معلوم ہوا تھا کہ بوڑھا سردار اپنی بیٹی کے علاج کے لئے کچھ نہ کچھ کر رہا ہے لیکن کیا کر رہا ہے یہ ان کے علم میں نہیں تھا۔ سب کو اس بات کا پتا تھا کہ حسین ترین لڑکی حسن و جمال کا نادر نمونہ، مڑے ہوئے ہاتھ پاؤں کی وجہ سے بڑے دکھوں کا شکار ہے وہ سب اس سے محبت کرتے تھے، لیکن اسے ٹھیک کر دینا کسی کے بس کی بات نہیں تھی اور پھر جب پہلی بار کام مکمل ہونے کے بعد ثمن گپتی قبیلے والوں کے سامنے آئی اور اس کی دوست لڑکیوں نے اس کے ہاتھ پاؤں دیکھے تو دیکھ کر گنگ رہ گئیں۔ پھر جو خوشی کی لہر دوڑی تو سارا قبیلہ خوشی سے ناچ اٹھا۔ سردار کو بدھائیاں دی جانے لگیں۔ لوگ خوشی سے پاگل ہو گئے، ناچ رنگ ہونے لگے۔ ہر شخص خوشی منا رہا تھا۔ ہر شخص خوش تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ثمن گپتی کے حسن میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اس کے نقوش بے پناہ تھیکے ہو گئے ہیں۔

پھر ایک دن رات کا وقت تھا جب بوڑھے سردار کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جو کچھ دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے حلق سے آواز ہی نکل گئی۔ وہ ایک خوفناک کالا سانپ تھا جو ثمن کے سرہانے پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ ثمن سو رہی تھی۔ باپ کو خوف ہوا کہ کہیں سانپ ثمن

کو ڈس نہ لے اس نے فوراً اپنی پگڑی کے پلو سے اسے ہٹانا چاہا۔ سانپ بغیر کسی مزید جنبش کے وہیں ڈھے گیا۔ اس دوران ثمن بھی جاگ گئی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے باپ کو اور سانپ کو دیکھا۔ بوڑھے نے بنا ڈرے سانپ کو دم سے پکڑ کر باہر پھینک دیا اور اس کے بعد یہ عمل اکثر ہونے لگا۔ ثمن گپتی کے پیروں سے سانپ لپٹے نظر آتے لیکن وہ مر چکے ہوتے تھے۔ یہ بات کبھی کسی کو بتائی نہیں گئی۔ لیکن یہ سانپ ثمن گپتی اور اس کے باپ کے لئے خوف و دہشت کی علامت بن چکے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا کیا حل ہو۔

دن رات، صبح شام اور زندگی پھر چل پڑی۔ ثمن گپتی کا حسن بے مثال ہوتا جارہا تھا جو دیکھتا..... دیکھتا ہی رہ جاتا۔ کئی بزرگوں نے بنجارے سردار کو مشورہ دیا کہ ثمن گپتی کو نقاب میں رکھا جائے اور شہری آبادی میں بھیجنے سے گریز کیا جائے کہیں کوئی حادثہ رونما نہ ہو جائے کیونکہ دیکھنے والا اس کے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹا سکتا تھا۔ اس کے بدن کی خوشبو بھی جیسی بھی تھی لیکن نجانے اس میں کیا کشش تھی کہ سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ثمن گپتی ان حالات سے بے خبر زندگی کے ساتھ سفر کررہی تھی اور وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

یہ جگہ ان لوگوں کے لئے بڑی بھاگوان ثابت ہوئی تھی۔ بہت سے فائدے ہوئے تھے۔ تیل کی مالش کا سلسلہ ترک کردیا گیا کیونکہ ثمن گپتی کے ہاتھ پاؤں بالکل ٹھیک ہوگئے تھے۔ اس قدر حسین لمبی لمبی مخروطی انگلیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں اور جو بھی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو دیکھتا..... دیکھتا ہی رہ جاتا۔

وقت گزرتا رہا اور حالات بھی جوں کے توں رہے۔ ننھی سی جان ایک عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ ہر رات کسی نہ کسی سانپ کیڑے سے نبرد آزمائی ایک الگ اذیت پریشانی تھی۔ لیکن آج تک کبھی کسی کیڑے نے اسے یا ڈیرے کے کسی اور فرد کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ پھر بھی دہشت تو دہشت ہی ہوتی ہے۔ بوڑھے بنجارے کے علاوہ کبھی کوئی اس کے جھونپڑے میں سوتا بھی نہیں تھا۔ بوڑھا جانتا تھا کہ یہ کیڑے اور سانپ وغیرہ اس طلسماتی تیل کی مہک سے کھنچے چلے آتے ہیں اور پھر اس کے اثر سے ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ ان کی سدھ بدھ ماری جاتی ہے۔ وہ کسی کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کے قابل ہی نہیں رہتے اور یہ کہ اس خوشبو میں کچھ ایسے اثرات ہیں جن کے زیر اثر رہنے کے کچھ دیر بعد ہی ان کے اندر کا گوشت پگھل جاتا ہے۔ بس ظاہری جسم باقی رہتا ہے جیسے گتے، کاغذ، لکڑی کو جلایا جائے تو جل جانے کے باوجود بھی وہ کچھ دیر کے لئے پہلی والی حالت میں قائم رہتی ہے۔ ہوا کے تیز بہاؤ یا انہیں چھیڑنے ہلانے سے یہ راکھ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ کیڑے سانپ بھی ذرا سے ہلانے پر گاڑھے نیلے سیال مادے میں بہہ جاتے تھے۔ اپنی اس قیاس آرائی کو اس نے بیٹی کو بھی آسان طریقے سے سمجھا دیا تھا کہ وہ آئندہ کے لئے اس قسم کی صورتحال کے ڈر اور خوف سے خود کو بچا سکے۔

یوں وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ اس ٹھکانے کو چھوڑنا پڑا۔ پوری زندگی پڑی تھی ثمن گپتی کی اس کے سامنے۔ وہ اس دنیا میں رہا نہ رہا۔ جب تک جیتا رہے گا۔ کس طرح اس اذیت اور عذاب کو سہار سکے گا۔ اپنی سوچوں کی اذیت سے چھٹکارا پانے کے لئے اب اس نے ایک اور راستہ تلاش کیا۔ وہ جلد از جلد اپنے پڑاؤ ٹھکانے بدلنے لگا۔ چار پانچ ہفتوں سے زیادہ کہیں ٹھکانہ نہ کرتا۔ اس کے اندر ایک شدید بے چینی پل رہی تھی۔ قبیلے والے اس کے دکھ اور پریشانی کو سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے دکھ اور درد کا درما کسی کے پاس نہیں تھا۔ دیہاتوں، قصبوں اور شہروں کی خاک چھانتا۔ فاصلے ناپتا ناپتا وہ اس علاقے میں آنکلا اور یہاں کے نمبردار سے اجازت لے کر اس نے یہیں پر اس ٹیلے پر ڈیرہ جمالیا۔ ویسے اس جگہ ڈیرہ ڈالنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ سانپوں اور کیڑوں نے ان کی زندگی اجیرن کردی تھی۔

قبیلے کے دوسرے لوگ بھی ہر وقت سہمے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے تھے۔ دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ خود شمن ان سے عاجز آ چکی تھی۔ اور کئی مرتبہ باپ سے اس کی شکایت کر چکی تھی کہ بابا لوگ میرے قریب آنے سے ڈرتے ہیں میری سہیلیاں تک مجھ سے دور ہو گئی ہیں۔ انہیں خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی سانپ انہیں ڈس نہ لے۔

بوڑھا باپ خود اس کے لئے پریشان تھا اور اس کا کوئی حل تلاش کر رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی ملاقات ایک پرانے تجربہ کار سپیرے سے ہوئی۔ اس سپیرے نے بنجارے کی بپتا سننے کے بعد اس کو چار عدد لونگ دیئے اور پھر ایک منتر بتاتے ہوئے کہا کہ ایک مٹی یا پتھر کی ایسی جگہ تلاش کی جائے جو زمین سے کم از کم دس بارہ فٹ اونچی ہو اور اس کی کھوہ، دراڑوں یا سوراخوں میں چھوٹے جانور یا پرندے رہتے ہوں، یہ چار لونگ ذرا دور ہٹ کر چاروں کونوں میں گاڑ دو۔ اس حصار کے اندر کبھی کوئی کیڑا سانپ یا موذی جانور داخل نہیں ہو سکے گا۔ پھر اس راستے سے گزرتے ہوئے بنجارے کو یہ جگہ عین اس کی مرضی کے مطابق نظر آئی۔ یہ چھوٹا سا ٹیلا دراصل مٹی کا ایک تودہ تھا۔ نہ جانے کس طرح معارض وجود میں آیا تھا کہ اس کی مغربی دیوار بالکل سیدھی کھڑی تھی اور اس کی طرف چیل، کوؤں، ابابیلوں اور دوسرے چھوٹے جانوروں کے سوراخ تھے۔

ٹیلے کے دوسری طرف ایک زمیندار کے نوجوان بیٹے نے بانس اور بھاڑ پھوس سے ایک مچان سی بنا رکھی تھی۔ یہاں ان کے ایک دو ملازم ان کی گائے بھینسوں کا چارہ وغیرہ کاٹتے رہتے تھے۔ صبح شام دودھ نکالتے اور اطراف کے کھیتوں کی رکھوالی بھی کرتے۔

یہ نوجوان جس کا نام نواز خان تھا اور عرف عام میں اسے نوازا کہا جاتا تھا بڑا ہی پر وجاہت، چیتے کی طرح خوب صورت، تن و مند اور خاموش سا، بے عیب نوجوان تھا، کام کاج کے علاوہ اس کا واحد شوق یا عشق بانسری بجانا اور بیر گانا تھا۔ اکثر وہ کام کاج سے فارغ ہو کر یہاں ٹیلے کے اوپر آ کر بیٹھ جاتا۔ شام کا سماں ہو یا رات کا کوئی پہر، گاؤں کی فضا میں اگر کیف و مستی رچی بسی ہوئی ہوتی، جانور ڈھور ڈنگر اگر ساکت و جامد مسحور کھڑے ہوتے اور کچے گھروں کھیتوں، تندوروں اور چکیوں پر بیٹھی نیاریں گم سی ہو جاتیں تو سمجھ لیں کہ نوازے بانسری الاپ رہا ہے۔ اس کی سریں ایسی پاکیزہ اور مسحور کن ہوتی تھیں کہ دلوں میں سرور اور سرمستی سی پیدا کرتی تھی۔ اس سے کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی اور وہ تو گاؤں کی گلیوں میں بھی بہت کم دکھائی دیتا تھا۔

پھر جس دن ان بنجاروں نے اس جگہ اپنے جھونپڑوں کے تابوں کے کھونٹے ٹھوکے تھے نوازے اس روز شہر میں پٹواری کے ساتھ اپنے باپ کی زمین کے کسی بکھیڑے میں الجھا ہوا تھا اور جب وہ سرپڑی رات واپس لوٹا تو بنجاروں کا پنجا گلہ ٹیلے کے عین دست میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں پہ جگنو سے جگمگا رہے تھے۔ ایک عجیب سا منظر تھا۔ جیسے یہ جگہ بدل گئی ہو۔ فضا اور ہوا میں ایک انجانی سی مہک تھی۔ جسے کوئی نام بھی نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس پراسراری تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے نوازے گھر جانے کے بجائے کھیتوں میں اپنے ڈیرے پر ہی رک گیا۔ چارپائی پر بیٹھ کر اس نے اپنے گی سے پوچھا۔

"عنایت خان یہ آج کیسی موج لگی ہوئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہاں سے جنوں پریوں کی بارات گزر رہی ہو۔ یار یہ جگہ آج کیسی بدلی بدلی نظر آ رہی ہے۔ یہ ہلکا ہلکا لہراتا ہوا دھواں اور مہکتے ہوئے دیئے۔"

عنایت خان نے اسے دودھ کا پیالہ پکڑاتے ہوئے کہا کہ "بنجاروں کا ایک قافلہ ادھر آ گیا ہے۔ بڑے چوہدری صاحب نے انہیں ساون تک یہاں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔"

"اچھا!" نوازے کو عجیب سا احساس ہوا۔ دودھ پی کر وہ ذرا کمر سیدھی کرنے کی غرض سے چارپائی پر لیٹ گیا۔ عنایت خان نے اسے یوں لیٹتے دیکھ کر پوچھا۔

''باؤ جی! حکم ہو تو گھر سے کھانا یہیں لے آؤں یا گھر جاؤ گے۔''

نوازے نے ایک عجیب شان محبوبیت سے ٹیلے کی طرف دیکھا اور بولا۔

''عنایت خان ایک بات بتاؤ۔''

''جی باؤ نوازے!''

''کیا تمہاری آنکھیں اور ناک کام کرتے ہیں۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں باؤ۔'' عنایت خان نے حیرت سے کہا۔

''عنایت خان نا تو میں نے عربی بولی ہے نا فارسی۔ ایک سیدھا سادا سوال کیا ہے کہ تمہاری آنکھیں اور ناک کام کرتے ہیں یا نہیں۔''

''باؤ نوازے اللہ کا شکر ہے دونوں بالکل ٹھیک ہیں۔'' عنایت خان نے جواب دیا۔ تو نوازے نے اسی مسحور کن لہجے میں کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں صرف وہی کچھ نظر آ رہا ہے جو روز نظر آتا تھا یا آج کچھ علیحدہ سا مختلف نظر آ رہا ہے۔''

عنایت خان نے پھر حیرت سے گردن ہلائی تو نوازے پھر بولا۔

''اور ہاں یہ بھی بتاؤ کہ آج تم کوئی عجیب سی خوشبو بھی محسوس کر رہے ہو یا یہ صرف میرا وہم ہے۔''

عنایت خان عجیب سے بے وقوفوں کے انداز میں ناک کے نتھنے مچھلی کے مچھوؤں کی طرح پھیلاتے ہوئے سونگھنے لگا پھر بولا۔

''لگ تو مجھے بھی رہا ہے باؤ نوازے لیکن آپ کہتے ہیں تو میں کچھ زیادہ ہی محسوس کر لیتا ہوں۔ ویسے باؤ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ ہم نوکروں چاکروں کی دیکھنے، سننے، سونگھنے اور سوچنے کی طاقتیں تو ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ہم یہ سب کچھ اپنے مالکوں کی طاقتوں سے دیکھتے ہیں۔ جو وہ ہمیں دکھانا اور سنانا چاہیں وہی سب کچھ دیکھتے ہیں۔''

نوازے چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''آج تو بڑی سیانی باتیں کر رہا ہے تو لگتا ہے یہاں کی ہر شے کی طرح تو بھی عجیب سا ہو گیا ہے۔''

نوازے کچھ سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کیا مسئلہ تھا۔ وہ وہیں لیٹا رہا۔ ٹیلے کی اور چاند ابھر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے دودھیائی اجالے کا ہالہ ٹیلے کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ وقت کو بھی کسی نے جیسے ہاتھ پکڑ کر تھام لیا ہو۔ نوازے اسی کروٹ سے لیٹا ہوا گہری محویت میں آنکھوں تک ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس سحر انگیز ماحول کی جل تھل میں بھیگ چکا تھا۔

عنایت خان اجازت لے کر پانی لگانے کھیتوں کی جانب نکل گیا تو نوازے نے اپنی جان سی محبوب بانسری نکالی۔ بانسری کو وہ ہمیشہ ریشمی رومال میں لپیٹ کر رکھتا تھا۔ کہتے ہیں جو ساز سانس سے زندہ ہوتے ہیں ان کا پہلا سر چاہے وہ کسی لے یا انگ رنگ سے بھرا ہوا مست کن ہوتا ہے۔ دیوانہ کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ آہنگ فطری نہیں ہوتی قدرتی ہوتی ہے۔ سانس کا تعلق دم سے ہوتا ہے..... دم دم مست، بانسری کے سروں میں ایک ایسا بانک پن، ہوک، ہمک، کسک، کرب اور کشش ہے کسی اور ساز میں کیا۔ نوازے نے اپنی محبوبہ کے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی پھر اپنے سانسوں کا سحر پھونکا۔ وقت، ماحول، رات کا جگر کاٹتا ہوا ایک مضطرب سا سر کسی ستارے کی طرح ٹوٹ کر اس جگہ تک پہنچا..... جہاں ثمن گپتی موجود تھی۔

نجانے کیسے اس کا دل دھڑکا۔ اس دھڑکن میں ایک نیا پن تھا۔ اس سے پہلے کبھی دل کی دھڑکن اس طرح تیز نہ ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کبھی سانسوں کا سفر اس جگہ نہیں پہنچا تھا۔ جہاں کوئی آواز اٹھ رہی تھی۔ اس کے دل پر ایک شدید زخم لگا۔ کونج کی طرح کرلاتی بانسری نے اس کا اندر زندہ کر دیا اور جب اندر زندہ ہو جائے تو پھر انسان کا باہر مردہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بانسری کے سروں نے ایک ایک کر کے تمام بھید کھول دیے جیسے ثمن گپتی کو اپنے اندر کی خوشبو کا سراغ مل گیا ہو۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

ادھر نوازے کو بھی اپنے ان سروں کا جواب ملنے لگا۔ نجانے کس طرح رات گزری تھی۔ نجانے کس طرح..... دو طرف دلوں کے راستے تعمیر ہوئے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ کئی برسوں کے بعد آج پہلا سورج طلوع ہوا تھا کہ ثمن کے آس پاس کوئی سانپ یا کیڑا نہیں تھا اور جیسے اسے ایک نیا جیون ملا تھا نئی زندگی ملی تھی۔ وہ راتوں رات ثمن گیتی نہیں رہی تھی وہ تو کچھ اور ہی ہوگئی تھی۔ ثمن گیتی تو پچھلی رات سوئی تھی۔ یہ جو جاگی تھی وہ تھی ہی نہیں۔ اسے ایک نیا سا روپ ملا تھا جیسے کوئی راج ہنسنی جیسے کوئی ہوا کے پروں پر سوار ہو کر کسی راج محل سے آئی ہو۔ رعب، رعونت سے چہرہ تپا ہوا، قوہ قاف سے جیسے ابھی ابھی پریوں نے اسے غسل صحت دلا کر خوشبوؤں میں بسا کر سنگھاسن پر لا بٹھایا ہو۔ جس نے اسے دیکھا حیران ہوگیا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ ایسے ناز عشوے تو دلہنیں سہاگ کا سہاگ رچ کر دکھاتی ہیں۔

ادھر بوڑھا باپ بھی حیرت و خوف میں ڈوبا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ بھلا باپ بیٹی سے کیا پوچھے کہ تو اس قدر خوبصورت کیوں لگ رہی ہے۔ تو اس قدر خوش کیوں ہے۔ بس وہ اسے تکے جا رہا تھا۔ تب ثمن کو احساس ہوا اور اس نے خود ہی اٹھلا کر پوچھا۔

''کیا ہوا بابا تو اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہا ہے۔ کیا میرے سینگ نکل آئے ہیں۔''

بنجارے کے دل میں محبت کا طوفان جاگا۔ دلار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''کیا میں اپنی بچی کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ بس تو آج بہت پیاری لگ رہی ہے۔ رب تجھے بری نظر سے بچائے۔''

ثمن گیتی نے پیار سے باپ کے شانے پر رخسار رکھتے ہوئے کہا۔

''بابا اب تو میری فکر نہ کیا کر اب میں بڑی بھی ہوگئی ہوں اور ٹھیک بھی ہوگئی ہوں۔ اب تو ادھر بیٹھ کر آرام کیا کر۔ میں خود ہی سب کچھ سنبھال لوں گی۔''

بنجارے نے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو بڑی ہوگئی ہے اور اب میں تیری فکر نہ کروں پگلی۔ تیرے بڑے ہونے کی فکر ہی تو مجھے کھائے جا رہی ہے اور تو کہتی ہے کہ میں تیری فکر نہ کروں۔'' اس کی آواز میں بھراہٹ پیدا ہوگئی۔ بھرائی ہوئی آواز میں اس نے دوبارہ کہا۔

''میں کیسا بدنصیب اور مجبور باپ ہوں کہ کہیں تیرا بیاہ بھی نہیں کر سکتا۔ سب کچھ جانتی ہے تو..... سب کچھ جانتی ہے تو ثمن..... بتا میں کیا کروں۔ تجھے دیکھتا ہوں تو دل گھٹنے لگتا ہے۔ خون کے گھونٹ پی کر دم سادھ لیتا ہوں۔ بس کیا بتاؤں بیٹی کیا کہوں تجھ سے تو میرے لئے وہ زہر اور ایسا مرت ہے جسے نہ پی سکتا ہوں اور نہ پھینک سکتا ہوں۔''

ثمن گیتی اپنے باپ کی باتوں سے بے خبر یوں مسکرا رہی تھی جیسے اس کا باپ اس سے کوئی مذاق کر رہا ہو۔

''کہہ دیا نا میں نے بابا اب تجھ سے اب تو میری فکر چھوڑ اور یونہی اپنا جی میلا نہ کیا کر۔ تجھے میرا بیاہ کرنے اور اس کے بارے میں چنتا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنا بَر چن لیا ہے۔ میرا انت مجھے مل گیا ہے۔''

ثمن گیتی نے اتنی بڑی بات آسانی سے کہہ دی۔

''ایں.....'' بوڑھے بنجارے نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بابا! پیٹ کے لئے بس اناج ہی ضروری نہیں ہوتا اسے تو بس بھرنا ہی ہوتا ہے۔ میرے بیاہ کے لئے بر کی ضرورت نہیں ہے صرف بانسری کی ضرورت ہے۔'' وہ جھونپڑے سے باہر نوازے کے ڈیرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''رات ایک بانسری چھڑی ہوئی تھی اور میں اس کے سروں کے بھیدوں سے چھڑی ہوئی تھی۔ ایک ایک تان سمجھ رہی تھی میں۔ وہ بانسری جو کچھ کہہ رہی تھی

وہ میرے من میں اتر رہا تھا اور بابا اب بانسری کی وہ تانیں میرے سارے وجود میں بسی ہوئی ہیں۔ وہی میرا بر ہے وہی میرا سب کچھ ہے میں نے اپنا انت پالیا ہے۔ سب کچھ مل گیا ہے مجھے بابا۔'' شمن کچی نیند کے عالم میں بول رہی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہے یہ سب کچھ تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' بنجارے نے اس کی بے تکی باتوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''بس یہی تو ایک بھید ہے بابا جو سمجھ لے وہ بھیدی ہے جو سمجھ نہ پائے وہ..... وہ..... بابا ایک بھید یہ بھی ہے کہ بندہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ تو نے ڈھیر ساری زندگی یونہی انگل منگل میں گزار دی۔ چار دن جہاں بتا دیئے تو دکھن ہونے لگی پھر اگلی کھوج میں نکل پڑا..... پھر اگلی پھر اس سے اگلی۔ بابا یہ جیون کی کھوجیں کبھی ختم نہیں ہوتیں بس یہی بھید ہے کہ جس حال میں رہو راضی رہو۔ تجھے اتنے بڑے جیون نے ایک چھوٹا سا بھید بھی نہیں دیا مجھے تو ایک سکھ کی ہوک نے سارے بھید دے دیئے۔ بابا میں آج اس طرف جاسکتی ہوں۔'' اس نے نوازے کے ڈیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایسے پوچھا جیسے کوئی بالڑی اچانک اپنے باپ سے کہے کہ ابا میں یہ کھلونا لے سکتی ہوں۔ بوڑھے بنجارے نے پیار سے کہا۔

''جہاں تیرا جی چاہے ضرور چلی جا پر اکیلی کہیں مت جائیو، سکھیوں سنگ جائیو۔'' پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''مگر گاؤں تو اسی طرف ہے۔ جدھر کا تو بول رہی ہے ادھر تو کھیت ہی کھیت ہیں ری۔''

''ہاں بابا ادھر کھیت ہی کھیت ہیں مگر کھیتوں میں بھی تو انسان رہتے ہیں اور جس نے مجھے اتنے سارے ڈھیر جیسے بھید سمجھائے وہ بھی تو انہی کھیتوں میں ہی رہتا ہوگا۔''

نوازے اپنی بانسری کو اپنے سینے پر رکھے ٹیلے کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ یہ قبیلہ اسے کوہ قاف محسوس ہوتا تھا۔ پچھلی رات کے چاند اور ستارے تو کب کے کہیں جا کے سوئے پڑے تھے۔ مسلسل جاگ رہی تھیں تو وہ اس کی آنکھیں اور وہی من موہنی خوشبو جو پچھلی رات سے اس کے سارے وجود میں جا بسی تھی۔ وہ پچھلی رات کا شہر سے واپس لوٹا ہوا تھا۔ رات گئی کھانا پینا اور دیگر ضرورتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ جب اندر کی لپک جاگ پڑے تو باہر کچھ بھی اہم نہیں ہوتا۔ کھیتوں کے رکھوالے کھیتوں کو پانی دکھا کر نیند بھر سوئے۔ پھر صبح کو گوالوں سے دودھ نکالا، اپنے اپنے گھروں کو پہنچا کر واپس آگئے، لیکن نوازے ایسا خوشبو کے سنگ سفر کرتا رہا کہ واپسی کا کوئی پتہ ہی نہ چل سکا، آتی ملکوتی، ماورائی خوشبوئیں دیوانوں، مستانوں کے خوابوں کی طرح ہوتی ہیں اور جب خواب اور خوشبوئیں آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو پھر دیوانوں کی نیند کہاں بانسری کی لے ابھی تک فضا میں رنگ گھولے ہوئے تھی کہ عنایت خان نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔

''باؤ نوازے طبیعت ٹھیک ہے نا تیری۔ بڑے لالہ پوچھ رہے تھے کہ نوازے رات کو گھر کیوں نہیں آیا۔ جاؤ گھر جا کر تھوڑا سا آرام کرلو۔''

''ایں.....'' نوازے یوں چونکا جیسے عنایت خان نے اسے کوئی ناسمجھ میں آنے والی بات کہہ دی ہو۔ پھر اسے جیسے بھولی ہوئی کوئی بات یاد آ گئی۔ وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور بولا۔

''ہاں..... ہاں..... ہاں.....'' پھر اس نے بانسری کو پیار سے دیکھا اور اسے رومال میں لپیٹ کر ہولے سے کہا۔

''اب تو بھی تھوڑا سا آرام کرلے چندا۔''

کاغذات کا تھیلا اور بانسری سنبھالے وہ گاؤں کے راستے پر چل پڑا۔ گاؤں کی جانب نکلنے والی یہ پگڈنڈی کوئی ڈیڑھ فرلانگ آگے جا کر ٹیلے کے دامن کو چھوتی ہوئی گزرتی تھی۔ ٹیلے سے ذرا پہلے معمولی سی گہرائی سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک برساتی پانی کی گزرگاہ تھی۔

جیسے جیسے نوازے آگے بڑھتا گیا اسے یوں لگا

جیسے وہ کسی خوشبو کے پہاڑ کی جانب چل پڑا ہے۔ وہ پہاڑ اسے مقناطیس کی طرح اپنی جانب کھینچ رہا ہے۔ اس کے پاؤں تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ جبکہ اس عمل میں اس کے اپنے کسی ارادے کا دخل نہیں تھا۔ وہ کسی سحر زدہ انسان کی طرح بے سدھ سا آگے بڑھ رہا تھا۔ سورج اس کے پیچھے اور سایہ بیس قدم آگے۔ وہ اپنے سائے کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یہ سایہ تو کسی جسم کا محتاج ہوتا ہے یہ کیسا سایہ ہے۔ وہ کچھ سوچ کر رک گیا بلکہ اپنے قدموں پر بیٹھ گیا مگر سایہ نہ رکا اور نا ہی بیٹھا وہ اپنی راہ پر چلتا اور بڑھتا رہا۔ آگے برساتی نالے کے کنارے ایک گٹھل آم کا چھوٹا سا درخت تھا۔ سایہ اس درخت کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ نوازے کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اچانک ہی اس کی نظر آم کے درخت کی جانب اٹھی وہاں ایک مست شباب کھڑی اس کو لگاوٹ بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، ساتھ ہی مسخ کر دینے والی خوشبو کا ایک زبردست جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔

شمن گھچی جیسے سائے کے قدموں پر پیر دھرتی ہوئی اس کی جانب آ رہی تھی۔ ایک حسین وجود نا قابل یقین حیثیت رکھنے والا کوہ قاف کی پریوں کے بارے میں صرف کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ یہ کہانی زندہ جاوید ہو گئی تھی۔ وہ سایہ سمٹا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ نوازے کے سامنے قریب آ کر رک گئی۔ کئی صدیاں یونہی کھڑے گزر گئیں۔ یہ ایک دوسرے کو پہچاننے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ تبھی نوازے کے منہ سے ایک غیر اختیاری آواز نکلی۔

''تم وہی خوشبو ہو جس نے یہاں ہر زندہ چیز کو دیوانہ کر دیا ہے۔''

یہ جملے صرف اس کے ہونٹوں نے ادا کئے تھے۔ ان کی ساخت میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جن چیزوں میں ارادے کا دخل نہیں ہوتا ان کی بناوٹ کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ شمن کے نازک لبوں پر جنبش ہوئی۔

''اور تم بھی وہی بانسری ہو جس کی سروں کے تانوں نے وہ سارے بھید کھول دیئے جو ابھی تک میرے سپنوں کی دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔''

''تم یہاں ٹیلے پر رہنے کو آئی ہو نا۔''

''ہاں او ہیں سے آئی ہوں اور اب سنسار کے آخری دن تک وہیں رہوں گی۔ جب تک کہ سنسار بادلوں میں نہ کھو جائے گا۔ تمہاری بانسری کی میٹھی میٹھی بھید کھولنے والے سروں کو سنا کروں گی۔ تمہاری کھوج میں کیسی کیسی مشکلیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں میں نے۔ بڑے بڑے کٹھن امتحان سے گزری ہوں تب کہیں جا کے تم مجھے ملے ہو۔''

پتا نہیں یہ آواز شمن گھچی کے دل کے کون سے حصے سے آ رہی تھی۔ نوازے بھی خوابوں میں ڈوبے لہجے میں بول رہا تھا۔

''ہاں! تم بھی تو وہی ہو جو میرے سپنوں اور خیالوں کی خوشبو ہو۔ میں نے جب سے بانسری پکڑی ہے میں تمہاری سریں ہی تو الاپ رہا ہوں۔ میں اپنے اسی ڈیرے پر چاندنی راتوں میں اس ٹیلے پر تمہیں ہی دیکھتا رہا ہوں اور تم ہی کو بانسری سنا رہا ہوں۔ میرے اندر کوئی کہتا تھا کہ تم ایک دن ضرور آؤ گی۔ تمہاری خوشبو میرے لئے اجنبی نہیں ہے یہ تو سدا میرے ساتھ رہی ہے۔ مجھے جینے کا حوصلہ دیتی رہی ہے۔

شمن گھچی اور نوازے یکجا ہو گئے۔ ایک سر تھا دوسری خوشبو، ان کا چرچا آبادیوں میں پھیل گیا۔ ادھر بنجارے کا دل یہاں سے اچاٹ ہو گیا۔ اس نے یہاں سے پڑاؤ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اپنے لوگوں سے بات بھی کر لی۔ جس کی زمین تھی اس نے بھی یہاں رہنے کے لئے ایک وقت دیا تھا، جو پورا ہو چکا تھا اور بنجاروں کو اپنا ڈیرا اٹھانا پڑا۔

لیکن شمن گھچی اور نوازے اپنی دنیا میں مست تھے، کبھی شمن کھیتوں والے ڈیرے پر پہنچ جاتی اور کبھی نوازے ٹیلے کے پاس پہنچ جاتا، لیکن اس سُر اور خوشبو

www.booksfube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

کے ملن کی خبر ابھی عام لوگوں کو نہیں ہوئی تھی، ہاں کھیتوں کے نوکر چاکر یا پھر عنایت خان جانتا تھا، ثمن گپتی کے قبیلے والے بھی اتنا جانتے تھے کہ یہ محض وقت گزاری ہے، جب ٹیلے سے جھونپڑے اکھاڑے جائیں گے اور بنجاروں کا یہ قافلہ کسی نئی منزل کی جانب روانہ ہو جائے گا تو یہاں کے معاملے "تعلق" ناتے بھی یہیں رہ جائیں گے اور بنجارے اپنا لاؤ لاؤ کر کہیں اور روانہ ہو جائیں گے۔ البتہ یہاں رہ کر بوڑھے بنجارے نے بڑی دولت کمائی تھی بلکہ اس نے یہ نسخہ کچھ مقامی سپیروں اور سنیاسیوں کو بھی بتا دیا تھا کہ تم اسے بناؤ اور مال کماؤ جبکہ اصل مسئلہ خوشبو کا نہیں تھا، بنجارے نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ناکارہ اور فالج زدہ جسم اس تیل کی مالش سے اپنی اصل حاصل کر لیتے ہیں اور یہ اس کا الگ کام ہے، چنانچہ اسے اس کے بھی کافی پیسے ملے تھے اور وہ ایک طرح سے مالا مال ہو گیا تھا۔

قافلے کے سفر کا یہ پڑاؤ اسے سب سے زیادہ فائدہ مند رہا تھا، پھر روانگی سے ایک دن پہلے بوڑھے بنجارے نے ثمن کو بتایا کہ "بیٹی کل صبح سویرے ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے، اس علاقے کا مالک رحیم خان ہے جس نے ہمیں یہاں صرف دو مہینے رہنے کی اجازت دی تھی اور اب تیسرا مہینہ بھی ختم ہونے کو ہے، پھر اب میرا دل بھی یہاں نہیں لگ رہا، ہم یہاں سے آگے چلنے والے ہیں۔"

ثمن نے غیر متوقع طور پر بڑے اطمینان سے باپ کی بات سنی اور بولی۔

"ٹھیک ہے بابا تم نے بالکل ٹھیک سوچا اور یہاں سے جانے کا صحیح فیصلہ کیا تم پورے قبیلے کے مکھیا ہو، تمہارا یہ فیصلہ ہر کوئی سنتا ہے۔ کل اس قبیلے کو روانہ ہو جانا چاہئے مگر بابا اس قبیلے کا ایک فرد اس کارروان میں شامل نہیں ہوگا اور وہ تمہاری بیٹی ثمن گپتی ہوگی۔"

بوڑھے بنجارے کا منہ حیرت سے کھل گیا، لیکن ثمن گپتی وجد کے عالم میں بولی۔

"یہ میرے مقدر کے مکھیا کا حکم ہے اور میرے اندر کے بھیدوں کا فیصلہ ہے، جس طرح تم اپنا جیون بتانے کے لئے سفر میں رہتے ہو، اسی طرح میں بھی اپنے جیون کے سفر میں چل پڑی ہوں، میرے وجود کا انت یہیں میرے سیانے کے پاس ہے، مگر میں جانتی ہوں کہ یہ بات تمہاری بدھی میں نہیں آئے گی، البتہ ایک سچائی تم بھی جانتے ہو کہ میں کسی مرد کو چھو نہیں سکتی، میرا بیاہ نہیں ہو سکتا، میں وہ چیز نہیں ہوں جسے گھر یا جھونپڑی میں سجایا جا سکے اور نہ ہی میں وہ گائے بکری ہوں جسے کھونٹے کے ساتھ باندھا جا سکے، میں تو ایک جاگتی آنکھوں کا خواب ہوں، سپنا ہوں میں، ایک آوارہ منزل خوشبو ہوں میں اسی کی ہوں بابا جس کے سپنوں میں بسی ہوئی ہوں۔"

بوڑھے بنجارے کے تصور میں نہ جانے کیا تھا ادھر ثمن گپتی مسلسل کچھ کہہ رہی تھی، اس نے کیا کہا اور کیا دلیلیں پیش کیں، بنجارے نے سنا ہی نہیں تھا، البتہ جب وہ چپ ہوئی تو وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا، باپ بیٹی کے درمیان ایک بھیانک سی خاموشی پھیل گئی اور جس طرح ہر گہری خاموشی کے بعد کچھ نہ کچھ منظر بدلتا ہے بالکل اسی طرح نوازے بھی اچانک ہی آ گیا اور بیک وقت باپ بیٹی کی نظریں اٹھ کر اس کی طرف جم گئیں، تب نوازے نے بے خودی کے عالم میں کہا۔

"بابا میں تم سے ثمن کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں، مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ کل یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں، یہ کام میرا نہیں تھا جو میں کر رہا ہوں، بلکہ میرے ماں باپ کا تھا۔ میں نے اپنے بزرگوں سے التجا کی کہ وہ تمہارے پاس اس مقصد کے لئے آئیں، مگر انہوں نے میری اس گستاخی پر نہ صرف مجھ سے ہمیشہ کے لئے تعلق ختم کر لیا، بلکہ سوائے اس ٹیلے کے انہوں نے مجھے اپنی تمام جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی بھی دے دی ہے اور اب بابا اب......" اس نے خاموش ہو کر ثمن کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اب میں تمہارے فیصلے کا منتظر ہوں، بتاؤ کیا

کہتے ہو؟''

بوڑھے بنجارے نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا، ان لوگوں کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے، عیاش اور دل پھینک قسم کے لوگ اکثر ان کی چھوکریوں کے پیچھے شادی یا سچی محبت کے چکر میں ان کے جھونپڑوں تک پہنچ جاتے ہیں اور روپے پیسے کا لالچ بھی دیتے ہیں، مگر یہ خانہ بدوش بڑی خوبصورتی سے کھا چاٹ کر طرح دے جاتے ہیں اور اگر یہ بوڑھے اپنی چھوکریوں کے عاشقوں کی مرادیں ان کی خواہش کے مطابق پوری کرتے رہیں تو پھر ایک ایک کرکے ساری چھوکریاں چھومنتر ہو جائیں، مگر اس معاملے میں بوڑھے بنجارے نے اپنے طریقوں سے کافی ہٹ کر حقیقت پسندی اور سچائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''سنو نوجوان لڑکے، میں اس وقت یہ بحث چھیڑ کر تمہارا اور اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کہ ہم خانہ بدوش اپنی لڑکیوں کے بیاہ قبیلے سے باہر کرتے ہیں یا نہیں، اس وقت میں صرف ایک حقیقت تمہارے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ یہ لڑکی کچھ خاص وجوہ کی بنا پر تم سے کیا کسی سے بھی بیاہ کرنے کے قابل نہیں ہے، اس کو چھونا اور اسے اپنی بیوی بنانا بالکل اپنی موت کو دعوت دینے والی بات ہے، تم اس بات کی تصدیق پورے قبیلے سے کرسکتے ہو اور خود ثمن کیتی بھی تمہیں اس کے بارے میں بتا سکتی ہے۔''

''بابا ثمن صرف ثمن ہے اور اگر وہ ہاتھ پاؤں سے ادھوری بھی ہوتی تو بھی اگر وہ موت کا فرشتہ ہوتی تو بھی میرے لئے وہ صرف ثمن ہے۔ بابا جو کچھ تم نے مجھے بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ سب مجھے جاننے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے قبیلے کے رسم اور رواجوں سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے، یہ ثمن کی خوشبو اور میری بانسری کے سروں کا بھید محل ہے، یہ یہاں کی مہارانی ہے اور میں اس کے چرنوں کی دھول، بالکل یہی باتیں میں اپنے ماں باپ کے آگے بھی کھری کھری کرکے آیا ہوں، میرا فرض تھا کہ ثمن کے باپ ہونے کی حیثیت سے میں تم سے اس کا ہاتھ مانگوں سو میں نے اپنا فرض پورا کردیا، یہ ثمن موجود ہے اس سے پوچھو اور مجھے بتاؤ کہ میری زندگی کا یہ فیصلہ موت سے بھی زیادہ سنگین ہے۔''

ثمن بظاہر بے نیاز سی کھڑی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی جیسے یہ باتیں اس کے بارے میں نہ ہوں بلکہ کسی اور کا معاملہ زیر بحث ہو، بوڑھا بنجارہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگیا، بے چاری کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر لہرا رہی تھیں، انتہائی مجبوری اور کرب کے عالم میں اس نے ثمن کی جانب دیکھ کر لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو بھی تو کچھ بول ثمن، اپنے آپ دیکھ، اپنا بوڑھا باپ، اپنا قبیلہ ریت رواج سب کچھ تول اور پھر بتا، مگر ایک بات یاد رکھ، فیصلہ یا بات وہ کرنا جو تیرے من میں بھاوتا ہو، میں نے تیری خاطر اپنا سارا جیون تیاگ دیا اب جو بھی کر سوچ سمجھ کے کر، فیصلہ میں نے تیرے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔''

ثمن، باپ کی جانب دیکھ کر بڑے پراسرار انداز میں مسکرائی ایسی جگر پاش مسکراہٹ، خودکشی کرنے والوں، زہر کا پیالہ ہونٹوں پر رکھنے والوں یا کسی کی خوشیوں پر قربان ہونے والوں کے ہونٹوں پر آخری بار نمودار ہوتی ہے، اس نے اپنی پاٹ دار اور حسین آواز میں کہا۔

''بابا میری خاطر تم نے اپنے بال چاندی کرلئے اور اپنی سونا جیسی جوانی پیتل کرلی، میری خوشی اور بھلائی کے لئے تم نے جو کچھ کیا وہ بہت کچھ تھا، لیکن تم لاکھ میرے لئے کچھ کرلو تم میرا انت نہیں بدل سکتے، اب وہ سمے آگیا ہے جہاں تمہاری اور میری آزمائشیں ختم ہورہی ہیں۔ میں تمہارا بیٹا نہیں بیٹی ہوں اور کوئی بیٹی سدا اپنے بابل کے گھر بیٹھی نہیں رہتی، ایک نہ ایک دن وہاں سے اپنا رزق پانی سمیٹنا پڑتا ہے۔ اپنے بابل کے پاس سے جانا پڑتا ہے۔''

بوڑھے بنجارے نے سر جھکالیا، بہت دیر تک

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

سوچتا رہا جو کچھ سوچا اس کی سمجھ سے باہر تھا اسے فیصلہ کرنا تھا اور پھر اس نے ایک فیصلہ کرلیا، پھر اسی رات ثمن اور نوازے کا بیاہ کردیا گیا، بوڑھے بنجارے نے ان انوکھے دولہا دلہن کے لئے اپنا جھونپڑا حجلہ عروسی بنادیا، محبوب ساری رات اندر جھونپڑے میں اپنے سہاگ کی سیج بناتا رہا اور ادھر قبیلے والے اپنے جھونپڑے ڈھور ڈنگر سامان سمیٹتے رہے، ساری رات اسی کشمکش اور تگ ودو میں گزر گئی۔

صبح دم اذان سے پہلے بوڑھے بنجارے نے جھونپڑے کے اندر داخل ہوکر دیکھا کہ ثمن گیتی اور نوازے ایک دوسرے کے قریب بے سدھ دراز ہیں۔ دونوں میں زندگی کی ایک بھی سانس نہیں ہے۔ ثمن کے سینے پر ایک کالا ناگ پھن اٹھائے بیٹھا ہے اور نوازے کے سینے پر بانسری رکھی ہے، خوشبو اور سرکا ایسا انت کسی نے نہ دیکھا ہوگا، بوڑھے بنجارے نے اوپر کھڑے ہوکر چند لمحے دونوں کو دیکھا اپنے آپ دو آنسو ٹپک کر دونوں گال پر گرے ایک بیلچہ اٹھایا اور اردگرد کی مٹی سمیٹ کر قبر بنانے لگا، پھر چند لمحات قبر کو دیکھا، الٹے پاؤں واپس پلٹ آیا اور باہر آکر اس نے بنجاروں سے قافلہ اٹھانے کی درخواست کردی اور کچھ دیر کے بعد یہ قافلہ کسی نئی منزل کی جانب رواں دواں ہوگیا۔''

بوڑھا تجگیت خاموش ہوگیا اور چند ہی لمحوں کے بعد اس خاموشی میں ایک عجیب سی تبدیلی رونما ہوئی، کوروتی نے اور میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ بنجاروں کا قافلہ جارہا ہے، فضا میں ایک ناقابل یقین سی خوشبو پھیلی ہوئی ہے اور بانسری کے سر اس خوشبو میں لپٹے فضاؤں میں منتشر ہورہے ہیں۔ ہماری نگاہیں صبح کے دھندلے سے اجالے میں اس کارواں کو ٹیلے سے نیچے اترتے دیکھ رہی تھیں، جانوروں کے گلوں میں بندھے گھنگھرو اور گھنٹیاں کپڑوں سے باندھ دی گئی تھیں تاکہ شور نہ ہو، یہ قافلہ اپنی ثمن گیتی کی خوشبو کو اس کے انت سر کے پاس چھوڑے جارہا تھا، ان کے چہروں کی ویرانی اور بوڑھے بنجارے کے آئندہ جیون کی محرومی صاف نظر آرہی تھی۔ ادھر کوروتی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہورہی تھیں، اس کے چہرے پر ایک عجیب سا کرب سمٹ آیا تھا، جیسے وہ ثمن گیتی ہو اور اپنی درد بھری کہانی وک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو، تبھی بوڑھے تجگیت کی آواز ابھری۔

''خانہ بدوش صبح ہی صبح چلے گئے، اس رات نوازے کے گھر میں غصے اور پریشانی کا راج تھا، کوئی بھی اس گھر میں نہیں سویا تھا نہ کسی نے کچھ کھایا پیا تھا، ساری رات اسی کشمکش اور پریشانی میں کٹی اگلی صبح لوگوں نے اطلاع دی کہ ٹیلہ خالی ہے، بس ایک جھونپڑا ابھی تک وہاں کھڑا ہے، نوازے کے باپ نے اور دادا نے تو رات ہی کو نوازے اور اس کی ضد پر لعنت بھیج کر اس کی آخری خواہش کے طور پر یہ ٹیلہ اسے بخش کر باقی تمام جائیداد اور خاندان سے عاق کردینے کا اعلان کیا تھا۔ اب اس نے یہ اعلان کردیا کہ کوئی بھی گھر اور گاؤں میں نوازے اور ثمن گیتی کا ذکر نہ کرے۔ مشرقی کنارے پر وہ جھونپڑا بنجاروں کے جانے کے بعد بھی ثابت سالم اپنے ڈنڈوں اور بانسوں پر تنا کھڑا تھا۔ پھر ایک دن وہاں پر جانے والے کچھ لوگوں نے پردہ ہٹا کر اندر دیکھا، جھونپڑی کی ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی۔ ساتھ ہی انہیں ایک قبر نظر آئی جو تازہ تازہ کھدی ہوئی تھی۔''

''دیکھنے والے یہ قبر دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگئے، ساری بات نوازے کے گھر والوں کو بتائی انہوں نے کتنی ہی لاپرواہی برتی ہو، لیکن اولاد تو اولاد ہوتی ہے، گاؤں کے گورکن کو بلا کر قبر کشائی کا حکم دیا اس وقت پورا گاؤں ٹیلے کے اوپر نیچے جمع ہوگیا تھا، کچھ لوگوں نے گھوڑے کھول لئے کہ خانہ بدوشوں کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کو پکڑتے ہیں، مگر انہیں منع کردیا گیا اور کہا گیا کہ پہلے قبر کھولو اور دیکھو کہ اندر کیا ہے، قبر زیادہ گہری نہیں تھی۔ قبر کے اوپر سے پتھر ہٹائے تو خوشبو زناٹے مارتی ہوئی باہر امنڈ آئی، ساتھ ہی ٹوٹی ہوئی بانسری بھی سامنے آگئی، ہاتھوں سے مٹی صاف کی تو دو تازہ جسم جنہیں دیکھ کر یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ مٹی ہوچکے

ہیں ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ قابل دید تھی، دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔ یہیں ہاتھ رک بھی گئے، نکالی ہوئی مٹی واپس قبر میں ڈال دی گئی۔ قبر برابر کر کے دو بھاری پتھر اوپر رکھ دیئے گئے، لیکن بڑے نمبردار کے حکم سے گاؤں کے کسی گھر میں سوگ منانے کی اجازت نہیں ملی، نہ رونا دھونا ہوا، یہ ساری صورت حال ہے اور تم نے دیکھا کہ رات کی اس خاموشی میں یہاں وہ دونوں قبر کے اوپر بیٹھے ایک دوسرے سے راز و نیاز کرتے ہیں، کبھی کبھی جب چاند پورے کا پورا آسمان پر ہوتا ہے تو بانسری کی تانیں فضا میں ابھرتی ہیں اور ایک خوشبو ہوا میں لہراتی ہوئی اس سارے علاقے کو معطر کر دیتی ہے۔ اس وقت بستی کے لوگ اپنے گھروں میں دبک جاتے ہیں، ان کے دل خوف سے بند ہونے لگتے ہیں اور سانپ تو جیسے یہاں اگتے ہیں، ہر سال سینکڑوں سپیرے ادھر آتے ہیں اور سانپوں سے اپنی ٹوکریاں بھر بھر کے لے جاتے ہیں، لیکن آج تک بھی یہاں کسی سانپ کے کاٹنے کی واردات نہیں ہوئی، ادھر ادھر جاؤ دو چار سانپ ضرور دکھائی دیں گے تم اگر ان ٹیلے پر جاؤ تو وہاں بھی تمہیں بہت سے سانپ نظر آ جائیں گے۔''

بوڑھا خاموش ہوگیا، میں نے کوروتی کی طرف دیکھا۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے، خود میری اپنی کیفیت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی، میں نے کوروتی سے کہا۔

''آؤ چلیں۔'' ہم لڑکھڑاتے قدموں سے واپس اپنی آرام گاہ پر آ گئے، کوروتی پر ایسی عجیب کیفیت طاری تھی کہ مجھے حیرت ہونے لگی، میں بھی متاثر ضرور تھا اس انوکھی کہانی سے، لیکن بہرحال اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا، البتہ میں نے کوروتی سے کہا۔

''کوروتی...... تم بھی اس طرح رو رہی ہو جبکہ تمہاری زندگی تو ایسی کہانیوں سے بھری پڑی ہے......''

''نہیں...... میں نے صدیوں میں عمر گزاری ہے، اب تمہیں کوئی بات بتانا بیوقوفی کی بات ہے تم میرے بارے میں اور میری کیفیت کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو اس لئے کچھ کہنا بے مقصد اور بے سود ہے لیکن یہ درد بھری کہانی آہ اس نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور تم کیسی باتیں کر رہے ہو ذیشان عالی، کیسی باتیں کر رہے ہو تم، تم جانتے ہو کہ میں ایک زندہ وجود ہوں، کوئی پرانی روح نہیں ہوں بے شک صدیوں سے جی رہی ہوں لیکن آہ کیسے عجیب عجیب لوگ ہیں اس سنسار میں، اپنی پریم کہانی امر کر جاتے ہیں، کیا کوئی ایسا دل والا بھی ہے جو اس کہانی کو بھول سکے۔''

''ہاں واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے، زندہ صدیوں میں اپنے دور کی کہانی لکھتے ہوئے مجھے بڑا عجیب محسوس ہوگا، یہ کہانی تو ایک الگ ہی کہانی تھی اور اگر میں اسے لکھتا تو بڑے خوب صورت انداز میں لکھ سکتا تھا، لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی زندہ صدیوں کی زینت بنے گی۔''

''چلو یہاں سے واپس چلتے ہیں۔''

''کیوں کوروتی، تم تو کہہ رہی تھیں کہ میری دنیا کو بہت قریب سے دیکھو گی؟''

''آؤ چلو مجھے ایک عجیب سی وحشت ہو رہی ہے، میری زندگی میں بھی بہت عجیب سے واقعات آئے ہیں، لیکن اس کہانی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔''

کوروتی کی خواہش پوری کرنا میری زندگی کا بھی ایک مقصد سا بن چکا تھا، وہ میرے وجود میں اس طرح اتر گئی تھی کہ کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر حیرت ہوتی تھی، اگر میں کسی کو یہ بتاتا کہ صدیوں پرانا ایک وجود جو زندہ شکل میں آب حیات پی کر میرے ساتھ زندگی گزار رہا ہے تو لوگ یقین نہ کرتے یہی کہتے کہ افسانہ نگار ہے اور ایک افسانہ لکھ رہا ہے اب لوگ جو کچھ بھی سمجھیں لیکن یہ کہانی زندہ صدیوں ہی کی زینت بن سکتی تھی۔ کوروتی نے میرے شہر واپس آ کر کہا۔

''میں اپنے گھر نہیں جاؤں گی، کچھ وقت تمہارے ساتھ ہی گزاروں گی، پتہ نہیں میرے اعصاب پر اتنا برا اثر کیوں پڑا ہے۔''

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

''کوروتی کو اپنے گھر لا کر مجھے بھی بڑی خوشی کا احساس ہوا تھا، تنہا زندگی میں ایک ایسا انوکھا ہمسفر ملا تھا کہ یقین کرنا خود میرے لئے بھی مشکل ہو جائے، کئی دن تک کوروتی پر بوڑھا جگجیت کی سنائی ہوئی کہانی کا اثر رہا، پھر اس نے کہا۔

''ذیشان چلو باہر چلتے ہیں، میرے اعصاب بڑے متاثر ہیں، میں چاہتی ہوں کہ تھوڑا سا وقت ایک خوشگوار کیفیت میں گزارا جائے۔''

میں تو خود کوروتی کی معیت میں خاموشی سے گھر کی چار دیواری میں وقت گزار رہا تھا ویسے ایک بات آپ سے بالکل سچ کہوں، مجھے ایک انوکھے پن کا احساس ضرور ہو رہا تھا وہ احساس جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری زندگی میں کوئی انوکھا سا ساتھی آ گیا ہو جو دوسروں سے بالکل منفرد ہو، جیسا کہ میں اپنے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں کوئی پارسا انسان نہیں تھا، زندگی کی تمام دلچسپیوں میں حصہ لیتا رہتا تھا، بہت سی لڑکیوں سے میری دوستی بھی رہی تھی، میں نے ان کے ساتھ خاصا دلکش وقت گزارا تھا، ایک ادیب کی حیثیت سے میری بہت سی پرستار لڑکیاں بھی تھیں اور مرد بھی جو میری کہانیوں کو میری داستانوں کو پسند کرتے تھے، لیکن میری فطرت میں کسی سے بہت زیادہ گھلنا ملنا نہیں تھا، بس جو اچھا لگا اس کے ساتھ وقت گزار لیا، دوبارہ کوئی ملا تو مل لیا نہ ملا تو نہ ملا، میں کسی کے لئے دیوانہ نہیں ہوا تھا۔

کوروتی ایک ایسا انوکھا وجود تھا جو میری زندگی کو اور خاص طور سے میری تحریروں کو ایک انوکھے رنگ سے دوچار کر رہا تھا، اس کی معیت میں میرے شب و روز بہت اچھے گزر رہے تھے۔ وہ ایک پراسرار وجود تھا اور جیسا کہ اس نے مجھے بتایا کہ صدیوں کے اس طویل سفر میں اس نے لاتعداد پراسرار علوم بھی سیکھے۔ اس کی زندگی میں انتہائی پراسرار واقعات بھی آئے ایسے کردار بھی جو ناقابل یقین قوتوں کے مالک تھے۔ اس نے کہا کہ ان سے ان کے فن سیکھ کر بہت بار ایسا ہوا کہ ان سے جان چھڑانا بھی ایک مشکل امر ثابت ہوا، اس نے صاف گوئی سے کہا کہ میں نے ان سے ان کا فن لے کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، اگر میں امرت جل نہ پی چکی ہوتی تو جب انہیں یہ علم ہوا کہ میں نے ان کا گیان ان سے لے لیا ہے تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئے، لیکن ایسا نہ کر سکے۔

''کوروتی، کیا کبھی تمہارا دل اس سنسار سے اکتایا'' میں نے اس سے پوچھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی، پھر بولی۔

''فیصلہ نہیں کر سکتی میں، بس اگر کہیں من لگ گیا تو خوشی سے گزار لیا، میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ میں تمہارے جیون کے آخری دن تک رہوں تو میرا تو کچھ نہیں ہوگا لیکن آخرکار تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے، کبھی کبھی ایسی جدائی مجھے بڑی دکھتی ہے اور نجانے کتنے عرصے تک میں دکھوں میں ڈوبی رہتی ہوں۔''

''ایسے واقعات ہوئے ہیں؟'' میں نے اس سے سوال کیا اور مجھے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔ وہ صدیوں پرانی عورت تھی اور میں اس کا لمحوں کا ساتھی، لیکن انسان کی فطرت میں تھوڑی سی رقابت ضرور ہوتی ہے، لاکھ صاف اور کشادہ ذہن کا مالک تھا، لیکن اس کے ان الفاظ پر میں نے ایک رقابت کی سی کیفیت محسوس کی وہ بہت زیرک تھی، اس نے میرے چہرے پر یہ کیفیت نوٹ کر لی اور میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''مگر من سے کہہ رہی ہوں تم میرے لئے بہت بڑی حیثیت کے مالک ہو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہم خوب سیر و سیاحت کرتے رہے، وہ بہت متاثر ہو رہی تھی، کہنے لگی۔

''دیکھو ذیشان عالی! اس دن میں نے تمہیں ایک بات بتائی تھی اور میں نے محسوس کیا تھا کہ تمہارا دل اداس ہو گیا ہے۔ تم میرے بارے میں دوسرے انداز میں سوچنے لگے ہو لیکن میں سچ بتا رہی ہوں کہ میں اس سے تک تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں، جب تک جیون تمہارا ساتھ دے، کہیں اور نہیں جاؤں گی کسی اور کو نہیں

دیکھوں گی، لیکن جب بھی تمہارے بنا سوچوں گی تو مجھے بہت عجیب لگے گا۔ تم جیسا کردار میرے جیون میں کبھی نہیں آیا، البتہ ایک بات پر مجھے حیرت ہے۔"

"کیا؟" میں نے خوش ہوکر پوچھا۔

"گوتم بھنسالی کہاں جامرا، اتنے دن ہوگئے تمہارے ساتھ وہ نظر نہیں آیا، حالانکہ وہ اب شدید رقابت کا شکار ہوگا، کیونکہ میں تمہارے ساتھ جو سمے بتا رہی ہوں، گوتم بھنسالی اس کے ایک لمحے کے لئے ترستا رہا ہے۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ کوروتی۔"

"ہاں پوچھو۔"

"تم نے پہلے بھی مجھے بتایا تھا کہ گوتم بھنسالی روپ بدل سکتا ہے، وہ تمہارے من پسند وجود کی حیثیت سے بھی تمہارے سامنے آسکتا ہے اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"میں نے بتایا تھا میرا گیان اس سے کہیں زیادہ آگے ہے، وہ اپنے گیان سے ہی مار کھا گیا ہے، وہ نہیں سیکھ سکا جو میں سیکھ چکی ہوں۔ وہ اگر ایک چیونٹی کی شکل بن کر بھی میرے سامنے آئے تو میں اسے پہچان لوں گی کہ وہ گوتم بھنسالی ہے۔"

"ہاں تم نے بتایا تھا کوروتی۔" میں نے کہا۔

"کئی دن مزید گزر گئے میں نے اپنی کتاب میں کچھ نہیں لکھا تھا پھر اس دن اس نے خود ہی کہا۔ "اگر تم اجازت دو تو اپنے گھر ہو آؤں۔"

"ہاں اس میں اجازت کی کیا بات ہے، اس کے بعد تم مجھے بتانا کہ میرے ہی دور کی کوئی اور کہانی تم دیکھنا پسند کرو گی، میرا مطلب ہے اس وقت میرے ذہن میں تو کچھ نہیں ہے، لیکن جس طرح ہم ایک اجنبی علاقے میں جا نکلے تھے اور وہاں ہمیں ثمن گپتی مل گئی اسی طرح یہاں اور بھی حسن و عشق کی کہانیاں بکھری پڑی ہیں، یہ تو انسان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ہے۔"

"نہیں بابا نہیں، میرے اندر ہمت نہیں ہے، میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ بہت کچھ دیکھا ہے میں نے سنسار میں، لیکن ثمن گپتی کی کہانی نے میرے اوپر جو اثر ڈالا ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ایک بات اور بتاؤں تمہیں۔"

"ہاں۔ بولو۔"

"گوتم بھنسالی ہم سے زیادہ دور نہیں ہوگا وہ مجھ سے زیادہ تمہارا دشمن بن چکا ہے اور تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، میں تمہیں ایک ایسا اپائے بتاتی ہوں جس سے تم بھی اسے پہچان لو گے اور اگر کبھی وہ کسی بدلی ہوئی حیثیت سے تمہارے سامنے آیا تو اس سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر سنو، میں تمہیں ایک دو دن کے بعد ایک جاپ بتاؤں گی جسے کر کے تم ایک چھوٹا سا سامان حاصل کر سکتے ہو، یعنی گوتم جس شکل میں بھی آئے گا تم اسے پہچان سکتے ہو۔"

کوروتی مجھ سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئی اور میں نے زندہ صدیاں نکال لیں۔ میں بہت عرصے سے ان میں اپنی تحریر درج نہیں کر سکا تھا اور پھر اس رات میں ثمن گپتی کو لکھتا رہا۔ میں نے نیزے ہاتھ پاؤں سیدھے کرنے کا وہ نسخہ بھی اپنی کہانی میں تحریر کر دیا کہ اگر کبھی میری یہ کتاب چھپ جائے اور انسانوں کے ہاتھوں میں پہنچے تو ہوسکتا ہے وہ اس سے فائدہ حاصل کر لیں۔

کوروتی سے کسی طرح کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی اور اس رات بھی میں اپنی کہانی میں مصروف تھا اور میرے دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ بہت عرصے یہاں رہ لئے اب کوروتی سے کہوں گا کہ کتاب کے راستے مجھے کسی اور دنیا میں لے جائے۔ واقعی زندگی کے لمحات اس قدر دلچسپ ہوتے ہیں۔ رات کے دو بجے تھے۔ میں زندہ صدیاں تحریر کر رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

(جاری ہے)

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

عجیب مخلوق

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

طوفان لحظہ بہ لحظہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، ایسا لگتا تھا کہ آج ہی پوری دنیا نیست و نابود ہو جائے گی ایسے میں کسی کا بچ جانا کسی صورت بھی ممکن نہیں تھا کہ پھر اچانک وہ کچھ ہو گیا جس کا تصور نہ تھا۔

دوسری دنیا سے آنے والی مخلوق کا عجیب و غریب شاخسانہ، آنے والے زمانوں کا قصہ

جوہالا کا خلائی جہاز اچانک ایک تیز طوفان کی لپیٹ میں آ گیا، اسے اتنی بھی مہلت نہیں ملی کہ جہاز کا رخ کسی اور جانب موڑ لیتا، اس کے خلائی جہاز کی باڈی دنیا کی مضبوط ترین دھات سے بنائی گئی تھی۔ لیکن ونڈ شیلڈ پر برابر طوفان کا دباؤ پڑ رہا تھا۔ پینل سے چنگاریاں بھی نکلتی دکھائی دی تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ بعض سرکٹ فیوز ہو گئے تھے۔ کنٹرول بورڈ پر خطرے کی سرخ بتی جل اٹھی تھی۔

جوہالا نے آٹومیٹک کنٹرول منقطع کر دیا۔ اور جہاز کو توس کی شکل میں داہنی جانب موڑ دیا۔ طوفان کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے اس نے ایک نئے نظام شمسی کا سروے مکمل کیا تھا۔ اس نظام کے ایک سیارے نے خاص طور پر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس سیارے پر اس کی اپنی نسل سے ملتی جلتی مخلوق آباد تھی۔ وہ پختہ

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

مکانوں میں سکونت رکھتی تھی اور بظاہر مہذب معلوم ہوتی تھی۔ سیارے کے گرد گردش کرتے ہوئے اس نے بعض گنجان آباد علاقے بھی دیکھے تھے۔

طوفان لحظہ بہ لحظہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔ پس اس نے وقتی طور پر قریبی سیارے پر اترنے کا فیصلہ کرلیا اور کوئی سنسان جگہ تلاش کرنے لگا اس نے اپنے اس فیصلے سے خلائی مرکز کو بھی آگاہ کردیا۔ جس کی فوراً ہی اجازت مل گئی۔ تاہم خلائی مرکز نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا ''اس سیارے پر بسنے والی مخلوق کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ یہ مخلوق ہمیں دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوجاتی ہے عام طور پر بھاگ جاتی ہے لیکن کبھی کبھی حملہ بھی کردیتی ہے۔ اس مخلوق کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہوسکی ہیں اس لیے تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اپنے خلائی جہاز کو آبادی سے دور کسی ویران مقام پر اتارنا۔''

جوہالا نے اپنی نہایت طاقت ور دوربین سے سیارے کی سطح کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں کسی غیر آباد جزیرے کی تلاش میں ہوں۔''

''بہت خوب غیر آباد جزیرہ مناسب رہے گا۔'' خلائی مرکز سے جواب ملا۔

چند لمحوں کے بعد جوہالا نے وسیع سمندر کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ دیکھا۔ دور سے وہ ایک دھبہ معلوم ہوتا تھا۔ جوہالا نے خلائی جہاز کا رخ اس جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ جزیرے پر سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آرہا تھا۔

وہاں آبی پرندوں کے سوا کسی مخلوق کے آثار نہیں تھے جوہالا نے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں ایک صاف جگہ پر جہاز اتار دیا۔ جہاز کے پیندے سے نکلنے والی گیس نے آس پاس کے درختوں کو لمحہ بھر میں جلا کر خاک کردیا۔ جہاز کے خودکار پائے کئی کئی فٹ تک زمین میں دھنس گئے اور جوہالا نے بڑی شدت کا جھٹکا محسوس کیا وقتی طور پر اس کا جسم مفلوج ہوکر رہ گیا۔

چند لمحوں تک وہ بے حس و حرکت اپنی جگہ پر بیٹھا زائل شدہ قوت بحال کرتا رہا۔ پھر وہ حفاظتی بیلٹ کی پیٹیاں کھولنے لگا۔ طویل سفر کی وجہ سے اس کے پنجے اور جوڑ بری طرح درد کررہے تھے اس نے اپنے استخوانی جسم پر چڑھے ہوئے حفاظتی خول کو درست کیا اور پچھلے پنجوں پر کھڑے ہوکر ایک طویل انگڑائی لی پھر وہ خلائی جہاز کا دروازہ کھول کر باہر آگیا اور آنکھیں جھپکتا ہوا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

سورج غروب ہونے کو تھا اور ویران جزیرے پر شام کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا فضا سمندر کی لہروں اور آبی پرندوں کے شور سے معمور تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عجیب و غریب سائے رقص کررہے تھے۔ اس نے کشادہ قطع زمین اور سرسبز درختوں کا معائنہ کیا۔ شام کے دھندلکے میں درخت تاریک سایوں کی مانند استادہ تھے۔ لیکن کسی ذی روح کے آثار نہیں تھے۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ واپس خلائی جہاز میں واپس آگیا اور اپنے کیبن میں سوگیا۔

اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو موسم خاصا خوشگوار تھا۔ گزشتہ رات پراسرار تاریک دکھائی دینے والا جزیرہ اب خاصا پرکشش نظر آرہا تھا۔ سرسبز درختوں سے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آرہی تھیں پس منظر میں لہروں کا دبا دبا سا شور بلند ہورہا تھا۔ سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا ٹھنڈی اور خوشگوار تھی۔ جوہالا اس اجنبی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے خاص سنسنی محسوس کررہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ جگہ اس کی دنیا سے حالانکہ مختلف ہے مگر کتنی مانوس سی لگتی ہے اس کائنات کے اجزائے ترکیبی میں کتنی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ہر مقام پر زندگی اور زندہ رہنے کی لگن پائی جاتی ہے ہر چند وہ وہاں کی مخلوق کے معاشی اور تمدنی حالات سے قطعی بے خبر تھا۔

تاہم اس نے اپنے خلائی جہاز کے اردگرد جھاڑ جھنکاڑ کی باڑ کھڑی کردی۔ تاکہ کوئی اسے نقصان نہ پہنچاسکے۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت تھی کہ بیشتر

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

سیاروں پر بسنے والی مخلوق مشینی اور سائنسی دور میں داخل ہوچکی تھی۔ اس کام سے فارغ ہوکر جوہالا نے اپنے سیارے کے خلائی مرکز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے موسم کا جائزہ لیا۔

دور مغرب کی طرف سے گھنے بادلوں کے پرے نمودار ہورہے تھے۔ جن میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ ساتھ برقی کوندے بھی لپک رہے تھے۔ یہ گھنے اور سیاہ بادل تیزی سے فضاء پر محیط ہوتے جارہے تھے، جوہالا کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اس کے سیارے کی فضا میں دن کو رات میں تبدیل کردینے والے بادل کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ موجودہ صورتحال کے پیش نظر سفر کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یوں بھی گرجتے چمکتے بادلوں کی آمد اس کے لئے ہنگامہ خیز تھی۔ وہ حیرت واشتیاق سے ان کا نظارہ کررہا تھا۔ بلکہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہوتا۔ جس کے ہمراہ وہ اس منظر فطرت کا نظارہ زیادہ شوق کے ساتھ کرتا۔ جس سیارے سے وہ آیا تھا وہاں اکیلا پن سب سے اذیت ناک چیز تھی۔ تاہم ان میں سے بعض کے لئے کائنات کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے سیاروں کی تحقیق وتفتیش کے لئے تنہائی کی اذیتوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر سیاہ بادلوں نے پوری فضاء کو اپنے پروں تلے چھپالیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ یہ منظر جوہالا کے لئے پہلے سے بھی زیادہ ولولہ انگیز تھا۔ وہ بارش کے قطروں کو اپنے جسم پر محسوس کرتا اور خوشی سے جھوم اٹھتا۔ شام سے پہلے بارش ختم ہوگئی اور مطلع صاف ہوگیا۔ مست ہاتھیوں کی طرح جھوم کر آنے والے بادل فضائے بسیط کی وسعتوں میں کہیں گم ہوگئے تھے، جزیرے کا مختصر سا جنگل نکھر گیا تھا۔ سورج کی رخصت ہوتی ہوئی کرنیں سرسبز جنگل کے خوبصورت رنگوں کو مزید نمایاں کررہی تھیں جوہالا اپنے دل میں عجیب سی ترنگ محسوس کررہا تھا۔ وہ بے اختیار جزیرے کے خاموش جنگل کی طرف چل پڑا۔ بارش کی وجہ سے دبکے ہوئے رنگ برنگے پرندے دوبارہ شاخوں پر جھولتے نظر آرہے تھے۔

کچھ دور جانے کے بعد جوہالا یکایک رک گیا اور منہ اٹھا کر فضا کو سونگھا، قرب وجوار میں کہیں لکڑی جلائی جارہی تھی۔ لمحہ بھر کے بعد اس نے درختوں کے ایک جھنڈ سے پرے دھواں اٹھتا دیکھا۔ وہ جھاڑیوں اور شاخوں سے بچتا بچاتا دھوئیں کی سمت چل پڑا اور بالآخر اس مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ جنگل کی حدود ختم ہوتے ہی ایک چھوٹی ٹیکری تھی جس کے دامن میں لکڑیوں کا الاؤ جل رہا تھا۔ الاؤ کی داہنی جانب گھاس پھونس کا ایک گھونسلا بنا ہوا تھا اور الاؤ کے سامنے ایک درندہ دبکا بیٹھا تھا وہ انتہائی خوف زدہ اور تنہا نظر آرہا تھا اس کے پہلو میں ایک چمکدار سیاہ نالی رکھی تھی۔

جوہالا کو خلائی جہاز کی یہ ہدایت یاد آئی کہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق کے قریب جانے کی حماقت نہ کرے یہ اقدام اس کی سلامتی اور آزادی کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آواز سنتے ہی الاؤ کے سامنے بیٹھا ہوا درندہ بری طرح اچھل پڑا اور اس کا پنجہ بے اختیار سیاہ نالی پر جاپڑا۔

وہ درندہ جس کو کہ آرسین کہا گیا اس کو اس جزیرے میں پناہ لئے ہوئے پندرہ گھنٹے ہوچکے تھے۔ گزشتہ رات اس کی موٹر لانچ طوفان کی طرد میں آگئی تھی۔ انجن خراب ہوگیا تھا اور تیز ہواؤں نے اسے اس جزیرے پر لا پھینکا تھا۔ یہ بھی اس کی خوش قسمتی ہی تھی۔ ورنہ اس طوفانی سمندر اور سیاہ رات میں وہ اپنی زندگی سے قطعی مایوس ہوچکا تھا۔ اس کی لانچ خود بخود ہی جزیرے کے ساحل پر پہنچ گئی تھی۔ رات کا بیشتر حصہ اس نے لانچ پر ہی گزارا تھا۔ اس کے پاس دو تین دن تک کا خشک راشن موجود تھا۔ اس کے علاوہ جزیرے پر جنگلی پھلوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ لہٰذا وہ حالات سازگار ہونے تک باآسانی وہاں وقت گزار سکتا تھا۔

دن کا اجالا پھیلنے کے بعد اس نے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں درختوں کی شاخوں سے ایک جھونپڑا

تعمیر کرلیا۔ مغرب کی طرف سے گھنے بادلوں کی آمد اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ خوب زوروں کی بارش ہوگی۔ ان حفاظتی انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے لانچ سے ضروری سامان جھونپڑے میں منتقل کرلیا۔ خشک لکڑیاں اکٹھی کرکے الاؤ روشن کیا اور پھر چند پرندوں کا شکار کرکے انہیں الاؤ پر بھوننے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ناشتے کے بعد وہ پورے جزیرے کا سروے کرے گا تاکہ یہ معلوم کرے کہ وہاں کوئی وحشی مخلوق تو آباد نہیں۔ مگر بادل اس کے اندازے سے پہلے ہی سر پر پہنچ گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، پانچ بجے کے قریب بادل جتنی تیزی سے نمودار ہوئے تھے اتنی ہی تیزی سے غائب ہوگئے مطلع بالکل صاف ہوگیا اور جزیرے کا ماحول سورج کی الوداعی کرنوں سے منور ہوگیا۔

آرسین نے دوبارہ الاؤ روشن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ کر جزیرے سے نکلنے کی تدبیر سوچنے لگا شام ہونے کو تھی اور ماحول پراسرار سناٹے میں لپٹا ہوا تھا دفعتاً اسی خاموشی میں اسے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دی وہ تیزی سے پیچھے مڑا اس کا ہاتھ بے اختیار قریب رکھی ہوئی بندوق پر جا پڑا، عقب میں درختوں کے قریب جو چیز اس نے دیکھی وہ اس کے دن پر سکتہ طاری کردینے کے لئے کافی تھی۔

وہ ایک حیرت انگیز مخلوق تھی جس کی مثل اس نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ آئندہ دیکھنے کا امکان تھا۔ اس کی جسمانی وضع قطع کسی عظیم الجثہ ٹڈے کی مانند تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے اوپر دو لمبے لمبے فیلر نظر آرہے تھے۔ جن کی لمبائی آرسین کے اندازے کے مطابق تین فٹ سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ وہ پچھلے پیروں پر کسی انسان کی مانند کھڑا تھا۔ اس کا قد بلاشبہ سات آٹھ فٹ کے قریب تھا۔ کندھوں کے قریب چار پنجے تھے۔ جو انسانی ہاتھوں کی مانند نظر آتے تھے، اس کا جسم نہایت مضبوط اور لوہے کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

آرسین نے اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کی اور بندوق اٹھا کر یکے بعد دیگر دو فائر جھونک مارے لیکن اس عظیم الجثہ ٹڈے نے اپنے پر کھولے اور کسی ہلکے پھلکے پرندے کی مانند فضا میں بلند ہوگیا۔

جوہالا نے فضاء میں ایک چکر لگایا اور گردن لمبی کرکے نیچے دیکھنے لگا۔ وہ درندہ ہاتھ میں سیاہ نالی پکڑے ادھر ادھر دوڑ رہا تھا۔ اس کی حرکات وسکنات سے دہشت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ ہلکے پھلکے جسم کا جاندار تھا۔ تنہا اور سہما سہما اس کا جسم نرم ونازک اور پیلے رنگ کا تھا جوہالا نے دیکھا کہ وہ بار بار اوپر دیکھتا اور سر جھٹکتا تھا جوہالا کافی دیر تک فضاء میں چکر لگاتا رہا اور وہ جاندار درختوں کے درمیان دوڑتا رہا۔

کچھ دیر بعد سورج غروب ہوگیا اور جزیرے کی فضا پر شام کا دھندلکا پھیل گیا۔ جوہالا اس جاندار کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے کے لئے معطل فضاء میں چکر لگاتا رہا۔ اس کی تیز نظریں درختوں کے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ بالآخر وہ جاندار تھک گیا اور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز سے بے چارگی اور مایوسی ٹپکتی تھی۔ وہ اس کائنات کی کمزور ترین ہستی معلوم ہوتا تھا۔

تاریکی گہری ہوتی جارہی تھی۔ جوہالا نے اپنا رخ خلائی جہاز کی طرف کرلیا اور پہاڑی کی دوسری جانب پہنچ کر زمین پر اتر گیا۔ پھر وہ باوقار انداز میں اپنے جہاز کی طرف روانہ ہوگیا اسے اپنی اس حرکت پر کچھ افسوس سا ہو رہا تھا وہ جاندار اس کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں تھا وہ جسمانی اعتبار سے اس سے زیادہ مضبوط اور قد آور تھا۔ اسے بہادری کے ساتھ اس کا سامنا کرنا چاہئے تھا۔ ہوسکتا تھا کہ دونوں کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہوجاتی لیکن اس کے خیالات اس کے پہلے حرکت میں آگئے تھے۔

اگلی صبح مطلع صاف تھا چاروں طرف چمکدار ہوپ نکلی ہوئی تھی جوہالا ایک بار پھر جزیرے کے اس

حصے کی طرف جارہا تھا۔ جہاں اس نے گزشتہ رات ایک جاندار کو دیکھا تھا۔ وہ درختوں کے نیچے اگی ہوئی جھاڑیوں سے بچتا بچاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ خشک پتے اس کے پیروں کے نیچے چرمرا رہے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں چاروں طرف کا جائزہ لیتی جارہی تھیں۔ اس کے سر پر نکلے ہوئے فیلر آنکھوں کے ساتھ ساتھ حرکت کررہے تھے۔

ابھی وہ کافی دور ہی تھا کہ اس نے پیلی رنگت والے درندے کو اچھل کر ایک درخت کے نیچے دبکتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی کل والی سیاہ نالی نظر آرہی تھی۔ جوہالا کسی ڈر کے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

دفعتاً اس نے ایک زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ سیاہ نالی کے اندر سے شعلہ نکلتے دیکھا۔ پھر کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کے پہلو سے گزر گئی جوہالا رک گیا اس کے بڑے بڑے پر خود بخود کھل گئے۔

نالی کے اندر سے دوبارہ شعلہ برآمد ہوا۔ کوئی چیز اس کے کندھے کو چھوتی ہوئی گزر گئی اس کے ساتھ ہی اس نے کندھے پر درد کی ایک شدید ٹیس اٹھتی محسوس کی۔ گو وہ زخمی نہیں ہوا تھا تاہم درندے کی اس غیر متوقع حرکت پر دم بخود ہوگیا اور جلدی سے ایک موٹے تنے کی اوٹ میں ہوگیا اسے سخت غصہ آرہا تھا درندے کی سیاہ نالی بڑی تیزی کے ساتھ شعلے اگل رہی تھی۔

جوہالا نے اپنے پہلو کے ساتھ لگا ہوا ہتھیار اتار لیا۔ اور اس کا رخ ایک جھاڑی کی طرف کرکے بٹن دبادیا۔ ہتھیار کے اندر سے ایک تیز شاع برآمد ہوئی اور جھاڑی جل کر خاکستر ہوگئی اس نے دانستہ ہتھیار کا رخ اس عجیب وغریب درندے کی طرف نہیں کیا تھا وہ اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کے پاس اس سے بھی زیادہ خطرناک ہتھیار ہیں اور وہ تمام رکاوٹوں کے باوجود اس کا خاتمہ کرسکتا ہے۔

درندہ خوف سے چیختا ہوا درختوں کے درمیان بھاگتا چلا گیا، جوہالا درخت کی اوٹ سے باہر نکل آیا اور اپنا سر جھٹکنے لگا وہ اس جاندار کو خوف زدہ کرنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے غیر دوستانہ رویے کی وجہ سے اسے یہ قدم اٹھانا پڑا، اس حقیقت کے باوجود اس کا چہرہ افسوس کے باعث تاریک ہوگیا۔

وہ جاندار انتہائی خوف کے باعث اس کے دوستانہ خیالات کا اندازہ لگانے سے قاصر رہا تھا۔ اس کے خوف کا سبب غالباً یہ تھا کہ جوہالا کا جسمانی ڈھانچہ اس سے بہت مختلف تھا۔ جوہالا نے سوچا کہ خوف کی موجودگی میں ایک مخلوق دوسری مخلوق کے ساتھ ذہنی رابطہ استوار نہیں کرسکتی۔ خوف خیالات اور تاثرات کے اوپر پردہ ڈال دیتا ہے اس پردے کو ہٹانے اور اجنبی جاندار کے ذہن سے رابطہ قائم کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ کہ اسکی خوشی اور غمی میں شریک ہوا جائے پس وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا اس سمت چل پڑا جس میں اس نے جاندار کو جاتے دیکھا تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اس کی تیز نظریں آس پاس کا جائزہ لیتی جارہی تھیں دونوں فیلر مستقل حرکت کررہے تھے کچھ دور جانے کے بعد اس نے ایک کشتی کنارے کے ساتھ کھڑی دیکھی وہ ایک مضبوط رسی کے ساتھ قریبی چٹان کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

جوہالا کشتی کے قریب جاکر اس کے انجن اور باڈی کا معائنہ کرنے لگا چند لمحوں کے اندر وہ یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ انجن میں کچھ خرابی پائی جاتی ہے۔

یہ کشتی اس جاندار کی تھی اور غالباً انجن کی خرابی کے باعث ہی وہ اس جزیرے پر پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا جوہالا انجن اور پنکھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس قسم کا قدیم انجن غالباً اس نے اپنے سیارے کے عجائب گھر میں دیکھا تھا کسی زمانے میں یہ چیز ان کے سیارے پر استعمال ہوتی تھی مگر اب آثار قدیمہ کا حصہ بن چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

جب آرسین نے جھاڑی کو جل کر راکھ ہوتے دیکھا تو اس کی دونوں آنکھیں باہر کو ابل پڑیں اس نے مقابلے کا ارادہ ترک کردیا اور جان بچا کر بھاگ نکلا وہ

عظیم الجثہ اور کریہہ المنظر مخلوق بلاشبہ ماورائی قوتوں کی مالک تھی اس قسم کی مخلوق کا ذکر یا تو قدیم تاریخ کے اوراق میں ملتا تھا یا دہشت ناک فلموں میں، یہ بات حیرت انگیز تھی کہ اس نے اپنے آتشیں پستول کا رخ جھاڑی کی طرف کرکے فائر کیا تھا غالباً وہ اسے زندہ پکڑنا چاہتی تھی یہ بھی بعید از قیاس نہیں تھا کہ وہ کسی آدم خور ویمپائر کی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اسے زندہ چبانا چاہتی ہو وہ اپنی ٹانگوں کی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا اور گاہے گاہے پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا وہ بلا اب کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

آرسین ایک لمبا چکر کاٹ کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا اور درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ کر ہانپنے لگا اس مقام سے وہ دور دور تک دیکھ سکتا تھا کچھ دیر بعد اس نے خوف ناک مخلوق کو موٹر لانچ کی طرف بڑھتے دیکھا وہ دم سادھے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس مخلوق کو ہلاک کیے بغیر وہ زندگی کا تصور نہیں کرسکتا تاہم اس کام کے لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

کشتی کے انجن کا معائنہ کرنے کے بعد جوہالا سیدھا کھڑا ہوکر سوچنے لگا اس کے نقطہ نظر سے انجن میں بہت معمولی خرابی تھی اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ اسے دور کرسکتا تھا یہ اجنبی جاندار کے ساتھ اظہار ہمدردی کا بہترین موقع تھا۔ وہ اپنے خلائی جہاز سے ٹول کٹ لے آیا اور انجن کی مرمت کرنے لگا چار ہاتھوں کی وجہ سے اس کے کام کی رفتار خاصی تیز تھی نصف گھنٹے کے اندر اس نے کام مکمل کرلیا اور انجن اسٹارٹ کرکے دیکھا۔

اسی لمحے اس نے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنی۔ گولی کشتی کے کنارے پر لگی اور اس کی کرچیاں اڑ گئیں جوہالا کے پرخود بخود کھل گئے اور وہ فضا میں بلند ہوگیا اس نے دیکھا کہ اجنبی جاندار ایک قریبی جھاڑی کے پیچھے دبکا بیٹھا ہوا ہے اور اس نے اپنے ہاتھ میں وہی سیاہ نالی پکڑی ہوئی ہے۔

جوہالا نے شدید غصہ کے ساتھ اپنے پر پھڑپھڑائے اور آسمانی قہر کی مانند اجنبی پر جھپٹا آخرالذکر اس ناگہانی حملے کے باعث اجنبی بری طرح بدحواس ہوگیا اور چند قدم دوڑنے کے بعد زمین پر گر گیا۔

جوہالا دونوں ٹانگیں پھیلا کر اس کے اوپر کھڑا ہوگیا اجنبی بری طرح ہانپ رہا تھا اور دہشت زدہ نظروں سے جوہالا کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے منہ سے خوف میں ڈوبی ہوئی چیخیں نکل رہی تھیں جوہالا نے اس کے ہاتھ سے سیاہ نالی جھپٹ لی اور اس کے چار ٹکڑے کرکے فضا میں اچھال دیا پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور ہولے ہولے اجنبی کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی جنگلی خرگوش کو رام کرنے کی کوشش کررہا ہو۔

آرسین ہولے ہولے اٹھ کر بیٹھ گیا اور غیر یقینی نظروں سے جوہالا کی طرف دیکھنے لگا گو فوری دہشت کا اثر کم ہوگیا تھا مگر اس کی آنکھیں بوجہ خوف اپنے حلقوں سے باہر نکلی جارہی تھیں اس کے چہرے سے نفرت کراہت کا اظہار ہورہا تھا۔

جوہالا نے اپنے پنجے سے کشتی کی طرف اشارہ کیا آرسین اس اشارے کا کوئی مطلب نہ سمجھ سکا تاہم وہ ہولے ہولے پیچھے ہٹنے لگا جوہالا نے کوئی تعرض نہیں کیا اس بات سے حوصلہ پاکر آرسین بدستور پیچھے ہٹتا چلا گیا بالآخر وہ کھڑا ہوگیا اور بے تحاشہ کشتی کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

کشتی میں اس کی دوسری رائفل موجود تھی جو شاید گن کے مقابلے میں زیادہ طاقتور تھی اور یقیناً اس کا بہتر دفاع کرسکتی تھی لیکن جب وہ کشتی کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ انجن اسٹارٹ تھا اس نے رائفل کا خیال ترک کردیا اور جلدی سے رسی کھول کر کشتی کو پوری رفتار کے ساتھ آگے بڑھا دیا۔

آرسین سوچ رہا تھا کہ انجن کا خود بخود اسٹارٹ ہونا بلاشبہ ایک معجزہ تھا حالانکہ اس سے پہلے اس نے کبھی معجزات پر یقین نہیں کیا تھا شاید خدا کو اس کی کوئی نیکی پسند آگئی تھی۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

خواہش ناتمام

عثمان غنی-پشاور

ذی شعور عقلمند اور اعلیٰ دماغ کے مالک لوگوں کا کہنا ہے کہ زبان خلق کو نظارہ خدا سمجھنا چاہئے اور اپنی ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر حالات پر نظر رکھنی چاہئے ورنہ ہٹ دھرم زندہ درگور ہو جاتا ہے۔

دل و دماغ پر خوف کا سکہ بیٹھاتی اور حقیقت سے روشناس کراتی پر تحیر کہانی

عرصہ پہلے کی بات ہے جب پاکستان بننے والا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں، پاکستان بننے پر بے شمار جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، پھر آخرکار مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کے صلے میں پاکستان جیسا اسلامی ملک وجود میں آ گیا۔ پاکستان میں جو انڈین یعنی ہندوں تھے وہ ہندوستان چلے گئے اور جو مسلمان تھے، وہ پاکستان آ گئے، مگر راستے میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت کی قربانیاں دینی پڑیں!۔

جو مسلمان کامیاب سفر کر کے پاکستان پہنچے انہی میں شاہ ویز بھی شامل تھا، یہاں آنے والے مسلمانوں کو سرکار نے ہندوؤں کے گھر دے دیئے، شاہ ویز بھی انہی مسلمانوں میں سے ایک تھا۔

وہ جب پاکستان پہنچا اسے گورنمنٹ نے ایک بہت بڑا مکان دیا اس مکان میں ایک چھوٹا سا مندر بھی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

پوجا پاٹ کے لئے تھا۔ ہندوؤں یقیناً اس مندر کو بڑی محنت سے بنوایا ہوگا۔

شاہ ویز اکیلا تھا راستے میں اس کے گھر والوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کی بہن کو اغوا کر لیا گیا تھا اور بعد میں بہن کی لاش جنگل میں الٹی لٹکی ہوئی ملی۔

شاہ ویز نے اس گھر میں آنے کے بعد مندر گرا دیا۔ اور اس پھر نئے سرے سے گھر تعمیر کروالیا۔ گھر مکمل ہونے میں کچھ عرصہ لگا مگر بہر حال تعمیر ہوگیا شاہ ویز نئے گھر میں سیٹ ہوگیا وہ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرنا چاہتا تھا اس گھر میں اس کی پہلی ہی رات تھی کہ اسے پہلی ہی رات خوفناک آوازیں سنائی دیں، آوازیں ایسی تھیں جیسے کہ سینکڑوں بدروحیں مل کر بین کر رہی ہوں، آوازیں آدھی رات تک آتی رہیں۔

جب شاہ ویز بہت پریشان ہوگیا تو وضو کر کے اس نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی! قرآن پاک کا پڑھنا تھا کہ آوازیں آنا بند ہوگئیں پھر شاہ ویز نے سکھ کا سانس لیا اور قرآن کی تلاوت کر کے سو گیا۔

اگلے دن !دروازے پر دستک ہوئی جب دروازہ شاہ ویز نے کھولا تو سامنے ایک خوبرو تیکھے نقوش والی عورت کھڑی تھی اس نے شوخ رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور ساڑھی کے بارڈر پر گولڈن کڑھائی والا کام ہوا تھا وہ عورت حلیے سے کم عمر لگ رہی تھی مگر وہ اچھی خاصی عمر کی تھی 30 سے اوپر کی۔

''جی آپ کون؟'' شاہ ویز نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''میں ریکھا ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ہندو مسلم فسادات میں میرے گھر والے لقمۂ اجل بن گئے، میں اکیلی رہ گئی ہوں ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے ہندوستان جا بھی نہیں سکتی برائے مہربانی مجھے پناہ دیں، میں آپ کی ملازمہ بن کر رہوں گی، بس بابو جی دو وقت کی روٹی دینا، میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔''

شاہ ویز کچھ دیر سوچتا رہا اسے گھر کے کاموں کے لئے کسی نہ کسی کی ضرورت تھی اور ریکھا ہندو ہونے کے باوجود صاف اردو بول رہی تھی شاہ ویز کو اس پر ترس آ گیا اور ایک طرف ہو کر اسے گھر میں داخل ہونے کا راستہ دیا، ریکھا آگے بڑھی اور گھر میں داخل ہوگئی۔ اسے گھر میں داخل ہونے سے پہلے شاہ ویز نے کچھ بھی نہ سوچا کہ کون ہے کہاں سے ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کیا کرتی رہی ہے؟ شاہ ویز کو اگلے کچھ دنوں میں کام بھی مل گیا، وہ پڑھا لکھا تھا کام ملنا ان دنوں آسان تھا۔

شاہ ویز نے ریکھا سے گھر کے کام کاج کرانے شروع کر دیئے اور ریکھا اس کے سارے کام کرتی رہتی۔ جب کبھی شاہ ویز چھٹی کے دن قرآن پاک پڑھتا اور وہ اگر کسی کام سے ریکھا کو آواز دیتا تو وہ کئی آوازیں دینے کے بعد بھی نہیں آتی۔

ایک دن شاہ ویز نے اس سے پوچھ لیا ''جب میں تلاوت کر رہا ہوتا ہوں تب تم بالکل بھی میرے سامنے نہیں آتی، آخر وجہ کیا ہے؟''

''بابو صاحب! یہ آپ کی کتاب ہے۔ مجھے اس سے بڑا ڈر لگتا ہے ہم ہندو ذاتی ہیں میں آئندہ بھی اس کتاب کے سامنے نہیں آؤں گی بے شک آپ مجھے سو آوازیں دیں یا ایک۔''

شاہ ویز کو برا تو لگا مگر وہ کچھ بولا نہیں اس نے ریکھا کو اپنے کمرے میں بھیج دیا۔

☆......☆......☆

دن پر لگا کر گزرتے رہے شاہ ویز کو ملائکہ سے پیار ہوگیا، ملائکہ ایک اسکول ٹیچر تھی وہ بچوں کو پڑھانے کا کام کرتی تھی، دونوں چوک پر ٹکراتے ہوئے ملے تھے اور پھر جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

ملائکہ کو شاہ ویز گلستان کا شہزادہ لگا اور شاہ ویز کو وہ پرستان کی پری! جب قسمت ملانے پر آ جائے تو محبت کا تیر چل ہی جاتا ہے اور محبت کا تیر چل چکا تھا۔ ملائکہ اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان سے پاکستان آئی تھی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

اس کے باقی سارے خاندان کو ہندوؤں نے زندہ جلادیا تھا ملائکہ اور اس کا باپ ولی محمد، پچھلے دروازے سے جان بچا کر بھاگ نکلے، راستے میں ملائکہ نے کمال مہارت سے، ہندوانہ سوانگ بھرا اور جان بچانے کی خاطر ولی محمد یار نے بھی ہندو تلک ماتھے پر لگایا، وہ دونوں دہلی سے آرہے تھے مگر ہندوؤں کے روپ میں انہیں نقصان نہیں پہنچایا گیا دونوں باپ بیٹی ہندوؤں کے سوانگ میں کامیاب ناٹک کرکے پاکستان پہنچے، ولی محمد ملائکہ کی جلد سے جلد شادی کردینا چاہتے تھے۔

اور ایسے میں شاہ ویز کا پرپوزل اس کے لئے شاندار تھا۔ دونوں کا نکاح سادگی سے ہوا اور یوں مہینے کے اندر اندر ملائکہ، ملائکہ شاہ ویز بن گئی۔

☆.....☆.....☆

ملائکہ شروع شروع میں ایک ہندو عورت کو گھر میں برداشت کرنے کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھی مگر پھر شاہ ویز نے اسے راضی کرلیا کیونکہ ملائکہ کا خیال تھا کہ ناپاک وجود کو گھر میں رکھنے سے ناپاکی ہوتی ہے مگر شاہ ویز ریکھا کو انسانیت کے ناطے سے رکھ رہا تھا۔ پھر گھر کے معاملات بھی ریکھا احسن طریقے سے نبھا رہی تھی اور ملائکہ نے سب سے پہلے اس کی کچن سے جان چھڑادی۔ وہ کسی غیر مذہب عورت کا کھایا ہوا کھانا کیونکر کھاتی جب کہ گھر بھی اس کا تھا۔

وقت پر لگا کر گزارنے لگا ریکھا دن بدن خوبصورت ہورہی تھی ریکھا زیادہ تر لان کے پودوں کے پاس ملتی یا پھر کپڑے دھورہی ہوتی اور زیادہ سے زیادہ گھر کی صفائی ستھرائی کردیتی ریکھا گھر میں رہ کر بھی سب سے الگ ہوگئی۔ کیونکہ ملائکہ اسے پسند نہیں کرتی تھی اور نہ کبھی اس کے کمرے میں جاتی تھی۔

ان دنوں ملائکہ امید سے ہوگئی اس نے اپنے لئے ڈلیوری تک مسلمان ملازمہ رکھ لی۔ مگر ریکھا کو اپنے قریب پھٹکنے تک نہیں دیا۔

کچھ ماہ بعد ملائکہ کے تین بچے ایک ساتھ ہوگئے دو رحمتیں اور ایک نعمت اس کے آنگن میں ایک ساتھ اتریں یعنی دو بیٹیاں اور ایک عدد بیٹا، اس دن ریکھا بہت بے چینی سے ملائکہ کے کمرے میں آئی تھی اور بچوں کو گود میں اٹھا کر چوما تھا۔

ملائکہ درد سے بے حال تھی ورنہ ریکھا کی اس جرأت پر اسے گھر سے نکلا دیتی وہ ریکھا کی یہ جرأت دیکھ نہ سکی۔

اب اکثر ریکھا بچوں کو چوری چھپے کچھ نہ کچھ کھلاتی پلاتی رہتی تھی بچے تین تھے اور ملائکہ اکیلی جان، تین بچوں کو کہاں سنبھال سکتی۔

ریکھا کامیابی سے اپنا کھیل شروع کرچکی تھی اور شاہ ویز اور ملائکہ کو بھنک تک نہیں لگی تھی کہ اس کے بچے حرام چیزیں کھارہے ہیں۔

☆.....☆.....☆

ملائکہ نے بچیوں کے نام حور پہ، حیا رکھ دیئے جبکہ بیٹے کا نام جہان رکھ دیا، شاہ ویز کام میں مصروف ہوتا تھا ملائکہ بیمار تھی بچوں کی دیکھ بھال مسلم ملازمہ رحیمہ بی بی کررہی تھی اور کچن کی ذمہ داری بھی رحیمہ سنبھال رہی تھی ایسے میں ریکھا کو آسانی سے موقع مل جاتا، وہ بچوں کو کبھی کبھی اپنے کمرے میں بھی لے جاتی اور بالکل اپنے بچوں کی سی خیال رکھتی۔

شاہ ویز اور ملائکہ ریکھا کے کمرے میں نہیں جاتے تھے ریکھا کو گھر میں کونے والا کمرہ دیا گیا تھا جو سب کمروں سے بڑا تھا اور ہوادار بھی تھا بچے رفتہ رفتہ ریکھا سے مانوس ہورہے تھے۔

شاہ ویز کو اتنا پتہ تھا کہ ریکھا ہندو ہے اس کے کمرے میں ایک بت بھی موجود ہے اور ریکھا اس بت کے سامنے اپنی عبادت کرتی رہتی ہے۔

ملائکہ جب سنبھلی تو اس نے شاہ ویز پر زور دینا شروع کردیا کہ ریکھا چونکہ ہندو ہے اور اس کو برے وقت میں آپ نے پناہ دی آپ اب ریکھا کو ہندوستان بھجوادیں۔ ورنہ دوسری صورت میں مجھے ریکھا کو گھر سے نکال دینا ہوگا۔'' شاہ ویز نے ریکھا سے بات کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

''مجھے ہندوستان نہیں جانا۔ آپ کا دل اتنا چھوٹا ہے بس دو وقت کی روٹی ہی مانگی تھی آپ سے، وہ بھی کھلا نہیں سکتے اس سے اچھا ہے کہ آپ مجھے مار دیں مگر میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی، مجھے پتہ ہے ملائکہ بی بی کو میرا ہندو ہونا پسند نہیں ہے آئندہ میں اپنے کمرے سے بالکل بھی نہیں نکلوں گی اور اگر میں ملائکہ بی بی کی پسند کو مدنظر رکھ کر مسلمان بھی ہو جاؤں تو بھی وہ مجھے پچھلی زندگی کا طعنہ دینا نہ بھولیں گی۔''

شاہ ویز نرم دل انسان تھا مان گیا اور اس نے ملائکہ کو بھی سمجھا دیا۔

وقت پر لگا کر ایک بار پھر گزرنے لگا وقت کا پہیہ گھومتا ہوا آگے بڑھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دو سال گزر گئے۔

☆.....☆.....☆

ملائکہ نے پھر سے اسکول جوائن کر لیا تھا شاہ ویز کی اپنی دفتری مصروفیات زیادہ تھیں، اتنے سال میں بچے ریکھا سے کھل مل چکے تھے وہ ملائکہ کی موجودگی میں کمرے میں بند ہو جاتی اور ملائکہ کو مہینوں اپنی صورت نہیں دکھاتی۔

شاہ ویز دفتری مصروفیات سے اکثر شہر سے باہر جاتا تھا، وہ رات کو کافی دیر سے گھر لوٹتا، بچے اپنے کمرے میں سوتے تھے ملائکہ کے کمرے کے ملحقہ کمرے کے ساتھ ہی ان کا ڈریسنگ روم تھا۔

جب سکوت چھا جاتا تب ریکھا کمرے سے باہر نکل کر بچوں کے کمرے میں آجاتی۔ منتر پڑھنا شروع کر دیتی وہ ہندی الفاظ کا استعمال کرتی تھی اس کے ہاتھ میں بڑی سی موم بتی ہوتی تھی وہ صبح کے اذانوں سے پہلے اپنا عمل مکمل کرتی اور عمل کرنے کے بعد بچوں پر پھونکیں مار کر چلی جاتی بچے نیند میں ہوتے بچوں کو پتہ تک نہیں چلتا۔

شاہ ویز کی ترقی ہوگئی تھی وہ کام کی وجہ سے اکثر دوسرے شہروں میں آنے جانے لگا، کبھی کبھی رات بھی باہر گزار لیتا، ایک رات شاہ ویز شہر سے باہر تھا جب وہ منحوس واقع ہوا۔

اگلے دن شاہ ویز کو اطلاع ملی کہ اس کی بیوی ملائکہ کو کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا ہے شاہ ویز کے ہاتھ پاؤں پھول گئے لاش دیکھنے کے بعد تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔

ملائکہ کا سر دھڑ سے الگ تھا۔ پیٹ اور سینہ چاک آنکھیں غائب تھیں باقی دھڑ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا ملائکہ کو اتنے برے حال میں دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگا ریکھا پہلے ہی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

لاش کی حالت بہت خراب تھی جیسے تیسے کر کے اسے کفن دفن کیا گیا۔

ریکھا کا بیان بڑا خوفناک تھا اس نے سب کو یہی بیان دیا کہ رات کو ہولناک آوازیں آرہی تھیں جیسے بہت ساری بدروحیں مل کر چیخ رہی ہوں آوازیں آدھی رات تک آتی رہیں پھر کچھ سائے مجھے دکھائی دیئے وہ سب سائے ملائکہ بی بی کے کمرے میں چلے گئے اور پھر ملائکہ بی بی کی دردناک چیخیں رات گئے تک گونجتی رہیں، میں اتنا ڈر چکی تھی کہ کمرے میں نہ جا سکی۔

شاہ ویز کو ریکھا کی بات کا یقین کرنا پڑا کیونکہ شاہ ویز کو بھی اس گھر کی شروع کی راتوں کا علم تھا، آدھی رات میں ایسی بھیانک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

ملائکہ کی موت نے شاہ ویز کی حالت دیوانوں سی کر دی تھی اسے ارد گرد کا کوئی ہوش نہیں تھا وہ اسی طرح دیوانہ بنا رہتا اگر اگلا واقعہ رونما نہ ہوتا۔

ملائکہ کے حادثے کو بمشکل چند ہفتے گزرے ہوں گے کہ ایک صبح شاہ ویز کی آنکھ کھلی تو اسے غیر معمولی سا احساس ہوا۔

لان میں دو لاشیں اس کی منتظر تھیں ملازمہ رحیمہ بی بی ملائکہ والے حادثے کے بعد گھر چھوڑ کر جا چکی تھی۔

حیا اور حوریہ کے سر دھڑ سے الگ تھے ان کے پیٹ چاک کیے گئے تھے اور دل نکالا گیا تھا ان کا بھی وہی حال تھا جو ملائکہ کا ہوا تھا اپنے پھول جیسے بچوں کو خون میں لت پت دیکھ کر شاہ ویز کے دل پر جیسے

چھریاں چل گئیں۔

وہ کبھی حیا کو گود میں اٹھاتا اور کبھی حوریہ کو اور ان کے معصوم وجود کو آنکھوں سے لگا کر چوم لیتا۔ وہ دھاڑے مار مار کر رو رہا تھا۔ اسے حیا اور حوریہ کی موت کا دکھ، ملائکہ سے بڑھ کر تھا۔ ان معصوموں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔

ایک بار پھر ریکھا کا وہی بیان تھا شاہ ویز کو اس کے بیان سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ اس کے بیان سے حیا اور حوریہ واپس نہیں آسکتی تھیں۔

جہان ان بھیانک اموات سے بہت ڈر چکا تھا وہ ہر وقت گم صم رہنے لگا یا پھر ریکھا کے پاس پایا جانے لگا۔

شاہ ویز کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے آخر کیوں؟ اس نے کسی کا کیا بگاڑا ہے مگر اس کیوں کا جواب اسے عنقریب ملنے والا تھا۔

شاہ ویز بہت پریشان تھا اسے بمشکل نیند آئی وہ بھی قلیل وقت کے لئے ایک آدھی رات میں اس کی آنکھ کھلی تو اسے کسی عورت کی کچھ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ وہ اٹھ بیٹھا اسے آواز کی سمجھ نہیں آرہی تھی وہ عورت تیز آواز میں کچھ پڑھ رہی تھی شاہ ویز آواز کے تعاقب میں چلتا ہوا ریکھا کے کمرے تک جا پہنچا کمرہ اندر سے بند تھا شاہ ویز نے کی ہول سے اندر جھانکا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

ریکھا نے سر کے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے اور دوپٹہ کمرے پر کس کر باندھا ہوا تھا وہ جنون کی حالت میں ایک مورتی کے سامنے ناچ رہی تھی اور بلند آواز میں کوئی منتر بھی پڑھ رہی تھی جو شاہ ویز کی سمجھ سے بالاتر تھا مورتی کے سامنے اس نے آگ جلائی ہوئی تھی کچھ دیر تک ریکھا مورتی کے سامنے ناچتی رہی پھر وہ مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر ساکت کھڑی ہوگئی اب وہ منتر پڑھ نہیں رہی تھی۔

چند لمحے گزرنے کے بعد ریکھا نے مورتی کے

حقیت!

اپنی زندگی کی ترجیحات طے کرتے وقت، اپنی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے یہ نہ سوچئے کہ آپ کے قیمتی پرس میں موجود آپ کا کریڈٹ کارڈ اس بات کا مظہر ہو کہ آپ کو کسی چیز کی کمی نہیں اور اپنی خوبصورت انگلیوں میں موجود طلائی انگوٹھیاں جو آپ کو بے حد تسکین دے رہی ہیں اور ساتھ ہی کسی کو مرعوب کر رہی ہیں اور آپ اس تمام صورتحال سے نہایت لطف اندوز ہو رہے ہیں تو معاف کیجئے گا یہ طرز عمل صحیح نہیں ہے.....

خوش رہنے کے لئے۔

اللہ نے آپ کو ایک مکمل انسان بنایا ہے، ذہن دیا ہے پھر کیوں اسے روشن نہیں کرتے، فرش پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شرم کیسی؟ میں نے تو مٹی کے سادے پیالے میں پانی پی کر دیکھا، یقین کیجئے، شیشے کے قیمتی گلاس سے کم مزا نہ آیا۔ ڈنر سیٹ کی بیش قیمت رکابی چھوڑ کر ماں کے ہاتھ کے بنے پراٹھے پر دہی رکھ کر کھایا۔ دنیا میں اس سے مزیدار ڈش کوئی نہیں لگی۔ ہم گاؤں میں پلے بڑھے۔ پھر شہر کے اس بے کراں جنگل میں جو آپہنچے تو ہم کسی سے مرعوب نہ ہوئے کہ ہمیں ابتدائی تعلیم تو دی ہوئی گاؤں کی تھی مگر تھی بے حد مضبوط، ہمیں سب سے پہلے جو بات سکھائی گئی تھی وہ تھی ادب..... آپ کے ذہن کی شفافیت اتنی گہری اور صاف ہونی چاہئے کہ آپ کا پہنا ہوا کھدر کا سادہ سا لباس (یاد رکھئے سادہ معمولی نہیں) کسی بیش قیمت لباس میں ملبوس خود پسند وجود کے سامنے بھی پھیکا نہ پڑے..... اور ایسا ہوسکتا ہے!

(ایس امتیاز احمد - کراچی)

سامنے پڑا ہوا تیز دھار خنجر اٹھایا خنجر کی نوک اس نے اپنی زبان سے لگائی۔

پھر جھک کر مورتی کے قدموں سے کسی بچے کو اٹھالیا، بچے کو دیکھ کر شاہ ویز کو ہزار والٹ کا کرنٹ ضرور لگا وہ کوئی اور نہیں اس کا بیٹا جہان تھا۔۔

جہان کو دیکھ کر وہ چیخنا چاہتا تھا مگر وہ چیخ نہ سکا اس کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی وہ بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر کچھ نہ کرسکا وہ ساکت ہوگیا تھا۔ جیسے کہ پتھر کا ہوگیا ہو وہ صرف دیکھ سکتا تھا اور کچھ کرنہیں سکتا تھا۔ وہ باوجود کوشش کے کچھ نہ کرسکا وہ صرف دیکھتا رہا۔

ریکھا نے تیز دھار خنجر سے جہان کی گردن کاٹ دی جہان بھی جیسے جادو کے زیر اثر تھا خون کا فوارہ اٹھا اور مورتی پر پڑنے لگا پھر خون میں کمی واقع ہوئی ریکھا نے خنجر پھینکا اور خون پر بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑی وہ معصوم بچے کا خون کسی جونک کی طرح پی رہی تھی۔

شاہ ویز بے بسی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ خون پینے کے بعد ریکھا اٹھی اور خنجر سے جہان کا سینہ چاک کر ڈالا، جہان کے سینے سے دل نکال کر وہ چبانے لگی پھر خنجر سے اس کے جسم کے کئی ٹکڑے کردیئے۔

پھر اٹھ کر مورتی کے سامنے کھڑی ہوگئی اور وہی منتر پڑھنے لگی، شاہ ویز کے ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوگئی دروازہ اس نے دھکیلا تو اب وہ کھل گیا۔

شاہ ویز نے جلدی سے وہی خون آلود خنجر اٹھایا اور ریکھا کی جانب بڑھا اس سے پہلے کہ وہ ریکھا پر وار کرتا۔

ریکھا پلٹی اور چیخی۔ ''رک جاؤ شاہ ویز۔''

''کتیا کمینی میں تجھ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو نے میرے سارے گھر والوں کو مار ڈالا، میں نے تجھے پناہ دی اور تو نے مجھے یہ صلہ دیا۔''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے! بلکہ میں چاہوں تو ابھی تمہارے جسم کے سو ٹکڑے کرسکتی ہوں مگر نہیں تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے وہ تم پر میرا قرض ہے۔''

پھر ریکھا نے ایک منتر پڑھ کر شاہ ویز پر پھونکا تو خنجر شاہ ویز کے ہاتھ سے غائب ہوگیا اور فضاء میں لہراتا ہوا اس کی شہ رگ پر نمودار ہوا۔

''ہاہاہا...... میں تمہارے جسم کو ریزہ ریزہ کرسکتی ہوں، مگر تمہیں میرا کام کرنا ہے اور وہ کام کرنے کے بعد تمہاری زندگی کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

''کون سا کام؟'' شاہ ویز منمناتے ہوئے بولا۔ اس وقت وہ ریکھا کے زیر اثر تھا۔

''شاہ ویز تم نے اس گھر میں موجود جو مندر گرایا تھا وہ ہماری دیوی کا تھا اور مندر گرنے پر دیوی ہم سے ناراض ہوگئی ہے۔ دیوی کو صدمہ ہے کہ ملیچھ انسان نے اس کا گھر گرا کر اپنا گھر تعمیر کرلیا ہے۔ اب دیوی صرف ایک صورت میں راضی ہوسکتی ہے۔ دیوی کو تم نے ناراض کیا تھا اب تم ہی اسے راضی کروگے تم اپنا یہ گھر گرادو اور دوبارہ یہاں مندر تعمیر کروادو۔

دیوی خوش ہوجائے گی اور پھر شاید میں تمہاری جان بخش دوں ورنہ میں تمہاری زندگی عذاب بنادوں گی۔''

نہیں، ہرگز نہیں بے شک تو میری زندگی عذاب بنادے بے شک مجھے بھیانک موت مار دے مگر میرا ایمان اتنا کمزور نہیں ہے کہ میں اپنا یہ گھر گرا کر دیوی کا مندر تعمیر کروادوں میں مر تو جاؤں گا مگر تیری دیوی کا مندر کبھی بھی تعمیر نہیں کراؤں گا۔''

''شاہ ویز، تمہیں کرنا ہی ہوگا تم نے مجھے گھر میں پناہ دے کر بہت برا کیا تھا میں چار سال سے انتظار کررہی تھی کہ تمہیں ایک چھوٹا سا سبق ضرور سکھاؤں، سبق سیکھنے کے بعد تم میری بات پر غور کروگے اور گھر گرا کر دوبارہ مندر تعمیر کراؤ گے ورنہ میں بہت شکتی شالی ہوں اور تمہارے ساتھ کچھ بھی کرسکتی ہوں میں دو دن بعد آؤں گی اور واپس آنے کے بعد میں یہاں تمہارا گھر نہ دیکھوں۔!''

اور چشم زدن میں ریکھا شاہ ویز کے سامنے سے غائب ہوگئی۔

شاہ ویز کو بہت غصہ تھا اسے رہ رہ کر اس وقت

پر غصہ آ رہا تھا جب اس نے اس پلید وجود کو گھر میں پناہ دی تھی۔ کتیا حرام زادی میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں تجھ سے انتقام لے کر رہوں گا۔''

شاہ ویز جہان کی لاش سے صبح تک لپٹ لپٹ کر روتا رہا اور پھر اگلے دن اس کو دفن کر دیا گیا۔

ریکھا دو دن کے بعد بھی نہیں آئی۔ شاہ ویز دو دن تک بخار میں مبتلا رہا، شام کی اذان جب اس نے سنی تب مسجد چلا گیا اس نے خشوع و خضوع سے نماز پڑھی سب لوگ مسجد سے چلے گئے مگر وہ مسجد میں بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ عشاء ہوگئی وہ اللہ کی یاد میں گم تھا، عشاء کی نماز بھی باجماعت ادا کی اس کے بعد بھی اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، مسجد کے امام صاحب اس کے پاس آئے سلام دعا کرنے کے بعد امام صاحب نے اسے گھر نہ جانے کی وجہ پوچھی تو شاہ ویز رونے لگا اور پھر شاہ ویز نے کھل کر امام صاحب کو ساری حقیقت بتادی۔ امام صاحب نے اس کی ساری باتیں سنی پھر تحمل سے بولے۔

''میں تمہیں ایک سورۃ بتاتا ہوں اسے یاد کرلو یہ چھوٹی سی سورۃ ہے اس میں اللہ سے آسانی اور شیطان سے بچاؤ مانگی گئی ہے مصیبتیں مشکلات اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں اور شیطان ان مشکلات کا سبب بنتا ہے۔

شاہ ویز تم پر یہ جان لیوا مصیبت اس وجہ سے نازل ہوگئی کہ تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے تم نے احکام الٰہی سے منہ موڑ لیا تھا اور ایک شیطان کے چیلے کو گھر میں پناہ دی تھی۔ تم نے نماز چھوڑ دی تھی اور قرآن کی تلاوت ترک کر دیا تھا، تم نماز ادا کرو تلاوت کو روزمرہ کا حصہ بناؤ، یہ شیطانی بلائیں بھاگ جائیں گی۔

تم یہ سورۃ ذہن نشین کرلو جب وہ شیطانی عورت سو جائے تب تم نے یہی سورۃ اکیس مرتبہ پڑھنی ہیں اور اس عورت پر پھونک مارنی ہے یہ عمل تم نے تین دن تک کرنا ہوگا اور باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کرنا اور دن میں قران کی تلاوت کرنا گھر میں بھی جب صبح کے وقت فارغ ہو اسی سورۃ کا ورد کرتے رہنا، تین دن بعد اس عورت کی ساری طاقتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر بغیر شیطانی طاقت کے وہ ایک عام عورت بن جائے گی تب تم اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر اسے عبرت کا نشان بنا دینا، جب وہ جل کر خاک ہو جائے تب اس کی راکھ دریا میں بہا دینا اور اس کے کمرے میں موجود مورتی کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا اور جہاں وہ غلیظ عورت رہتی رہی ہے اس کمرے کو دھو لینا بعد میں بچوں سے ختم القرآن کرانا۔''

امام صاحب سے باتیں کر کے، شاہ ویز کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آنے لگی اور وہ سورۃ کو ذہن نشین کر کے گھر چلا گیا اب اسے ریکھا کا انتظار تھا۔

اور پھر آدھی رات کے وقت ریکھا آ گئی۔ وہ بہت غیض و غضب میں لگ رہی تھی۔ ''شاہ ویز میں نے تم سے کیا کہا تھا۔''

''ریکھا، میں تمہاری بات ماننے کو تیار ہوں۔ مگر میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ میں اتنا بڑا مندر تعمیر کر سکوں.....!'' شاہ ویز کو اب جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا تھا۔

''ہوں یہ بات تمہاری صحیح ہے، میں تمہیں سرمایہ فراہم کر دوں گی۔'' ریکھا شاہ ویز کی بات پر خوش ہوگئی تھی۔

''مگر ایک مسئلہ اور بھی ہے۔'' شاہ ویز بولا۔

''کیسا مسئلہ؟'' ریکھا چیخی!

''یہ ملک مسلمانوں کا ہے۔ اگر میں یہاں مندر تعمیر کراؤں گا تو پورے شہر اور محلے کی مخالفت کا سامنا مجھے کرنا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کچھ ایسا حل نکالوں جو کسی کی مخالفت سے واسطہ نہ پڑے اور تم سے اپنی زندگی بھی بخشوالوں! مجھے ایک ہفتے کی مہلت درکار ہے۔''

''ایک ہفتے کے اندر اندر تم کون سا تیر مار سکو گے۔'' ریکھا فکر مند ہو کر بولی۔

''اگر کوئی حل نہ نکال سکا تو میں ایک ہفتے کے

بعد اپنا مذہب تبدیل کردوں گا یہ میرا وعدہ ہے کہ میں کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گا، زندگی بچانے کی خاطر مجھے یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی پڑے گا۔'' شاہ ویز بولا۔

''اب تم نے سچ کی بات کی۔ چلو ٹھیک ہے میں آرام کرنے جارہی ہوں، میں اپنی شکتی سے تمہیں سرمایہ فراہم کردوں گی، ایک ہفتے کے بعد تم نے گھر گرا کر مندر کی تعمیر تو شروع کروانی ہے۔'' اور یہ بول کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

اسی رات شاہ ویز نے قرآنی سورۃ پڑھنی شروع کردی اور اکیس مرتبہ پڑھ کر ریکھا پر پھونک ماری، صبح کی نماز پڑھی پھر سارا دن وہی سورۃ پڑھتا رہا، سورۃ پڑھنے کی برکت سے ریکھا کا دھیان اس سے ہٹا دیا۔

تین دن گزرنے کے بعد ریکھا کی ساری خفیہ شیطانی طاقتیں ختم ہوچکی تھیں اور وہ ایک عام سی عورت بن چکی تھی۔

اس کی طاقتیں ختم ہونے کے بعد اس کا چہرہ جھریوں سے بھر چکا تھا اور آنکھوں کے نیچے بڑے بڑے حلقے نمودار ہوگئے تھے۔

صبح جب ریکھا اٹھی تو شاہ ویز کو اپنے سر پر کھڑا پایا، شاہ ویز کے ہاتھ میں مٹی کے تیل کا بھرا ہوا گیلن دیکھ کر اچنبھے کی حالت میں شاہ ویز کو دیکھنے لگی۔

''کیوں میرے سر پر کھڑے ہو۔'' وہ بولی۔

تجھے آئینہ دکھانے کے لئے!'' شاہ ویز کے دوسرے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا اور اس نے جھٹ آئینہ ریکھا کے چہرے کے سامنے کردیا تو اپنی کریہہ صورت آئینے میں دیکھ کر ریکھا شدت سے چیخی۔

''تت...... تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے۔''

''جب تو میرے ساتھ اتنا کچھ کرسکتی ہے تو میں کیوں تیرے ساتھ یہ نہیں کرسکتا لعنتی عورت تیری موت پر تیرا ساتھی شیطان بھی جشن منائے گا آج میں تجھے جہنم واصل کردوں گا۔'' اور پھر شاہ ویز نے پلک جھپکتے تیل چھڑکنا شروع کردیا۔

''شاہ ویز مجھے چھوڑ دو۔ مجھے معاف کردو میں نیک بن جاؤں گی میں کبھی کسی کو تکلیف نہیں دوں گی جیسا تم کہو گے ویسا کروں گی۔'' وہ گھگھیانے لگی۔

''اب دیر ہوچکی ہے عادت تو بدلتی ہے مگر فطرت کبھی نہیں بدلتی معافی اور توبہ کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔ توبہ کا دروازہ اب تیرے لئے بند ہوچکا ہے۔''

شاہ ویز کو اس پر رحم آتا بھی تو کیسے وہ اس کے عزیز از جان بیوی اور اس کے گلشن کے تین پھول جیسے بچوں کو اس بدذات عورت نے اپنی خواہش ناتمام کے بھینٹ چڑھا دیئے تھے۔

شاہ ویز نے اسے آگ لگادی۔ وہ جلتی رہی چیختی چلاتی رہی اسے جلتا دیکھ کر شاہ ویز کے دل میں سکون کی لہریں اترگئیں۔ اس کے جلنے کے بعد شاہ ویز نے اس کی راکھ ایک پوٹلی میں باندھ لی اور ساتھ ہی کمرے میں موجود مورتی کو توڑ ڈالا اور پھر اس کے بعد اس عورت کی ایک ایک چیز جلا کر خاکستر کردی اور اس کی راکھ دریا میں ڈال دی۔

اس کے بعد تین سال تک شاہ ویز نے دین کی خدمت کی پھر امام صاحب کے کہنے پر اس نے دوسری شادی ثمرین نامی لڑکی سے کی جو حافظ القرآن اور بہت بڑی معلمہ بھی وہ اگرچہ غریب تھی مگر صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی اور شاہ ویز کی زندگی میں بہار بن کر آگئی تھی ایک سال بعد اللہ نے شاہ ویز کو چاند جیسا بیٹے سے نوازا دیا ثمرین نے اس کا نام سکندر رکھا۔

اب شاہ ویز کی زندگی میں ٹھہراؤ تھا سکون تھا۔ مگر وہ اپنی پچھلی زندگی کو کبھی فراموش نہیں کرسکا اس کا اندازہ ثمرین کو اس صورت میں ہوا کہ شاہ ویز اپنے بیٹے سکندر کو کبھی کبھی بے خیالی میں جہان...... جہان کے نام سے پکارتا۔ اور اسے چومتا رہتا۔ ثمرین یہ دیکھتے ہوئے بہت خوش ہوتی کیونکہ وہ اپنے شوہر کی خوشی میں خوش تھی۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

غیبی محافظ

سکندر حبیب۔ سیالکوٹ

چودھویں رات کی روپہلی چاندنی ہرسوں پھیلی ہوئی تھی کہ نوجوان کی نظر جب سامنے پڑی تو دل دہل کر رہ گیا کیونکہ تین بہت ہی خطرناک سانپ پھنکار رہے تھے کہ پھر چشم زدن میں وہ ہوگیا جس کا تصور ممکن نہ تھا۔

مہیب اور خوفناک جنگل کے پرہول ماحول میں جنم لینے والی دل گرفتہ اور ڈراؤنی کہانی

قارئین کرام زیرنظر جو واقعہ ہے یہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے اور اس کے راوی اب تک حیات ہیں۔ ان کی زبانی سنئے۔

"میرا نام عارف جمال ہے اور میں ضلع سیالکوٹ کی سب سے بڑی تحصیل ڈسکہ کے ایک گاؤں "غالب کے" کا رہنے والا ہوں یہ آج سے کم وبیش پچیس تیس سال پہلے کی بات ہے جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، وہ زمانہ آج کے زمانے سے بہت مختلف تھا۔ ہر کوئی عزت وحیا کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کا لحاظ خاطر خواہ کیا جاتا تھا، ہر ایک کے دکھ درد خوشی غمی کو اپنا سمجھا جاتا تھا، آج کل تو خون ہی سفید ہو چکے ہیں۔ غیر تو کیا اپنوں کا بھی خون چوسا جارہا ہے۔ خیر یہ معاملہ الگ نوعیت کا ہے۔ سب سے اہم اور پیچیدہ مسئلہ اس دور کا شادی کا تھا یعنی کہ شادی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

کے معاملے میں لڑکی والے تو آرام سے اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھتے تھے جبکہ لڑکے والوں کا حال دوڑتے دوڑتے حال سے بے حال ہوجاتا تھا، لڑکے والوں کے جوتوں کے تلوے گھس جاتے رشتہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے..... کالی گوری کم تعلیم یافتہ کو ہنس کر گلے سے لگایا جاتا تب کہیں جاکر بات بنتی۔

جبکہ آج کے دور میں لڑکے والوں کو رشتے کی کوئی پروا کیا ہے چپ چاپ سکون سے گھروں میں بیٹھے ہیں اور لڑکی والے بے چارے پریشان حال پھرتے ہیں کہ کوئی اچھا اور شریف رشتہ ہماری بچی کے لئے مل جائے لہٰذا رشتہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں۔

''ہاں تو بات ہورہی تھی پہلے دور کی'' تو میرا نام بھی ان لڑکوں کی فہرست میں شامل تھا جن کو رشتہ ملنا دشوار تھا میری والدہ نے بھی میرے رشتے کے لئے کڑی بھاگ دوڑ شروع کردی تھی مگر یا قسمت یا نصیب۔''

ایک ہفتہ قبل ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے گاؤں کی سڑک از سرنو پکی بننے والی ہے اور اس کا ٹھیکہ ہوچکا ہے پھر ٹھیک دوسرے ہفتے سڑک بنانے والا عملہ ہمارے گاؤں پہنچ گیا اور سڑک کا کام تیزی سے شروع ہوگیا، دیہاتی لوگ عموماً پردیسیوں کا بہت خیال رکھتے ہیں لہٰذا ہم سب کے لئے بھی یہ عملہ مہمانوں کی حیثیت رکھتا تھا یہاں بھی ان کا بہت خیال رکھا جانے لگا اور روزمرہ کی ہر وہ چیز..... جس کی ضرورت پڑتی ہے انہیں مہیا کی جانے لگی۔

''ان میں ایک لڑکا تھا اشفاق..... جو ٹریکٹر کا ڈرائیور تھا وہ دبلا پتلا جسم کا مالک تھا چھوٹی چھوٹی داڑھی اور بڑی بڑی تاؤ دار مونچھیں اور ہاتھ میں ہمیشہ لوہے کا کڑا (کنگن) پہنتا تھا اتفاقی طور پر وہ میرا گہرا دوست بن گیا۔

وہ رات کو جب بھی کام سے فارغ ہوتا۔ سونے کے لئے ہماری بیٹھک میں آجاتا۔ میں نے خصوصی طور پر ایک بہترین چارپائی اور بستر اس کے لئے وقف کر رکھا تھا صبح کا ناشتہ بھی وہ میری بیٹھ سے کھایا کرتا تھا۔

ایک رات حسب معمول ہم دونوں کمرے میں بیٹھ کر گپ شپ لگا رہے تھے کہ امی چائے لے کر آگئیں میں اپنی امی کا اکلوتا وارث تھا میرا کوئی اور بہن بھائی نہیں۔ اس لئے اپنے سیاہ و سفید کا میں ہی وارث تھا۔

باتوں باتوں میں میرے رشتے کی بات چھڑ گئی امی کہنے لگیں کہ ''اشفاق پتر میں جمال کے رشتے کے لئے بہت پریشان ہوں۔ سوچتی ہوں، کیا پتہ کب موت کا بلاوا آجائے اس لئے اپنے پتر کے ماتھے پر سہرا دیکھ لوں مگر کوئی ڈھنگ کا رشتہ مل ہی نہیں رہا۔''

''اماں جی! آپ فکر نہ کریں ہمارے گاؤں میں آپ کی ذات برادری کے بہت سے گھر ہیں وہ لوگ آپ ہی کے ہم پلہ ہیں میں ان سے بھائی عارف کے رشتے کی بات کروں گا امید ہے وہ لوگ انکار نہیں کریں گے بس میں اگلے ہفتے جارہا ہوں اپنے گھر.....''

یہاں پر میں بتاتا چلوں کہ اشفاق نے اپنے شہر کا نام ''بارہ'' بتایا تھا جو فیصل آباد کے کہیں قریب ہے۔ بہرکیف وہ چند دنوں بعد اپنے گھر چلا گیا خلاف توقع وہ تین چار دن بعد لوٹ آیا رات کو جب وہ ہمارے گھر آیا تو ہم نے اس سے پوچھا۔

''وہ بولا۔'' میں نے لڑکی کے گھر والوں سے بات کی ہے لڑکی سگھڑ اور اچھی صورت کی مالک ہے اور کافی کھاتے پیتے لوگ ہیں لڑکی کے دو بھائی دبئی جانے کی تیاری کررہے ہیں اور میں نے لڑکی والوں کو آپ کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ لڑکا خوبصورت اور پڑھا لکھا ہے اور پیسے والے لوگ ہیں وہ لوگ اس رشتے سے راضی ہیں اور رشتے کی منظوری بھی دے دی ہے لیکن انہوں نے ایک شرط بھی رکھی ہے۔

''کون سی شرط.....؟'' میں نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''شرط یہ کہ انہوں نے کہا ہے'' لڑکے کو ایک بار یہاں لاکر بس دکھلادو۔ پھر جلد ہی شادی کردیں گے۔'' وہ بولا۔

میں نے جلدی سے کہا۔ ''چلے چلتے ہیں میں بھی بہانے سے لڑکی دیکھ لوں گا۔''

''ٹھیک ہے پرسوں ہم منہ اندھیرے یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے تم تیار رہنا۔'' اتنا بول کر وہ خاموش ہوگیا۔

خلاف توقع دوسرے دن صبح کے وقت وہ میرے پاس آ گیا اور بولا۔ ''جمال یار مجھے دس ہزار روپے ادھار چاہئے ایک اہم کام آن پڑا ہے۔

کل جب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو گے تو گھر والوں سے لے کر تمہارے پیسے لوٹا دوں گا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو یار۔ میرے اور تمہارے پیسے الگ الگ تھوڑی ہیں جب تمہارا جی چاہے لوٹا دینا۔'' میں نے کہا۔

بہرحال میں نے اسے دس ہزار روپے دے دیئے یہ اس وقت کی بات ہے جب دس ہزار روپے کو جدید دور کے ایک لاکھ کی جیسی خطیر رقم سمجھا جاتا ہے۔

اگلے دن علی الصبح ہم نکل پڑے، جاتے ہوئے میری امی نے مجھے بے شمار دعاؤں سے نوازا اور ماتھا چوم کر جانے کی اجازت دی۔

''اشفاق پتر! میرا جیلا (امی پیار سے مجھے جیلا کہا کرتی تھیں) اتنا ہوشیار و چالاک نہیں ہے میں نے کبھی اسے اپنے سے جدا نہیں کیا اپنے گاؤں کے علاوہ اس نے کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا اس کا بہت خیال رکھنا۔''

''آپ فکر نہ کریں اماں جی یہ مجھے بھائیوں سے بڑھ کر ہے۔'' اشفاق نے تسلی دی لہٰذا ہم گاؤں سے تانگے میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل پڑے۔ بڑے جی ٹی روڈ سے ہم نے ایک بس پکڑی اور اس میں سوار ہوگئے۔ میری امی ٹھیک کہتی تھیں کہ میں نے آج تک کوئی بھی شہر دیکھا نہیں تھا کھڑکی سائیڈ پر اشفاق بیٹھا ہوا تھا اور ساتھ میں، اشفاق نے دلچسپ باتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا میرا دھیان کسی بھی اسٹاپ کی طرف نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ ہم کس شہر کی سمت جا رہے ہیں۔ میں نے ایک دو بار اشفاق سے پوچھا بھی مگر وہ ٹال گیا۔

چند گھنٹوں بعد ہمیں اس بس کو چھوڑنا پڑا۔ یہ ایک چھوٹا سا اسٹاپ تھا جہاں پر چند ایک چائے کے کھوکھے موجود تھے سڑک کے ساتھ بنے ہوئے لکڑی کے بنچ پر بیٹھ کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور چائے پی، اشفاق نے اپنی جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک اور کھٹارا سی بس آئی اور ہم اس میں بیٹھ گئے۔

یہاں پر میں ایک اور خیال آرائی کر دوں کہ کرایہ اشفاق ہی دے رہا تھا۔

ڈھلتے دن کے ساتھ ہم ایک اور اسٹاپ پر اتر گئے یہ بھی ایک چھوٹا سا اسٹاپ تھا یہاں پر ایک فورڈ ویگن کھڑی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ گئے ویگن ایک ٹوٹے پھوٹے خستہ حال روڈ پر دوڑنے لگی دوران سفر اشفاق مجھے ایسے چھیڑ رہا تھا جیسے کسی نئے نویلے دولہے کو چھیڑتے ہیں قریباً پون گھنٹے بعد کنڈیکٹر نے ایک اسٹاپ کا نام لیا تو اشفاق نے اشارہ کیا گاڑی رک گئی اور ہم نیچے اتر گئے کنڈیکٹر نے دروازے پر ہاتھ مارا تو ویگن آگے کو روانہ ہوگئی۔

یہ ویران اور غیر آباد سا علاقہ تھا ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں اور گھنے درختوں کا راج تھا سامنے بہت گھنا جنگل دکھائی دے رہا تھا سورج مغرب کی گود میں داخل ہونے والا تھا۔

''یار! اشفاق یہاں تو انسان کی ذات کیا، کوئی پرندہ تک دکھائی نہیں دے رہا۔ ہم یہاں پر کیوں اتر گئے؟'' میں نے بنظر اطراف کا جائزہ لے کر اس کی طرف دیکھا۔

جواب میں وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ پگڈنڈی جو جنگل کی طرف جا رہی ہے ناں اس راستے پر چل کر ہم اپنے گاؤں پہنچ جائیں گے۔ اس جنگل کے پار ہمارا گاؤں ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا جواب سن کر میں چپ ہوگیا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اور ہم جنگل کے قریب پہنچ گئے جنگل کو اتنے قریب

سے دیکھ کر مجھ پر خوف اور وحشت مسلط ہونے لگی میں نے زندگی میں پہلی بار اتنا ڈراؤنا اور وحشت ناک جنگل دیکھ رہا تھا مجھے تو ایسا گمان ہو رہا تھا کہ جیسے سیاہ عفریتوں کی فوج اس جنگل میں رہتی ہو، میں جیسے ہی اندر داخل ہوں گا وہ مجھے سالم ہڑپ کر جائیں گی۔ میرا تو دل کام نہیں کر رہا تھا کہ جنگل میں داخل ہو جاؤں۔

مگر اشفاق ایسے آگے قدم بڑھا رہا تھا جیسے یہاں ہی پیدا ہوا ہو۔ بادل نخواستہ مجھے بھی اس کے پیچھے قدم اٹھانے پر مجبور تھا۔

پگڈنڈی کچھ ایسی تھی جیسے درختوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہو۔ جوں جوں ہمارے قدم آگے کو بڑھ رہے تھے جنگل انتاہی گھنا اور خوف ناک ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس قدر گھنا ہو گیا کہ آفتاب کی روشنی بھی منہ موڑ کر واپس جا رہی تھی دھوپ کی ایک کرن بھی اندر نہیں آ رہی تھی مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ ہم کتنی دیر تک چل کر آگے نکل آئے ہیں۔ جنگل تھا کہ شیطان کی آنت کی طرح جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

''اشفاق! یار آگے اور کتنا جانا ہے مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' میں چلتے چلتے اکتا سا گیا تھا۔

اشفاق جو بالکل خاموش چل رہا تھا جواب میں ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہم قریب پہنچ چکے ہیں بس تھوڑا اور آگے چلنا ہے۔''

اب میں نے چپ سادھ لی اور خود کو اشفاق کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اب پگڈنڈی خم کھا کر دھیرے دھیرے شمال اور مغربی نکڑ میں داخل ہونے لگی تھی اب جنگل کا گھنا پن کم ہوتا جا رہا تھا اور دھوپ درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر نیچے آ رہی تھی۔ تقریباً ایک کلومیٹر چلنے کے بعد دور سے ہمیں ایک بڑی سی عمارت نظر آنے لگی تو اچانک اشفاق رک گیا اور مڑ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔

''وہ دیکھو تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے۔''

''ہاں...... ! کوئی بڑا سا مکان نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ہمارے گاؤں کے چوہدری صاحب کی حویلی ہے میرا خیال ہے کہ رات ہمیں یہاں گزار لینی چاہئے کیونکہ ہمارا گاؤں ابھی بہت آگے ہے۔ اندھیرا پھیل رہا ہے آگے جانا ہمارے لئے ٹھیک نہیں۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے گھر چلے جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''جیسے تمہاری مرضی!'' میں نے جواب دیا پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر بعد ہم حویلی کے نزدیک پہنچ گئے حویلی کافی بڑی اور خستہ حال تھی اس کا جگہ جگہ سے پلستر اکھڑ پڑا تھا۔ ساری کی ساری حویلی دیکھنے میں کالی ہو رہی تھی جیسے انسانوں کا نہیں بھوتوں کا مسکن ہو۔ اس کا بڑا سا لکڑی کا بیرونی دروازہ بند تھا۔

اشفاق نے آگے بڑھ کر دستک دی کچھ لمحوں بعد ایک لمبے تڑنگے بڑی مونچھوں والے شخص نے دروازہ کھولا اس نے گہری بھدی نظروں سے ہماری طرف دیکھا پھر کرخت آواز میں بولا۔ ''کیا ہے؟''

''چوہدری صاحب سے جا کر کہو کہ ڈاریو راشفاق آیا ہے۔'' وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔

وہ آدمی بغیر کوئی بات کیے اندر چلا گیا۔ مگر جلد ہی لوٹ آیا اور بولا۔ ''چوہدری صاحب آپ لوگوں کو اندر بلا رہے ہیں۔'' ساتھ ہی وہ دروازے سے ہٹ گیا اور ہم دونوں اس کی تائید میں اندر داخل ہو گئے۔ وہ آدمی ہمارے آگے آگے چلنے لگا جلد ہی وہ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے کا دروازہ جیسے ہی کھلا ایک ناقابل برداشت بدبو کا بھبکا میرے ناک کے نتھنوں سے ٹکرایا اندر جا کر دیکھا تو تحیر انگیز منظر تھا۔

دس بارہ آدمی زمین پر بیٹھے شراب سے شغل کر رہے تھے سب کی بڑی بڑی مونچھیں اور آنکھوں میں وحشت نمایاں تھی شرافت کی ایک جھلک بھی ان کے چہروں پر دکھائی نہیں دے رہی تھی ان میں سے ایک نے چہرہ اٹھا کر عجیب نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا پھر ہلکا سا مسکرا کر بولا۔ ''آؤ اشفاق حسین کیسے ہو؟'' اس کی آواز نشے سے لڑکھڑا رہی تھی۔

''ہم تو ٹھیک ہیں چوہدری صاحب آپ کی دعاؤں سے اور یہ میرا دوست ہے جمال..... سیالکوٹ سے آیا ہے ہمارا شہر دیکھنے کی غرض سے۔''

چوہدری نے سرتاپا ٹٹولتی نگاہوں سے مجھ دیکھا پھر اشفاق سے مخاطب ہوا۔''اس کو تو دوسرے کمرے میں لے جا اور کھانے شانے کا پوچھ۔''

اشفاق مجھے وہاں سے دوسرے کمرے میں لے آیا کمرہ کافی وسیع تھا جہاں پر ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا۔

''جمال تم یہاں پر آرام سے بیٹھو میں تمہارے لئے کھانا لے کر آتا ہوں لمبا سفر کر کے آئے ہیں یقیناً تم تھک بھی گئے ہو۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اشفاق بولا۔

میں نے کہا۔''ٹھیک ہے جلدی آنا، نہ جانے مجھے کیوں بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے یہ حویلی اور چوہدری کچھ عجیب سے ہیں۔''

جواب میں وہ ہلکا سا مسکرایا اور بولا۔''ایسی کوئی بات نہیں اسے اپنا ہی گھر جانو۔'' ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

بہر حال میرا دل بے سکون تھا، کوئی آدھا گھنٹہ بعد کمرے سے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی پھر ساتھ ہی ایک اجنبی شخص کھانا لے کر آ گیا میں نے اس سے اشفاق کے بارے میں پوچھا تو اس نے مختصر سا جواب دیا۔''تم کھانا کھاؤ۔ وہ آجاتا ہے۔'' اور یہ بول کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

کھانا کھائے مجھے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا مگر نہ ہی اشفاق آیا اور نہ کوئی اور فرد.....

میں اٹھا اور کھڑکی کھول کر باہر کا نظارہ دیکھنے لگا باہر سیاہ اندھیرا تخت نشین ہو چکا تھا۔ درختوں پر بہت سے پرندے بول رہے تھے جن میں کوے نمایاں تھے۔

آج پہلی بار میں نے گھر سے دور رہ کر جانا تھا کہ پردیس کیا ہوتا ہے جنگل کے درخت بھی کسی آنے والے طوفان کی طرح خاموش کھڑے تھے۔ جھاڑیوں میں حشرات الارض چیخ چیخ کر اپنے موجود ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔

یک دم باہر سے پھر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ادھر ہی آ رہا ہو میں نے سوچا شاید اشفاق ہے لہٰذا میں واپس چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔

دروازہ کھلا تو لالٹین کی زرد روشنی اندر پڑی۔ وہ ایک دراز قد لمبی مونچھوں والا شخص تھا جس نے لالٹین اٹھا رکھی تھی، اس کے ساتھ چوہدری بھی تھا۔ لالٹین اس نے دیوار پر لٹکا دی۔

''اوئے..... یہ کھڑکی تم نے کھولی ہے؟'' چوہدری کی نظر کھڑکی پر جا کر رک گئی اور وہ کرخت آواز میں بولا۔

''جی.....'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیوں کھولی ہے۔'' وہ کھا جانے والے کرخت انداز میں بولا۔

''اوہ جی ویسے ہی صرف باہر کا نظارہ دیکھنے کے لئے۔'' میں نے کندھے اچکائے۔

اس نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔'' اب تمہیں موت تک یہ نظارے دیکھنے پڑیں گے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''مطلب یہ بچے کہ ہمیں ایک آدمی کی اشد ضرورت تھی جو ہمارے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کرے اور ہمارے لئے کھانا بنائے۔ برتن اور کپڑے دھونے کے علاوہ باقی کے تمام کام کرے۔ اس سلسلے میں ہم نے اشفاق سے بات کی تو اس نے دس ہزار روپے کے عوض تمہیں ہمارے حوالے کر کے چلا گیا ہے۔''

''کیا.....؟ اس کا مطلب کہ اشفاق نے مجھ سے دغا کر گیا اور آپ اس کے گاؤں کے چوہدری نہیں ہیں۔'' میں جیسے چلایا۔

اس نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔''نہیں بچے۔ میں کسی گاؤں کا چوہدری نہیں ہوں اور نہ ہی یہاں کوئی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

آس پاس گاؤں ہے ہم سب لوگ اشتہاری ڈاکو، قاتل اور لٹیرے ہیں جب بھی کوئی اس طرح کا مجرم بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کو پناہ دیتے ہیں۔ ہم قانون کو ڈاکے، چوری، قتل گردی کے جرائم میں مطلوب ہیں اور آج سے تم بھی ہم میں شامل ہو گئے ہو۔''

پھر دو قدم آگے بڑھ کر اس نے میرا گریبان پکڑ لیا اور گرجدار آواز میں بولا۔'' خبردار جو یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو تکہ بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا اور یہ دیکھ رہے ہو ناں۔'' اس نے ریوالور میرے آگے لہرایا۔'' اس کی چھ کی چھ گولیاں تیرے دماغ میں ڈال دوں گا سمجھا۔''

بات کرتے ہوئے اس کے منہ کے خدوخال کسی بھیڑیئے کی طرح پھڑک رہے تھے اس نے میرا گریبان چھوڑا اور مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں سراسیمگی کی حالت میں سہم کر رہ گیا اب سارا معاملہ میری سمجھ میں آ چکا تھا اشفاق نے چند ہزار روپوں کی خاطر دوستی جیسے رشتے کو پامال کر دیا تھا وہ رات میرے لئے کرب قیامت سے کم نہ تھی میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مجھے اپنی امی کی بہت یاد آ رہی تھی وہ میرے بنا اکیلی کیسے رہیں گی ان کا میرے سوا ہے ہی کون وہ تو مر جائیں گی اگر میں واپس گھر نہ لوٹا تو۔'' مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا۔''

مجھے اشفاق پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا کاش! وہ اس وقت میرے سامنے آ جائے میں اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کروں کہ دیکھنے والوں کی روحیں بھی کانپ اٹھیں مگر میں مجبور پرندے کی طرح ان کے پنجرے میں پھنس چکا تھا۔

صبح منہ اندھیرے وہی شخص جو رات کو کھانا لایا تھا کمرے میں آن دھمکا۔ مجھے بستر سے اٹھا کر چوہدری کے پاس لے گیا جو شاید ان سب کا سردار تھا اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کلہاڑا تھا کلہاڑا میرے ہاتھ میں تھما کر بولا۔'' چل بچے! آج سے تیرا کام شروع۔ پہلے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لے آ۔ چل اوے تو بھی اس کے ساتھ جا اور ایک گدھا بھی..... یہ لکڑیاں کاٹے گا اور تو اٹھا کر لے آنا۔ اور اس منڈے کا خیال رکھنا اگر بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے وہیں زمین میں دفنا دینا۔'' سردار نے کرخت آواز میں کہا۔

میں نے لرزتے ہاتھوں سے کلہاڑا پکڑ لیا جی تو چاہ رہا تھا کہ کلہاڑا سیدھا سردار کے سر پر مار کر سر کے دو حصے کر دوں مگر ساتھ والے کے ہاتھ میں بڑی سی گن دیکھ کر میں بہت زیادہ ہراساں تھا۔

اب میرا روز کا معمول بن گیا، صبح منہ اندھیرے اٹھ کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا وہ آدمی سایہ کی طرح گن لے کر میرے ساتھ چپکا رہتا۔ لکڑیاں کاٹنے کے علاوہ میرے ذمہ دیگر بھی کئی کام تھے ان کے کپڑے دھونا، برتن دھونا، وغیرہ وغیرہ۔

ایک اہم بات کہ وہ کھانا بہت عمدہ کھاتے تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کا فروٹ خشک میوہ جات اور دیگر کئی اقسام کے کھانے میں نے ایک بار بھی سادہ یا معمولی کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔

مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ یہ سارا دن یا رات کیا کرتے ہیں مجھے تو بس اپنے کام سے کام تھا اس کے علاوہ میں یہاں سے فرار کے منصوبے بناتا رہتا تھا امی اور گاؤں کی بہت یاد ستاتی رہتی تھی میں بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔

حسب معمول ایک دن میں لکڑیاں کاٹ کر لکڑیوں کو گدھے پر رکھ چھوڑا تھا۔

کہ اچانک ایک عجیب وغریب منظر دیکھ کر مجھے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔ ایک بڑی سی جھاڑی کے قریب ایک نہایت کالا کوبرا پھن اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو سرخ رنگ کے لحیم شحیم سانپ پھن اٹھائے کھڑے پھنکار رہے تھے۔

سرخ سانپوں کی پھنکار اب بتدریج تیز ہو رہی تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کالے کوبرے پر بہت زیادہ غصہ کر رہے ہوں کالا سانپ پھن موڑ کر دائیں بائیں

والے کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا پھر اچانک دائیں والے سانپ نے اس پر حملہ کردیا اور وہ دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ پھر دوسرے نے کالے کی دم پر حملہ کردیا منظر کافی پرتجسس اور پرتحیر ہوگیا اور میں بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگا اب وہ تینوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ یک لخت ایک نے کالے کی دم پر اپنے دانت گاڑھ دیئے وہ اپنا بچاؤ کرنے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ دوسرے نے کالے سانپ کے سر کو اپنے دانتوں میں دبالیا۔

کالا سانپ الٹ پلٹ کر خود کو چھڑانے کے لئے سرگرداں تھا مگر وہ اسے ایسے کھینچ رہے تھے جیسے اس کے دو ٹکڑے کرنا چاہتے ہوں۔ اب کالے کے منہ سے عجیب طرح کی پھنکاریں نکل رہی تھیں اور وہ درد کی اذیت سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

نہ جانے میرے دل میں رحم کی پرچھائی کہاں سے ٹپک پڑی مجھے اس کالے سانپ پر ترس آنے لگا حالانکہ سانپ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دونوں سانپ اسے بری طرح زدوکوب کررہے تھے اور پھر میں نے کلہاڑے کو بلند کیا پلک جھپکتے ہی ایک سرخ سانپ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اس نے کالے کے سر کو چھوڑا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا دوسرے نے کالے کی دم سے اپنے دانت نکالے اور پھن اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر پھنکار کر قریبی جھاڑیوں میں روپوش ہوگیا۔

کالے نے بھی پھن اٹھا کر ممنون نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر سر کو ہلکی سی جنبش دی جیسے میرا شکریہ ادا کررہا ہو اور مخالف سمت جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

وہ سانپ جس کو میں نے دو حصوں میں بانٹا تھا اس سے بہت زیادہ گاڑھا گاڑھا سرخ خون نکل رہا تھا جیسے کہ بکرا ذبح کیا گیا ہو، میں گھبرا گیا اور کلہاڑا اٹھا کر تیزی سے گدھے کے ساتھ حویلی کی طرف دوڑ پڑا۔

چند دن حسب معمول کی طرح گزر گئے مگر ایک رات کی بات ہے میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا کہ ایک مردانہ سرگوشی سنائی دی۔

''کیسے ہو؟ اجنبی دوست؟'' میں نے جلدی سے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا مگر اپنا وہم سمجھ کر پھر آنکھیں بند کرلیں۔

''دوست..... ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو۔ میں تو تمہارے بہت قریب ہوں۔ بالکل تمہارے پاس۔'' اس بار آواز صاف سنائی دی تو میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا یہاں پر میں وضاحت کردوں کہ میں کمرے میں اکیلا ہی ہوتا تھا۔

''کک..... کون ہے؟'' میں پورے کمرے کو گھورنے لگا۔

''اس بات کو چھوڑ دو یہ بتاؤ کہ کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو۔'' اس کی صاف آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں میں اس قید سے نکل جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے بے صبری سے بولا۔

''تو ٹھیک ہے دوست کل اسی وقت تیار رہنا۔ میں تمہیں یہاں سے محفوظ طریقے سے نکال دوں گا۔'' ساتھ ہی اس کی آواز بند ہوگئی۔

میں کئی لمحوں تک سکتے کی حالت میں اس آواز کی گھوج میں رہا۔ پھر جیسے ہوش میں آگیا۔ میں کافی دیر تک ذہن پر زور دے کر اس غیبی آواز کے بارے میں سوچتا رہا پھر میرے ذہن میں آیا کہ ان ڈاکوؤں میں سے کسی ڈاکو کو مجھ پر ترس آگیا ہے اور وہ مجھے یہاں سے نکالنا چاہتا ہے اور آس پاس کہیں خود کو پوشیدہ رکھ کر مجھ سے مخاطب ہے آج تک میں نے ان ڈاکوؤں کے چہرے پر اپنے لئے مسکراہٹ تک نہ دیکھی تھی مذاق تو بہت دور کی بات تھی۔

دوسری رات میں چارپائی پر بستر ٹھیک کررہا تھا کہ وہی غیبی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''کیسے ہو۔ اجنبی دوست۔ اور کیا جانے کے لئے تم تیار ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں اور بالکل تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے دوست جتنی جلدی ہو سکے یہاں

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

سے نکلنے کی کوشش کرو...... ہمارے لئے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔'' آواز سنائی دی۔

''مگر وہ ڈاکو...... وہ تو مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔'' میں کچھ خوف زدہ ہوگیا۔

''وہ ڈاکو تو کیا اس جنگل کی کوئی طاقت وقوت بھی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتیں۔''

''مگر تم ہو کون؟ اور نظر کیوں نہیں آرہے۔'' میں کمرے میں نگاہیں دوڑا کر گویا اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا۔

''دیکھو دوست مجھے دیکھنے کی کوشش مت کرو میں جس طرح کہتا ہوں اسی طرح کرو اگر یہاں سے نکلنا چاہتے ہو تو۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر مجھے کیا کرنا ہے۔'' میں بولا۔

''تم دروازہ کھولو اور باہر نکل کر جنگل کی طرف قدم بڑھاؤ۔'' جنگل کا نام سن کر میرے پورے وجود میں کپکپی پیدا ہوگئی اور رونگٹے بھی کھڑے ہوگئے۔ مگر اس کی تائید میں باہر آگیا۔ باہر راہداری میں کوئی بھی پہرے دار نظر نہیں آرہا تھا اور تمام کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کے پاس پہنچا۔ اور دھڑکتے دل کے ساتھ اسے کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر اندھیرے کا راج تھا مگر چودھویں کے چاند کی روشنی نے اندھیرے کو کم کردیا تھا قریبی جھاڑیوں میں حشرات الارض چیخ وپکار کررہے تھے آس پاس سے گیدڑوں اور دیگر پرندوں کی آوازوں نے ماحول پر دہشت برپا کر رکھی تھی میرا دل جیسے بند مٹھی میں بند تھا ڈر وخوف کا ظالم سانپ مجھے ڈسنے لگا تھا اور قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھا۔

''دیکھو دوست گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے دل سے ڈر نکال پھینکو تمہیں کچھ نہیں ہوگا اس کی ذمہ داری میں لیتا ہوں بس تم آگے بڑھو اور رکنے کا سوچنا بھی مت۔'' اس کی حوصلہ افزائی نے میرے دل کو تقویت بخشی اور میں تیزی سے آگے چل پڑا۔

ایک بات تو میں جان گیا تھا کہ یہ کوئی بھی ہے انسان ہرگز نہیں کوئی اور ہی مخلوق ہے۔ میرے قدم تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے نیچے سوکھے پتوں کی آواز چرچراہی تھی میں اسی راستے پر چل رہا تھا جہاں سے اشفاق مجھے یہاں لے کر آیا تھا۔

''بھائی کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔'' میں نے چلتے چلتے کہا۔

''ہاں...... دوست میں تمہیں سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔'' وہ میٹھے لہجے میں بولا۔

''بھائی تم کون ہو اور میری مدد کیوں کررہے ہو۔ تمہارا وجود دکھائی کیوں نہیں دے رہا اور تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال۔'' وہ ہنسا۔ ''تمہیں تمہارے سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے جب تم اس جنگل سے نکل جاؤ گے اور ہاں میری بات غور سے سنو تمہارا سائبان صرف رات کا یہ اندھیرا ہے اور صرف اسی اندھیرے میں تم یہاں سے نکل سکتے ہو اگر صبح کی پو پھوٹ پڑی تو تم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکے۔ ہوسکتا ہے تمہیں ڈاکو ماردیں یا پھر کوئی اور......'' اتنی بات کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔

اب میں قدرے بھاگ رہا تھا ابھی دو ایکڑ راستہ ہی کٹا تھا کہ عجیب سا شور اٹھا جس سے ماحول پر ہول دہشت سوار ہوگیا کیونکہ کوئی آدمی بلند آواز میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''ارے وہ بھاگا جارہا ہے پکڑو کوئی اسے۔ جلدی کرو وہ جانے نہ پائے۔'' ساتھ ہی ایک ساتھ ''پکڑو پکڑو، جانے نہ پائے۔'' کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اور کئی ان گنت قدموں کی آوازیں آنے لگیں، مجھ پر تو جیسے لرزہ طاری ہوگیا، میں یہ سمجھنے لگا کہ ڈاکوؤں کو میرے فرار کا پتہ چل گیا ہے اور وہ مجھے پکڑنے کے لئے بھاگے آرہے ہیں۔''

''بھائی...... وہ ڈاکو لوگ آگئے ہیں اب کیا ہوگا۔'' میں بھونچکا لہجے میں بولا۔

''وہ ڈاکو نہیں ہیں تم ان کی طرف دھیان مت دو

اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا بس چلتے رہو۔'' اس کے جواب پر میں نے قدموں کی چال بڑھادی چند لمحے بعد تمام آواز میں ختم ہوگئیں تو میں نے اطمینان کا سانس لیا اور رفتار ہلکی کرلی۔ پگڈنڈی کے ساتھ چند درخت بالکل نزدیک تھے جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو چند انسانی وجودوں نے درختوں سے نیچے چھلانگیں لگادیں وہ ڈاکو تھے جن کے ہاتھوں میں اسلحہ موجود تھا انہیں دیکھ کر میری روح تھرا اٹھی۔

کیوں بے کدھر بھاگا جارہا ہے کہا تھا نہ کہ بھاگنے کی کوشش کی تو جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے اب دیکھ میں تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔'' ان میں سے ایک ڈاکو کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا وہ خنجر لہراتا میری طرف بڑھا ہی تھا کہ ان دیکھے وجود نے اسے اٹھا کر درختوں کی طرف پھینک دیا دوسرے ڈاکو بھاگتے ہوئے میری طرف بڑھے مگر مجھ تک آنے سے پہلے وہ سارے منہ کے بل گر پڑے ان کے اٹھنے سے پہلے ہی نے انہیں اٹھا کر درختوں کی طرف پھینک دیا اب سارے ڈاکو ایک ہی جگہ پر ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر تھے۔

یک دم جنگل کی فضاء فلک شگاف چیخوں سے گونج اٹھی ان ڈاکوؤں کے جسم شعلوں کی لپیٹ میں آچکے تھے۔

''چلو جمال۔ کمینوں نے بہت دیر کروادی۔'' غیبی آواز سنائی دی تو میں آگے چل پڑا۔

ابھی میں تھوڑا ہی آگے آیا تھا کہ کسی سانپ کی زبردست پھنکار سنائی دی تو خوف سے میرے قدم زمین پر جیسے گڑ گئے پھر میں نے دیکھا زمین پر چاند کی روشنی میں ،ایک خوفناک سانپ پھن اٹھائے اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا اور وہ زبردست طریقے سے لگاتار پھنکار رہا تھا جیسے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کررہا ہو کہ یک بیک اسے کسی نے دم سے پکڑا اور زمین پر ادھر ادھر پٹخنا شروع کردیا چند لمحوں بعد اس سانپ کے کئی ٹکڑے ہوچکے تھے۔

''چلو.....'' آواز آئی تو میں پھر چل پڑا۔ میں اچھی طرح جان چکا تھا کہ میری حفاظت کوئی نادیدہ وجود کررہا ہے، اب گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ ایک عجیب سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی پھر وہ آواز دھیرے دھیرے مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہوگئی جیسے قریب ہی شہد کی مکھیوں کا چھتا ہو۔

''بھائی! یہ کیسی آواز ہے؟'' میں نے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری بات کا جواب دیتا مکھیوں کی بھنبھناہٹ عورتوں کے جھگڑے میں تبدیل ہوگئی جیسے چند عورتیں مل کر لڑ رہی ہوں کچھ دور آگے پگڈنڈی پر جہاں پر چاند کی روشنی پڑ رہی تھی چار عورتیں کھڑی تھیں جب ان کے قریب جاکر دیکھا تو چاروں جوان خوبصورت اور دل نشین دوشیزہ تھیں ان کی لڑائی دلچسپ اور عجیب تھی۔

ایک کہہ رہی تھی'' میں زیادہ خوبصورت اور جوان ہوں۔'' دوسری کہہ رہی تھی۔'' میں زیادہ حسین ہوں۔'' وہ دونوں ایک دوسرے پر اپنے حسن اور جوانی کا رعب ڈال رہی تھیں۔

''دوست۔'' غیبی آواز سنائی دی۔'' اگر یہ تم سے بات کرنے کی کوشش کریں تو ان کی کسی بھی بات کا جواب نہ دینا خاموش ہی رہنا باقی کا کام میرا ہے۔'' میں خاموشی سے ان کی طرف بڑے انہماک سے دیکھنے لگا۔

''ارے..... پاگل ہم اسی طرح آپس میں لڑتی رہیں تو فیصلہ کیسے ہوگا کہ ہم میں سے کون زیادہ حسین ہے۔'' ان میں سے ایک بولی۔'' کیوں نا ہم اس اجنبی سے پوچھ لیں۔''

''ہاں..... ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' سب نے ایک ساتھ کہا۔

''اے اجنبی نوجوان کیا تم ہمارا فیصلہ کرو گے کہ ہم میں زیادہ خوبصورت، حسین اور جوان کون ہے۔'' ان میں سے ایک بولی۔ تو چاروں میری طرف متوجہ ہوگئیں۔ میں چپ ہی رہا۔

''ارے بولو نا اجنبی چپ کیوں ہو۔'' ایک بولی۔

''ارے یہ اجنبی بولتا کیوں نہیں۔ کہیں یہ گونگا تو نہیں۔'' دوسری بولی۔

''تو پھر کیا کریں۔'' ایک اور بولی۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

''کرنا کیا ہے کپڑے اتار دو پھر دیکھتے ہیں فیصلہ کیسے نہیں ہوتا۔'' پہلی بولی تو سب نے قہقہہ لگا کر خود کو کپڑوں سے آزاد کردیا میرے سامنے وہ منظر تھا کہ بڑے سے بڑا پہلوان بھی ان کا دلکش عریاں بدن دیکھ کر بہک جاتا مگر میرے محافظ نے مجھے کہہ دیا تھا کہ یہ منظر کا دھوکہ ہے اور کچھ نہیں۔'' لہٰذا میں نے آنکھیں بند کردیں۔

''ارے آنکھیں کیوں بند کررہے ہو، کیا نامرد ہو۔'' ایک نے قہقہہ لگایا۔

''اچھا ٹھیک ہے اگر فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے مگر اپنے من کی پیاس ہی بجھالو۔ ہماری جوانی شعلے اگل رہی ہے اسے ٹھنڈا کردو۔'' ایک بولی تو چاروں قہقہہ بلند کرتی میری طرف بڑھنے لگیں، میری آنکھیں تو بند تھیں مگر میں یہ محسوس کررہا تھا کہ وہ میری طرف بڑھ رہی ہیں۔

ایک دم ایک عجیب سی آواز کے ساتھ مجھے آنکھیں کھولنا پڑیں ان چاروں عورتوں کے وجود ہوا میں معلق تھے وہ بری طرح چیخ و پکار کررہی تھیں۔

یک لخت ان کا وجود انسانی ڈھانچوں میں تبدیل ہوگیا جن کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اب ڈھانچے آہستہ آہستہ ہوا میں ہی ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے اگلے ہی لمحے ان ڈھانچوں کا وجود دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہوگیا۔

''دوست ڈرتو نہیں لگ رہا۔'' غیبی محافظ مسکرا کر بولا۔

''ڈرتو نہیں لگ رہا مگر مجھ پر حملہ کرنے والے ہیں کون؟'' میں نے چلتے ہوئے پوچھا۔

''تھوڑا سا صبر کرلو جب تم جنگل سے باہر نکل جاؤ گے تو سارا معاملہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔'' وہ پھر مسکرایا۔

شب تاریک دھیرے دھیرے گزرتی جارہی تھی اور میں جنگل کے بیچ و بیچ بنی اس پگڈنڈی پر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جارہا تھا وہ جنگل بے شمار جنگلی جانوروں خونخوار درندوں اور ماورائی مخلوق سے بھرا پڑا تھا۔ آس پاس سے لاتعداد عجیب وغریب آوازیں آرہی تھیں اس کے علاوہ کئی جنگلی جانوروں کی چیخنے چلانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں، میں اندھیرے کی چادر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا جارہا تھا۔ چاند کی روشنی رہنمائی کررہی تھی میرے غیبی محافظ کی موجودگی میری بھرپور مدد کررہی تھی۔

بہرکیف میں تیز تیز قدم اٹھاتا جارہا تھا کبھی کبھی ایک ادھ بات اپنے ان دیکھے محافظ سے بھی کرلیتا اس کا کہنا تھا کہ یہ تاریک رات ہی تمہارے سر کا سائبان ہے اور صرف اسی تاریکی میں ہی تم اس جنگل سے نکل سکتے ہو، آدھے سے زیادہ جنگل گزر چکا تھا اور چودھویں رات کا چاند بھی دھیرے دھیرے ایک جانب گامزن تھا۔

''آگے بڑھو دوست۔'' غیبی آواز سنائی دی تو میں آگے کو چل پڑا۔

''رک جاؤ ابھی آگے مت بڑھنا ورنہ جلا کر راکھ کردوں گی۔'' ایک دم یہ آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے سر گھما کر اپنے دائیں جانب دیکھا۔ وہ ایک انتہائی خوف ناک ڈراؤنی شکل والی عورت تھی۔ جو میری طرف بھاگی چلی آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔

''رک جاؤ دوست اس کی بھی سن لیتے ہیں۔'' غیبی محافظ طنزیہ انداز میں بولا تو میں رک گیا اور اس عورت کی طرف دیکھنے لگا وہ میرے قریب چند قدموں پر آکر رک گئی۔

''تو کیا سمجھتا ہے کہ یہاں سے بچ کر نکل جائے گا ہرگز نہیں۔'' وہ کسی شیرنی کی طرح دھاڑی۔ ''اب دیکھ میں تجھے کیسے فنا کرتی ہوں۔'' ساتھ ہی اس نے اپنا بڑا سا منہ کھولا تو اس کے منہ سے ایک آتشی گولہ نکل کر میری طرف بڑھا مگر ساتھ ہی کوئلہ بن کر نیچے گر پڑا۔ یکے بعد دیگرے اس نے چھ سات گولے میری طرف پھینکے مگر میں محفوظ ہی رہا ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے میرے اطراف کوئی ان دیکھی آہنی دیوار قائم ہو۔

اپنے وار خالی دیکھ کر وہ چڑیل پاگل سی ہوگئی،

غلیل سے نکلنے غلیلے کی طرح وہ مجھ پر جھپٹ پڑی مگر کسی نے اس کی ٹانگیں پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی لیکن وہ جلد ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کا ایک بازو کندھے سے الگ ہو کر ایک طرف گر پڑا وہ پھر سے زمین پر گر پڑی اور تڑپنے لگی اس کی چیخ و پکار بلند ہوتی جارہی تھی اب اس کے وجود کے کئی ٹکڑے ہو چکے تھے۔

"چلو دوست آدھی سے زیادہ رات گزر چکی ہے۔ کچھ دیر بعد پو پھوٹنے والی ہے اگر پو پھوٹ پڑی تو میں تمہیں جنگل سے نکال نہ پاؤں گا پھر تمہاری موت یقینی ہو سکتی ہے۔" اپنے مہربان کی بات سن کر میں آگے کو چل پڑا۔

جنگل کا سفر اب اندازاً کم رہ گیا تھا وہ بھی خدا خدا کر کے ختم ہوا جارہا تھا صرف آدھے ایکڑ سے کم رہ گیا تھا۔

"ٹھہرو دوست۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔" میرے محافظ دوست کی آواز سنائی دی تو میں رک گیا۔

"شکر ہے خدا کا مگر اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتاؤ دوست۔" میں نے پوچھا۔ "اور یہ سب کیا تھا جو جنگل میں پیش آیا۔"

"کیا یہ تمہارے دل کی خواہش ہے کہ میں حقیقت بتاؤں؟"

"ہاں۔ کیا میں اپنے محسن کو نہیں دیکھ سکتا۔" میں بولا۔

"اچھا تو پھر دیکھ لو۔" پھر میرے سامنے روشنی کا ایک گولہ نمودار ہوا جس سے سبز رنگ کی کرنیں بکھر رہی تھیں دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک عجیب الخلقت انسان کا روپ دھار لیا۔ اس نے کالے رنگ کا چغہ نما لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کا سر بھی ڈھکا ہوا تھا اس کا چہرہ لمبوترا اور آنکھیں گول انگارہ تھیں۔

مجھے وہ انسان کم سانپ زیادہ دکھائی دے رہا تھا اسے دیکھ کر مجھے حیرت و خوف کے کئی جھٹکے لگے۔

"ہاں دوست اب بولو۔ اور یقیناً تمہارے دماغ میں حقیقت جاننے کے لئے طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہوگا۔

تو سنو..... چند دن پہلے جو تم تین سانپ لڑتے دیکھے تھے ایک کالے سانپ کو بچانے کے لئے تم نے ایک سرخ سانپ کو ختم کر دیا تھا وہ کالا سانپ میں ہی ہوں، میں رات کا شہ زور ہوں، کالی رات میں میری حکومت اور میرا علم چلتا ہے وہ سرخ سانپ چڑھتے سورج کے پوجاری ہیں صرف دن میں ان کا علم اور قوت چلتی ہے، تم نے ان کا ایک ساتھی مارا تھا، وہ مجھے مارنا چاہتے تھے مگر تم نے مجھے بچالیا پھر مجھے پتہ چلا کہ یہ ڈاکو تمہیں زبردستی یہاں رہنے پر مجبور کر رہے ہیں اس لئے میں تمہیں شب تاریک میں نکال کر لے آیا۔" وہ بولا۔

"مگر وہ سرخ سانپ آپ کو کیوں مارنا چاہتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ہماری دنیا کے کچھ ایسے راز ہیں جو انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں بس یہی سمجھ لو کہ میں ان کے حدود میں نکل آیا تھا اور ان کو یہ بات ناگوار گزری اس سے زیادہ میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا دوست تم نے میری جان بچائی اور میں نے تمہاری، اب تم جاؤ تمہاری جیب میں بہت پیسے اور جواہرات ہیں تم ان جواہرات کو فروخت کر کے کوئی اچھا کاروبار کر لینا۔ عیش کی زندگی گزرے گی۔ تم آرام سے اپنے گھر پہنچ جاؤ گے، یہاں سڑک سے فجر کی اذان کے وقت ایک لاری گزرے گی تم اس میں بیٹھ جانا وہ تمہیں فیصل آباد لے جائے گی پھر تم وہاں سے گوجرانوالہ چلے جانا آگے تمہیں خود معلوم ہو جائے گا، اب مجھے اجازت دو کیوں کہ صبح کی پو پھوٹنے والی ہے، اجالے میں میری قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔"

"شکریہ۔" کہہ کر میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور سڑک کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

پھر میں نے سر گھما کر اپنے محسن کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر مجھے جانے کا اشارہ کیا، میں وہاں سے سڑک پر آ گیا پھر تھوڑی دیر بعد ایک بس آئی تو میں اس میں سوار ہو گیا اور دوپہر کے وقت میں فیصل آباد پہنچ گیا اور شام کے وقت میں اپنے گھر میں موجود تھا۔

عشق ناگن

ایم الیاس

قسط نمبر: 19

چاہت خلوص اور محبت سے سرشار دلوں کی انمٹ داستان جو کہ پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی کہ دل کے ہاتھوں مجبور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بے شمار جان لیوا اور ناقابل فراموش مراحل سے گزرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتے ہیں اور اپنے وجود کے مٹ جانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے۔

یہ دنیا رہے نہ رہے لیکن کہانی محبت کی زندہ رہے گی۔ انہی الفاظ کو احاطہ کرتی دلگداز کہانی

"**دو شکتیوں** کا یدھ ہوتا ہے تو یہی سب ہوتا ہے میرے پیارے آکاش جی......!" سنگیت نے اسے دلاسا دیتے ہوئے جواب دیا۔

"آخر اس کی وجہ تو ہوگی...... بتاؤ کہ کیوں اور کس لئے ہوا ہے......؟" آکاش نے کہا۔

"اصل بات یہ کہ سادھو مہاراج نے ناگ دیوتا کا بلیدان چھین کر اچھا نہیں کیا......؟" سنگیت نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے کہ سایہ بھی چرا لیا جاتا ہے......" آکاش تحیر زدہ تھا۔ "ایسا کیا جا سکتا ہے۔" وہ پریشان ہو رہا تھا۔

"شکتیوں سے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا......؟" سنگیت سنجیدہ ہو کر بولی۔ "میرا من کہتا ہے کہ تمہاری پرچھائیں ناگ دیوتا کے سیوکوں نے چرا لی ہے...... اور بھلا کسی میں اتنی ہمت ہے......"

"میری پرچھائیں......؟" آکاش نے ہذیانی لہجے میں کہا اور بے اختیار اچھل پڑا۔ آکاش کے سینے میں سانسوں کا تموج ہچکولے کھانے لگا۔

"تمہیں سکھ کی ضرورت ہے اور تم بہت پریشان ہو رہے ہو......" امرتا رانی نے آگے بڑھ کر اسے اپنی سڈول بانہوں کے حصار میں لے کر سہارا دیا۔ "تم اپنی آنکھیں موند لو...... تاکہ ہم کو بند کر کے چلیں......"

آکاش نے ہیجانی انداز میں چند بے جان اور بے ربط فقرے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں...... اسے اک دم سے ایسا محسوس ہوا جیسے تیز بخار ہو گیا ہے...... اس کا بدن بخار میں پھنک رہا ہے۔ نہ صرف سر میں درد ہو رہا ہے بلکہ تلوے اور ہتھیلیاں بھی دہک رہی ہیں۔ ان میں سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور آنکھیں بھی جل رہی تھیں۔ اسے واقعی اس وقت سکھ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس نے سنگیت کے سڈول بانہوں کے لمس میں ایک عجیب سا سکھ پایا تھا۔

☆......☆......☆

بنجاروں کے اس پڑاؤ میں رات کی ویرانی کا راج تھا...... ان کے تندرست اور شیر کی سی جسامت والے کتوں نے جو ایک طرح سے خون خوار تھے اجنبی جسموں کی بو پا کر آہستہ آہستہ غرانا شروع کیا تو سنگیت نے اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں پڑاؤ والوں کی نیند خراب نہ ہو جائے جس کا اندیشہ تھا۔ کیوں کہ غراہٹ بڑی خوف ناک تھی۔ سنگیت نے فوراً ہی اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ وہ اک دم سے خاموش ہو گئے جو حیرت انگیز امر تھا...... اسے ایسا لگا جیسے کوئی نادیدہ

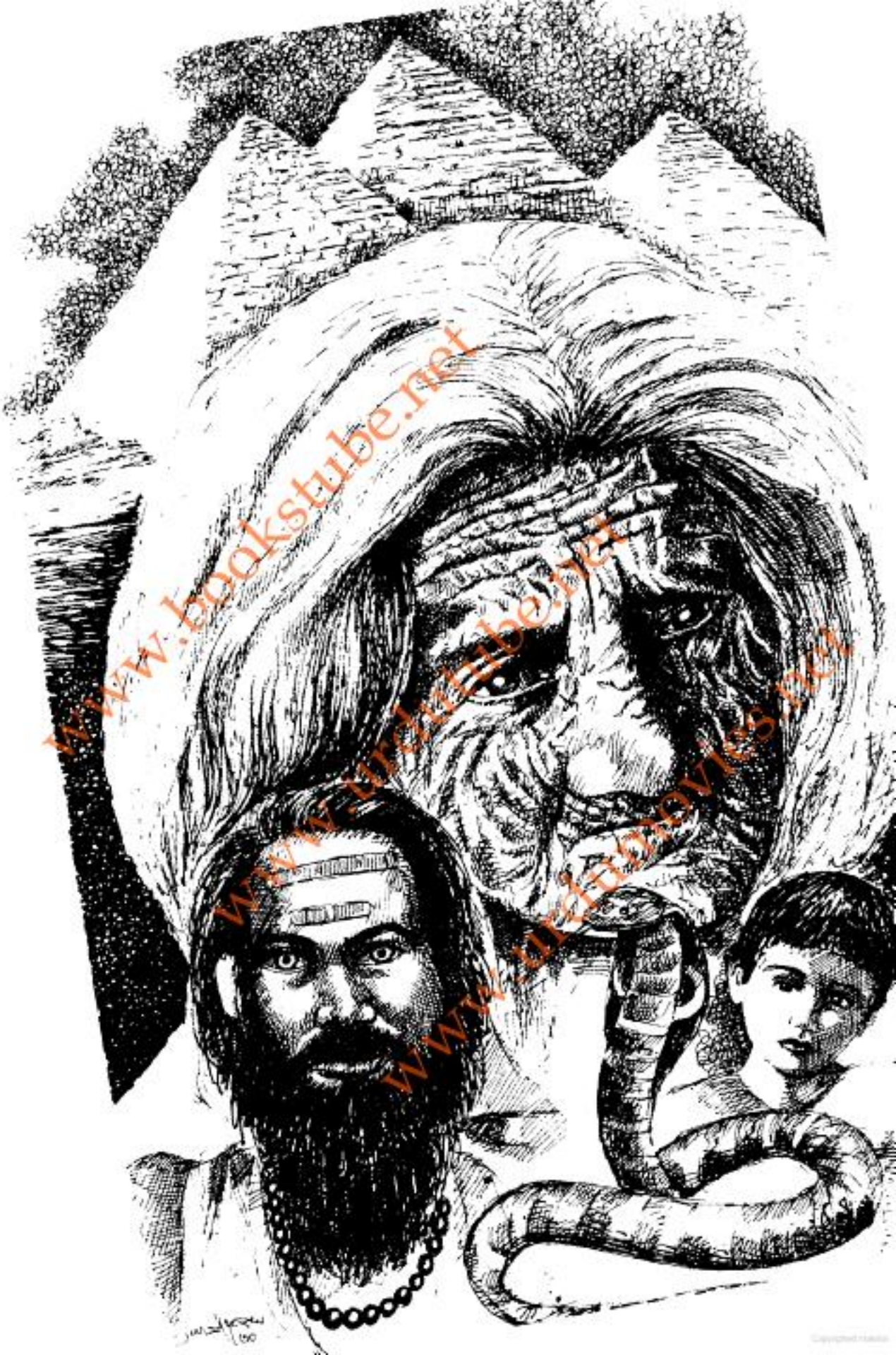

طاقت نے انہیں خاموش کردیا ہو۔

آکاش نے ان کتوں کے خاموش ہو جانے پر سکون کا سانس تو لیا لیکن اس کی متوحش نظریں زمین کے اس خالی حصے پر جمی ہوئی تھیں جہاں اس کی پرچھائیں ہونی چاہئے تھی لیکن وہ جگہ جیسے اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ استہزاء کر رہی تھی...... پھر اس کے بخار کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا اور خون کا تیز دوران اس کی کنپٹیوں پر جیسے کسی آہنی شے سے ضربیں لگاتا محسوس ہونے لگا۔

پڑاؤ کی خواب ناک اور پراسرار فضا میں اسے خاصی مانوسیت آئی تھی...... جیسے وہ کسی جنم میں خانہ بدوش میں رہ چکا ہو۔

اب ان کے نزدیک ایک نیا مسئلہ یہ تھا کہ رات کے آخری پہر میں کس کی نیند خراب کی جائے؟

پھر امرتا رانی نے اس کا یہ حل نکالا کہ اپنی پراسرار قوت کے سہارے اس پڑاؤ پر ایک چھولداری طلب کی اور وہ تینوں اس میں داخل ہوگئے۔ چھولداری میں داخل ہوتے ہی اس کے خواب ناک ماحول نے جیسے سواگت کیا۔ یہ چھولداری کسی شاہی محل کی سی خواب گاہ آکاش کو محسوس ہوئی...... اس نے دیکھا کہ فرش پر جو قالین بچھا ہوا تھا اس پر نرم و گداز صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ تین بستر تھے۔ ان بستروں پر چیتوں کی کئی گرم کھالیں پڑی ہوئی تھیں جو لحاف کی طرح تھیں...... وہ سردی سے کسی بچے کی طرح کپکپاتا ہوا ایک بستر میں گھس گیا...... امرتا رانی نے اس کی داہنی جانب والا بستر سنبھال لیا اور سنگیت نے بائیں پہلو کے بستر میں دراز ہوئی۔ دونوں کا قرب تھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ دنیا و مافیہا سے ایسا بے نیاز ہوا کہ اسے خود اپنی خبر نہیں رہی...... گہری تھکن اب تیزی کے ساتھ اپنا رنگ دکھا رہی تھی اور وہ انجانے سپنوں میں کھویا سا رہا۔

وہ گہری نیند سے جو بیدار ہوا تو پہلے وہ سمجھا کہ امرتا رانی یا سنگیت نے اسے جگایا ہے...... بات یہ نہیں تھی۔ اس کی آنکھ کھلنے کا سبب ایک تیز شور تھا جو فضا میں پورے آہنگ کے ساتھ گونج رہا تھا...... اس نے کسی خیال کے زیر اثر بستر ٹٹولا تو نہ امرتا رانی کا پتہ تھا اور نہ ہی سنگیت موجود تھی۔ وہ ہڑبڑا کر بستر اور پھر چھولداری سے باہر آیا تو ایک عجیب و غریب منظر اس کی نظروں کے سامنے تھا...... موٹے موٹے...... سیاہ اور بھدے جسموں والوں کا ایک ملا جلا ہجوم دائرے کی شکل میں جمع تھا...... ان کے وسط میں اسے وہی مہا پجاری نظر آیا جسے سادھو مہاراج نے شنکر ناتھ کے نام سے پکارا تھا اور مقابلے کے بعد پاگلوں کی طرح فرار ہوگیا تھا...... اس کے قریب ہی امرتا رانی اور سنگیت موجود تھی۔

وہ خانہ بدوشوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا تو اس نے شنکر ناتھ کو اس کے مخصوص حلیے میں موجود پایا...... ستر پوشی کے لئے اس بوڑھے نے ایک لنگوٹی باندھی ہوئی تھی اور اس کے استخوانی جسم پر کئی وزنی ناگ جھول رہے تھے...... آکاش نے حیرت سے سوچا......

''یہ خبیث کیوں اور کس لئے آیا؟......!

اس پر نگاہ پڑتے ہی شنکر ناتھ کی تیوریاں جیسے چڑھ گئیں۔

اس کے بدلتے تیور دیکھ کر سارے لوگ خاموش ہوگئے اور عجیب نظروں سے آکاش کی طرف دیکھنے لگے۔

''یہی ہے وہ پاپی......؟'' شنکر ناتھ ہاتھ اٹھا کر لوگوں سے مخاطب ہوا۔ ''دیکھ لو...... دھرتی پر اس کی پرچھائیں تک نہیں ہے...... اس نے ناگ دیوتا کو بلیدان دینے سے انکار کیا ہے...... جن کے سیوکوں سے تم اپنی روزی کماتے ہو...... یہ پاپی تمہارے پڑاؤ میں چوہے کی طرح چھپا ہوا ہے...... یہ کیا انیائے ہے......؟ کیا تم اتنے بوڑھے ہو چکے ہو کہ...... اپنے ان داتا کی آبرو کی رکشا بھی نہیں کر سکتے......؟''

''مار ڈالو...... مار ڈالو اسے چھوڑو نہیں......'' مجمع میں سے بیک وقت کئی پرجوش غصے سے بھری آوازیں فضا میں گونجیں...... ان کے تیور اچھے نہیں تھے...... وہ بڑے جذباتی بھی ہو رہے تھے۔

اتنی دیر میں آکاش کو صورت حال کی سنگینی کا پورا

www.booksube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

اندازہ ہو چکا تھا۔

شنکر ناتھ سادھو مہاراج کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد یقیناً اس کا تعاقب کرتا ہوا اس پڑاؤ تک آیا ہوا تھا...... اور اب ان اوہام پرست بھیلوں کو اشتعال دلا کر اسے ختم کرا دینا چاہتا تھا۔

اس نے حالات قابو سے باہر ہونے سے قبل ہی شنکر ناتھ پر کاری وار کرنے کا فیصلہ کرلیا...... اس لئے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا...... یہ اقدام کرنا اس کے لئے ناگزیر تھا۔

''ادھر آؤ لڑکی......!'' اس نے گرج دار آواز میں امرتا رانی کو اپنی طرف بلایا اور دل ہی دل میں اسے اپنے اصل روپ میں آنے کا حکم دیا۔

امرتا رانی نے پھرتی سے زمین پر لوٹ لگائی اور پل بھر میں پرشکوہ گلابی ناگن کے روپ میں زمین پر لہریں لینے لگی۔

اس کا چاندی کی طرح چمچماتا ہوا چوڑا چکلا پھن پرشکوہ انداز میں فضا میں لہرا رہا تھا۔ وہ اس وقت سفید ناگن کا تاثر دے رہی تھی...... اسے یوں روپ بدلتے دیکھ کر بہت سے بھیل اپنی خوف اور تحیر میں ڈوبی آوازوں پر قابو نہ رکھ سکے۔

اسی وقت سورج دھیمے دھیمے مغربی افق کی جانب جھکتا جا رہا تھا...... وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ سورج ڈھلنے سے قبل شنکر ناتھ کو جہنم واصل کر دے گا تاکہ اس غیر متوقع دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک ہو سکے۔

''بول مردود......! کیا کہتا ہے اب......؟''

آکاش نے فاتحانہ انداز سے شنکر ناتھ کو للکارا۔

شنکر ناتھ...... آکاش کے اس اچانک اور غیر متوقع حربے پر خاصا سراسیمہ اور حد درجہ خائف نظر آنے لگا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ آکاش اس سے مقابلہ کرنے کے لئے سینہ تان کر خم ٹھونک دے گا۔

اس کے ہاتھ بے چینی کے ساتھ اپنے گلے میں جھولتے ہوئے ناگوں پر حرکت کر رہے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے آکاش کو تحکمانہ لہجے میں مخاطب کیا۔

''تو اب بھی ناگ دیوتا کو بلیدان دے تو میں تجھے چھوڑ دوں گا...... ورنہ یاد رکھ تو ان جیالے بھیلوں کے پڑاؤ سے زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا...... صرف میرے ایک اشارے کی دیر ہے...... سمجھا کہ نہیں......''

''آؤ...... تم میں کون سورما ہے جو میرا مقابلہ کرے گا......؟'' آکاش نے بھیلوں کے بھوت ہجوم پر نظریں دوڑاتے اسے چیلنج کیا۔ ''انتظار اور دیر کس بات کی ہے...... آؤ...... میدان میں اترو۔''

''ہم [illegible] ہیں۔'' ایک نوجوان بھیل قدرے پس و پیش کے بعد آگے آگیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''ہم ناگوں کو اپنا دھرم سمجھتے ہیں...... مہاپجاری کہتا ہے کہ تم نے ناگ دیوتا سے دھوکا کیا ہے اس لئے اس نے تم سے تمہاری پرچھائیں چھین لی ہے...... تم نے ناگ دیوتا کے سراپے کے ڈر سے ہمارے پڑاؤ میں پناہ لی ہے...... اب تم یہاں سے زندہ نکلے تو ہمارا قبیلہ ناگ دیوتا کے سراپے سے بچ نہ سکے گا...... میں ابھی تمہارا جھگڑا نمٹا دیتا ہوں۔''

اس نوجوان بھیل کے لہجے اور الفاظ میں کھوکھلا پن نمایاں تھا...... آکاش نے اس کے چہرے کے تاثرات سے بھانپ لیا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اس کے مقابلے پر آیا ہے۔ شنکر ناتھ کے اشارے پر اس نے ہمت کی ہے۔

آکاش نے فوراً ہی رینگتی ہوئی امرتا رانی کو اشارہ کیا...... اور وہ ایک غضب ناک پھنکار مار کر سرعت سے اس کی طرف لپکی اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بنا ہی جا نگل گئی۔

شنکر ناتھ کی حالت غیر ہونے لگی اور اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دہشت جھانکنے لگی تھی۔ وہ ایک مردے سے بھی بدتر لگ رہا تھا۔ اپنی جگہ بے حس و حرکت اور جامد ہو کر رہ گیا تھا۔

اپنے ایک ساتھی کا عبرتناک حشر دیکھ کر سارے

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdunovels.net

بھیل بے اختیار زمین پر سجدے میں گر پڑے اور ان کے جسم کانپ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ مردار خوروں کے اس قبیلے میں اب کوئی بھی میرے سامنے آنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔

شنکر ناتھ نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے مخاطب کیا تو اس کی آواز میں لغزش سی تھی اور لہجہ بے جان سا تھا۔

''ناگ رانی..... دیوتا کی آگیا کے خلاف تیرا ساتھ دے رہی ہے..... اب یہ بھی اس کے سراپ سے بچ نہ سکے گی؟''

''تو اپنی بکواس بند اور اپنی خیر منا..... اپنی فکر کر.....'' آکاش نے تحقیر آمیز لہجہ میں کہا۔ ''امرتا رانی میری مرضی کی مالک ہے۔''

''سن بالک!'' اچانک شنکر ناتھ کا لہجہ غیر متوقع طور پر نرم پڑ گیا۔ ''میں سنسار کو تج کر ناگ دیوتا کا سیوک بن چکا ہوں جس سے میری آتما کو شانتی ملتی ہے..... اب میں بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہوں..... میرے قویٰ بھی جواب دیتے جا رہے ہیں..... اور مجھے اس بات کا خیال اور احساس ہے کہ میری زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں..... میں سمجھتا ہوں کہ گلابی ناگن رانی جو بھی سفید ناگن اور ہر طرح کا روپ، بہروپ بھر سکتی ہے..... اس سے تیرے پیچھے ہے..... اس لئے میں اس کے کارن تجھ سے جیت نہ سکوں گا۔ اگر تو مجھے شما کر دے تو پھر میں جنگلوں میں نکل جاؤں گا..... وہاں موت کے آنے تک بسیرا کروں گا..... ایک بات بتا دوں ناگ دیوتا تم دونوں سے نمٹ لے گا..... تو اور تیری ناگن رانی اس کے سراپ سے بچ نہ سکے گی۔''

آکاش لمحے کے لئے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا..... وہ بڈھا یک لخت مصالحت پر اتر آیا تھا اور اس کے تیور سے صاف ظاہر تھا کہ وہ آکاش کے مقابلے پر زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گا..... پھر بھی وہ اس سے پوری قوت آزمانے کا خواہش مند تھا..... وہ اس بات کو کیوں کر اور کیسے فراموش کر سکتا تھا شنکر ناتھ نے نہایت بزدلی کے ساتھ بنجاروں کو اس کے قتل کی ترغیب دی تھی اور اکسایا تھا..... وہ اس کی موت کا خواہش مند تھا اگر وہ بروقت کارروائی نہ کرتا تو وہ موت سے بچ نہیں سکتا تھا..... شنکر ناتھ نے جب دیکھا کہ وہ آکاش کو موت کے گھاٹ اتار نہیں سکا ہے تو منت سماجت کرنے پر اتر آیا تھا۔

''بڈھے.....! ناہنکار! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اتنی آسانی سے نکل سکے گا.....! تو مکار ہے..... عیار ہے..... میری منت سماجت کر کے بے وقوف بنا رہا ہے..... میں تجھے ہرگز ہرگز بخشوں گا نہیں..... میں تیرے سارے کس بل نکال کے رہوں گا..... تو اس قابل نہیں ہے کہ تجھے شما کر دیا جائے..... میں جان گیا کہ تو چال چل رہا ہے۔''

''اتنے سنگ دل اور ظالم تو نہ بنو مہاراج.....'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کے گھگھیایا۔ ''میری یہ بھول تھی کہ جو میں تیرے مقابلے پر آیا..... تو مجھے مار کر خوش ہوگا نہ سکھی ہوگا..... دکھ ہی دکھ ہوگا..... ایک منش کے خون سے کیوں اپنی پوتر آتما کو میلا کرتے ہو..... میں واپس جانا چاہتا ہوں..... تو مجھے جانے دے.....''

''نہیں..... ہرگز نہیں.....'' اس نے پل بھر کی خاموشی کے بعد فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تو معافی کے قابل بھی نہیں ہے۔''

پھر آکاش نے دل ہی دل میں حکم دیا کہ وہ شنکر ناتھ کو زندہ اور سالم نگل جائے.....

زمین پر بل کھاتی..... لہراتی..... امرتا رانی نے جو اس وقت سفید ناگن کا روپ دھارا ہوا تھا..... چاندی کی طرح چمچماتی امرتا رانی پر ہیبت انداز میں رینگتی آہستہ آہستہ شنکر ناتھ کی جگہ گھومی اور اپنا چوڑا چکلا پھن سکیڑ کر اس کی جانب بڑھنے لگی۔

''اچھا..... یہ ہمت..... یہ مجال.....؟'' شنکر ناتھ نے تھوک نگلتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ''تو مجھ سے ٹکر لئے بغیر نہیں مانے گا..... ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آیا ہے..... لگتا ہے کہ تیری مت ماری گئی ہے۔''

آکاش خاموش رہا..... شنکر ناتھ کا آخری جملہ اس کے لئے حیرت کا باعث تھا..... وہ اسے چیلنج کررہا تھا..... جیسے للکار رہا تھا..... کسی خوف زدہ بکرے کی طرح ممیاتے ہوئے ہی اچانک پامردی کے مظاہرہ پر اتر آیا تھا۔

امرتا رانی جب شنکر ناتھ سے چند قدم دور رہ گئی تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں..... اس کی آنکھوں میں دل کو موم کردینے والی فریاد رچی ہوئی تھی۔ جس انداز سے اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ خودکلامی کررہا تھا اس سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ گڑگڑاتے ہوئے التجائیں کررہا ہو..... منت سماجت..... پھر یک بارگی اس کا نحیف اور کمزور جسم بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا..... اس کے ناتواں جسم جو وزنی اژدھے خوف زدہ انداز میں اس کے بدن پر لہرا رہے تھے وہ رینگتے ہوئے زمین پر اتر آئے اور پھر سجدے میں گرے ہوئے بھیلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ادھر ادھر غائب ہوگئے۔ آکاش نے دیکھا کہیں بھی ان کا نام ونشان نہ تھا..... وہ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب تھے۔

اس سے قبل کہ امرتا رانی اس نئے دشمن کو جو حریف بنا ہوا تھا۔ اسے اپنا لقمہ بناتی زمین کے ایک صاف اور قدرے بڑے قطعہ پر ایک انسانی سایہ نمودار ہوا۔ آکاش بڑا مضطرب اور ہراساں سا تھا کہ اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اپنے قدموں پر پڑیں۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی پرچھائیں ابھی تک غائب ہے اور وہ نیا سایہ بغیر کسی مادی وجود کے نظر آیا۔

وہ پراسرار زمینی پرچھائیں سرعت سے سرکتی تھرتھراتی سی شنکر ناتھ کی طرف بڑھی اور پھر اس کے سائے پر جاکر معدوم ہوگئی جیسے وہ بھی اس کا حصہ ہو۔ اس نئے سائے کے یوں غائب ہوتے ہی شنکر ناتھ کے چہرے پر گہرا سکون کسی بدلی کی طرح چھا گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس اندر لیا..... اور پھر اس نے دوسرے لمحے آسودہ نظروں سے امرتا رانی کی طرف دیکھا جو بڑھتے بڑھتے رک گئی تھی..... پھر جب اس کی توجہ آکاش کی طرف ہوئی تو اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ وحشیانہ چمک کوندی۔

''ناگ دیوتا نے میری پرارتھنا سن لی ہے آکاش.....! اس نے مجھ پر بڑی دیا کی ہے..... سن.....'' شنکر ناتھ طنزیہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔ ''تو سنے گا تو تیرے اوسان خطا ہوجائیں گے..... تجھ پر جیسے کوئی بجلی سی آگرے گی..... تو جانتا ہے کہ بھگوان نے میرے ساتھ کیا کرپا کی ہے.....؟ بتا..... اندازہ کرسکتا ہے.....!''

''تو بکواس کررہا ہے.....'' آکاش نے زہرخند کہا۔ ''تو کیا سمجھتا ہے مجھے جو میں تیری باتوں کی دھمکی اور فریب میں آجاؤں گا.....؟ تیرا ناگ دیوتا کیوں تجھ خبیث اور ذلیل پر کرپا کرے گا..... اس لئے کہ تو بڑا کمینہ اور مکار ہے.....؟''

''تو کسی خودفریبی کا شکار ہورہا ہے.....!'' شنکر ناتھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''سن..... ناگ دیوتا نے تیری پرچھائیں میرے حوالے کردی ہے اور اب وہ میری تحویل میں..... بلکہ میری ملکیت میں ہے..... اب یہ ناگ رانی مجھے نگل نہیں سکتی..... اسے بھی اس بات کی خبر ہوچکی ہوگی..... وہ بے بس اور لاچار ہوگئی ہے..... اگر تو نے اس کے زور سے مجھے چوٹ دینے کی کوشش کی تو یہ جان لے کہ میں تجھے کڑی سزا دوں گا.....''

آکاش کے ذہن میں..... وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ یک بیک شنکر ناتھ کے حق میں پانسہ پلٹ جائے گا..... دوسرے لمحے اس نے سوچا کہ یہ اس کی گیدڑ بھبکیاں ہیں تاکہ امرتا رانی اسے نگل نہ لے۔

ادھر امرتا رانی مضطربانہ انداز میں اس سے قدرے فاصلے پر بل کھا رہی تھی۔

آکاش نے شنکر ناتھ کا جھوٹ آزمانے کے لئے غصے کے عالم میں دل ہی دل میں ایک بار پھر اسے

حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کمینے اور مکار شنکر ناتھ کو ہڑپ کرلے..... لیکن اس کا حکم بے اثر رہا..... امرتا نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی..... وہ ساکت اور جامد سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''اسے میرے راستے سے ہٹالے..... میری شکل کیا دیکھ رہا ہے.....'' بوڑھے شنکر ناتھ کے پتلے پتلے بدنما خشک ہونٹوں سے ایک ایسی مسکراہٹ ابھری جو نہایت زہر آلود تھی اس نے بڑی حقارت سے کہا۔ ''اب وہ مجھے ہرگز ہرگز نہ نگل سکے گی۔''

پھر اس نے امرتا رانی کو دوسرا حکم دیا کہ وہ شنکر ناتھ کو جو بھی..... جس طرح..... اور جس قسم کا بھی نقصان پہنچا سکتی ہے پہنچائے۔ اسے کسی قیمت پر معاف نہیں کرے..... وہ قابل رحم نہیں ہے..... اس پر ذرہ برابر بھی ترس نہ کھائے..... اس لئے کہ اس مکار سے کوئی بھی حرکت بعید نہیں ہے.....؟''

اس کے ذہن نے جیسے امرتا رانی کے ذہن سے رابطہ کر کے یہ حکم دیا تو امرتا کا جسم لہرایا اور وہ بائیں سمت سے شنکر ناتھ پر حملہ آور ہوئی۔ اسے دبوچ لیا..... شنکر ناتھ بوڑھا اور ناتواں ہونے کے سبب اپنی مستعدی کھو چکا تھا..... امرتا رانی نے اسے دبوچتے ہوئے اس کے بدن کو اپنی گرفت میں زمین پر جیسے بچھ دیا تھا اور اپنا پورا وزن صرف کر کے اسے بھینچنے لگی۔

شنکر ناتھ کے حلق سے گھٹی گھٹی خوف زدہ آوازیں نکلنے لگیں اور پھر فضا اس کی پسلیوں کی کڑکڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ امرتا رانی کے بدن کے بل تیزی کے ساتھ کھلے اور مسخ شدہ بدن اچھل کر دور جا گرا۔ وہ اذیت سے کسی زخمی پرندے کی طرح تڑپ اور بری طرح لوٹ رہا تھا..... سارے بھیل بدستور سجدے میں گرے گرے گڑگڑا رہے تھے۔

''یہ اچھا نہیں ہوا آکاش جی.....! بہت ہی برا بلکہ حد سے زیادہ برا ہوا ہے.....'' سنگیت جو دور کھڑی ہوئی تھی اس کے پاس آکر اس کے بدن سے لگ کر لرزیدہ سے لہجے میں بولی۔ ''آپ نے جنون کے عالم میں آکر اپنا ایک اور دشمن پیدا کرلیا ہے.....''

اس وقت امرتا رانی اپنے سابقہ روپ میں آگئی۔ وہ پریشان سی نظر آئی۔

''میرے پیارے آکاش.....! یہاں سے جتنا جلد ہو سکے بھاگ نکلو.....'' امرتا رانی نے سراسیمگی سے کہا۔ ''یہ کمینہ..... اس روگ سے مہلت پاتے ہی تم پر وار کرے گا..... ناگ دیوتا نے اسے تمہاری پرچھائیں کا مالک بنادیا ہے..... اب وہ اس کی ملکیت ہے..... اس کے سنبھلنے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ..... فرار ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں.....''

''تم چنتا نہ کرو اور ہراساں نہ ہو۔ میں تیار ہوں میری جان!'' آکاش نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری ہر بات پر عمل کروں گا..... واقعی اس مکار سے کوئی بھی ذلیل حرکت ہو سکتی ہے.....؟''

آکاش کے دل کے کسی کونے میں ایک نیا اندیشہ سر ابھارنے لگا۔

اس کا ایک دشمن شیونا گ تو اپنی ساری شکتیوں سے محروم ہو جانے کے بعد مون مندر میں جا چھپا تھا اور وہ اس وقت تک اس کے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا جب تک اس کے سر پر باریک ناگ دوبارہ بالوں کی طرح اگ نہ آئیں..... عین ممکن نحیف و نزار اور زخم خوردہ شنکر ناتھ اس سے انتقام لینے کے لئے شیونا گ سے جا کر مل سکتا ہے..... یہ صورت درحقیقت اس لئے پریشان کن تھی اور اب وہ شنکر ناتھ کے ساتھ اپنی ہٹ دھرمی اور سفاک رویے کے باعث پشیمان ہو رہا تھا۔ جانے اس سے اسے کیا ہو گیا تھا اس پر ایک جنون سا سوار ہو گیا تھا۔

پھر امرتا رانی نے اس کے پاس آکر اس کا ایک ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پھر اپنا بائیں ہاتھ کو سنگیت کی طرف بڑھایا اور اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔

''اب اپنی آنکھیں موند لو..... جب تک میں آنکھیں کھولنے کی ہدایت نہ کروں آنکھیں بند ہی رکھنا.....'' امرتا رانی کی بات سن کر اس نے فوراً ہی اس

پر عمل کیا۔

یہ پرلطف سفر کسی سپنے کی طرح تھا جو جلد اختتام کو پہنچا تھا۔

آکاش نے یک بیک محسوس کیا کہ اس کے قدموں نے زمین کو چھولیا ہے۔

زمین پر قدم ٹکتے ہی امرتا رانی نے شیریں آواز میں کہا۔ ''پیارے آکاش.....! اب اپنی آنکھیں کھول دیں۔''

آکاش نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے خود کو ویران کھنڈرات کے درمیان پایا جہاں شکستہ درو دیوار پر موت کا لامتناہی سکوت مسلط تھا..... اسے ایسا محسوس ہوا کہ ان کھنڈرات میں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ ہو۔

''ہم کہاں آگئے ہیں امرتا رانی؟ یہ کون سی جگہ ہے.....؟'' آکاش نے پوچھا۔

''ہم اس سمے مرجیا واڑہ کے کھنڈرات میں ہیں۔'' امرتا رانی نے مغربی افق پر ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''شنکر ناتھ مہا پجاری اور ناگ دیوتا کا چیلا بڑی پروہ منش ہے..... ہم ناگ ناگنوں سے آسانی سے ٹکر نہ لے سکیں گے..... اسے یہ بات جاننے میں کئی دن لگ جائیں گے کہ ہم کہاں روپوش ہیں؟''

''پر رانی جی.....'' اس کے قریب کھڑی ہوئی سنگیت نے زبان کھولی۔ ''کیا مہا پجاریوں سے یوں یدھ کرکے تم ناگ دیوتا سے دشمنی مول نہیں لے رہی ہو.....؟ تم نے اس بات پر سوچا اور غور نہیں کیا.....!'' سنگیت نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ پھر کہنے لگی۔ ''امرتا رانی.....! آپ نے یہ قدم اٹھا کے کیا انگاروں پر پیر نہیں رکھ دیئے ہیں۔ تم بہت جذباتی ہوکر بہت آگے نکل آئی ہو..... نتیجے کی پروا بھی نہیں کی.....؟''

''ہرگز نہیں..... امرتا رانی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے سب کچھ پہلے سوچ لیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ کیا کچھ ہونے والا ہے..... تم جانتی ہو کہ مجھے آکاش جی سے کیسی محبت ہے.....؟ دنیا کی ہر بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا سکتی ہوں..... میں نے یہ قدم عشق کے جنون میں اٹھایا تھا..... ناگ دیوتا نے آکاش جی کے مقابلے میں شنکر ناتھ کو سہایتا ضرور کی ہے پر ناگ رانی کے سامنے دیوتا بھی اپنی اچھا نہیں کریں گے کسی منش کی مدد کریں۔''

اب سورج غروب ہوچکا تھا اور وجیا واڑہ کے ان کھنڈرات پر ملگجی سی سرد دھند پھیل چکی تھی..... امرتا رانی کی نگاہیں ادھر ادھر کمین گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اور اسے بھی سرد ہواؤں کی کاٹ سے پناہ حاصل کرنے کی فکر لاحق تھی۔

امرتا رانی قرب و جوار کا جائزہ لینے کی نیت سے سنگیت کو اس کے پاس چھوڑ کر ایک طرف چل دی تھی۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد سنگیت نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک بوسیدہ عمارت کے تباہ شدہ کمرے میں آگئی..... وہاں جو فرش تھا اس قابل تھا کہ آرام سے بیٹھا جاسکے..... سنگیت نے پیروں سے اسے صاف کیا۔

ان دونوں کو شدید سردی محسوس ہورہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ سنگیت بولی۔

''میں بھی تم سے جنونی عشق کرتی ہوں لیکن امرتا رانی کے راستے کا پتھر بننا نہیں چاہتی ہوں..... انہوں نے مجھے کھلی چھوٹ دی ہوئی ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں بہک جاؤں تو کوئی حرج نہیں..... مجھے ہر بات کی اجازت ہوگی۔''

''تو کیا تم یہ چاہتی ہو کہ امرتا رانی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھایا جائے.....؟'' آکاش نے کہا۔

وہ دونوں محبت بھری باتوں میں ڈوبے رہے۔

پھر سنگیت نے پوچھا۔

''اس سندری لڑکی کا کیا بنا۔''

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

''کون سی لڑکی.....؟'' آکاش نے چونک کر اس کی طرف

''جس کی بھینٹ ہونے والی تھی.....؟''

''وہ اپنے گھر پہنچادی گئی.....؟'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔ ''اور مجھے بھینٹ کے بغیر ان سانپوں سے نجات مل چکی ہے۔''

''اچھا.....؟'' اس کے لہجے میں تحیر تھا۔ اسے جیسے یقین نہ آیا ہو۔

''تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا ہے.....؟'' آکاش نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کردیں۔

''یقین تو آگیا ہے.....''

تھوڑی دیر بعد محبت بھری باتوں کی کیفیت سے نکلنے کے بعد آکاش نے کہا۔

''تم یہ بات بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے کسی عورت سے ٹوٹ کر پیار اور عشق کیا تو صرف نیلم سے..... اور میں اس کی تلاش میں نکلا ہوں..... در بدر کی خاک چھان رہا ہوں..... میری منزل صرف اور صرف نیلم ہے..... اس بات کو تم دونوں خوب سمجھتی بھی ہو..... اس کے باوجود اس قدر میرے عشق میں مبتلا ہوجانا حیرت کی بات ہے..... اس لئے کہ میں نے تم دونوں سے جو محبت کی وہ جذبات کی فراوانی کی نذر ہوتی رہی ہے اور ہوجاتی ہے..... نیلم کو پانے کے بعد میری راہیں جدا ہوجائیں گی..... تب تم دونوں مجھ پر ہرجائی اور بھونرے کے الزام دوگی.....''

''آکاش جی.....!'' اس نے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ''میں اور امرتا رانی بھی یہ سب کچھ جانتی ہیں..... مگر کیا کریں..... دل کے ہاتھوں مجبور ہیں..... جو تم سے عشق ہوگیا ہے جس کے دیئے دل میں جل اٹھے ہیں..... وہ ہم بجھانے سے رہے..... پھر بھی بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ تمہیں تمہاری محبت اور تمہاری نیلم مل جائے۔''

''یہ تم سچ کہہ رہی ہو.....! تم دونوں کو مجھے کھودینے کا دکھ تو نہیں ہوگا.....؟''

''نہیں..... ہرگز نہیں.....'' سنگیت نے سر ہلایا۔ ''دکھ..... نہیں بلکہ خوشی ہوگی۔''

آکاش نے محسوس کیا کہ سنگیت کے لہجے میں کھوٹ، نفع اور جھوٹ نہیں ہے..... وہ سچ بول رہی ہے۔

''تم یہ بات جو کہہ رہی ہو دل پر ہاتھ رکھ کے کہو.....؟'' آکاش نے کہا۔

''کیا تمہیں میری بات پر بسواس نہیں.....؟'' سنگیت نے پلکیں جھپکائیں۔

''بسواس کی بات نہیں..... یقین نہیں آرہا ہے کہ تم ایک عورت ہو.....؟''

''عورت عشق آشنا ہوتی ہے..... وہ جانتی ہے کہ عشق کیا..... اور کیسا ہوتا ہے.....! آکاش جی.....! عشق کرنا صرف عورت جانتی ہے۔'' وہ بولی۔

آکاش کی یادداشت بیٹھے بیٹھے ایک دم دھندلانے لگی اور وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

سنگیت اس کی ابتری حالت دیکھ کر ایک دم پریشان ہوگئی۔ وہ اپنا لباس اور بال درست کرنے لگی تاکہ امرتا رانی کو شک نہ ہوجائے۔ شک سے ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی..... اس کی طرف سے ہر بات کی اجازت اور کھلی چھوٹ تھی۔

لیکن آکاش کو جیسے اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا اور حواس پر ایک بھیانک سی وحشت غالب آنے لگی تھی..... امرتا رانی کے جانے کے بعد چوں کہ دونوں محبت بھری باتوں اور جذبات میں ڈوبے رہے تھے..... سنگیت کے قریب سے اس کی وحشت قابو میں رہی لیکن اس نے جیسے ہی سنگیت کو نیلم کے بارے میں بتادیا تو اچانک اس کی یہ حالت ہوگئی تھی۔

اس کی حالت کا اندازہ کرکے..... یا شاید اپنی پراسرار قوتوں کے سہارے..... سنگیت صورت حال کو سمجھ گئی۔ سنگیت نے اس کے قریب آکر اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کردیں۔

''میرے پیارے آکاش جی.....! تم حوصلہ

کیوں ہار رہے ہو..... مرد ذات ہو اور بہادر بھی ہو..... نڈر بھی اور دلیر بھی..... ہمت سے کام لو..... زندگی میں تو ہر طرح کے دن آئے ہیں..... مصیبتیں بھی آتی ہیں.....'' وہ محبت بھرے لہجے میں دلاسا دینے لگی۔

''یہ ذلیل..... کمینہ..... شنکر ناتھ نے..... میری پرچھائیں اپنے قبضے میں کس لئے کی ہے.....؟''

''وہ غصے نفرت اور انتقام کے اندھے جنون میں تمہاری پرچھائیں پر گندا عمل کرنے کے لئے.....'' وہ بولی۔ ''اس کے ہاتھ میں بہت سے ہیرا ایسے ہیں جو شیطان ہیں..... اگر تم نے ہمت ہار دی تو تمہارا دماغ ہی الٹ جائے گا.....''

''میری پرچھائیں.....؟'' آکاش نے بدحواس ہو کر لرکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اوہ میں ہر چیز بھول رہا ہوں..... تم..... تم کون ہو.....؟ یہ تم نے اپنی بانہیں میرے گلے میں کیوں حمائل کر دیں..... تاکہ میرا گلا دبا دو.....''

آکاش نے اس کی بانہوں کی گرفت سے اپنی گردن آزاد کی۔ اس نے بری طرح اس طرح جھٹک دیا تھا جیسے یہ سانپ ہوں۔

''میں..... میں تمہاری سنگیت ہوں..... داسی ہوں..... ابھی ابھی تو محبت بھری باتیں کر رہے تھے؟'' وہ اس سے لپٹ گئی۔

''تم سنگیت ہو.....؟ کیا میری سنگیت.....!'' آکاش نے کھوئے ہوئے انداز سے اس کا نام دہرایا۔ ''کیا واقعی..... اور میں کون ہوں..... آکاش..... آکاش ہی نہ ہوں..... کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں.....!''

سنگیت اسے جذباتی ہیجان میں گم کر کے اس کی دماغی حالت کو معمول پر لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی..... وہ نیم پاگلوں کی طرح ہکا بکا کھڑا رہا..... وہ ہر طرح سے اپنے وجود، محبت اور خود سپردگی کا احساس دلاتی رہی تھی لیکن اس کا ذہن گم نام دلدلوں میں ابھر ابھر کے ڈوب رہا تھا..... اس کا دماغ معطل سا ہوا جا رہا تھا۔

آکاش نے محسوس کیا کہ سنگیت اسے حواس میں لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے..... اس نے آکاش کے ہاتھوں کو تھام کر چوما..... اور پھر وہ سابقہ حالت میں آ گئی کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ، حجاب اور پردہ نہ رہا..... پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کے اندر کا آدمی جو مر گیا تھا وہ ایک دم سے ہڑبڑا کے جاگ اٹھا تھا۔ سنگیت نے اس کی چوڑی چکلی چھاتی پر اپنا سر رکھ کے اس میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

پھر اسے خاموش فضا..... پرسکون ماحول بھی سنگیت کے قرب میں وہ جیسے اپنی ذات اور خود فراموشی کی حالت ہر احساس سے بے نیاز ہوتا گیا..... پھر اسے کچھ یاد آنے لگا، اس کا ہیجان اب کم ہو کر رہ گیا تھا۔

خود فراموش کے وہ لمحے بھی زوال نہیں تھے..... جب آوارہ جذبوں کی تشنگی ختم ہو گئی تو ایک بار پھر وہ سابقہ احساسات میں گم ہو گیا..... اسے اپنا نام یاد رہا تھا..... اس کے سوا وہ چیز کو بھولتا گیا..... اوہام اور خیالات کا ایک طاغوتی بھنور اس کے ذہن میں اپنے شیطانی چنگل میں لے چکا تھا..... اس کی حالت ایک بے بس اور لاچار فرد کی سی ہو رہی تھی۔

پھر ایک لڑکی بھاگی ہوئی اس کی طرف آئی۔ آکاش نے بڑی مشکل سے اسے پہچانا..... وہ امرتا رانی تھی۔

''اوہ..... وہ رذیل اپنا وار کر ہی گیا.....؟'' امرتا رانی نے اسے دیکھتے ہی افسردہ لہجے میں کہا۔

''میں..... آکاش ہوں۔'' آکاش نے بڑی درد بھری آواز میں اس سے کہہ کر اپنے وہم کو دور کیا۔

''ہاں..... ! تم آکاش ہی ہو.....'' امرتا رانی نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ ''اور اب تمہارا سایہ ہی تم پر وار کرے گا..... شنکر ناتھ نے تم پر بہت بڑی شکتی لگائی ہے جس کا گمان بھی نہ تھا.....''

''شنکر ناتھ.....؟'' آکاش نے ذہن پر زور دے کر دہرایا۔ ''پتا نہیں کون ہے.....؟''

''تمہارا جانی دشمن اور ناگ دیوتا کا مہا

پجاری....." آکاش نے سرد اور جذبات سے عاری آواز میں دہرایا۔

اس کا زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ پورا ہوتے ہی وہ بری طرح چیخ پڑا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں میں لوہے کی دہکتی ہوئی سلاخ بڑی شقاوت سے اتار دی ہو۔

آکاش سے برداشت نہ ہو سکا وہ فوراً ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام کر زمین پر لیٹ گیا۔

اس کی چیخیں بہت ہی اندوہناک تھیں۔ لیکن اس نے چند ثانیوں کے بعد ایسا محسوس کیا کہ اس کی تکلیف یک لخت ختم ہوگئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے چہرے پر سے ہاتھ اٹھالئے اور بے چارگی کا ایک نیا احساس اسے پریشان کرنے لگا۔

اس کی بائیں آنکھ کی بینائی اچانک ختم ہوگئی تھی..... اس نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر بتایا۔

شنکر ناتھ نے تمہاری پرچھائیں سے اس آدمی کی ہتھیا کردی ہے جس کی آنکھ کی روشنی میں نے تمہیں دلائی تھی۔" امرتا رانی نے غصے اور بے چارگی کے ملے جلے احساس کے ساتھ اظہار کیا۔

اس لمحہ آکاش کو کچھ یاد نہ آسکا کہ امرتا رانی کس کا حوالہ دے رہی ہے..... وہ قطعاً بھول چکا تھا کہ جل منڈل کی بھیانک سرزمین پر جل کماری نے کھولتے ہوئے تیل سے اس کی بائیں آنکھ پھوڑ دی تھی..... اور پھر امرتا رانی اپنی شکتی کے زور سے ایک دہقانی کی آنکھ سے اس کی ناکارہ بائیں آنکھ تبدیل کی تھی۔

"میں اندھا ہو چکا ہوں۔" اس نے دل گرفتہ لہجے میں کہا تو اس کی آواز بھرانے لگی۔ وہ سنگیت اور امرتا رانی سے بولا۔ "ایک نئی افتاد آن پڑی ہے۔"

"سنگیت بے حد غم زدہ نظر آرہی تھی اور امرتا رانی کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا تھا۔

اگلا لمحہ بہت ہی ہولناک تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

کھنڈرات کے فرش پر ایک لمبی سی پرچھائیں لرزتی ہوئی اس کی جانب بڑھی چلی آرہی تھی۔ اس سائے کے ساتھ کوئی ایسا مادہ نہیں تھا جس کا وہ عکس ہوتا..... جب کہ اس کی اپنی پرچھائیں غائب تھی اور وہ نامعلوم خوف اور پرچھائیں لمحہ بہ لمحہ اس کی جانب چلی آرہی تھی۔ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اسے دیکھ کر سنگیت اس قدر خوف زدہ اور ہراساں ایک گری ہوئی دیوار پر چڑھ گئی..... اور آکاش اپنی ہی جگہ ساکت سا کھڑا ہوا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس عجوبے کو دیکھے جارہا تھا۔

اس نے چند قدم کے فاصلے پر آکر وہ پرچھائیں..... انسانی پرچھائیں پل بھر کے لئے رکی اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ قدموں پر سیدھی کھڑی ہوگئی..... بالکل اسی طرح جیسے کاغذ پر کاٹے ہوئے انسان کے ڈوریوں کی مدد سے کھڑے کئے جاتے ہیں..... اس متحرک اور پراسرار پرچھائیں میں نہ وزن تھا اور نہ ہی جسامت تھی۔ وہ بہت طویل اور بے ڈول سا تاریک انسانی سایہ تھا۔ وہ خوف اور تعجب کے ساتھ اس سائے کو دیکھتا رہا..... گو وہ ذہنی طور پر اس وقت اپنا ماضی بالکل بھول چکا تھا لیکن پھر بھی اس سائے کے لئے اپنے دل میں اپنائیت اور محبت کا جذبہ محسوس کررہا تھا۔

کاغذ جیسی وہ سیاہ اور بے جسم پرچھائیں اس کی جانب وارفتہ انداز سے بڑھی اور آہستہ آہستہ اتنے قریب آگئی کہ اس کے پرچھائیں کے درمیان صرف بال برابر فاصلہ رہ گیا، اس نے محبت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اس کے گرد ڈالے لیکن اس کے ہاتھ آپس میں یوں ٹکرا گئے جیسے وہ انسانی پرچھائیں محض دھند یا دھواں ہو..... اس پرچھائیں نے ذرا سی جنبش اور کی تو اس کے پورے بدن میں شدید جلن ہونے لگی..... وہ بوکھلا کر پلٹا اور اس کے روئیں روئیں کھڑے ہوگئے۔

وہ پرچھائیں بہت ہی آہستگی کے ساتھ اس کے وجود میں حلول کرنے لگی تھی۔ وہ اپنے جسم کے بالوں میں ہلکی ہلکی..... بے آواز سرسراہٹیں محسوس کررہا تھا اور اس کی کنپٹیاں بڑی تیزی سے دھمک

رہی تھیں اور اس کا پورا بدن سردی کے باوجود بری طرح سلگ اٹھا تھا۔

پھر اس نے وحشت کے ساتھ اپنی ہی جگہ پر کئی چکر کاٹ ڈالے لیکن وہ پرچھائیں اسے کہیں دکھائی نہ دی۔

وہ اس وقت کچھ سمجھنے یا کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت سے محروم ہو چکا تھا..... لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ پراسرار پرچھائیں آہستہ آہستہ اس کے بدن میں حلول کر چکی تھی۔ اس لئے اسے کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔

اس نے گھبرا کر اپنا سینہ دونوں ہاتھوں سے دبایا اور فرش پر بیٹھ گیا۔ کیوں کہ اسے ایک عجیب سی گھٹن ہونے لگی تھی..... اس کے خون کا دوران جسم کے اوپری حصے کی طرف شدت اختیار کرنے لگا تھا۔

''امرتا.....!''

اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا اور امرتا رانی کو ندا بن کر اس کی طرف لپکی اور اس کے قریب آ گئی۔ اس کے باوجود وہ اسے پہچان نہ پایا..... اس کا دماغ پوری طرح معطل تھا..... ماضی کی کوئی جھلک..... کوئی یاد کی رمق تک اس کے شعور میں باقی نہیں رہی تھی اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑ چکا تھا۔

تمہاری حالت گمبھیر اور انتہائی سنگین روپ دھار چکی ہے.....'' امرتا رانی نے اس پر جھک کر کہا۔ ''تم فکر نہ کرو..... پریشان اور ہراساں نہ ہو میری جان.....؟'' اس نے دلاسا دیا اور پھر بولی۔ ''میں اس کا توڑ کرتی ہوں۔'' شاید تمہیں بھی اس میں تکلیف ہوگی..... اس کے سوا چارہ نہیں..... لیکن میں بے بس ہوں میرے دیوتا.....!''

پھر سنگیت نے فوراً ہی اس کی طرف بڑھ کر زبردستی اس کی داہنی آنکھ اپنی ہتھیلی سے بند کر دی۔ اس وقت وہ درد اور بے چینی کے باعث بری طرح تڑپنے لگا تھا..... اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے اپنا زور اور اپنی قوت صرف کر دی کہ اندھے پن سے نجات پانے کی کوشش کی.....

پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ پرواز کر رہا ہے اور جب کافی دیر کے بعد اس کی پرواز ختم ہوئی تو سنگیت نے پھرتی کے ساتھ امرتا رانی کی پرواز سے جدا کر کے اسے اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ امرتا رانی کے قرب سے اسے ایک عجیب سا اطمینان محسوس ہوا تھا۔

اس نے اپنی آنکھ کھول دی اور وحشت زدہ انداز میں آس پاس نظر میں اس کا جائزہ لیا تھا..... لیکن وہاں اونچے اونچے درختوں، خودرو جھاڑیوں اور ناہموار پتھریلی زمین کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ڈھلتے چاند کی پھیکی پھیکی روشنی اس ویران ماحول میں رچی ہوئی خنکی کو بہت زیادہ بھیانک بنا رہی تھی۔

پھر اس نے خود کو اچانک ہی گھور تاریکی میں گھرا ہوا محسوس کیا..... یہ تاریکی اس کے لئے بہت زیادہ سکون کا باعث ثابت ہوئی۔ اس پر چھایا ہوا اضطراب یک بیک ختم ہو گیا۔ اس کا ذہن بھی اعتدال پر آ گیا۔ اور اس نے سنگیت کو محض جسم کے لمس اور خوشبو کی مہک سے پہچان لیا تھا۔ عورت بدن کی خوشبو سے پہچانی جاتی ہے۔

''سنگیت.....!'' اس نے بڑی پیار بھری آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''میری یادداشت لوٹ رہی ہے..... اب میں صرف قدرے نقاہت ضرور محسوس کر رہا ہوں لہٰذا تم مجھے نیچے اتار دو.....''

''شکر ہے بھگوان.....!'' سنگیت کی بھرائی ہوئی آواز فضا میں کانپی۔ اس کی بڑی بڑی جھیل جیسی سیاہ آنکھوں کی کنائیوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ پھر وہ یاسیت سے بولی۔ ''میرے دیوتا.....! جانے تمہارے بھاگ میں ابھی کتنے دکھ جھیلنے رہ گئے۔''

''ہم اس وقت کہاں ہیں؟'' اس نے گرم جوشی اور محبت سے امرتا رانی کا ہاتھ دبا کے پوچھا۔

''تم اس وچار میں نہ پڑو..... تو بہت اچھا ہے.....'' سنگیت درمیان میں جھٹ سے بول اٹھی۔ ''اس دھرتی پر ہر طرف ایسے گم نام ٹھکانے بکھرے پڑے ہیں جہاں رانی جی کے سوا پرندہ بھی نہیں پر

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

مار سکتا۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں.....؟'' آکاش نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''سنگیت جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ ٹھیک ہی ہے آکاش جی.....!؟'' امرتا رانی نے بڑی تمکنت سے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''یہ ایک اندھیرا غار ہے جہاں آج تک روشنی کی کوئی کرن نہیں جھانکی ہے..... یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں شانت اور سکھی رہ سکتے ہیں..... میں شنکر ناتھ کو اتنا کمینہ، نیچ اور ذلیل نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ایسا گندا وار تم پر کرے گا۔''

''کیا مطلب.....؟'' آکاش نے الجھتے ہوئے لہجے میں پوچھا..... ''کیوں کہ بیشتر واقعات اس کی غائب دماغی کے دوران میں پیش آئے تھے اور کیا کچھ بیت گئی وہ بے خبر تھا۔

''شنکر ناتھ نے اپنی شکتی کے زور سے تمہاری پرچھائیں تم پر سوار کردی ہے..... اب تمہاری پرچھائیں کسی زندہ روگ کی طرح تمہارے شریر میں سما چکی ہے۔'' امرتا رانی اسے بتانے لگی ''تم جس وقت اور جب کبھی بھی روشنی میں آؤ گے تمہاری پرچھائیں زمین پر تو نظر نہ آئے گی..... پر تمہارے شریر میں زور کرنے لگے گی..... تم اس کھٹنائی کے کارن اپنی سوجھ بوجھ کھو بیٹھو گے..... اس کے ساتھ تمہارا شریر بڑے دکھ میں پڑ جائے گا..... اس لئے تمہیں پرچھائیں کے کشٹ سے بچانے کے لئے اس اندھیرے غار میں لے آئی ہوں..... تمہیں جب سے اپنی پرچھائیں کے ڈراؤنے روگ سے چھٹکارا نہیں ملتا تم اس اندھیرے غار سے نکل کر خود کو اپنی پیاری نیلم کو..... مجھے اور کسی کو بھی یاد نہ رکھ سکو گے.....؟''

''یہ تو ایک ایسی نئی قید ہے امرتا رانی جو بڑی اذیت ناک ہے۔'' آکاش نے شکایت بھرے لہجے میں کہا تو اس کی آواز دکھ سے بھری ہوئی تھی..... ان انکشافات نے اسے بے حد مایوس کردیا تھا..... اسے ناگ بھون سے اپنی پیاری نیلم کی بازیابی ایک بار پھر غیر یقینی حالات میں لپٹے ہوئے وہ ناگ بھون کے ہولناک سفر کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے سے مجبور اور بے بس تھا۔

''اب تم اپنے آپ کو ایک قیدی ہی سمجھو.....'' امرتا رانی بولی۔ ''نہ میں ہر سے تمہارے سنگ رہ سکوں گی..... اور نہ سنگیت ہی تمہارے اکیلے پن کی ساتھی ہو کر سیوا کر سکے گی.....؟''

''وہ کیوں؟'' اس نے امرتا رانی کا بازو تھام لیا۔ اس نئی اطلاع پر اسے غار میں پھیلا ہوا گھپ اندھیرا ہولناک لگا۔

''اس لئے کہ شنکر ناتھ کا وار تم پر بڑا کاری اور مہلک پڑا ہے۔'' امرتا رانی اس کا ہاتھ تھام کر احتیاط سے آگے بڑھے گی۔

''اس بار تمہارا اپنے آپ ہی سے پالا اور سابقہ پڑا ہے..... بس یوں سمجھو کہ تمہاری ذات دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے..... ایک تم ہو اور تمہاری دوسری ذات تمہاری اپنی موذی دشمن بن چکی ہے..... لیکن اس سے ٹکر لینا تمہارے لئے آسان نہ ہوگا..... اور پھر مجھے تمہاری آنکھ کا کوئی اپائے بھی تو ڈھونڈنا ہے.....''

''وہ تو ٹھیک ہے میں تمہاری مان لیتا ہوں..... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں ہی مجھ سے دور کیوں رہنا چاہتی ہو.....؟''

آکاش نے سوال کیا۔ ''کیا تمہیں اندازہ نہیں کہ.....''

''تمہارے نئے روگ کا اپائے ڈھونڈنے کے لئے.....'' امرتا رانی نے درمیان میں کہا۔

''لیکن تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ یہ غار میرے لئے کس قدر عذاب ناک ہوگا.....؟ میں تو اس اندھیرے غار کی پرہول تنہائی میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا..... میرے لئے ایک لمحہ بھی جدائی کا سوہان روح بن جائے گا۔'' آکاش نے بے بسی سے کہا۔

''سنگیت جواب ایک لمبے سفر پر جائے گی..... لیکن جب بھی وقت ملا تمہارے پاس آجائے گی۔ پر تم

یہاں اکیلے نہیں رہو گے اور نہ ہی تنہائی محسوس کرو گے؟''

''اس غار میں ابھی تک ہم تینوں کے سوا کوئی نظر نہیں آیا..... اگر تم نے کسی ذی روح کو دیکھ لیا ہو اور بات ہے۔''

''ہم آتماؤں پر وشواش نہیں کرتے ہیں؟'' امرتا رانی اٹھلا کر بولی۔ ''یہاں قریب کے ایک غار میں ایک بڑی سندر سی لڑکی ہے..... وہ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہے۔ میں اسے یہاں چھوڑ جاؤں گی؟''

''کون ہے وہ.....؟'' آکاش کے لہجے میں بے پناہ تجسس اور اشتیاق ابھر آیا۔

''بہتر ہے تم اسے بھول جاؤ.....''

''میں اسے ابھی اور اسی وقت لے کر آتی ہوں۔'' امرتا رانی نے سنجیدگی سے کہا۔

پھر امرتا رانی اپنی بات ختم کر کے وہاں سے چلی گئی تو سنگیت اس کے پاس آ کر بولی۔

''دیکھو..... امرتا رانی کو تمہارا کتنا خیال ہے..... اس کا عشق کتنا بے لوث اور بے غرض ہے۔''

وہ خاصی دیر تک غار میں امرتا رانی کے قدموں کی دھمک گونجتی سنتا رہا۔ آخر کار وہ آواز یک سر معدوم ہو گئی۔

''اگر تمہیں اپنے جیون سے پیار ہے تو امرتا رانی سے پوچھے بنا روشنی کی کرن تک نہ دیکھنا..... ویسے بھی یہ غار بھول بھلیاں ہے..... تم شاید اپنی اچھا سے یہاں سے نکل بھی نہ سکو گے..... پھر میری بات کا دھیان رکھنا۔ بھولنا نہیں۔''

''سنگیت.....! تم کس سفر پر جا رہی ہو.....؟'' اس نے پوچھا۔ ''یہ بات نہ تم نے بتائی اور نہ امرتا رانی نے.....''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی!'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''بات صرف اتنی سی ہے کہ اپنی شکتی لوٹ آنے کے بعد اب مجھے جانے کہاں کہاں خاک چھاننا ہوگی.....''

سنگیت کا لہجہ بڑا سادہ اور معصومانہ تھا۔ اس میں تصنع اور کھوٹ نہ تھا۔ نہ ہی ریاکاری اور منافقت تھی.....

خاصی دیر کے بعد غار کی فضا میں دور سے امرتا رانی کے قدموں کی بہت ہی مدھم دھم اور مانوس سی چاپ سنائی دی تو سنگیت قدرے ہٹ کر ایک طرف دبک گئی۔

کچھ دیر بعد امرتا رانی آئی تو اس کے کندھوں پر کوئی بے حس و حرکت نسوانی سایہ لدا ہوا تھا..... اس نے آکاش کے قریب آ کر بڑی بے نیازی سے اس کے قدموں میں اس نرم و نازک لڑکی کو ڈال دیا۔

''آکاش..... میری بات کا برا نہیں ماننا..... یہ ایک حقیقت ہے جو بڑی اٹل ہے جس سے تم کیا دنیا کا کوئی مرد انکار نہیں کرے گا کہ..... ہر مرد کی کمزوری عورت ہوتی ہے..... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں.....'' امرتا رانی کا لہجہ سوالیہ تھا۔ پھر امرتا رانی اور سنگیت چلی گئیں۔

آکاش کو تنہائی ڈس رہی تھی۔ اس سے کوئی بات کرنے والا نہیں تھا۔ یہ لڑکی ہی اس کی تنہائی اور وحشت کو دور کر سکتی تھی۔ اسے لڑکی کے قرب، جسم اور سرفراز ہونے کی تمنا نہیں تھی۔ اسے ایک ساتھی کی ضرورت تھی جو اس سے باتیں کرے..... اور وہ اس سے..... اس لئے وہ آہستگی سے اس کے رخسار اور شانے سہلانے تا کہ وہ بیدار ہو جائے اور لڑکی پر جو مدہوشی یا بے ہوشی طاری ہے وہ دور ہو جائے۔ وہ لڑکی کسمسائی اور اس کے جسم میں حرکت سی ہوئی لیکن غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے بڑے پیار کے ساتھ اسے جھن جھوڑا تو وہ ہڑبڑا کے زمین سے اٹھ گئی۔

تاریکی کے باعث وہ نہ تو اس کا چہرہ دیکھ پایا اور نہ اس کا سراپا۔

''یہاں..... یہاں کون ہے میرے پاس.....!'' اس نے لڑکھڑاتی زبان میں پوچھا، اس کا لہجہ نفیس اور شستہ تھا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

آکاش نے فوراً ہی جواب دینا اور بات کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔

''تت..... تم کون ہو.....؟ بولتے کیوں نہیں..... بتاتے کیوں نہیں.....؟ خاموش کیوں ہو.....؟''

مختصر سے سکوت کے بعد اس کی خوف زدہ آواز فضا میں گونجی۔ اس کا لہجہ مرتعش تھا۔

آکاش ایسا محسوس کررہا تھا کہ جیسے گھپ تاریکی کے باوجود لڑکی نے اسے دیکھ لیا ہو۔ ''مجھے تم گھور کیوں رہے ہو؟''

''میری آنکھوں میں جھانکو..... پھر معلوم ہوگا۔'' آکاش نے اس کی بلور کی طرح چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں پر نگاہیں جما کر میٹھی آواز میں اسے مخاطب کیا تاکہ اس کے دل میں کوئی خلوت ہو تو وہ نکل جائے۔

''تم نیم برہنہ ہو..... تمہارے جسم پر دھجیاں جیسے کسی نے تمہارا لباس تار تار کردیا ہو.....'' پھر اس نے توقف کیا۔ اس کے سینے میں سانسیں بے ترتیب ہورہی تھیں جس کا اندازہ اسے لڑکی کی باتوں سے ہوا تھا۔

''اور پھر تمہاری بائیں آنکھ بھی غائب ہے..... جیسے پھوڑ دی ہو..... اور تم اس حالت میں میرے ہی جیسے کوئی مظلوم سے دکھائی دے رہے ہو.....؟''

اس کی زبان سے یہ بے ربط فقرے سن کر آکاش کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ ششدر سا ہوگیا۔ اس گھپ اندھیرے میں اسے اس طرح دیکھ رہی تھی۔ جیسے روشنی میں دیکھ رہی ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اندھیرے غار میں جانے کب سے قید تھی اور اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوچکی تھیں۔

اس لڑکی کا انداز دل جوئی کا سا تھا جس سے اس نے ایک سہارا اور ہم دردی کا سا جذبہ محسوس کیا۔

''تم کون ہو.....؟'' اس نے آہستہ سے کھنکار کے گلا صاف کیا۔ پھر اپنائیت کے لہجے میں جواب دیا۔

''میں تو ایک بدبخت آدمی ہوں۔ حادثات، حالات اور مقدر کے ہاتھوں ستایا ہوا۔ جو اس تاریک زندان میں آگیا بلکہ پھنس گیا ہوں۔''

اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور پھر اس نے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے..... تم کسی مصیبت کا شکار ہوکر اس تاریک قید خانے میں ڈال دیئے گئے ہو..... لیکن یہ بتاؤ کہ میرا لباس کہاں ہے.....؟ تم نے مجھے اس حالت میں کرتے ہوئے ایک مظلوم لڑکی پر ترس نہیں آیا..... کیا تمہیں یہ حرکت زیب دیتی تھی..... تم نے میری بے ہوشی سے جانے کیا کیا فائدہ اٹھایا ہے..... ایسا ہرگز کرنا نہیں چاہئے تھا.....''

اس کے لہجے میں دبی دبی خفگی کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ اسے درندہ صفت سمجھ رہی تھی۔

''تم مجھے اس حالت میں ملی ہو..... میں تمہیں اس اندھیرے میں ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا ہوں اور نہ دیکھ رہا ہوں کہ تم بے پردہ حالت میں ہو..... تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے۔'' اس نے لڑکی کے سراپا اور چہرے کو دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔

''وہ بہت ہی کمینہ اور ذلیل ہے.....'' لڑکی یک بیک غصے میں آگئی۔ ''مجھے تمہاری بات سے اندازہ ہوگیا ہے کہ تم ایک شریف آدمی ہو..... اس شیطان نے مجھے اس حالت میں لاکر ڈال دیا کہ اس حالت میں تم مجھے پالو، بہک جاؤ۔''

''تم کس ذلیل آدمی کی بات کررہی ہو.....؟'' آکاش نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''وہ امرتا رانی کا نہیں کسی آدمی کے بارے میں کہہ رہی تھی۔

''لیکن تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں پہنچے کیسے.....؟ تمہیں بھی کیا کسی سفاک اور ظالم شخص نے یہاں لاکر قید کیا ہے؟'' لڑکی نے الٹا سوال کردیا۔

آکاش نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی اس کی مجبوری اور شرافت کا اندازہ کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ اسے وہ بڑی باہمت لڑکی لگی۔

''یہ ایک لمبی دردناک کہانی ہے۔'' آکاش نے جواب دیا۔ ''پہلے تم مجھے میرے سوال کا جواب دو اور اپنا

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdunovels.net

ماجرا بیان کرو۔''

وہ ایک سفید فام عورت کی طرح ہے..... انگریز عورت کی طرح ہے..... اس کی آنکھیں نیلگوں اور بڑی خوب صورت ہیں..... اور بے پناہ پرکشش ہے..... اس نے میرے شوہر کو پھانسا ہوا ہے۔ ہر وقت ایسے لباس میں رہتی ہے کہ بے لباس سی نظر آتی ہے..... ویسے وہ ہے انگریز صورت..... تم جانتے ہو گے کہ یہ سفید فام عورتیں کیسی بدکار ہوتی ہیں..... کاشی پور کے قریب اس کی ایک بہت بڑی شکارگاہ بھی ہے۔ اس نے مجھے دھوکے سے یہاں لاکر قید کر دیا تاکہ میرے شوہر کے ساتھ آزادانہ میل جول رکھ سکے اور دن رات اس کے ساتھ رہے۔ میں اس کی راہ میں پتھر تھی..... کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم یہاں کتنے عرصے سے قید ہو.....؟'' آکاش نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس اندھیرے میں میں وقت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکی ہوں..... ویسے میرا خیال ہے کہ شاید کئی مہینے بیت چکے ہیں..... اس اندھیرے میں قید ہوں..... کس اذیت سے زندگی بسر کر رہی ہوں کوئی نہیں جانتا.....'' اس نے افسردگی سے کہا۔

اس لمحے ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ امرتا رانی نے کہا تھا کہ..... یہ سندری لڑکی کنواری ہے لیکن اپنے آپ کو شادی شدہ کہہ رہی ہے.....؟ کہیں اس لئے تو نہیں کہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے.....

دوسری بات یہ تھی کہ وہ اتنے لمبے عرصے اس تاریک غار میں کچھ کھائے پیئے بغیر بھوکی پیاسی کیسے ہے؟ یہ لڑکی اس کے لئے پراسرار اور ایک معمہ بن گئی تھی۔ ایک آدمی تین چار دن سے بھوکا پیاسا ہو تو جان بلب ہو جائے۔ یہ مہینوں کی بات کر رہی ہے۔

آکاش اس لڑکی کے بارے میں یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ نہ صرف معصوم ہے بلکہ مظلوم اور پریشان حال ہے۔ وہ اس دکھی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی مترنم خیز آواز غار کی وحشت ناک تاریکی اور خاموش فضا میں گونجی۔

''یہ تم اچانک خاموش کیوں ہو گئے.....! کیا کسی گہری سوچ میں ڈوب کر میرے بارے میں سوچنے لگے ہو..... بہت عرصے کے بعد میں نے کسی انسان کی آواز سنی ہے..... تمہاری اس خاموشی سے خوف آ رہا ہے..... وحشت محسوس ہو رہی ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں شقاوت بھری ہوئی تھی۔ ''تم میرے بارے میں کسی شک وشبے میں نہ پڑو۔''

''تمہارا نام کیا ہے.....؟'' آکاش نے چونک کر اس سے پوچھا۔

''نمرتا.....'' اس نے جواب دیا تو اس کے لہجے میں تازگی سی عود آئی تھی۔

اس کا نام سن کر وہ اس سے پوچھ بیٹھا۔ ''کیا تم بنگالی لڑکی ہو.....؟ چکمہ یا مگ قبیلے سے تعلق رکھتی ہو؟''

''ہاں.....'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں بنگالی ہوں۔ میرا تعلق رنگامائی سے ہے۔''

ایک مرتبہ اس کے دل میں اپنی ہم وطن کے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ وہ بھی بنگالی تھا۔ لڑکی بھی بنگالی نکلی تھی۔ اس لئے ہمدردی ہونا فطری امر تھا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھے گا۔

اب جبکہ اسے لڑکی نے بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے اور اس کے شوہر کو ایک سفید فام انگریز عورت نے پھانسا ہوا ہے..... اگر یہ لڑکی نمرتا واقعی اتنی حسین اور دلکش ہے تو اس کا شوہر غیر عورت کی طرف متوجہ کیوں ہے.....؟ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ وہ چوں کہ لڑکی کو ٹھیک سے نہ دیکھ سکا تھا لہٰذا وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ تاہم وہ اس سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

پھر وہ لڑکی اسے غلاظت کے دلدل میں لے گئی۔ جب اس میں سے دونوں باہر آئے تو لڑکی کا داہنا ہاتھ آکاش کے گلے میں لٹکے منکے کو چھو رہا تھا۔ اس نے اپنی مزید تسلی اور شک دور کرنے کی غرض

سے دو مرتبہ چھوا۔

''یہ کیا.....؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی۔ ''یہ تو شاید امرتا رانی کا منکہ ہے..... تمہاری ملکیت بنا ہوا ہے.....؟''

اس کی زبان سے نکلنے والے ان سنسنی خیز الفاظ نے اسے چوکنا کردیا..... اسے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا..... جب نمرتا نے دوبارہ منکے کو چھو کر سابقہ جملہ دہرایا تو آکاش نے سوچا یہ سماعت کا فتور نہیں ہے۔

اب آکاش کے نزدیک شک وشبہ والی بات نہ رہی تھی یہ لڑکی نہ صرف پراسرار اور مکار ہے بلکہ خطرناک بھی..... اس کی گفتگو سے کسی بھی مرحلے پر یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ امرتا رانی کو جانتی ہے یا منکے کی قوت سے واقف ہے..... اس کے برعکس اس نے اپنی مظلومیت کی ایک انوکھی کہانی سنائی تھی اور اب وہ اس کے گلے میں لٹکے ہوئے پتھر کو پہچان لینے کا غیر ارادی اظہار کر گزری تھی۔

آکاش اس کی بات سن کر سخت برہم ہوا۔ اس نے نہایت سخت اور خشک لہجے میں کہا۔

''تم کیا جانو کہ یہ منکا ہے.....؟ تمہیں کس نے بتایا کہ منکا ایسا ہوتا ہے.....؟''

''ارے واقعی یہ منکا ہے.....؟'' اسے جیسے ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا تو وہ ایک دم سے ہنس پڑی۔

''بس میں نے تم سے مذاق کیا تھا..... میں نے سپنے میں بھی منکا نہیں دیکھا۔ میں نے یوں ہی مذاق کیا تو تم برا مان گئے.....؟''

''اور کیا امرتا رانی کا نام بھی مذاق میں لیا تھا.....'' آکاش نے زہریلے لہجے میں تڑ سے کہا۔ ''کیا تم مجھے احمق سمجھ رہی ہو؟''

''نہیں.....'' اس نے زہر خند کیا اور تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ اب اس کا فریب زیادہ دیر نہ چل سکے گا۔ آکاش جان گیا تھا کہ نمرتا نے اسے احمق بنانے کے لئے خود کو بڑی فیاضی سے اس کے حوالے اس لئے کردیا تھا کہ اسے اپنا اسیر بنا کر فائدہ اٹھاتی رہے گی..... اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا اس لئے وہ اس سے الگ ہوگئی تھی۔

''آکاش جی.....! میں تمہیں پہچان چکی ہوں مگر تم میری اصلیت کبھی نہ جان سکو گے.....؟'' وہ غار میں تاریکی کے باوجود اس سے قدرے فاصلے پر ہٹ گئی۔ پھر اس نے خشونت سے کہا۔ ''اب تو مجھے چھو بھی نہیں سکو گے اور نہ میں تمہیں خوش کروں گی اور نہ باتیں۔''

آکاش محض اس کی آواز اور اس کی چمک دار آنکھوں کے سہارے ہی اس نے درمیانی فاصلے کا تعین کرلیا۔

''میرے دل میں تمہیں پانے کی اب کوئی خواہش اس لئے بھی نہیں ہے کہ میں نے اپنے سارے ارمان پورے کرلئے اور تمہیں کسی قابل نہیں چھوڑا۔'' آکاش نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''تم کچھ بھی کہہ لو..... طنز کرلو..... استہزاء کرو میں اپنی زبان کھولنے سے رہی۔'' وہ عیاری سے بولی۔

''اچھا..... ایک بات تو بتاؤ کہ امرتا رانی کا منکا تم نے حاصل کرلیا اب تمہاری ملکیت ہے اس کے باوجود تم پر غالب آگئی.....؟''

''جو تمہارے دل میں آئے وہ سمجھ لو.....'' آکاش نے جواب دیا اور غیر محسوس انداز سے آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتا گیا۔

''اب منکا چوں کہ تمہارے قبضے میں ہے اور تم امرتا رانی کو چیونٹی کی طرح حاصل کر کے اس کی قید سے نکل سکتے ہو.....؟'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں نفرت، حقارت اور غصہ ظاہر ہونے لگا۔ آکاش کو اندازہ نہ تھا کہ نمرتا کو امرتا رانی سے اس قدر بیر ہے۔

وہ ایک دم اور اچانک ہی اس پر جھپٹ پڑا اور بری طرح دبوچ لیا۔ وہ اس کے عزائم بھانپتے ہی اس کی گرفت سے نکل کر پیٹ کے بلک غار کے کھردرے اور ناہموار سے فرش پر لیٹ گئی..... اس نے پوری قوت سے اس کی کمر تھام کر اسے اوپر اٹھانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ

www.booksbuc.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

سے نہ ہلی..... آکاش کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا نرم و نازک بدن غار کی زمین سے چپک چکا ہو۔

''میں تیری ٹانگیں چیر دوں گا.....'' آکاش نے اس کی ٹانگیں پکڑ کر تڑختے لہجے میں کہا۔

''تمہاری یہ دل کی حسرت دل ہی میں رہ جائے گی.....؟'' وہ پراسرار لڑکی زور زور سے ہنسنے لگی۔ ''میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جاؤں؟''

''یہ تمہارا وہم ہے.....'' آکاش نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھے تم سے سخت نفرت ہے۔''

اس پر جیسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا..... اس کی ہنسی غار میں دور دور تک گونج رہی تھی اور اس کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا..... پھر اس نے دانت پیس کر پوری قوت سے اس کا بازو پکڑ کے اسے اوپر کی طرف اٹھایا تو وہ غیر متوقع طور پر اس پر آ رہی۔ وہ جو اسے ہنسی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ جب تک اس کے قابو میں بے بس رہی تھی تو اس کی ہنسی تھمی رہی۔ پھر وہ جیسے ہنسنا بھول گئی۔ آکاش کے رحم و کرم پر تھی تب اس نے کوئی تعرض کیا اور نہ ہی مزاحمت، جب خاصی دیر بعد آکاش نے اسے آزاد کیا تو پھر اس پر ہنسی کا دورہ پڑتا چلا گیا۔ لیکن اب اس کی ہنسی ہذیانی ہنسی میں بدل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر ہنسے جا رہی ہو..... عجیب سی ہنسی تھی۔ اس نے اب تک آج تک کسی مرد عورت کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے لڑکی کو پھر بازوؤں کی گرفت میں لے لیا تاکہ ہنسی بند ہو جائے۔ چوں کہ آکاش چاہتا تھا کہ اس کی ہنسی روکنے کے لئے اسے دیوار پر دے مارے لیکن اس نے اس ڈر سے اپنے اس ارادے پر عمل نہیں کیا کہیں وہ سر پر چوٹ لگنے سے مر نہ جائے۔ اس نے لڑکی کو جھنجھوڑا کہ ہنسی رک جائے لیکن ہنسی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس میں شدت بھی جنم لے رہی تھی..... وہ اپنے تمام تر اعتماد اور قوت کے باوجود اس صورت حال پر بوکھلا گیا..... اندھیرے غار کی قیدی وہ پراسرار پاگلوں کی سی کیفیت سے اس کے ہاتھوں میں جھولتی اور زور زور سے ہنسے جا رہی تھی۔

وہ لڑکی نہ جانے کون تھی اور اس کے ساتھ اس قدر پراسرار انداز میں کیوں پیش آ رہی تھی وہ یہ گتھی سلجھا نہ سکا تھا..... لیکن اب اس میں ہذیانی کیفیت کی شدت آ گئی تھی۔ اس کی آواز میں جھلکتی نقاہت سے صاف ظاہر تھا کہ اسے اپنی ہنسی پر کوئی قابو نہیں ہے۔

اس غار میں ہی گھپ اندھیرے کا تسلط تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

اب صورتحال یہ تھی کہ وہ فرش پر لیٹا تھا۔ اس لئے کہ بیٹھے بیٹھے اکتا گیا اور بے حد تھک گیا تھا۔ اس سے لڑکی نے فائدہ اٹھایا وہ اس لڑکی کے بوجھ تلے نیچے دبا ہوا تھا اور غار کے پتھریلے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ لڑکی کے ہذیانی قہقہوں سے پرہول جھنجھناہٹ گونج رہی تھی۔ اب وہ اس سے لپٹ گئی تھی جیسے اسے بہت دور لے جانا اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہونا چاہتی ہو۔

''خاموش رہو..... یہ ہنسی بند کرو..... تمہاری یہ ہنسی کی برداشت نہیں ہو رہی ہے؟'' آکاش نے اسے چیختی چیختی خوف زدہ آواز میں ڈانٹا۔ اس پر آکاش کی ڈانٹ کا قطعی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور قہقہے لگاتی رہی۔ اس کی آواز پر بھاری پن اور اضمحلال چھاتا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف کسی نادیدہ اور پراسرار قوت کے تابع ہو کر مسلسل ہنستے رہنے پر مجبور کی جا رہی ہے اور پھر اس سے من مانیاں بھی کرائی جا رہی ہے۔ بڑی خود سپردگی سے اور وہ بے کیفی سی محسوس کر رہا تھا۔

اس لڑکی نے چوں کہ اسے دبوچ رکھا تھا۔ یہ حرکت کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر لگتی تھی۔ کیوں کہ ایک نازک اندام لڑکی میں اتنی طاقت کا ہونا ناممکن سا تھا۔ چوں کہ وہ غلاظت کے دلدل میں پھر سے گرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے پوری طاقت جمع کی اور لڑکی کی گرفت سے پورا زور صرف کر کے نکل آیا اور سرعت کے ساتھ سرک کر اس اندھے غار کی ایک کھردری دیوار

سے چپک گیا۔

وہ وحشت اور سراسیمگی کے عالم میں یوں ہی سہما ہوا بیٹھا رہا۔ یہ کھلونا تو کھیلنے پر مجبور کررہا تھا۔ اس ہنسی نے باز رکھا ہوا تھا...... یہ کیسا کھلونا ہے......؟ لڑکی ہے...... جو امرتا رانی لے آئی تھی...... چند ثانیوں کے بعد لڑکی نے ہنستے ہنستے اس سے کہا۔

''یہ تم مجھ سے اتنی دور کیوں ہوگئے ہو......؟ میں بدصورت نہیں ہوں...... حسین ترین ہوں...... کاش! میں روشنی لاسکتی......؟ تم مجھے روشنی میں دیکھ سکتے......؟ دیکھوگے تو پاگل ہوجاؤ گے کہ تم نے مجھ جیسی سندر دوشیزہ سپنے میں بھی نہیں دیکھی ہوگی......؟

پھر اچانک لڑکی کی ہنسی معدوم ہوگئی اور ایک کرخت آواز غار میں گونجی تو آکاش بولا۔

''تم کون ہو......؟'' وہ بدحواس سا ہوکر بیٹھ گیا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں یک بارگی دھڑکنا بھول گئیں۔

''میں کون ہوں......؟ کیا تم مجھے پہچان نہیں سکے......؟'' طنزیہ بھرا لہجہ غار کی فضا میں لہرایا۔ اسے آواز مانوس سی لگی۔

وہ اپنے ذہن پر زور دے کر سوچنے لگا کہ یہ کون ہے......؟ بہت زور دینے پر بھی اسے یاد نہ آسکا کہ یہ آواز اس نے کہاں سنی تھی......؟

وہ سوچ کے گرداب میں تھا اور اس نے اس شخص کی بات کا جواب نہیں دیا تو اس شخص نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''جس ناری سے تو بیچ کر آیا ہے وہ بھی تو ایک ناگن ہے اور تو نے اور اس لڑکی نے پیار اور اس کی تاریکی سے خوب دل بہلایا اور زندان میں بھی جشن منایا......'' وہ استہزائیہ لہجے میں کہنے لگا۔ ''اس نے کاشی پور کے ایک نوجوان زمین دار کو اپنے رنگ روپ اور بدن کی دل کشی سے اس کی سہاگن بن بیٹھی ہے...... ادھر امرتا رانی بھی ہرجائی ہے...... وہ تجھے اندھیرے میں اور بے خبر رکھ کے کاشی پور کے اس زمین دار پر بھی ڈورے ڈالتی رہی ہے...... اور رقابت کی آگ میں جل کر اس نے زمین دار کی سہاگن کو اس غار میں مہینوں سے قید کیا ہوا ہے...... امرتا رانی اس لڑکی کی ساری شکتیاں چھین چکی ہے اور اب بھی تو نے دیکھا ہوگا یوں ہی اس لڑکی نے اپنے راز پر سے پردہ ہٹانے کے لئے زبان کھولی تو امرتا رانی کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر اس پر دیوانگی کی ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا اور وہ بے تحاشا ہنستے ہنستے بے ہوش ہوگئی۔''

اتنا کہہ کر وہ بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا تو اس بار آکاش نے اسے پہچان لیا۔

وہ ناگ دیوتا کا مہان پجاری شنکر ناتھ تھا جس کی بدمعاشیوں نے اسے اس اندھے غار میں محدود ہو کر رہ جانے پر مجبور کردیا تھا۔

''تم ہو کون......؟'' آکاش نے اس پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ اسے پہچان لیا ہے۔

''تمہارا خیر خواہ، ہم درد اور دوست......؟'' شنکر ناتھ نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولا۔ ''مصیبت میں کام آنے والا میت ہوں۔''

آکاش نے اس کی نیت بھانپ لی تھی۔ وہ اسے اعتماد میں لے کر اور دھوکے میں رکھ کر کوئی مہلک وار کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔

''جو اس قدر مخلص اور بے غرض ہوتے ہیں اس طرح طنز کے تیر تو نہیں چلاتے؟'' آکاش نے چوٹ کی۔

''تم نے مجھے خواہ مخواہ اپنا دشمن سمجھ لیا ہے۔'' اس نے دبی دبی ہنسی سے کہا۔ ''میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

''کیا تم اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو......؟'' آکاش نے اس سے سوال کیا۔ ''کیا گھپ اندھیرا ہے...... اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا ہے؟''

''میں یہاں اس وقت سے ہوں جب تمہیں یہاں چھوڑ کر اور نمرتا کو لا کر اور تمہارے چرنوں میں ڈالنے کے بعد سنگیت کو ساتھ لے کر نکل گئی...... ایک کونے میں بیٹھا تم دونوں کی حرکات و سکنات اور

www.bookstube.net www.urdutuber.net www.urdumovies.net

جذبات دیکھتا رہا ہوں..... تمہیں نہ دیکھ پاتا تو تم تک کیسے پہنچتا....." وہ کہنے لگا۔ "تم پسند کرو تو تمہیں اور نمرتا کو اس بھیانک غار سے باہر سورج کی روشنی میں پہنچا سکتا ہوں..... اور تمہیں ایک ایسی شان دار چھولداری میں رکھوں گا جس میں تم اور نمرتا ایک دوسرے کو دیکھ سکو اور محبت سے رہو گے۔"

"نہیں....." آکاش نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ..... مجھے تمہارے اس احسان کی ضرورت نہیں۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو میری بات غور سے سنو..... یہ ناگ رانی..... جسے تم امرتا رانی کہتے ہو اس کے بارے میں جتنا جانتا ہوں تم ایک فیصد بھی نہیں جانتے..... اس نے تمہیں اپنے حسن و شباب کے جال میں جادو کے زور پر پھانسا ہوا ہے..... وہ نہ صرف بڑی ہرجائی بلکہ مکار بھی ہے..... وہ اپنی غرض اور مفاد میں تمہاری جان داؤ پر لگانے سے باز نہیں رہے گی..... میں تو منش ہوں..... میرے پاس کتنی مہان شکتیاں ہیں تم نہیں جانتے..... اگر تمہیں اپنی جان سے اور اپنی پتنی سے محبت ہے اور اس کی خاطر ایثار کرنا چاہتے ہو تو تمہارے پاس جو سنکھ ہے وہ مجھے دے دو..... میں تمہیں سرکشا کے ساتھ ناگ بھون چشم زدن میں پہنچا دوں گا..... پھر تم وہاں سے اپنی پتنی کو لے کر اپنی دنیا میں چلے جانا....."

شنکر ناتھ کی اس مکارانہ اور منافقت کی گفتگو اور بکواس سن کر آکاش کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ وہ غصے سے چیخ اٹھا۔

"اپنی چونچ بند کر ذلیل آدمی..... میں تجھے اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔ تیری رگ رگ کا پتا ہے۔ تو مجھے بچہ سمجھ رہا ہے۔"

"اچھا..... تو مجھے ذلیل سمجھتا ہے....." اس کے حلق سے کتے کی غراہٹ نکلی۔ "میں دیکھتا ہوں کہ تو کب تک اس اندھیرے کی خاک چاٹ کر اور نمرتا جیسے کھلونا بنا کر وہ کمینی لائی ہے کھیل سکتا ہے.....؟" ناگ دیوتا تیرے پرکھوں کو بھی سمادھی کے اندھیرے میں سورج کی چکا چوند میں نکل پڑنے پر بھی مجبور کر دیں گے....."

آکاش نے اس کے بہت ہی قریب ہونے کے لئے سمت کا اندازہ کیا پھر اس پر جست لگائی اور اس کے نحیف و استخوانی بدن کو گرفت میں لے لیا۔ پھر وہ توازن قائم نہ رکھ سکا۔ پھر دونوں ہی پتھریلے فرش پر گر گئے..... شنکر ناتھ کے جسم پر اس کے جسم کا بوجھ تھا اس لئے شنکر ناتھ کو سخت چوٹیں آئیں تو اس کے حلق سے پے در پے کئی کریہہ چیخیں نکلیں اور اس نے مچل کر آکاش کی گرفت سے نکل جانا چاہا۔ لیکن آکاش پر جنون کا عالم طاری تھا۔ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود اس کے شکنجے سے نہ نکل سکا۔ آکاش کو بخوبی یاد تھا کہ بھیلوں کے قبیلے میں امرتا رانی شنکر ناتھ کی پسلیاں توڑ چکی تھی..... اس لئے اس نے اپنی تمام قوت اس کی پسلیوں پر ہی صرف کر دی اور شنکر ناتھ ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح حلق پھاڑنے لگا۔

"اب تو کیسے بچ سکے گا..... تو نے یہاں آ کر اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے شنکر ناتھ.....! تیری شامت آ گئی ہے..... اس بار میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا..... تیرا دم نکال کر ہی رہوں گا۔" آکاش نے اسے پوری طرح بے بس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شنکر ناتھ نے مچل کر پوری قوت سے اس کے سینے پر لات ماری۔ ضرب اس قدر شدید تھی کہ اس کا داہنا ہاتھ آکاش کی گرفت سے آزاد ہو گیا..... اس سے پیشتر کہ آکاش سنبھلتا اس نے پھرتی سے اس کے گلے میں لٹکے ہوئے منکے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے اس حربے نے آکاش کو حواستہ باختہ کر دیا۔ منکا نکل جانے کے بعد وہ بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا.....

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ امرتا رانی کی مدد حاصل کرے۔ اس نے فوراً ہی دل ہی دل میں امرتا رانی کو یاد کیا اور پھر ذہنی رابطہ کر کے اسے طلب کیا..... ادھر شنکر ناتھ کے ساتھ زندگی اور موت کی کشمکش

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

جاری تھا۔ ادھر وقت تھا کہ تیزی سے سمٹتا جارہا تھا...... منکا ابھی تک شنکر ناتھ کی مٹھی میں دبا ہوا تھا اور اس کے طلب کرنے کے باوجود امرتا رانی ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ طلب کرنے کی دیر ہوتی تھی وہ فوراً ہی حاضر ہوجاتی تھی۔

''اب امرتا تیرے نہیں میرے قبضے میں آچکی ہے......'' شنکر ناتھ نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ ''اس لئے کہ منکا اب میری مٹھی میں ہے...... اب وہ میری باندی ہے...... میرے اشاروں پر ناچے گی اور وہ میرے ہر حکم کو بجالائے گی۔''

آکاش نے پوری قوت سے اپنے دانت اس کی کلائی میں گاڑ دیئے۔ وہ بری طرح چیخنے لگا۔ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ جیت اس کی تھی جو منکا کا مالک تھا۔ وہ کسی قیمت پر یہ بازی ہارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اسی عالم میں امرتا رانی کو پکارا۔

''میری جان......! تم کہاں ہو...... یہ کمینہ شنکر ناتھ نے منکا مجھ سے چھین لیا ہے...... ذلیل خوش ہورہا ہے۔ جلدی سے میری مدد کو آؤ۔''

دوسرے لمحے اس نے غار میں کسی بہت بڑے ناگ کی ہولناک پھنکار سنی...... امرتا رانی آپہنچی تھی۔

اس کے لئے وہ لمحہ بڑا روح فرسا تھا۔ آکاش نے اس کی داہنی مٹھی دانتوں میں دبا کر بری طرح بھنبھوڑ ڈالی۔ اسی وقت امرتا رانی کا بدن تیزی سے اس کی ٹانگوں کے گرد لپٹنے لگا۔ کیوں کہ شنکر ناتھ جو پرکاش کے جسم کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ اس نے امرتا رانی کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ آکاش کو نشٹ کردے...... وہ اس وقت پوری طرح شنکر ناتھ کے تابع ہوچکی تھی۔ آکاش نے پھرتی کے ساتھ بل دے کر شنکر ناتھ کی کہنی توڑ ڈالی...... فضا ہڈی کے چٹخنے کے ساتھ اس کی کریہہ چیخ سے گونج اٹھی اور اس کی مٹھی کھل گئی...... وہ منکا سنبھال کر اس انسانی جونک سے الگ ہوگیا۔

امرتا رانی ابھی تک اس کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کی گرفت آہستہ آہستہ تنگ ہوتی جارہی تھی۔

''امرتا رانی......! یہ تم کیا کررہی ہو......؟ الگ ہٹ جاؤ......''

آکاش خوف زدہ انداز میں چیخا لیکن منکا قابو میں آتے ہی اس کے الفاظ حکم درجہ اختیار کرگیا تھا۔

پہلے تو امرتا رانی کا بدن فوراً ہی اس سے الگ ہوگیا۔ بڈھا شنکر ناتھ ابھی تک غار کے فرش پر پڑا ہوا چیخ رہا تھا۔

''امرتا رانی......! میری جان......! فوراً ہی انسانی روپ میں میرے قریب آؤ۔'' اس نے بلند آواز میں اسے حکم دیا۔

اندھیرے غار میں ایک دھیمی سی پھنکار گونجی...... پھر اس نے چند ثانیوں کے بعد امرتا رانی کا مانوس لمس محسوس کیا۔

شنکر ناتھ ابھی تک فرش پر پڑا کسی زخمی پرندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔

اس ذلیل اور کمینے کا کام بھی تمام کردو......؟''

اس نے تائید طلب لہجے میں امرتا رانی سے کہا۔

''ابھی اس کی موت کا سمے نہیں آیا ہے...... اس لئے کہ اسے ختم کرنے سے پہلے اس کے قبضے سے تمہاری پرچھائیں واپس لینی ہے...... جس کے کارن تم اس اندھیرے غار میں روپوش ہو۔'' امرتا رانی متفکر لہجے میں بولی۔

''اگر اسے مار دیا جائے تو میری پرچھائیں خود بخود آزاد ہوجائے گی......'' آکاش نے کہا۔

''نہیں......'' وہ اس کے قریب آکر بولی۔

''اگر اسے مار دیا گیا تو اس کے مرتے سے تمہاری پرچھائیں جس حال میں ہوگی ہمیشہ اس حال میں رہے گی...... تم چنتا نہ کرو......! میں ابھی اس کا بندوبست کرتی ہوں۔ تم ذرا دیر اس کا دھیان رکھو۔ کہیں یہ کمینہ بھاگنے نہ پائے...... اس کے جسم سے ہاتھ پیر لگائے رکھو تاکہ تمہیں معلوم ہوتا رہے کہ یہ موجود ہے۔''

یہ کہتے ہی امرتا رانی اندھیرے غار میں کسی

سمت چل دی تو آکاش، شنکر ناتھ کی مکروہ آوازوں سے اندازہ قائم کرکے اس پر سوار ہوگیا۔ کیوں کہ بصورت دیگر شنکر ناتھ کے فرار کے خاصے امکانات تھے...... وہ غار اس کے لئے اجنبی تھا۔ اس میں کتنے راستے تھے اسے اس کا علم نہیں تھا...... ایسی صورت میں شنکر ناتھ سے دور رہنا اس کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دینے کے مترادف ہوتا۔

اس کا بوجھ محسوس کرتے ہی شنکر ناتھ بے تحاشا گندی گالیاں بکنے لگا۔ آکاش نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی فحش، بے ہودہ اور ننگی گالیاں نہ سنی تھیں۔ آکاش کی رگوں میں لہو ابلنے لگا۔ وہ سخت مشتعل ہوگیا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں چھری ہوتی تو وہ اسے ذبح کردیتا...... اندھیرے کے باعث آکاش اس کے چہرے کے نفرت اور غصے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھا۔

آکاش کو زیادہ دیر تک شنکر ناتھ کے ساتھ برسر پیکار نہیں رہنا پڑا۔ امرتا رانی کے قدموں کی مانوس دھمک کے ساتھ ہی اس کی آواز آکاش کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''بس اب اسے چھوڑ دو...... آکاش...... ! یہ نابکار اب مجھ سے بچ کر کہیں نہ جاسکے گا۔''

آکاش نے اسے چھوڑ کر الگ ہٹ جانا چاہا۔ لیکن اس بار وہ جونک بن کر اس کے بدن سے لپٹ گیا۔ اس اثنا میں امرتا رانی اس کے سامنے آپہنچی...... اس وقت وہ نسوانی روپ میں تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک خاصی لمبی آہنی سلاخ دبی ہوئی تھی جو انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔ غار میں پھیلی ہوئی مہیب سیاہی میں اس تپتی ہوئی سلاخ کا دھیما دھیما اجالا اس امرتا رانی کے چہرے کے خوف ناک تیوروں کو بہت زیادہ اجاگر کررہا تھا اور نہ جانے کیوں اسے ہلکی ہلکی سی گھبراہٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔

''شنکر ناتھ...... ! اب تو ناگ دیوتا کا مہان پجاری نہیں رہا ہے...... اب تیری اوقات امرتا رانی کے سامنے کسی حقیر نالی کے کیڑے جیسی ہے...... میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ تو فوراً آکاش جی سے الگ ہوجا...... انہیں چھوڑ دے۔'' امرتا رانی کی غار کی فضا میں سرد اور سفاک آواز گونجی۔

''ناگ رانی...... ! تو میرے منہ لگ کر دیوتا کا بیر مول لے رہی ہے......''

شنکر ناتھ یک بیک اسے چھوڑ کر ایک کونے میں جا کھڑا ہوا۔

''تیرے بتانے جتانے کی کوئی ضرورت نہیں......'' امرتا رانی کا لہجہ بدستور سرد اور زہر آلود تھا۔ ''آکاش جی کی پرچھائیں کو فوراً آزاد کردے...... ورنہ تیرے سارے بدن کو اس دہکتی سلاخ سے داغ دوں گی۔''

شنکر ناتھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور مکروہ انداز میں ہنسا۔

''دیکھ اس سلاخ کی مدھم روشنی میں تیرے پریمی پر گھبراہٹ طاری ہورہی ہے...... جب تک یہ روشن سلاخ اس گپھا کے اندھیرے میں رہے گی اس وقت تک آکاش پاگل ہو کر اپنا سر اس گپھا کے نوکیلے پتھروں سے پھوڑ لے گا۔''

''اپنی بکواس بند کر اور میں جو حکم دے رہی ہوں کہ آکاش جی کی پرچھائیں سے ہاتھ اٹھالے......'' امرتا رانی فیصلہ کن لہجے میں کہتی ہوئی ایک قدم آگے بڑھ گئی۔

امرتا رانی کے تیور کا اندازہ کرتے ہی بوڑھا شنکر ناتھ خاصا سراسیمہ اور حد درجہ خائف ہوگیا۔ پھر اس نے قہقہہ لگایا تو وہ کھوکھلا سا تھا۔

''کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں نے اپنا طویل جیون یوں ہی بتا دیا......؟ کیا تو مجھے اتنا بدھو سمجھتی ہے کہ میں خود اندھے کنویں میں گر جاؤں گا...... نہیں ناگن رانی...... ! جب تک اس کی پرچھائیں میرے بس میں ہے تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی...... اسی میں تو میرے جیون کا راز ہے...... اور میں تم دونوں کو کٹھ پتلیاں بنادوں گا......''

(جاری ہے)

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

خونی حویلی

کاشف عبید کاوش۔ بٹہ موڑی ٹنگرام

ھاتھ کو ھاتھ سجھائی نہ دینے والا اندھیرا ھر سو مسلط تھا کہ اچانک کھنڈر نما حویلی میں ایک شعلہ سا لپکا اور پھر پوری حویلی اور قرب و جوار گاڑھی روشنی میں نہاگیا اور پھر اچانک……

خوف و دہشت کے لبادے میں لپٹی ہوئی عجیب و غریب دہشت ناک خوف ناک کہانی

وہ موسم خزاں کی ایک پراسرار اداس شام تھی۔ جب حامد کی گاڑی ایک حویلی کے گیٹ کے سامنے رکی، کار میں برابر والی سیٹ پر ان کی بیوی گلشن اور عقبی سیٹ پر ارشد بیٹھا تھا۔ یہ خان پور کا ایک مضافاتی علاقہ تھا۔ کار کے رکتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان حامد نے دو تین بار ہارن بجایا اس کے بعد تینوں گاڑی سے اتر آئے۔

ارشد آس پاس متلاشی نظروں سے دیکھنے لگا جبکہ حامد اور گلشن گہری نظروں کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس حویلی کا رقبہ زیادہ بڑا نہ تھا قدیم ہونے کے باوجود لگتا تھا کہ اس کی چھوٹی موٹی مرمت ہوتی رہی ہے سامنے کی طرف ایک چھوٹا سا کچا حصہ تھا جو کبھی اس کا باغیچہ رہا ہوگا مگر اب وہ اجڑ چکا تھا۔ حویلی کے قرب و جوار میں ایک خاص قسم کا گہرا سکوت طاری تھا۔

حویلی سے تھوڑے فاصلے پر سامنے کی طرف خاصا گھنا جنگل تھا" پتہ نہیں یہ بے وقوف انوار کدھر مر گیا ایسا کرتے ہیں اندر چلے چلتے ہیں دروازہ مجھے کھلا ہوا نظر آرہا ہے۔" دفعتاً ارشد کی جھلائی ہوئی آواز نے دونوں میاں بیوی کی محویت کو توڑا۔

"اوہ کتنی پرسکون اور پرکشش جگہ ہے کیسی معصوم معصوم سی اداسی چھائی ہوئی ہے۔" گلشن نے ایک گہرا سانس لے کر پرکیف لہجے میں خود کلامی کی۔ وہ پچیس سالہ ایک سرو قامت اور بھرے بھرے خدوخال کی خاتون تھی۔ اس نے ہلکے عنابی رنگ کی ساڑھی بڑے سلیقے سے باندھ رکھی تھی، صاف رنگت اور بیضوی دلکش چہرے پر سرخ رنگ کی لپ اسٹک نے اس کے حسین چہرے کو اور بھی پرکشش بنا دیا تھا البتہ دراز گھنی زلفوں کو اس نے پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ گلشن یہاں آکر خوش تھی لیکن اس کے شوہر حامد کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ وہ قطعی خوش نہ تھا اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ مجبوراً یہاں آیا ہو یہی وجہ تھی کہ اسے اپنی بیوی گلشن کا یہ خوش کن تبصرہ اچھا نہ لگا۔

حامد ایک دراز قد اور چھریرے جسم کا مالک شخص تھا وہ چالیس کے پیٹے میں تھا اس کے چہرے پر ہر وقت ایک عجیب سی کرختگی نمایاں رہتی تھی، وہ پولیس میں انسپکٹر تھا مگر اس نے بڑے ہنگامی حالات میں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ استعفیٰ دینے کی کیا وجہ تھی یہ ایک الگ کہانی تھی۔

ارشد کے مشورے پر یہ دونوں میاں بیوی یہاں آئے تھے حامد کا ارشد ماتحت ہی نہیں بلکہ مشیر خاص بھی تھا۔ ارشد ایک چلتا پھرتا پرزہ تھا۔ یہ حویلی بھی اس کی دریافت تھی تاہم ارشد جس مقصد کے تحت اپنے صاحب

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

اوران کی بیوی کو ادھر لایا تھا اس سے حامد نہ چاہتے ہوئے بھی متفق تھا۔ اور بقول ارشد کہ یہ جگہ موجودہ حالات میں دونوں کے لئے مناسب ترین تھی یہ حویلی کبھی کسی زمانے میں چوہدریوں اور وڈیروں کے دور میں شکاریوں کے زیر استعمال میں تھی۔

جب کافی دیر تک حویلی سے کوئی برآمد نہ ہوا تو ان تینوں نے آگے قدم بڑھادیئے اور ناہموار سی اکھڑی اکھڑی مختصر سی بل کھاتی روش پر چلتے ہوئے وسطی دروازے کے سامنے رکے تو ارشد نے آگے بڑھ کر دروازے کو آہستگی کے ساتھ اندر کی طرف دھکیلا۔ ہلکی سی سوگوار اور کراہ آمیز چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ اور وہ تینوں اپنے اپنے دلوں میں مختلف تاثرات لئے اندر داخل ہوئے تو اچانک ارشد نے ایک طویل اور پرسکون سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''شکر ہے انوار نے اپنا کام نمٹا رکھا ہے۔''

ارشد کا کہنا درست تھا کیونکہ اندر وہ جس کمرے میں کھڑے تھے وہ کافی صاف ستھرا نظر آرہا تھا کمرے کے وسط میں اگرچہ پرانی دری بچھی ہوئی تھی مگر صاف ستھری تھی اسی طرح فرنیچر بھی مختصر تھا اور پرانا ہونے کے باوجود درست حالت میں تھا۔ سارا فرنیچر قدیم طرز کا اور لکڑی کا بنا ہوا تھا سامنے کی دیوار میں آتش دان بھی نظر آرہا تھا وہ تینوں تھکے تھکے انداز میں کرسیوں پر گر سے گئے۔

''آخر یہ انوار کدھر مر گیا؟'' ارشد بولا۔

''ارے یار تم ارشد کی رٹ کو چھوڑو اور باہر جاکر گاڑی سے ہمارا سامان اٹھا لاؤ۔'' حامد نے پہلی بار لب کشائی کرتے ہوئے کہا تو ارشد جلدی سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔

''اگر تم یہاں آنے پر خوش نہیں ہو تو یہاں آئے کیوں تھے۔ ویسے مجھے تو یہاں بڑا مزہ آرہا ہے کتنا خاموش ماحول ہے۔ یہاں کا حامد۔'' گلشن نے اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا۔ تو اس کے چہرے پر تختی مزید گہری ہوگئی وہ بولا۔ ''ارشد میرا خیر خواہ ہے اس نے کچھ سوچ کر ہی مجھے یہاں آنے کا مشورہ دیا ہوگا۔''

''ویسے حامد کتنے دن یہاں رہنا ہوگا؟'' گلشن نے پوچھا تو وہ اپنے کندھے اکتا کر مختصر بولا۔ ''پتہ نہیں۔''

''آخر ایسا کون سا سنجیدہ مسئلہ تمہارے ساتھ پیش آگیا ہے۔ کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے۔'' گلشن کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''مسئلہ تو مجھے بھی اتنا سنجیدہ محسوس نہیں ہوا تھا مگر پتہ نہیں کیوں۔''

حامد نے بھی اتنا ہی کہا تھا کہ ارشد ایک بڑے بیگ اور ایک سوٹ کیس اٹھائے اندر داخل ہوا پھر وہ سارا سامان ایک کونے میں رکھتے ہوئے، تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ انوار یہیں کہیں ہوگا آپ کو بالکل فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ ''اس حویلی میں صرف دو ہی کمرے ہیں، آیئے وہ میں آپ کو دکھادوں۔'' پھر وہ ان کے کچھ کہنے کا انتظار کئے بغیر ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ حامد کا لاڈلہ اور سرچڑھا ماتحت تھا وہ ڈیڑھ گھنٹے کی طویل مسافت اور نان اسٹاپ سفر کی تھکان کا بھی خیال نہیں کررہا تھا شاید اس کو فوراً ہی یہاں سے لوٹ جانے کی جلدی تھی۔

حامد اور گلشن اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے دوسرے کمرے میں آئے یہ بھی صاف ستھرا اور بیڈ روم کی طرز کا کمرہ تھا جہاں صرف ایک ہی تختے والا پلنگ تھا۔ اور ایک بغیر پٹھی کے کرسی رکھی تھی ایک دریچہ اور روشن دان بھی تھا دوسرے کمرے کا ایک دروازہ اسی کمرے میں کھلتا تھا جو گلشن کے خیال میں غلط جگہ تھا۔

''سر اس علاقے کا موسم بدلتے دیر نہیں لگتی۔'' دوبارہ ہال کمرے میں آکر ارشد نے اجازت لینے کے انداز میں حامد سے قدرے مودبانہ انداز میں کہنا شروع کیا

''یہ ساحلی علاقہ ہے یہاں بارش اکثر ہوتی رہتی ہے اور انوار آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھے گا۔ یہاں سے چند فرلانگ دور ایک قصبہ ہے وہاں ضرورت کی ہر شے ملتی ہے آپ بے فکر ہو کر ادھر رہیں۔ باقی حالات سے میں آپ کو آگاہ کرتا رہوں گا۔'' اس نے اپنی بات ختم کی۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

تو حامد تشکرانہ انداز میں ارشد سے بولا۔

ارشد تمہارا بہت بہت شکریہ۔ باقی کے حالات سنبھالنا اب تمہارے ذمہ ہے۔ ویسے تم نے میری بیماری سے متعلق سارے کاغذات اور درخواستیں تو سنبھال لی ہیں ناں۔"

"جی سر وہ میرے پاس محفوظ ہیں شکر کریں کہ آپ کا استعفیٰ منظور ہوگیا ورنہ۔"

"ارے ارے یہ تم کون سی بیماری کا تذکرہ کررہے ہو خدانہ کرے تمہیں کوئی بیماری ہو۔" دفعتاً گلشن نے پریشان ہوکر حامد سے کہا تو وہ بیزاری سے بولا۔ "اوہو گلشن خاموش رہو۔ تم نہیں سمجھو گی۔"

پھر وہ ارشد سے بولا۔ "اچھا ٹھیک ہے تم اب جاؤ۔" پھر جب ارشد سلام کرنے کے بعد جانے لگا تو اچانک گلشن نے ارشد سے کہا۔ "سنو کریم تک ہمارا پیغام پہنچا دینا اور اس کی قربت سے بھی ہمیں آگاہ کرتے رہنا۔" ارشد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔ پھر باہر گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی اس کے بعد میں وہی اعصاب پر ہولناک وحشت طاری کرنے والا سناٹا چھا گیا۔ وہ دونوں اب کمرے میں تنہا رہ گئے تھے۔

گلشن کو آہٹ سی سنائی دی۔ جیسے کوئی چلتے چلتے رکتا ہے تو فرش پر جوتے کی ہلکی سی رگڑ بجتی ہے اس نے ٹھٹھک کر اپنے اردگرد دیکھا مگر اسے کوئی نظر نہیں آیا، جانے کیوں وہ اس آواز کو اپنا وہم قرار دینا نہیں چاہتی تھی سناٹے کی گہرائی بڑھتی جارہی تھی ایسے میں اچانک اسے کچن میں سے پانی ابل کر گرنے کی شائیں شائیں سنائی دی۔

گلشن چونک کر کچن کی طرف بڑھی۔ اس نے چولہا بند کرکے کیتلی کی ناب گھمادی تاکہ بھاپ نکلتی رہے اس کے بعد وہ وہیں کھڑے کھڑے چائے بنانے لگی۔

کچن کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ بند ہوگیا ٹھیک اسی وقت کچن کا روشن دان زوردار کھٹکے سے کھل گیا اور سرد مرطوب ہوا کا جھونکا اندر آیا تو گلشن کے وجود نے بے اختیار جھرجھری لی اور وہ یہ اندازہ نہ لگا سکی کہ یہ کیفیت اس کی سردی کے باعث تھی یا خوف سے۔

اچانک اسے کچن کے دروازے کا خیال آیا جو ذرا دیر پہلے خود بخود بند ہوگیا تھا اسے بھی اس نے باہر اچانک چلنے والی اس تیز ہواؤں کا ہی شاخسانہ سمجھی اور ابھی اس نے چائے کا مگ تھامے کچن سے باہر نکلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اسے کچن کے دروازے پر کسی کے قدموں کی واضح آہٹ سنائی دی۔

گلشن فطرتاً ایک نڈر تجسس پسند خاتون تھی مگر اس وقت وہ ماحول کے زیر اثر تھی اس نے اسے ایک لمحے کو اندر سے کچھ کمزور سا بنادیا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یکدم کچن کا دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہال کمرے کا نصف سنسان منظر واضح تھا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ باہر ہواؤں کا شور لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا تھا اب باقاعدہ دور کہیں بجلی بھی کوندنے لگی تھی بادلوں کی گھن گرج بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

گلشن کو اچانک ارشد کی بات یاد آنے لگی۔

اس نے کہا تھا کہ "ساحلی علاقے کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں موسم بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

گلشن چائے کا مگ تھامے اپنے اطراف گہری نظریں ڈالتی ہوئی ایک آرام دہ کرسی کی طرف بڑھی اور وہاں بیٹھ کر وہ پرخیال انداز میں چائے کی ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی جانے کیوں اس کی نگاہیں حویلی کے داخلی دروازے پر ٹک گئی تھیں۔ باہر اب باقاعدہ دھواں دار بارش شروع ہوچکی تھی اندھیرا بڑھنے لگا تھا اسی اثناء میں گلشن نے چائے کا مگ خالی کردیا اور ابھی وہ کرسی سے اٹھنے کا ارادہ کررہی تھی کہ اچانک اسے دروازہ کی طرف دیکھ کر یوں لگا جیسے باہر سے اسے کھولنے کے لئے کوئی زور لگا رہا ہو۔

ایک لمحے کو گلشن کا دل خوف سے لرز اٹھا باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور موسلادھار بارش کا شور اور اندر لمحہ بہ لمحہ بڑھنے والا خوف۔ گلشن کے اعصاب پر حاوی ہونے لگے تھے۔

جانے وہ کون تھا جو باہر سے دروازہ کھولنے کی

کوشش کررہا تھا۔

گلشن کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا اور وہ اس کیفیت میں دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگی اور قریب پہنچ کر با آواز بلند بولی۔ ''کون ہے؟'' اس کے بولنے کی دیر تھی کہ اچانک دروازے نے لرزنا بند کردیا مگر گلشن کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اب بھی دروازے کے باہر موجود ہے وہ گیا نہیں تھا کیونکہ دروازے کے پٹ کے نیچے چوڑی درز سے باہر چمکنے والی آسمانی بجلی کے ساتھ کسی کے سائے کی بھی جھلک نظر آرہی تھی۔

خوف کی ایک سرد لہر گلشن کو اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی اس کے پورے وجود پر ہلکی سی کپکپی طاری تھی پھر نہ جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ اس نے اپنے خوف پر قابو پاکر آگے بڑھ کر یکدم دروازہ کھول دیا ایک جھٹکے سے۔

سامنے نگاہ پڑتے ہی اس کی سانس سینے میں ہی اٹک کر رہ گئی سامنے ایک عجیب شخص کھڑا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس کو یک ٹک تکے جارہا تھا۔

اس کی رنگت توے کی طرح سیاہ تھی اس کے چہرے پر سب سے ہولناک بات جس نے گلشن جیسی مضبوط اعصاب کی عورت کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا وہ اس کی انتہائی زرد آنکھیں تھیں پلکوں سے بے نیاز کھلی ہوئی۔

''کک کون ہو تم؟'' گلشن کے منہ سے اٹک اٹک کر نکلا۔

جواباً وہ میکانکی انداز میں بولا۔ ''میرا نام انوار ہے اور میں یہاں کا چوکیدار ہوں، میں یہاں لالہ جی سے ملنے آیا تھا۔''

گلشن کو اس کی آواز عجیب اور کھرکھراتی سی محسوس ہوئی اسے اس کی بے وقت آمد پر غصہ آنے لگا تھا

''اس وقت کیا کرنے آئے ہو تم؟..... ہمیں یہاں آئے چھ گھنٹے ہو چکے ہیں کہاں مر گئے تھے تم؟''

''میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' اس نے ویسے ہی سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اب ذرا کہیں گلشن کا غصہ کم ہوا تاہم وہ بدستور درشت لہجے میں بولی۔ ''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ اب کل ضرور آنا۔'' بڑے کڑے دل کے ساتھ گلشن نے اسے اگلے روز آنے کو کہا تھا۔

حالانکہ ایسے خوفناک چوکیدار کی وہ دوبارہ صورت دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

اسی دوران گلشن نے ایک خاص بات نوٹ کی تھی کہ انوار کی عجیب پتھرائی ہوئی آنکھیں اسکے وجود کے پار ہوتی محسوس ہورہی تھیں اگلے ہی لمحے گلشن نے دروازہ بند کردیا اور گلشن واپس اپنے بیڈروم میں آگئی۔

☆.....☆.....☆

رات کے نہ جانے کس پہر گلشن کی اچانک آنکھ کھل گئی، باہر اب بارش بند ہوچکی تھی اس کے دائیں طرف حامد محو خواب تھا گلشن کو اچانک ہلکی ہلکی ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔

اس نے محسوس کیا کہ اسکا دل بلاوجہ ہی زور زور سے دھڑک رہا ہے وہ چند ثانیے اسی طرح دم بخود بستر پر پڑی رہی ہر طرف گہری خاموشی کا راج تھا اس کو اپنے دل کی دھڑکنے کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی گہری نیند سے یوں اچانک کیسے جاگ گئی۔

پھر اس کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ وہ آہستگی سے بستر سے اٹھی کمرے میں مدھم دان روشن تھا اس کی نگاہ گلشن کو پھڑپھڑاتی محسوس ہوئی اس کا دل جانے کیوں ایک غیر مرئی خوف میں مبتلا تھا اس کے جی میں آیا کہ وہ حامد کو جگادے، اس نے اس ناقابل بیان خوف سے چھٹکارہ پانے کی خاطر دوبارہ بستر پر لیٹنے کی بھی کوشش کی مگر نیند ندارد.....

سناٹا ویرانی، وسوسے یہ بھی کسی عفریت سے کم نہ تھے گلشن نے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے ابھی کوئی یکدم دروازہ کھول

کر اندر آ جائے گا۔

ٹھیک اسی وقت ایک تیز چیخ کی آواز نے گلشن کے دل کو بری طرح دھڑکا دیا۔

چیخ اتنی زوردار اور واضح تھی کہ اسے اپنے وہم پر محمول کر ہی نہیں سکتی تھی وہ دوبارہ بستر سے اٹھی اس نے محسوس کیا کہ یہ چیخ حویلی کی عقبی طرف سے ابھری تھی اس کمرے کا ایک دریچہ مذکورہ سمت میں کھلتا تھا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑکی کی طرف بڑھی اور آہستگی سے کھڑکی کے پردے کو ہٹا کر جھٹ سے دونوں پٹ کھول دیئے ہلکی سی ٹھنڈ کا احساس اسے اپنے چہرے پر ہوا اور اسے بے اختیار جھرجھری سی آ گئی۔

باہر ہر سو دھند آلود تاریکی کا راج تھا البتہ آسمان برسنے کے بعد قدرے صاف ہو چکا تھا آخری راتوں کا چاند آوارہ بادلوں میں چھپ گیا تھا جبکہ ٹمٹماتے تاروں کی روشنی میں فضا عجیب سی نظر آ رہی تھی۔

اس نے سامنے اس مدھم روشنی میں اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں حویلی کے اس عقبی حصے کی طرف کا بھی علاقہ دور تک جنگل میں گھرا ہوا تھا۔

اچانک وہ چونکی ذرا دور اسے بانس اور بیر کے درخت کے اس جنگل میں ایک قدیم طرز کی عمارت کا خاکہ نظر آیا وہ سانس روکے ہلکی واضح اور کبھی غیر واضح ہوتے اس ہیولے کو تکتی رہی اس پرانے طرز کی عمارت کو دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ چیخ اسی عمارت سے ابھری تھی۔

تب پھر اچانک دوسری بار چیخ کی آواز ابھری تو اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا چیخ بڑی کریہہ اور کرب انگیز تھی۔

اس چیخ میں ایک فریاد اور ناقابل بیان سی اذیت تھی اس کے بعد پھر تیسری بار چیخ ابھری مگر اس بار نسبتاً آواز ذرا دھیمی تھی۔ پھر اچانک ہی گلشن کو ایسا لگا جیسے کوئی سسک سسک کر رو رہا ہو اس پراسرار حویلی کا فاصلہ زیادہ نہ تھا۔

گلشن کی خوف زدہ نظریں اس حویلی نما عمارت کی سال خوردہ پر جیسے جم کر رہ گئی تھیں دل اسے کنپٹیوں میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا وہ چیخیں اب واضح طور پر کراہوں اور سسکیوں میں بدل چکی تھیں، تب اگلے ہی لمحے گلشن نے اپنا دل ذرا مضبوط کیا اور حواس بحال کئے اور ایک فیصلہ کرنے کے بعد کھڑکی بند کر کے واپس مڑی چند ثانیے چپ چاپ کھڑی رہی اس کے فطری تجسس نے سر ابھارنا شروع کر دیا اور اب ان چیخوں کا کھوج لگانا چاہتی تھی تب اس نے ایک گرم شال اوڑھی اور ٹارچ سنبھالے تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے نکلی اور اپنی حویلی کا دروازہ کھول کر باہر تاریکی میں آ گئی۔

عجیب عجیب وسوسے گھر کرنے لگے تھے لیکن وہ اپنے دل میں پکا تہیہ کر کے نکلی تھی حویلی کی سنگی مگر اکھڑی اکھڑی روش پر کہیں کہیں برسات کا پانی جمع ہوا تھا۔

گلشن نے ٹارچ بائیں ہاتھ میں پکڑی پھر شال کو اچھی طرح اپنے بدن پر لپیٹ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی اس کے بعد وہ بائیں طرف گھوم گئی۔ اب اس نے اپنے چلنے کی رفتار تیز کر دی تھی پھر حویلی کے عقب میں آ کر آگے بڑھنے لگی سامنے اسے پرانی عمارت صاف نظر آ رہی تھی۔

گلشن کے اندر جانے کس طرح اتنی ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس قدر اندھیری رات میں اس پرانی حویلی نما عمارت کی طرف بڑھتی جا رہی تھی اسے صرف ایک تجسس تھا ان چیخوں کا سراغ لگانے کی۔ وہ حیران تھی کہ آخر یہ چیخیں کس کی ہیں۔

وہ جو کوئی بھی تھا اس تاریک رات کے ویرانے میں کیوں آہ و بکا کر رہا تھا وہ اس کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔

دفعتاً اسے پھر کسی کے چیخنے اور باقاعدہ چلانے کی آوازیں آنے لگیں اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ قدموں کی رفتار خود بہ خود تیز ہو گئی۔ ٹارچ والا ہاتھ بھی کپکپانے سا لگا تھا اس بار چیخ کا آہنگ اسے صاف طور پر محسوس ہوا تھا کوئی نسوانی چیخ تھی مگر اس نسوانی چیخ کے بعد پے در پے چلانے اور رونے کی آوازوں میں ایک سے زائد افراد کی آوازوں کی آمیزش محسوس ہوئی تھی۔

گلشن کا دل ایک بار پھر خوف کے مارے لرزنے لگا ایک لمحے کو اس کے دل میں آیا کہ فوراً یہاں سے لوٹ

جائے مگر اس نے ایسا نہیں کیا چلتے چلتے اگرچہ ایک لمحے کو اس کے قدموں کی رفتار دھیمی ہوئی تھی مگر وہ رکی نہیں تھی۔

اس کی تھکی ہوئی پھٹی پھٹی نظریں سامنے پرانی عمارت پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

پھر جب وہ ذرا قریب پہنچی تو ایک لمحے کو ٹھٹھک کر رک گئی۔ اور ٹارچ کی روشنی اطراف میں کر کے بغور تکنے لگی اسے اس پرانی عمارت کے پہلو میں ایک چھوٹا سا گھر بھی دکھائی دیا تھا نہ جانے کیوں گلشن کو ایسا لگا کہ چیخوں کی آوازیں عمارت سے نہیں بلکہ اس مکان سے آرہی تھیں وہ مکان چھوٹا تھا۔ بمشکل دو کمروں کا جس کی چھت زیادہ بلند نہیں تھی یہ سوال گلشن کے دل میں اچانک ابھرا تھا پھر اگلے ہی لمحے اس نے آگے قدم بڑھائے اب وہ مکان کے دروازے پر رک گئی تھی یہاں پہنچ کر دل کی عجیب کیفیت ہونے لگی تھی وہ خوف آمیز وسوسوں اور تجسس کی درمیانی کیفیت سے دوچار تھی.....

اچانک اسے پھر کسی کے چیخنے کی اور رونے کی آوازیں آنے لگیں اس کا خیال درست ثابت ہوا تھا کہ چیخ کی آواز پرانی عمارت کے بجائے اس کے پہلو میں بنے اس مکان سے آرہی تھی لیکن گلشن کو یوں لگا جیسے اس بار مکان کے اندر سے آنے والی چیخ جواب تکلیف دہ آہوں اور سسکیوں میں بدل گئی تھی وہ ان چیخوں سے قطعی مختلف تھی جو اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے کمرے سے سنی تھیں اور تب اس کا دل ایک اور انتہائی لرزہ خیز چیخ پر کانپ گیا۔

اس کے ہاتھ سے ٹارچ گرتے گرتے بچی تھی کیونکہ یہ چیخ اب سامنے پرانی عمارت سے سنائی دی یہی وہ اصل چیخ تھی جسے گلشن نے اپنے کمرے سے سنا تھا پھر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے اس مکان کے اندر سے بھی بدستور کسی کے رونے اور سسکنے کی گھٹی گھٹی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ کیا معمہ تھا۔

بیک وقت دو جگہوں سے چیخنے اور رونے کی آوازوں نے گلشن کو سخت اعصابی کشیدگی میں مبتلا کر دیا تھا پراسرار عمارت پر اب سناٹا چھا گیا تھا گلشن نے پہلے مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے کا فیصلہ کیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھی ابھی اس نے دستک دینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک اندر سے غصیلی آواز سنائی دی۔

''بکواس کرتی ہے، مچا شور، اور مچا..... میں نہیں گھبرانے والا۔'' اس غصیلی غراہٹ کے ساتھ ہی پھر دوبارہ کسی عورت کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

گلشن اس مردانہ آواز پر بری طرح چونکی تھی کیونکہ یہ آواز اسے شناسا محسوس ہوئی تھی پہلے تو اسے ذرا ڈر لگا مگر پھر اسے اس شخص پر غصہ آنے لگا جو شاید اپنی بیوی پر تشدد کر رہا تھا یہ وہ ہی زرد آنکھوں والا چوکیدار تھا جس سے گلشن کی پراسرار انداز میں ملاقات ہوئی تھی۔

آخر کار گلشن نے زور سے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا اندر یکدم خاموشی چھا گئی ذرا دیر بعد دروازہ کھلا اور چوکیدار انوار کا چہرہ ابھرا اس کے چہرے پر غصہ نمایاں تھا مگر گلشن کو سامنے دیکھ کر وہ یکدم بھیگی بلی بن گیا اور حیرت سے گلشن کا منہ تکنے لگا۔ ''آپ ..... یہاں کیسے ..... مالکن۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

گلشن نے ایک ناگوار سی نگاہ اس پر ڈالی۔

پھر اسے انوار کی پشت کی طرف ایک غمزدہ عورت کا رشک بھرا چہرہ دکھائی دیا۔ ''ہٹو پرے'' گلشن نے انوار کو جھڑکا اور اندر قدم رکھ دیا، وہ سمجھ گئی تھی کہ انوار اپنی بیوی کے ساتھ مار پیٹ کر رہا تھا۔

وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ''کیوں مار رہے تھے اس بیچاری کو۔''

جج..... جی وہ..... وہ''

''چپ ہو جاؤ اگر دوبارہ اس پر ظلم کیا تو خیر نہیں تمہاری۔'' گلشن نے درشت لہجے میں انوار سے کہا۔

پھر وہ اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''جی..... نجمہ۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔ اس کے چہرے پر گلشن کے لئے تشکرانہ جذبات نمایاں تھے۔ تاہم اسے خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہو رہی تھی اس بے چاری کے تو وہم گمان میں بھی نہ ہوگا کہ یوں آدھی رات

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

کوکوئی عورت اس کی مدد کو آسکتی ہے۔

"نجمہ تم کل سے میرے پاس آنا حویلی میں سمجھیں وہاں کام ہے مجھے تم سے۔"

گلشن نے نجمہ سے کہا۔ اور نجمہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

اسی دوران گلشن کی نگاہیں ایک طرف کھڑے انوار سے ٹکرائیں اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے وجود میں لاتعداد چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں انوار کی گہری زرد آنکھیں یک ٹک گلشن کی طرف جمی ہوئی تھیں اور اس کی سرسراتی نظریں گلشن کو اپنے وجود کے پار بھی محسوس ہوئی تھیں گلشن کو اس کی نظروں میں سرد مہری کے ساتھ ساتھ ناگواری کی بھی جھلک نمایاں طور پر محسوس ہوئی تھی تاہم پھر کچھ کہے باہر آگئی، انوار نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کردیا تو گلشن نے دانت بھینچ لئے۔

پھر جب گلشن نے اپنی حویلی کی جانب واپس قدم بڑھانے چاہے تو اچانک نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے پرانی حویلی کے اندر جانے کا ارادہ کرلیا جو چند ہی قدم کے فاصلے پر اس کے سامنے تھی اس کو یقین تھا کہ پہلی ہولناک چیخ اس نے جو اپنے کمرے میں سنی تھی تو وہ اس پرانی حویلی سے آئی تھی ویسے بھی جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ حویلی کے اندر جائے۔

ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی پھر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھی حویلی کہن سالی کا نمونہ پیش کررہی تھی حویلی کے دروازے کے دائیں بائیں بوسیدہ سے دوستونوں کے ساتھ عجیب سے جانوروں کے چنگھاڑتے ہوئے چہروں کی مورتیاں بنی ہوئی تھیں گلشن کو یوں لگا جیسے کوئی غیر مرئی شے اسے اپنے ساتھ باندھ کر کشاں کشاں ہو۔ اس پرانی حویلی کی طرف کھینچے لئے جارہی ہے۔

حویلی سے ابھرنے والی کریہہ چیخوں کا بھی سراغ لگانا چاہتی تھی بلکہ اس کے خیال کے مطابق اصل معمہ تو اس پرانی حویلی کے اندر سے ابھرنے والی چیخوں کا تھا۔

انوار کے گھر کی طرف تو اس کا دھیان محض ایک اتفاقاً ہی چلا گیا تھا گلشن اپنے دھڑکتے دل کی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے آہستہ آہستہ حویلی کے صدر دروازے کی شکستہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی دروازے پر پہنچ کر رک گئی اس کے چاروں اطراف میں گہری خاموشی کا راج تھا۔

اس نے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا، دروازے کو ہلکا سا ابھی اس نے اندر دھکیلنے کیلئے ہاتھ ہی لگایا تھا کہ وہ ایک کراہ آمیز چرچراہٹ کے ساتھ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا اندر تاریکی کا راج تھا، ٹھیک اسی وقت جب گلشن نے ایک قدم آگے بڑھایا اندر کسی دور افتادہ گوشے سے کسی کے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آوازیں سنائی دیں گلشن اپنی جگہ پر گڑ کر رہ گئی اس نے اپنے حواس قابو کر رکھے تھے اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ کی روشنی کو اس نے اندر پھینکا..... وہ تذبذب کا شکار تھی ایک بار اس کے دل میں آیا کہ وہ فوراً یہاں سے بھاگ جائے مگر وہ اپنی پر تجسس فطرت کے ہاتھوں مجبور تھی۔

رونے اور سسکنے کی آوازوں میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہونے لگا تھا یوں محسوس ہورہا تھا کہ جیسے مرد اور عورت کسی کونے میں بیٹھے رو رہے ہوں۔ آخر گلشن نے ہمت کی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے اندر قدم رکھا ابھی اس نے ایک ہی قدم آگے بڑھایا تھا کہ اندر سے ان گنت چمگادڑیں چیختی ہوئی ایک غول کی صورت میں باہر کو امڈیں۔

گلشن کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی جب چمگادڑوں کا شور مچاتا سیلاب گزر گیا تو گلشن اٹھی اس کا دل اب بری طرح دھک دھک کرنے لگا تھا۔ خوف نے بھی اب اس کے پورے وجود میں گھر کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ میں ٹارچ کو اٹھایا۔ جو چمگادڑوں کے حملے کی وجہ سے چھوٹ گئی تھی روشنی کا خاصہ بڑا ہالہ حویلی کی شکستہ دیواروں غلام گردشوں اور سلین زدہ زینوں میں چکراتا ہوا لگا ایک ایسے گوشے پر جا پڑا جہاں چمگادڑوں کا ایک اور غول موجود تھا۔

مگر گلشن کی آنکھیں اس وقت دہشت کے مارے پھیل گئیں جب اس نے یہ دیکھا کہ شکستہ دیواروں

کے ساتھ الٹی چپکی ہوئی چمگادڑوں کی گردنیں غائب تھیں ..... سب سر بریدہ تھیں اور خون ان کی کٹی ہوئی گردنوں سے نلکے کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

بے اختیار گلشن کے حلق سے ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور اسنے بے تحاشہ واپس اپنی حویلی کی طرف بھاگنا شروع کردیا۔

گلشن ہانپتی کانپتی واپس حویلی پہنچی تو اس کا پورا وجود خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اس کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی، رفتہ رفتہ اس کے اوسطان ذرا بحال ہوئے مگر خوف ودہشت کی کیفیت کم نہیں ہوئی تھی، سر بریدہ چمگادڑوں کا رونگٹے کھڑے کردینے والا منظر اس کے سامنے تھا۔

گلشن اپنے بیڈروم میں آئی۔

اس نے محسوس کیا کہ پیاس کی شدت سے اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہورہا تھا اس نے دو گلاس پانی پیا رات آخری پہر میں داخل ہوچکی تھی، وہ جب بستر پر حامد کے برابر لیٹی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس پرانی حویلی میں ابھرنے والی کسی مرد اور عورت کی رونے کی آوازوں کے بارے میں اس کا ذہن الجھا ہوا تھا کہ وہ کون تھے؟ آیا اندر روتے ہوئے مرد عورت موجود بھی تھے یا یہ اس کا محض وہم تھا انہی خیالوں میں غلطاں نہ جانے کس وقت گلشن کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز جب انور چوکیدار کی بیوی اپنے اور اپنے شوہر انور کے بیچ ناچاقی کے بارے میں بتانے لگی تھی کہ اسی دوران باہر گاڑی کی آواز پر گلشن بری طرح چونکی اور بے اختیار باہر کو لپکی جبکہ نجمہ حیران وپریشان اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی۔ گلشن کمرے سے نکل کر کھڑکی کی طرف آئی اور وہاں سے باہر جھانکا تو اس کا خیال درست ثابت ہوا کار سے ارشد اتر رہا تھا۔

گلشن نے اس کے چہرے کا ذرا غور سے جائزہ لیا تو وہ اسے کچھ پریشان سا نظر آیا۔

گلشن کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ وہ واپس جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی اور نجمہ کو باہر کا دروازہ کھولنے کے لئے بھیج دیا دوسرے کمرے میں حامد موجود تھا گلشن کسی مقصد کے تحت کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی اگلے ہی لمحے باہر کا دروازہ کھلنے اور حامد کے باتیں کرنے کی آوازیں ابھریں۔ ذرا دیر بعد یہ دونوں ہال کمرے میں براجمان تھے۔ نجمہ کو شاید چائے وغیرہ بنانے کے لئے کچن کی طرف بھیج دیا گیا تھا جبکہ گلشن کا ارادہ خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل کر حامد اور ارشد کی باتیں سننے کا تھا۔ ابھی وہ اس مقصد کے لئے کمرے سے باہر نکلنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک دروازے پر قدموں کی چاپ ابھری ..... یکبارگی گلشن کا دل دھڑکا اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا حامد سامنے کھڑا تھا چند ثانیئے بعد وہ گلشن کو خاموش نظروں سے دیکھنے کے بعد بغیر بات کئے دوبارہ لوٹ گیا۔

گلشن کو جانے کیوں ایسا لگا جیسے حامد کمرے میں اس کی موجودگی کی تسلی کرنے آیا تھا حامد کی اس حرکت سے گلشن کو مزید کریدنگ گئی اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد آہستگی سے دروازہ کھول کر مختصر سے کوریڈور میں آگئی۔

اس وقت دن کے بارہ بجے کا وقت تھا ہال کمرے سے حامد اور ارشد کے دھیمے دھیمے لہجے میں باتوں کی آوازیں آرہی تھیں گلشن بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی اس کھڑکی کے پاس آگئی جو اندر ہال میں کھلتی تھی یہاں باتوں کی آواز صاف طور پر اس کی سماعتوں تک آرہی تھیں گلشن نے ذرا کھڑکی سے سر ابھار کر دیکھا سامنے کے صوفے پر ارشد اور حامد آپس میں دھیمی سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

''سر معاملہ بہت ہی نازک ہوتا جارہا ہے اسد اور فیصل کچھ زیادہ ہی گلے کو آنے لگے ہیں اب ان دونوں بوڑھے گدھوں نے آپ کا کھلے عام نام لینا شروع کردیا ہے۔'' معاً گلشن کے کانوں میں ارشد کی پریشان کن گفتگو کے الفاظ ٹکرائے ..... وہ حامد سے مخاطب تھا۔

پھر گلشن کو اپنے شوہر کی آواز سنائی دی وہ ارشد سے کہہ رہا تھا۔

''ہوں اس کا مطلب ہے، میں نے مستعفی

ہوکر غلطی کی کیونکہ جب تک میرے بدن پر وردی تھی یہ دونوں بوڑھے خاموش تھے۔" پھر لمحہ بھر توقف کے بعد حامد نے پہلو بدل کر ارشد سے پوچھا

"ارشد..... کہیں میں نے استعفیٰ دے کر غلطی تو نہیں کی۔ میرا مطلب ہے کہ کہیں مجھ پر شک نہ کیا جارہا ہو۔"

"آپ نے جو اپنی طبیعت کی خرابی کا جو عذر دیا تھا اسی بنا پر آپ پر کوئی شک نہیں کرسکتا۔ البتہ ان دنوں بوڑھوں کا کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔" ارشد اتنا کہہ کر خاموش ہوا تو حامد بولا۔" ویسے انتر راور فاطمہ کی لاشوں کا کیا ہوا وہ پولیس کے ہاتھ لگیں یا نہیں۔"

"یہی تو حیرانی کی بات ہے بلکہ کم از کم ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ وہ ابھی تک ان کے ہاتھ نہیں لگ سکی ہیں۔" ارشد نے قدرے خوش ہوکر کہا۔

"ادھر ان گن لیتی ہوئی گلشن ان دونوں کی گفتگو پر گم صم سی ہوگئی۔ لاشوں کے تذکرے نے اس کا دماغ سن کردیا تھا اور وہ پریشان کن انداز میں سوچنے لگی تھی کہ نہ جانے یہ لاشوں کا کیا معاملہ ہے۔ ٹھیک اسی وقت گلشن کو ایسا لگا جیسے کوئی اس کے عقب میں بالکل قریب کھڑا ہے۔ اس نے آہستہ سے اپنا سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ اور پھر جیسے سانس لینا بھول گئی۔

بڑی مشکل سے اس نے اپنے حلق سے ابھرنے والی چیخ پر قابو پایا تھا۔ اب وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس شخص کو تکے جارہی تھی جو نہ جانے کب سے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

وہ زرد اور پتھرائی ہوئی آنکھوں والا چوکیدار انوار تھا جسے دیکھ کر گلشن کے پورے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اسے اچانک اپنے عقب میں دیکھ کر اگرچہ گلشن کا دل ایک لمحے کو دھک سے رہ گیا تھا مگر دوسرے ہی لمحے گلشن کے دل میں خوف کی جگہ غصے نے لے لی اور انوار ہنوز بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پراسرار نظروں سے گلشن کے چہرے کی طرف تکے جارہا تھا۔

"تم کیسے دیکھ رہے ہو مجھے..... جاؤ یہاں سے۔" گلشن نے درشت لہجے میں کہا۔ تو انوار کے مکروہ چہرے پر ایک غیر محسوس سی خوف ناک مسکراہٹ عود آئی۔ اور وہ گلشن کو عجیب نظروں سے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

گلشن کے پورے وجود میں اب تک زرد آنکھوں والے انوار کی خوفناک مسکراہٹ کھب کر رہ گئی تھی۔ گلشن انوار سے اس قدر خوف زدہ ہوگئی کہ وہ زیادہ دیر اپنے شوہر اور ارشد کے درمیان ہونے والی مشکوک گفتگو نہ سن سکی اور وہ فوراً اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کے دل و دماغ میں ابھی تک انوار کا منحوس مسکراتا ہوا چہرہ گردش کررہا تھا۔

پھر کافی دیر بعد جب ارشد واپس چلا گیا تو گلشن حامد جرجٹ سے دوڑی۔

"تم آخر مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاتے کیوں نہیں۔ میں تمہاری بیوی ہوں..... تم اپنی پریشانی میرے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے۔"

حامد کے چہرے پر پریشانی نظر آرہی تھی اس نے خود پر قابو پایا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔" دیکھو گلشن درحقیقت میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تم یہاں آرام سے رہو انجوائے کرو اور بس..... باقی کا درد میرے لئے رہنے دو۔"

گلشن نے بغور اپنے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھا اسے لگا کہ حامد کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہے وہ حامد کو جانتی تھی وہ شروع سے ہی ایسا تھا۔ جو بھی پریشانی یا تکلیف ہوتی کسی سے شیئر نہیں کرتا۔ خود ہی اسے بھگتنے کی کوشش کرتا تھا مگر گلشن کو اس بار حامد کچھ زیادہ ہی مصیبت میں مبتلا نظر آرہا تھا وہ خود بے چین ہوگئی تھی۔

لہٰذا بولی۔

"مگر حامد تم خود سوچو تمہیں پریشانی میں دیکھ کر میں کیسے آرام سے رہ سکتی ہوں۔ کیا کوئی ایسی پریشانی ہے کہ تم مجھے بتا نہیں سکتے۔" گلشن کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

حامد نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لہٰذا چند ثانیے کے بعد حامد ایک کرسی

پر گر سا گیا پھر بولا۔

''میرے خیال میں کچھ دشمنوں نے سازش تیار کی ہے وہ کسی کیس میں مجھے پھنسانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔''

''لیکن کیوں؟ تمہیں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے اس طرح یوں میدان چھوڑ کر اس ویران جگہ آنے کا آخر کیا مقصد تھا؟''

گلشن نے کہا تو اچانک حامد نے گلشن کی طرف چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ اسے گلشن کی بات بری لگی ہے مگر پھر فوراً ہی اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''گلشن وہ دشمن بہت طاقتور ہیں اور یہ سب میں نے ارشد کے مشورے سے ہی کیا ہے۔ تم تو اسے جانتی ہی ہو کہ وہ میرا کتنا خیر خواہ ہے۔ وہ میرا ماتحت ہی نہیں بلکہ میرا ہمدرد دوست بھی ہے اور حالات کا تقاضا ایسا ہی تھا کہ مجھے یہاں آنا پڑا..... اس طرح ارشد کے خیال کے مطابق وہ میرا مناسب دفاع کرسکتا ہے۔'' اس طرح حامد نے اپنی بات مکمل کی۔

مگر گلشن کے چہرے سے پھر بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اب بھی تذبذب کا شکار ہے آخر وہ بولی۔ ''مگر میں ارشد کے خیال سے بالکل متفق نہیں ہوں کہ وہ اس طرح تمہارا دفاع کرسکتا ہے بلکہ تمہاری غیر موجودگی میں مسئلے کو طویل عرصہ تک الجھا دے گا۔''

لمحے بھر توقف کے بعد گلشن نے حامد کے چہرے کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔ ''ویسے تمہارے دشمنوں نے آخر کیا چال چلی تمہارے خلاف۔ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔''

اب کی بار حامد خود پر قابو نہ پاسکا اور قدرے درشت لہجے میں بولا۔ ''گلشن پلیز! تم میرے معاملے میں دخل اندازی نہ کرو اس طرح میری پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوگا تم بس اپنے کام سے کام رکھو۔''

''لیکن حامد ہمارا بیٹا کریم وہاں پر ہے وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے خدانہ کرے اگر تمہارے دشمنوں نے اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو۔''

''وہ ایسا نہیں کرسکتے..... کریم کی حفاظت کا بندوبست ارشد نے پہلے ہی کر رکھا ہے اس نے سادہ لباس میں پولیس کے آدمی نگرانی پر مامور کردیئے ہیں۔ اور ویسے بھی ارشد ہمیں کریم کی خیر خیریت کی اطلاع دیتا رہے گا یہاں آکر۔'' حامد نے کہا۔

اس وقت تو یہ بات آئی گئی ہوگئی لیکن رات کو جب یہ دونوں میاں بیوی اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹے تو حامد نے گلشن کی طرف عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے سراسراتے لہجے میں کہا۔ ''گلشن تم نے میری اور ارشد کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی۔؟''

اس بات پر گلشن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا حامد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے گلشن کو جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوسکی مگر وہ یہ سوچے بنا نہ رہ سکی کہ آخر حامد کو یہ بات کس نے بتائی۔ کیا اس منحوس انوار نے۔ ''ہاں'' مگر وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے گلشن۔'' اگلے ہی لمحے حامد پھٹ پڑا اور گلشن یکدم سہم گئی۔

''تمہارے اس فضول قسم کے تجسس نے مجھے خاصا پریشان کر ڈالا ہے تم کیسی بیوی ہو بجائے میری مصیبت کم کرنے کے تم اس میں اضافہ کرنا چاہتی ہو دیکھو گلشن میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ فضول قسم کی ٹوہ بازی میں اپنا وقت اور میرا دماغ خراب مت کرو تم سمجھتی کیوں نہیں۔ میں ایسے محکمہ سے تعلق رکھتا ہوں جہاں اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا پڑتا ہے بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک پولیس آفیسر اسے اپنے گھر میں حتیٰ کہ اپنی بیوی اور بچوں سے بھی چھپانے پر مجبور ہوتا ہے سمجھیں تم۔'' حامد اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا غصے کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا ایسے میں گلشن کو بھی اس پر ترس آنے لگا تھا۔

''حامد کے وہ دشمن کون تھے جن سے وہ اس قدر خائف تھا کہ اس ویرانے میں آن بسا تھا آخر وہ دشمن اس کے شوہر کے خلاف ایسی کون سی سازش تیار کر رہے تھے کہ یہ ان کے خوف سے نہ صرف انہیں اچھی خاصی ملازمت

تک سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوگیا تھا بلکہ عارضی طور پر ہی سہی اپنا شہر اور گھر بار چھوڑ دیا تھا اور ارشد کیا کر رہا تھا کیا وہ واقعی حامد کا خیر خواہ تھا؟ اب جبکہ حامد اس کا آفیسر نہیں تھا پھر اسے یہ سارا دردسر مول لینے کی کیا ضرورت تھی؟''

کوئی پراسرار چکر تھا جس کی بڑی راز داری سے پردہ داری کی جارہی تھی گلشن جتنا سوچتی اتنا ہی اسکی تشویش بڑھتی جارہی تھی اس سارے چکر میں گلشن کو سب سے زیادہ پراسرار اور مشکوک شخصیت چوکیدار انوار کی محسوس ہورہی تھی۔

انوار کا نام ذہن میں آتے ہی جانے کیوں گلشن کے اندر تلخی سی پھیل جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

اچانک گلشن ایک آواز پر ٹھٹکی یہ آواز بالکل مدہم تھی جیسے دور کہیں شادیانے بج رہے ہوں جیسے کوئی بارات آرہی ہو گلشن کو حیرانی ہوئی بھلا اس ویرانے میں یہ شہنائیاں کیسی ہیں یہ آواز کھڑکی کی طرف سے آئی تھی گلشن آہستگی سے اٹھی اور کھڑکی کے قریب آکر اس نے ایک پٹ کھولا تو سامنے دیکھ کر وہ بری طرح چونکی۔

سامنے درختوں کے جھنڈ میں گھری ہوئی وہ پرانی حویلی اس وقت روشنی میں نہائی ہوئی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس پرانی حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا رنگین قمقموں کی روشنیاں چار سو پھیلی ہوئی تھیں اور مہمانوں کے علاوہ باراتیوں نے رنگ برنگ لباس پہنے ہوئے تھے اور شادیانے بھی بج رہے تھے۔

گلشن کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا وہ حیرت سے سوچنے لگی کہ اس ویرانے اور پرانی حویلی میں بھلا کس کی شادی ہورہی تھی یہاں تو کوئی بھی نہیں رہتا تھا شادیانوں کی آوازیں اب کافی واضح ہوگئی تھیں۔ گلشن نے جلدی سے کھڑکی کا پٹ بند کیا تو آوازیں دھیمی پڑ گئیں، وہ تقریباً دوڑتی ہوئی باہر آئی اور پرانی حویلی کی طرف چلی پڑی، حویلی کی طرف سے آنے والی آوازیں کافی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

آسمان صاف اور تاروں بھرا تھا ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی گلشن تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی حویلی کے قریب آئی اور باراتیوں کو حیرت بھری نظروں سے تکنے لگی۔

لوگوں کے چہروں سے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں ان میں مردوں کے علاوہ جوان عورتیں اور لڑکیاں بلکہ ہر عمر کے لوگ شامل تھے پھر اچانک ایک بڑی سی سجی سنوری کار وہاں آکر رکی اور اس میں سے دلہا دلہن اترے، لوگوں کے جھرمٹ میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے حویلی کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

گلشن ابھی تک حیرت میں مبتلا تھی اس کا ذہن ابھی تک الجھا ہوا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ بھلا اس ویرانے میں یہ اتنے سارے لوگ کدھر سے آن جمع ہوئے اور وہ بھی اس پرانی حویلی میں۔ یہ کون دولہا دلہن تھے جن کی یہاں شادی ہورہی تھی؟

گلشن نے ایک بنی سنوری عورت سے پوچھا۔'' یہ کس کی شادی ہورہی ہے؟''

اس عورت نے عجیب سی نظروں سے پہلے گلشن کا جائزہ لیا پھر عجیب سرسراتے لہجے میں صرف اتنا بولی۔

''یہ اختر اور فاطمہ کی شادی ہورہی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ عورت حویلی کے اندر چلی گئی اور گلشن اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔

اختر اور فاطمہ یہ دونوں نام تو اس نے حامد اور ارشد کی زبانی سنے تھے۔ مگر وہ تو ان کی لاشوں کا ذکر کر رہے تھے تو پھر یہ دولہا دلہن اختر اور فاطمہ کون تھے، گلشن نے جھرجھری لے کر سوچا اسے یوں لگا کہ ایک بے نام سا خوف اسے جکڑنے لگا تھا اس کا وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا تھا اس نے قریب ہی واقع چوکیدار انوار کے گھر کی طرف دیکھا جس کے دروازے پر ٹاٹ پڑا ہوا تھا۔

گلشن کے دل میں آئی کہ وہ حویلی کے اندر جائے مگر پھر جانے کیوں وہ کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئی وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنی حویلی میں آئی اور اپنے کمرے میں آکر اپنے شوہر حامد کو جگانے لگی۔

''حامد..... حامد جلدی کرو۔'' اس کے اٹھانے پر

حامد نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔

"کیا ہے بھئی کیا ہوا؟ سونے دو۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر نیند میں بولا۔

"ارے بھئی اٹھو بارات آئی ہے وہاں دیکھو پرانی حویلی میں کسی کی شادی ہو رہی ہے۔" گلشن نے اسے بتایا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اس ویرانے میں کس کی شادی ہو رہی ہے، یہاں۔" حامد نے بیزاری سے کہا اور پھر سونے کے لئے کروٹ بدلنے لگا۔

مگر گلشن نے اسے پھر سے اٹھا دیا اور وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھا گلشن اسے کھڑکی کے پاس لے آئی اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر بولی۔

"وہ دیکھو اس حویلی میں......" آواز اس کے حلق میں ہی اٹک گئی کیونکہ باہر پر ہیبت تاریکی اور سناٹا طاری تھا، آسمان پر ٹکے چاندنی کی روشنی میں ٹنڈ منڈ درختوں میں گھری ہوئی وہ پرانی حویلی ویران تھی آس پاس کوئی ذی روح تک موجود نہ تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے والی گہما گہمی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا وہ پرانی حویلی جس پر رنگین بلب روشن تھے اب وہاں کچھ بھی نہ تھا پرانی حویلی میں ویسے ہی ازلی ویرانی اور ایک سیلن زدہ سی پراسرار خاموشی طاری تھی۔

اچانک کایا پلٹ پر گلشن کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

ایسے میں حامد بیزاری اور غصے میں بولا۔ "میں نے کہا نا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم نے ضرور کوئی خواب دیکھا ہوگا بلاوجہ میری نیند خراب کر ڈالی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا دوبارہ بستر پر آ کر لیٹ گیا اور گہری نیند میں ڈوب گیا۔

گلشن ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

"کہاں گئے وہ سب لوگ؟ اور وہ باراتی...... وہ سب کہاں گئے...... وہ سب لوگ؟" وہ عجیب انداز میں زیر لب بڑبڑائی اس کے دل میں وحشت سر ابھارنے لگی۔

وہ اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے پرانی حویلی کی جانب تکے جا رہی تھی مگر وہاں کچھ نہ تھا کیا یہ سب میرا وہم تھا وہ سوچنے لگی مگر اس کا دل نہیں مان رہا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے تو خود اس نے یہاں ایک شادی کی تقریب ہوتے دیکھی تھی نہ صرف یہ بلکہ وہ خود چل کر وہاں تک گئی تھی اور ایک مہمان عورت سے بات بھی کی تھی۔

"نن نہیں یہ میرا وہم نہیں ہو سکتا یہ وہم نہیں ہو سکتا۔" وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑائی اسے اپنے اعصاب شل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے اس کے دماغ کی رگوں میں درد ہونے لگا۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا ایک عجیب سا غصہ آنے لگا تھا اسے...... وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی اس نے اپنی شل ہوتی ہوئی کیفیت پر قابو پایا اور قریب رکھے کانچ کے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی غٹاغٹ پی گئی اسے اپنے پاؤں من من کے محسوس ہو رہے تھے وہ ابھی تک عجیب اور حواس زدہ کیفیت سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس کا دل و دماغ بار بار وہم کی نفی کر رہے تھے انہیں یہ تسلیم ہی نہیں تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے جس بارات اور سجی سنوری حویلی کو گلشن نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ پل بھر میں کس طرح ایک پر ہیبت ویرانی میں تبدیل ہو گئی تھی ابھی وہ اپنا سر تھامے حیران و پریشان سی کھڑی تھی۔

اچانک کھلی ہوئی کھڑکی سے دوبارہ شادیانے بجنے کی آواز سنائی دینے لگی وہ بری طرح چونکی اور وحشت زدہ ہو کر کھڑکی کی طرف آ کر جب اس نے سامنے دیکھا تو سانس جیسے اس کے سینے میں اٹک گیا وہ ہی بارات کا روشن روشن منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا یہ دیکھ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو یہاں کچھ نہ تھا پھر یہ سب اچانک سب کہیں میں واقع کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ اس نے حیرت اور پریشانی سے سوچا پھر اپنی کلائی پر دانت سے کاٹا تو تکلیف کا احساس ہوا یعنی وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی تو پھر یہ کیسا اسرار تھا یہ سب کیا تھا۔

اس نے پھر بغور سامنے دیکھا بارات کا شور اب دھیما پڑ گیا تھا۔

لوگ اب واپس لوٹ رہے تھے روشنی بھی بجھ گئی

تھی شاید چند لوگ اندر حویلی میں دولہا دلہن کے ساتھ موجود تھے حویلی پر سناٹا چھایا گیا تھا، گلشن کچھ سوچ کر باہر تاریکی میں آ گئی اور تیز تیز قدموں کے ساتھ پرانی حویلی کے قریب آ کر چند ثانئے رک گئی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی پرانی حویلی پر سناٹا طاری تھا تاہم اب بھی ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ یہاں ایک شادی کی تقریب ہوئی تھی گلشن نے ذرا دیر رک کر دھڑکتے دل کے ساتھ آگے قدم بڑھائے اور پھر کپکپاتے قدموں سے حویلی کے بڑے دروازے پر آ کر رکی اور لرزتے ہاتھ سے دروازے کو اندر دھکیلا اندر ایک بڑا کمرہ تھا یہ روشن تھا مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا گلشن نے اندر قدم رکھ دیا ایک طرف کمرے میں کسی کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آواز سنائی دی اور گلشن کا دل خوف سے جکڑا ہوا تھا مگر ایک انجانی قوت تھی کہ اس کے قدم اس دروازے کی طرف بڑھنے لگے کمرے کا دروازہ مکمل بند نہیں تھا جس کی روشنی باہر آ رہی تھی وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی اندر سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ان آوازوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اندر ایک عورت اور ایک مرد موجود ہے کیا یہ دولہا دلہن تھے۔ اس کے ذہن میں ابھرا پھر دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی اور پکارا۔ ”کون ہے؟“ گلشن کے پکارنے کی دیر تھی کہ اچانک اندر گہری خاموشی چھا گئی ایسی خاموشی کے جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو۔

پھر ٹھیک اسی لمحے حویلی میں اندھیرا چھا گیا جیسے اچانک بجلی چلی گئی ہو۔

گلشن کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا مگر اس نے دیکھا کہ اندر کمرے میں روشنی برقرار تھی ایک لمحے گلشن کا پھر دل چاہا کہ وہ اس منحوس جگہ سے فرار ہو جائے مگر اس کے قدم جیسے کسی نے پکڑ لئے تھے کوئی انجانی اور غیر مرئی طاقت اسے کمرے کے اندر اکسانے پر مجبور کر رہی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے گلشن کپکپاتے ہاتھوں سے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔

سامنے ایک مسہری پڑی تھی جسے بڑے خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا گلشن نے دیکھا کہ مسہری پر پھولوں اور رنگین جھالروں کی سیج بنی ہوئی تھی یقیناً دولہا دلہن اندر موجود تھے ایسے میں گلشن کو یہ بات اس کے خلاف لگی اور وہ فوراً واپس جانے کے لئے مڑی، وہ دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ ایک نسوانی آواز نے اسے عقب سے پکارا۔ ”واپس کیوں جا رہی ہو لوٹ آؤ...... دیکھو ہماری شادی۔“

گلشن کے قدم اپنی جگہ جم کر رہ گئے اور اس نے کھڑے کھڑے آہستگی سے گردن موڑ کر عقب میں مسہری کی جانب دیکھا تو جیسے پتھر کی بن گئی وہ منظر اتنا ہی خوف ناک اور ڈراؤنا تھا کہ گلشن کے حلق سے چیخ بھی نہ نکل پائی۔

سامنے مسہری پر زرق برق لباس میں دولہا دلہن بیٹھے تھے مگر ان دونوں کے سر شانوں سے غائب تھے۔

پھر ان دونوں دلہا دلہن نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے گلشن کو اپنی طرف بلایا تب نجانے کس طرح گلشن کے حلق سے چیخ بلند ہوئی اور وہ اندھا دھند دوڑتی ہوئی کمرے اور پھر حویلی سے باہر آ گئی باہر پہنچ کر جب اس نے صدر دروازے کی چند سیڑھیاں اترنے کے لئے پاؤں رکھا تو دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

چاندنی ٹھنڈی روشنی میں اس نے پیروں کے نیچے دو کٹے ہوئے سر پڑے دیکھے ایک سر عورت کا تھا کسی دلہن کی طرح سجا ہوا اور دوسرا کسی مرد کا۔

جس کی پلک جھپکاتی آنکھیں گلشن کو اپنے وجود میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

گلشن نے مارے دہشت کے چیخ ماری اور چھلانگ لگا دی۔ دونوں کے کٹے ہوئے سروں کو پھلانگنے کی صورت میں وہ زمین پر آن پڑی۔ مگر پھر اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی اور گرتے ہی اٹھ کر دیوانہ وار چیختے چلاتے ہوئے اپنی حویلی کی طرف دوڑ لگا دی تھی اپنے عقب میں اسے رونے اور چیخنے چلانے ڈراؤنی اور پھر شیطانی قہقہوں کی آوازیں آنے

نکلیں مگر اس کے قدم نہیں رکے وہ کسی نہ کسی طرح گرتی پڑتی حویلی پہنچی اور کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا اس نے پانی پیا اور ایک نگاہ بیڈ پر گہری نیند سوئے ہوئے اپنے شوہر پر ڈالی اس کے بعد کھڑکی کے قریب آ کر سامنے پرانی حویلی کی طرف خوف زدہ نظروں سے تکنے لگی وہاں ویرانی اور تاریک سناٹے کے سوا کچھ نہ تھا گلشن نے جلدی سے کھڑکی بند کردی اور دوبارہ بستر پر آ کر لیٹ گئی اس کے دل و دماغ میں خوف چھایا ہوا تھا گزرتے لمحات کے ڈراؤنے مناظر اس کے چشم تصور میں گردش کررہے تھے۔ ''وہ سربریدہ دولہا دلہن کون تھے؟ اور پرانی حویلی کے دروازے کی چوکھٹ پر پڑے کٹے ہوئے دو سر؟'' جو یقیناً ان دونوں دولہا اور دلہن کے ہی ہو سکتے تھے۔ گلشن کی آنکھوں کے سامنے گردش کررہے تھے۔ سربریدہ سروں کے نقوش جو ایک مرد اور عورت کے تھے گلشن کے ذہن میں جیسے ثبت ہو کر رہ گئے تھے ان کی یک ٹک اور گاہے بگاہے پلکیں چھپکاتی آنکھیں گلشن کو ابھی تک نہیں بھولی تھیں وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی کہ یہ سب کیا اس کا وہم ہے ..... ہرگز نہیں۔

دوسرے ہی لمحے گلشن نے اپنے خیال کی خود ہی تردید کی۔ یہ سب حقیقت تھا، خود اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب ڈراؤنا منظر دیکھا تھا۔ وہ یہ سب نہیں جھٹلا پا رہی تھی کوئی اس کی بات نہیں پر یقین بھی کیسے کرتا۔

باہر اب سپیدہ سحر نمودار ہونے لگا تھا اس نے اپنے شوہر حامد کو یہ بات بتائی تو حسب توقع اس نے اسے گلشن کے ڈراؤنے خواب پر ہی محمول کیا ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ حامد خود اپنی کسی پراسرار پریشانی میں گھرا ہوا تھا تاہم وہ ضرور چونکا تھا جب گلشن نے اسے یہ بتایا کہ دولہا دلہن کا نام اختر اور فاطمہ تھا تو ایک لمحے کے لئے اس نے چونک کر گلشن کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ گلشن نے محسوس کیا کہ حامد کو حیرت سے زیادہ تشویشناک جھٹکا لگا تھا مگر پھر حامد زیادہ دیر گلشن سے بات نہ کرسکا..... اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

یہ اسی روز شام کا ذکر تھا حامد اندر اپنے کمرے میں تھا، دروازے پر کسی نے دستک دی گلشن اٹھ کر دروازے تک آئی آج نجمہ نہیں آئی تھی اس لئے گلشن نے دروازہ خود ہی کھولا سامنے انور کھڑا گلشن کی طرف تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھال تھا۔ باہر خزاں آلود جھکڑ چل رہے تھے۔ تھال پر ریشمی رومال ڈھانپا ہوا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' گلشن نے کسی قدر تلخی سے پوچھا۔

''جی مالکن یہ کچھ کشمیری سیب اور مالٹے توڑے تھے سوچا آپ کے لئے لے آؤں۔''

گلشن نے نہ چاہتے ہوئے وہ تھال لے لیا پھر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''نجمہ آج نہیں آئی، طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی۔''

''جی وہ ذرا بیمار ہے۔ سر میں درد تھا اس کے۔'' اس نے زرد آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کل رات یہاں پرانی حویلی میں کس کی شادی ہو رہی تھی؟'' لمحہ بھر بعد گلشن نے پوچھا تو ایک لمحے کو انور کے چہرے پر شکنوں کا جال پھیلتا گیا پھر اس نے نفی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں تو بھلا اس ویرانے میں اور وہ بھی اس پرانی اور آسیب زدہ حویلی میں بھلا کون بے وقوف شادی کرے گا۔''

''ہوں۔'' گلشن کے لبوں سے نکلا۔ پھر وہ اندر آ گئی تھال اس کے ہاتھوں میں جو خاصا وزنی معلوم ہو رہا تھا، اچانک نجانے کس طرح تھال کے اوپر ڈھکا ہوا ریشمی رومال پھسل کر نیچے گر پڑا۔ گلشن کی جو نظر تھال پر پڑی تو خوف و دہشت سے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی، تھال میں اختر اور فاطمہ یعنی دولہا اور دلہن کے سر رکھے ہوئے تھے۔

تھال گلشن کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر چکا تھا اور دونوں خون بہاتے کٹے ہوئے سر فٹ بال کی طرح دور تک لڑھکتے چلے گئے تھے۔

گلشن چیختی چلاتی ہوئی کمرے کی طرف دوڑتی گئی

اندر سے اس وقت حامد اس کی چیخ سن کر بدحواس ہو کر نکل رہا تھا۔ گلشن اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ ''حامد...... حامد...... وہ...... وہ......'' گلشن کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی، وہ انگلی سے ایک طرف فرش پر اشارہ کر رہی تھی۔ ''کیا ہوا کون ہے...... یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے؟'' حامد نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

گلشن کا پورا وجود لرزیدہ تھا اس نے ڈرتے ڈرتے گردن موڑ کر خوف زدہ نظروں سے سامنے دیکھا تو دنگ رہ گئی فرش پر تھال الٹا ہوا تھا اور جا بجا بڑے بڑے سرخ سیب اور مالٹے بکھرے ہوئے تھے۔

''کیا ہے یہاں کچھ بھی تو نہیں...... تم نے کیا دیکھا تھا؟'' حامد نے اس سے پوچھا تو گلشن نے اسے ساری بات بتائی کہ تھال میں دو کٹے ہوئے سر رکھے تھے حامد نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اب وہ گلشن کی دماغی حالت پر شبہ کرنے لگا تھا۔

اسی روز ارشد آیا وہ خلاف معمول بہت شاداں و فرحاں تھا اس بار گلشن بھی ان دونوں کے درمیان موجود تھی ارشد نے مسرور ہو کر حامد کو ایک خوشخبری سناتے ہوئے بتایا۔ ''حامد صاحب مبارک ہو دشمنوں کا منہ کالا ہو گیا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔''

اس کی بات پر حامد بھی کھل اٹھا۔ ''اچھا کیا ہوا۔ بتاؤ تو ذرا۔ اختر اور فاطمہ کے قتل کا معاملہ داخل دفتر کر دیا گیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری حکمت عملی کامیاب رہی۔'' حامد نے کہا۔

ارشد فخر سے بولا۔

''جی ہاں...... یہ تو اچھا ہوا کہ آپ نے میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کوئی کارروائی نہ کی اور خاموشی سے یہاں سکونت اختیار کر لی ورنہ حالات بہت نازک تھے آپ کے منظر عام پر ہونے یا کسی بھی جوابی کارروائی کرنے سے حالات الجھ سکتے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب ہمیں واپس لوٹ چلنا چاہئے۔'' حامد نے کسی قدر خوش ہو کر کہا۔

ارشد فوراً بولا۔ ''نہیں سر ابھی معاملہ پوری طرح ٹھنڈا پڑنے دیں۔ آپ کو یہاں تو کوئی تکلیف نہیں ہے ناں۔''

پھر حامد کو جیسے کچھ یاد آیا وہ ارشد سے بولا۔ ''یار...... میں نے تمہیں اپنی ایک نیلی ڈائری لانے کو کہا تھا وہ کہاں ہے؟''

اس کی بات سن کر ارشد کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا اس نے ایک نظر پہلے گلشن پر ڈالی...... پھر حامد کی طرف دیکھتے ہوئے خاص الجھن آمیز پریشانی سے بولا۔ ''میں آپ کی رہائش گاہ پر گیا تھا اور آپ کے کمرے سے وہ ڈائری ڈھونڈنے کی کافی کوشش کی...... مگر وہ میرے ہاتھ نہ لگ سکی۔''

''کک کیا۔'' پریشانی کے باعث حامد کا منہ کھل گیا۔

گلشن نے بغور اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ تو وہ اسے بدحواس سا نظر آنے لگا تھا۔

ادھر حامد نے پریشان کن لہجے میں ارشد سے کہا۔ ''ارشد...... یہ اچھا نہیں ہوا...... تم جانتے ہو کہ میرے لئے وہ ڈائری کتنی اہمیت رکھتی ہے اگر وہ کسی کے ہاتھ لگ گئی تو؟'' وہ اچانک کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اور عجیب نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

گلشن نے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ حامد کو وہاں اس کی موجودگی سخت گراں گزر رہی تھی۔ پھر وہ گلشن کو جیسے گھورتے ہوئے بولا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔''

گلشن کو حامد کا لہجہ گراں گزرا تھا مگر وہ ضبط کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ مگر پھر بھی جاتے جاتے اس نے دیوار سے کان لگا دیئے تھے پھر اس نے حامد کو ارشد سے کہتے سنا۔

''ارشد تمہیں ہر صورت میں وہ ڈائری تلاش کرنی تھی تم نہیں جانتے کہ۔''

''میں نے سر اسے بہت تلاش کرنے کی کوشش کی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

تھی۔'' حامد نے جب دانستہ اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا تو ارشد نے بلا تامل جیسے اپنی گلوخاصی کرنی چاہی تھی بہرطور پھر گلشن وہاں ایک لمحے بھی نہ ٹھہری اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی.....

اس نیلی ڈائری پر گلشن کا ذہن کھٹک گیا تھا وہ الجھ کر سوچنے لگی۔'' آخر اس ڈائری میں ایسا کیا تھا۔ جس کی گمشدگی پر حامد اس قدر پریشان اور حواس باختہ ہوگیا تھا۔ گلشن نے ذہن پر زور دیا تو اسے یاد آیا کہ وہ اکثر اپنے شوہر کو ایک خاص ڈائری لکھتے ہوئے دیکھا کرتی تھی جس کے بارے میں حامد اس قدر پریشان دکھائی دیا تھا اور حامد نے اس کے بارے میں اس قدر اسے بتایا تھا کہ وہ اس میں چھوٹے موٹے جرائم کی تفصیل لکھا کرتا ہے جنہیں کامیابی سے حل کر چکا ہوتا ہے۔

حسب معمول گلشن کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ باہر خزاں آلود سناٹے دار جھکڑ چل رہے تھے ہر سو دم بخود کردینے والی خاموشی چھائی ہوئی تھی دلوں پر ہولناکی طاری کردینے والے اس ماحول کی اب گلشن عادی سی ہوگئی تھی اس کا دل دماغ اب تک پیش آنے والے حالات پر وحشت زدہ اور پریشان ہورہا تھا۔

دفعتاً باہر پرانی حویلی کی طرف سے وہ ہی منحوس چیخ بلند ہوئی، چیخ کی آوازیں سن کر گلشن کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی لرزتی کانپتی حالت پر قابو پاتی ہوئی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کھڑکی کی طرف آئی اور کپکپاتے ہاتھوں سے کھڑکی کھول دی، باہر سے فراٹے دار ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور گلشن کو بے اختیار جھرجھری سی آ گئی سامنے غبار آلود فضا میں اسے پرانی حویلی کا خاکہ نظر آرہا تھا وہ یونہی دم سادھے پرانی حویلی کی طرف تکتی رہ گئی باہر اطراف میں مدھم اور نرم نرم سی خواب ناک چاندنی پھیلی ہوئی تھی بانس کے درختوں میں گھری ہوئی پرانی حویلی پر سوگواریت طاری تھی۔

اوپر آسمان پر آوارہ بادلوں کے ٹکڑے پھیلے ہوئے تھے ایسے میں اچانک گلشن کی نظر پرانی حویلی کے دروازے پر پڑی اور وہ بری طرح چونکی۔

اس نے دیکھا کہ دروازہ آہستگی کے ساتھ کھلا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے گلشن کا دل خوف کے مارے دھک سے رہ گیا کوئی دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ دو افراد کا ہیولا تھا زرق برق لباس میں وہ دولہا دلہن کی طرح معلوم ہورہے تھے۔

مگر جب گلشن نے بغور ان کی طرف دیکھا تو اس کی گھگھی بندھ گئی۔

ان دونوں دولہا دلہن کے شانوں سے سر غائب تھے مگر وہ آہستہ آہستہ یوں بڑھے چلے آرہے تھے جیسے سب کچھ دیکھ رہے ہوں وہ دونوں سیدھی کھڑکی کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے، دور کہیں مدھم مدھم سی شہنائیاں بجنے کی بھی کوئی سنائی دے رہی تھی وہ انتہائی دل ہلا دینے والا منظر تھا۔

گلشن کو تو جیسے سکتہ ہوگیا تھا پھر نجانے اس میں کیسے یکدم ہمت پیدا ہوگئی کہ اس نے جلدی سے کھڑکی کے دونوں پٹ بند کردیئے اور گہرے گہرے سانس لینے لگی اس کا دل سینے میں بری طرح دھڑک رہا تھا کان سائیں سائیں کررہے تھے چہرے پر ٹھنڈ کے باوجود پسینے کی بوندیں نمودار ہوگئی تھیں نجانے کیوں گلشن کو اب ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جیسے آج اس کا آخری وقت ہے۔

''ٹھک ٹھک۔'' اچانک باہر سے کسی نے کھڑکی پر دستک دی۔ گلشن کا پورا وجود اب بری طرح لرزنے لگا تھا۔ اس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل پارہی تھی کہ وہ سامنے مسہری پر بے سدھ سوئے ہوئے حامد کو پکار کر جگاتی مگر گلشن نے کھڑکی نہیں کھولی اور پیٹھ کے بل بند کھڑکی کے ساتھ چپکی رہی تب پھر اچانک اس کے وجود کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور بے اختیار گلشن کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی، کسی نے باہر سے کھڑکی کو اندر کی طرف دھکیل کر کھولا تھا۔ اور جس کے زور پر گلشن چند قدم آگے لڑکھڑا کر رہ گئی تھی گلشن نے ڈرتے ڈرتے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

وہ دونوں سرکٹے دولہا دلہن کھڑکی کے قریب

موجود تھے پھر لباس سے جو دلہن محسوس ہو رہی تھی اس نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑکی کے اندر کوئی شے اچھال دی، اس کے فوراً بعد وہ دونوں وجود غائب ہو گئے۔

باہر ہر سو خاموشی اور تاریکی کا راج تھا۔

گلشن پہلے تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس شے کو دیکھنے لگی جسے سرکٹی دلہن نے اندر اچھالا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نیلے رنگ کی ڈائری تھی، گلشن کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ نیلی ڈائری اس کے ذہن میں اچانک سوال ابھرا کیا یہ وہ ہی ڈائری تو نہیں جسے حامد تلاش کر رہا تھا اس کے دل میں اب خوف کی جگہ تجسس نے لے لی۔

اس نے ایک نظر گہری نیند میں ڈوبے حامد کی طرف دیکھا پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اس نے کھڑکی بند کی اور ڈائری اٹھالی۔ پھر بیڈ روم سے نکل کر وہ ہال نما کمرے میں آ گئی یہاں ایک بلب روشن کر کے آرام دہ کرسی پر براجمان ہو گئی ڈائری کو وہ اب اچھی طرح پہچان چکی تھی وہ حامد کی ہی ڈائری تھی گلشن نے خود اس پر حامد کو لکھتے دیکھا تھا اور جس کی گمشدگی سے وہ پریشان تھا۔

گلشن نے ڈائری کھولی تو ایک تصویر نیچے آ گری ۔ گلشن نے قدرے چونک کر وہ اٹھائی ، وہ ایک مرد اور عورت کی شادی کی تصویر تھی مگر تصویر کو دیکھ کر گلشن کو ایک اور جھٹکا لگا، یہ صورتیں اسے شناسا لگیں، دونوں کے چہروں پر مسرتوں بھری مسکراہٹ تھی گلشن کے ذہن میں وہ کٹے ہوئے سر گھوم گئے۔ جن کے چہروں کے نقوش گلشن کو ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بدنصیب جوڑے اختر اور فاطمہ کی تصویر تھی۔

گلشن کا ذہن معاملات کی تہہ کی جستجو کر رہا تھا کہ اچانک اس نے دیکھا تصویر میں اس ہنستے مسکراتے نئے نویلے جوڑے کے سر شانوں سے غائب ہو گئے گلشن کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور تصویر ڈائری سمیت اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی مگر پھر دوسرے لمحے جانے کہاں سے گلشن کے اندر حوصلہ پیدا ہوا اور اس نے تصویر اور ڈائری اٹھالی، تصویر اب واپس اپنی اصلی حالت میں آ چکی تھی لیکن ایک اور چونکا دینے والا منظر سامنے تھا۔

ان کے چہرے اداس اور مغموم نظر آنے لگے تھے گلشن نے اس طرف سے اپنی توجہ ہٹاتے ہوئے ڈائری جلدی میں کھول کر پڑھنے لگی اس میں حامد کے کئے ہوئے کیسوں کی تفصیل درج تھی یہ قتل کے وہ کیس تھے جو حامد نے خود حل کئے تھے اور مجرموں کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ صفحات پلٹتے پلٹتے اچانک ایک صفحے پر اس کی نظر جم سی گئی ایک صفحے پر بڑی ہی سرخی یوں تھی۔

''اختر اور فاطمہ مرڈر کیس۔'' گلشن پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے اور پڑھنے لگی، وہ تحریر حامد کا فخریہ نامہ نہیں بلکہ اعتراف نامہ محسوس ہو رہی تھی لکھا تھا۔ ''اب تک میں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں جو بھی کیس حل کئے وہ زیادہ تر قتل کے ہی تھے۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک دن اپنے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی روداد بھی مجھے ہی لکھنی پڑے گی۔

اسے میری عجیب جبلت پر ہی معمول کرنا چاہئے کہ میں سیٹھ اسد کی بیٹی فاطمہ سے پیار کرتا تھا مگر افسوس یہ پیار یکطرفہ تھا فاطمہ مجھ سے سخت نفرت کرتی تھی میری طبیعت بھی ضدی اور خودسر تھی جب اس نے فیصل کے جواں سالہ بیٹے اختر کے سامنے میری ایک دن بھری تقریب میں بے عزتی کر ڈالی۔ تو میں نے ان دونوں کو مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا اور کچھ دنوں بعد ان دونوں کی شادی ہو گئی۔

جب وہ دونوں ہنی مون کے لئے ایک پرفضا اور قدرے ویران علاقے میں گئے تو میں نے بڑی صفائی کے ساتھ دونوں کو قتل کر ڈالا اور ان دونوں کے سر کاٹ کر دھڑ سے الگ کر دیئے تاکہ کسی کو لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔''

گلشن نے ابھی یہاں تک ہی پڑھا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک اندھیرا چھانے لگا۔ پورا ہال کمرہ اسے گھومتا دکھائی دینے لگا اس کی سانسوں کی رفتار لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی چلی گئی حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا ڈائری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔

اچانک اسے اپنے عقب سے ایک سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''اچھا تو یہ ڈائری تمہارے پاس تھی۔'' گلشن نے چونک کر دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

سامنے حامد کھڑا اس کی طرف سرد نظروں سے گھور رہا تھا، اپنے شوہر کو سامنے دیکھ کر گلشن اچانک اٹھ کھڑی ہوئی۔ غم و غصہ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

''ت...... تت...... تم...... قاتل ہو...... تم نے...... تم نے اختر اور فاطمہ کو قتل کر کے مار ڈالا۔'' غم و غصے کی شدت سے بمشکل اپنے شوہر سے بولی۔

تو حامد نے آگے بڑھ کر اس کا گلا دبوچ لیا اس کی آنکھوں سے نفرت اور غیظ و غضب کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور وہ سفاک لہجے میں بولا۔ ''اب مجھے تمہیں بھی ختم کرنا ہی پڑے گا۔''

گلشن کی آنکھوں میں یکدم دہشت عود کر آئی اور وہ اپنا گلا چھڑا کر تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف لپکی، حامد کو شاید گلشن کی اچانک مزاحمت کی توقع نہ تھی۔

وہ کسی درندے کی طرح اس کے تعاقب میں دوڑا گلشن ہذیانی انداز میں چلاتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر کی طرف لپکی اور دیوانہ وار اس کے قدم پرانی حویلی کی طرف بڑھ گئے، حامد بھی موت کا ہرکارہ بنا اس کے پیچھے دوڑا چلا آ رہا تھا۔

گلشن گرتی پڑتی حویلی کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی اور اس نے پلٹ کر جان بچانے کی خاطر دروازہ بند کرنا چاہا مگر حامد کسی زخمی درندے کی مانند دروازہ دھکیلتا ہوا اندر آ گیا۔ اور اس نے گلشن کو تھپڑ مار کر فرش پر گرا دیا۔ گلشن کے حلق سے بھیانک چیخ نکلی۔ حامد اب اس کے اوپر سوار ہو کر اس کا گلا دبانے لگا۔ ''حا...... حامد مجھے مت مارو...... میں تمہاری بیوی ہوں۔'' گلشن خوف و دہشت کے باعث بولی۔ آواز اب اس کے حلق میں دب گئی تھی اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

مگر حامد اس کو قتل کرنے پر پوری طرح کمربستہ ہو چکا تھا۔ گلشن کی داد فریاد کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

تب پھر اچانک جانے کدھر سے وہ سر کٹے انسان وہاں نمودار ہوئے...... وہ دونوں مرد اور عورت تھے جنہوں نے ہاتھوں میں اپنے اپنے سر تھام رکھے تھے وہ اختر اور فاطمہ تھے۔

ان دونوں سر کٹے اختر اور فاطمہ نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کٹے سر فٹ بال کی طرح حامد پر اچھال دیئے۔

حامد کی گرفت اب گلشن پر ڈھیلی پڑ چکی تھی، وہ دونوں کٹے ہوئے سر حامد کے چہرے سے ٹکرائے اور وہ ایک دلدوز چیخ مار کر پیچھے گرا، تب اختر اور فاطمہ کے سر، حامد کی طرف لپکے اب ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چھرے نظر آ رہے تھے، انہوں نے حامد کو فرش پر لٹا دیا تھا، حامد کو ان سروں کی گرفت سخت محسوس ہوئی۔

''حامد ہمیں پہچان، تو نے ہی ہمارا سر کاٹا تھا ناں...... اب تیرا سر بھی تیرے دھڑ سے الگ کر دیا جائے گا۔'' حویلی کے اس تیرہ و تار کمرے میں کٹے ہوئے سروں کی سفاک آواز گونجی۔

ادھر گلشن بھی کچھ ہوش میں آ چکی تھی پھر اس نے ایک روح فرسا منظر دیکھا، ان دونوں کٹے ہوئے سروں نے حامد کو ذبح کر کے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا تھا۔

حویلی حامد کی خرخراتی چیخوں سے گونج رہی تھی اس کا سر کے بغیر دھڑ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا، سارے فرش پر خون ہی خون پھیل گیا تھا۔

گلشن اس دہشت ناک منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئی۔

کچھ روز بعد ایک قبرستان میں حامد کو دفنایا جا رہا تھا اور آس پاس افسردہ سے کھڑے دیگر لوگوں میں گلشن بھی کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ اس کا بیٹا کریم بھی غمگین کھڑا اپنے والد کو غمزدہ نظروں سے دفن ہوتا دیکھ رہا تھا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

تو کس طرح سے یہ احسان مگر اتارے گا؟
عطا کرے گا جو دستار، سر اتارے گا
وہ چاہتا تھا کہ "کاسہ" خرید لے میرا
میں اس کے "تاج" کی قیمت لگا کے آیا تھا
(انتخاب: دعاعالم بخاری.....بصیرپور)

ہجر لازمی ہے تو پھر وصال کا وعدہ کیسا
یوں خزاں رت پہ پیاروں کا لبادہ کیسا
زخم دے کر نہ تم درد کی شدت پوچھو
درد تو درد ہے تھوڑا کیسا زیادہ کیسا
(شاہد رفیق سہو.....کبیروالا)

ایک مدت کے بعد ملی آزادی قید سے محسن
پر قسمت دیکھو جب آزادی ملی پنجرے سے پیار ہوگیا!
محسن اسے کہنا میں بھی تلاش میں ہوں
کوئی تم جیسا ہو مگر بے وفا نہ ہو!
(محسن علی طالب.....ساہیوال)

یہ عنایت بھی کم نہیں میرے ہرجائی کی
زخم دیتا ہے مگر دام نہیں لیتا ہے
درد تو رکنے کا اب نام نہیں لیتا ہے
صبر سے دل بھی میرا کام نہیں لیتا ہے
(بلقیس خان.....پشاور)

میرا بس چلے تو تجھے اس طرح مصروف کروں اپنی محبت میں
کہ تجھے سانس تک نہ آئے میری یاد کے بغیر
(شہریار عزیز.....کوٹھا کلاں)

دل اک کتاب ہے پڑھ کر تو دیکھئے
دل اک شیشہ ہے چہرہ تو دیکھئے
دل اک راستہ ہے اس پر چل کے تو دیکھئے
دل تو دل ہے پر دل سے دل ملا کے تو دیکھئے
(طارق عزیز.....کوٹھا کلاں)

تیرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
بکھر چکا ہوں تیرا انتظار کرتے ہوئے
میں بھی خوش ہوں کوئی اس سے جا کے کہہ دینا
اگر وہ خوش ہے مجھے بے قرار کرتے ہوئے
(عثمان غنی.....پشاور)

اک شام تنہا رو رہے تھے ہم
چاند کو دیکھ کر آنچل بھگو رہے تھے ہم
چاند کی نظر جو ہم پر پڑی تو پوچھ بیٹھے
کیوں تنہا رو رہے ہو، اے دوست؟
(مس فوزیہ کنول.....کنگن پور)

کبھی چاند سے ابھر کے کبھی چاندنی میں ڈھل کے
تیرا حسن چھیڑتا ہے، مجھے رخ بدل بدل کے
گھنی زلفوں کے سائے میں چمکتا چاند سا چہرہ
تجھے دیکھوں تو کچھ راتیں سہانی یاد آتی ہیں
(محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

شہروں سے اکتائے تو آئے جنگل میں
یادوں کے کچھ شہر بسائے جنگل میں
(ثوبیہ محمود.....کراچی)

وہ کون لوگ ہیں یارب جنہوں نے پالیا تجھ کو
ہمیں تو ہوگیا دشوار ایک انسان کا ملنا
(فوزیہ محمود.....کراچی)

مجھ کو رلا کے وہ بھی رویا تو ہوگا
چہرا آنسوؤں سے ان سے دھویا تو ہوگا
اگر نہ کیا حاصل کچھ ہم نے پیار میں
تو کچھ نہ کچھ اس نے بھی کھویا تو ہوگا
(زبیدہ.....حیدرآباد)

بہتے ہیں تیری یاد میں یوں آنکھ سے آنسو
جیسے کوئی ساون کی گھٹا ٹوٹ کر برسے
(فوزیہ.....سکھر)

چلتا تھا کبھی ہاتھ میرا تھام کر جس پر
کرتا ہے وہ بہت یاد رستہ اسے کہنا
امید نہ رکھے وہ کسی اور سے ہرگز
ہر کوئی محبت نہیں کرتا اسے کہنا
(مسکان فاطمہ.....کنگن پور)

☆☆

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

در نبیؐ پہ یہ عمر بیتے، ہو ہمیں پہ لطف دوام ایسا
مدینے والے کہیں مقامی، ہو ان کے در پہ قیام ایسا
لبوں پہ نام نبیؐ جب آیا، گریز پا حادثوں کو پایا
جو ٹال دیتا ہے مشکلوں کو میرے نبیؐ کا ہے نام ایسا
جو غمزدوں کو گلے لگالے، بروں کو دامن میں جو چھپالے
ہے دوسرا کون اس جہاں میں، سوائے خیر الانام ایسا
مجھی کو دیکھو، وہ بے طلب ہی نوازتے جارہے ہیں پیہم
نہ کوئی میرا عمل ہے ایسا، نہ کوئی میرا ہے کام ایسا
بلالؓ تجھ پہ نثار جاؤں کہ خود نبیؐ نے تجھے خریدا
نصیب ہو تو نصیب ایسا، غلام ہو تو غلام ایسا
میں خالد اپنے نبیؐ پہ قربان، ہے جن کا خلق عظیم قرآن
ہے روشنی جس کی دو جہاں میں کہیں ہے ماہ تمام ایسا
(انتخاب: ساحل دعا بخاری.....بصیر پور)

جب کوئی دشمن نگاہیں تجھ کو دکھلانے لگے
ہم کو بے اختیار سارے دوست یاد آنے لگے
ایسا لگتا ہے تصور میں ہے اب تصویر یار
آئینے میں خود کو دیکھا اور شرمانے لگے
وقت مشکل ہو تو کوئی ساتھ یہاں دیتا نہیں
دشمنوں کو چھوڑیے اب دوست کترانے لگے
سرزمین پاک پر اب دشمن مسلط ہوگئے
جل اٹھا سارا چمن اور پھول مرجھانے لگے
جا چکے ہو دل سے تم پھر خواب میں آتے ہو کیوں
زخم سارے روح کے اب ہم کو سمجھانے لگے
وہ ہوئے کچھ بدگماں ایسے کہ دل کہنے لگا
بے خبر دنیا سے تھے اب ہوش میں آنے لگے
ذکر ان کا چھیڑ کر یاروں نے بسمل کردیا
نیں بھی اٹھنے لگی آنسو بھی آنے لگے
عشق کے دعوے بہت کرتے تھے یاران چمن واجد
دیکھ کر حالت وطن کی وہ بھی پچھتانے لگے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

جینے نہیں دیتا مجھے مرنے نہیں دیتا
وہ کام مجھے کوئی بھی کرنے نہیں دیتا
نفرت کے اندھیروں میں مجھے رکھا ہوا ہے
وہ پیار کے سورج کو ابھرنے نہیں دیتا
اس شوخ کی فطرت ہے زمانے سے نرالی
جب زخم وہ دیتا ہے تڑپنے نہیں دیتا
دن رات گزرتے ہیں تصور میں اسی کے!
خوابوں سے مجھے اپنے نکلنے نہیں دیتا!
ہر لفظ سے آتی ہے مجھے پیار کی خوشبو
اک پھول سا چہرہ مجھے پڑھنے نہیں دیتا
آجائے اگر کوئی پسند اس کو اسے وہ
رکھتا ہے سدا ساتھ بچھڑنے نہیں دیتا
کرتا ہے محبت وہ مری ذات سے لیکن
آنکھوں کے سمندر میں اترنے نہیں دیتا
(حکیم خان حکیم.....کامل پور موسیٰ)

محبت نہ سہی نفرت جتانے ہی چلے آتے
بچھڑ کر ہم بہت خوش ہیں، بتانے ہی چلے آتے
بہت خوشیاں سمیٹی ہیں گلے سے غیر کے لگ کر
منانے نہ سہی ہم کو بتانے ہی چلے آتے
ہمارے روبرو رہ کر کسی کا سوچتے رہنا
سنا کر ذکر غیروں کا جلانے ہی چلے آتے
ہماری ذات کے آتش کدے میں مسکراتے ہو
کبھی یونہی ہنسانے کے بہانے ہی چلے آتے
ہمارے دل کی دھڑکن میں اب بھی تم ہی بستے ہو
سیاہی نام کی اپنے مٹانے ہی چلے آتے.....!
(شگفتہ ارم درانی.....پشاور)

اے باد صبا جا کر کہنا اسے
وہ جو دور بہت دور رہتا ہے
کہنا اسے.....
اب بھی کوئی اپنی نیندوں کو
تیرے خوابوں سے آباد کرتا ہے
ہر روز رات کو جل تھل ہوتی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

ہیں آنکھیں اس کی
ہر صبح اس کے سپنوں کا ملبہ
گرتا ہے.....
جن راہوں سے گزرا تھا کبھی وہ
انہی رستوں پہ ہر روز آس کی
شمعیں روشن کرتا ہے.....
چونک چونک جاتا ہے ہلکی سی
آہٹ پہ بھی
ہوا کی شوخی پا سے تیرا گماں
ہوتا ہے
ہر پھول سے آتی ہے اس کو خوشبو تیری
بارش کا ہر گرتا قطرہ اسے تیری یاد دلاتا
ہے.....
محفلوں میں ہو یا ہو تنہا اکثر اسے تیری
یاد آتی ہے،
تیرا ہجر مار جاتا ہے.....
اب جلد لوٹ کر آ او اے جانے والے
تیرا مریض محبت سوئے عدم روانہ ہوتا
ہے.....
اے صبا وہ جا کر کہنا اسے
وہ جو دور بہت دور رہتا ہے.....!!

(سریم شاہ بخاری.....سرگودھا)

روٹھ جاؤں تو منایا جائے
جیسے بچے کو ہنسایا جائے
سامنے صرف تیرا چہرہ ہو
نیند سے جب بھی جگایا جائے
اور اگر نیند نہ آئے مجھ کو
لے کے بانہوں میں جھلایا جائے
خواب اچھے کہ حقیقت سے کبھی
کوئی پردہ نہ اٹھایا جائے
پھول اور تتلیاں بھاتی ہیں مجھے
رنگ ان کا نہ اڑایا جائے
آج کے دور کی وحشت سے کبھی
میرے دل کو نہ ڈرایا جائے
اب بھی خانم پہ خدا کا ہے کرم
دشمنوں کو بھی بتایا جائے

(فریدہ خانم.....لاہور)

تجھ سے ملاقات کا امکاں نہیں کوئی
بھری دنیا میں پھر اپنا مہرباں نہیں کوئی
غم ہی ٹھہرے زندگی کا حاصل اے دوست
فاصلے تیرے میرے درمیاں نہیں کوئی
شام کے ڈھلتے سائے تیری یاد بھی ستائے
کڑی دھوپ میں سر پہ سائباں نہیں کوئی
وقت کے ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں لوگ بھی
جاتے ہوئے کسی نے چھوڑا نشاں نہیں کوئی
پہروں سوچتے رہے زندگی میں سکھ نہیں کوئی
زیست کی امنگیں پھر سے اب جواں نہیں کوئی
زندگی کے رنگ مہکتے دیکھتے ہیں یہاں پہ جاوید
ٹوٹے دل میں آج کل ارماں نہیں کوئی

(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

اب تو ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے
اسی لئے دل کا بھی عجب سا حال رہتا ہے
جب کبھی نہ دیکھ پائیں سراپا اس کا
دل بہت مضطرب اور بے قرار رہتا ہے
پتہ ملا جو اس کے گھر کا کہیں سے
اسی گلی میں آنا جانا لگا رہتا ہے
کیا معلوم اک دم سے سامنے آجائے وہ
آتے جاتے یہ ہی دل میں خیال رہتا ہے
مل جائے کاش اس کو بھی ہمارے حال کی خبر
بس اسی بات کا ہی تو انتظار رہتا ہے

(طارق محمود.....کامرہ کلاں)

لوٹ آؤ کہ بہار آئی ہے
پھر کلی کھلے گی!
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں جب ہوا کنگھی کرے گی

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

تو پھر وہ منظر کتنا دلفریب ہوگا
گزارش ہے تم سے کہ میرے پاس آجانا کیونکہ؟
بہار آئی ہے
اب ہر طرف خوشبو ہی خوشبو ہوگی
تجھے پانے کی بس صرف تجھے پانے کی دل میں جستجو ہوگی
مجھے پتہ ہے کہ تم مجھے سمجھ سکتے ہو حلیم
جلدی ہی لوٹ آنا کیونکہ
بہار آئی ہے
(محسن عزیز حلیم......کوٹھا کلاں)

بگڑے جو کام بھی ہمارے ہیں
اس کے غم نے سبھی سنوارے ہیں
ہم سے مل کر ہوئی خوشی اس کو
ہم جو اس کے ہی غم کے مارے ہیں
اس نے برسوں کے بعد پوچھا ہے
کیسے دن بھر کے گزارے ہیں
شعر بھی تو جگر کے ٹکڑے ہیں
جیسے بھی ہیں، ہمیں تو پیارے ہیں
کوئی بھی رات کا نہیں ساتھی
دن نکلتے ہی سب ہمارے ہیں
ڈوبتے جارہے ہیں ہم امتیاز
دوست ہمارے کھڑے کنارے ہیں
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

نہ تم ملتے ہو، نہ تمہاری خبر ملتی ہے
نہ وہ شجر ہیں، نہ وہ ثمر ملتی ہے
وقت کی دھول نے مٹادیے سب نشاں
شہر خموشاں میں نہ وہ قبر ملتی ہے
جس سے ہوں دیوانے دل شاداب
نہ جانے اب وہ کہاں ابر ملتی ہے
روگ ایسے دل کو ہیں لگے گہرے
نہ دوا ملتی ہے، نہ صبر ملتی ہے
عمر گزر گئی اسی جستجو میں انجم
زیر نہ وہ اب زبر ملتی ہے
(محمد اسحاق انجم......ننکن پور)

کچھ اس طرح سے دوستو! کار ہنر کریں
جو لوگ بے خبر ہیں انہیں باخبر کریں
راہ خدا میں آتی ہیں ہر آن مشکلیں!
شکوہ کریں خدا سے نہ دامن کو تر کریں
رہزن سبھی ہیں لوگ کوئی رہنما نہیں
ہم زندگی کے دشت میں کیسے سفر کریں
مٹ جائیں گے ہم دشمنوں سے ڈر گئے اگر
سب کے دلوں سے دوستو! ہم دور ڈر کریں
اپنی انا کے خول سے دیکھیں نکل کے ہم
مجبور ہیں جو لوگ ہم ان پہ نظر کریں
آئے نہ اس کی زد میں کوئی بے گناہ کبھی
تلوار دشمنوں کے لہو سے ہی تر کریں
گزریں گے دن ہمارے مسرت سے پھر شفیق
ذکر خدا سے ہم اگر آباد گھر کریں
(محمد شفیق اعوان......حضرو ضلع اٹک)

فضا میں کرتے ہیں پرواز طائروں کی طرح
سفر میں رہتے ہیں ہم تو مسافروں کی طرح
ہے شکوہ جو رکا لب پہ نہ ہے رنج کا گلہ
خاموش بیٹھے ہیں محفل میں صابروں کی طرح
کبھی وہ شعلہ نظر آئے اور کبھی شبنم
بدلتے رہتے ہیں چہروں کو ساحروں کی طرح
ہمیشہ فکر ہے نقصان و فائدے کی انہیں
تعلقات وہ رکھتے ہیں تاجروں کی طرح
میں عاجزوں کی طرح جب سوال کرتا ہوں
جواب دیتے ہیں مجھ کو وہ آمروں کی طرح
رہ حیات میں چھپ چھپ کے رہنماؤں نے
ہزاروں قافلے لوٹے ہیں رہزنوں کی طرح
ترے دیار میں حدت سے طالبان کرم
جلے ہوئے ہیں پریشان خاطروں کی طرح
وہی ہیں مطلع و مقطع کلام جوہر میں
دلوں پہ وار جو کرتے ہیں ماہروں کی طرح
(شاہد رفیق سہو......کبیر والا)
☆☆

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

زندگی میں دکھ ملے شام و سحر
پوچھنے والی نہیں کوئی نظر
چل رہا ہوں راستوں میں بے خبر
جل رہا ہے دھوپ میں خون جگر
زندگی پھر زندگی بن جائے گی
وہ عنایت کی اگر کردے نظر
کیا سنائیں گے حدیث زندگی
یہ زمانہ پوچھ لے ہم سے اگر
وہ رہا کرکے مجھے خوش ہوگیا
قید میں جس کی رہا میں عمر بھر
وہ نہیں، دنیا نہیں، کچھ بھی نہیں
کیسے گزرے گا یہ جیون کا سفر
جو ہمیں منزل کا رانا دے پتہ
شہر میں ایسا ہو کوئی معتبر
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

وہ ایک لڑکی
جب تم میرے پاس
میرے دل کے پاس ہوتی ہو
تو
میں نہیں جانتا
میں بھی پہچان نہیں سکتا
کہ
وہ ایک لڑکی
میری زندگی میں
کتنی اہمیت رکھتی ہے
وہ مجھے اک نئی خوشی
نئی اور خوبصورت
دنیا میرے اطراف
میں میرے ساتھ
دکھائی دینے لگتی ہے
تم دیکھ رہی ہوگی
میں تمہارے ساتھ
تمہاری بانہوں میں
تمہاری گود میں
سر رکھ کر سویا ہوا ہوں
مجھے ضرورت ہے تمہاری
تم بنا سکتی ہو
میری زندگی
مکمل
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

ذرا ٹھہرو!
کہ تم سے مجھے
اک ضروری بات ہے
ادھر آؤ
کہ راستے میں کھڑے ہونا
مجھے اچھا نہیں لگتا
یہاں بیٹھو
کہ باتیں تو
ہمیشہ سے ہم
تنہائی سے ہی کرتے ہیں
ہمیں تم، اس طرح سے
مت دیکھو
نہیں تو ہم
تمہارے سامنے کچھ
کہہ نہ پائیں گے
تو ہاں بس بات اتنی ہے
چلو چھوڑو
کبھی موقع ملا
تو پھر بتائیں گے
(عثمان غنی.....پشاور)

آگ خرید کے لائی میں
آگ خرید کے لائی
دنیا واری قسمت ماری
شکلیں بدلے روز
دل کی ایک نہ چلنے دے
اور عقلیں بدلے روز
عشق کے کاروبار میں پڑ کے
اچھا نفع کمایا
گھڑی گھڑی پل کو
اپنا دل کا ماس کھلایا
تن، من، دھن، سب بیچ دیا اور
بھاگ خرید کے لائی میں
کوئل لینے گھر سے نکلی
کاگ خرید کے لائی میں
آگ خرید کے لائی میں
(بلقیس خان.....پشاور)

سحر سے شام تک جاناں.....!
تمہاری یاد کے جگنو.....
مجھے بے چین رکھتے ہیں
کبھی سونے نہیں دیتے
کبھی رونے نہیں دیتے
ان یادوں کے جگنوؤں کو
بجھانا یاد نہیں رہتا
تمہاری آس لے کر میں
ابھی تک یونہی بیٹھا ہوں
صرف ایک بار تم
لوٹ آؤ نا.....!
(سید عبادت راج.....ڈیرہ اسماعیل خان)

چرخ پہ لائے ڈیرے چاند
کردے دور اندھیرے چاند
نور کا یہ اک ہالہ ہے
روشنی کی یہ مالا ہے
رات کو شان سے ہے آتا
غائب دن کو ہوجاتا
اس کو دیکھے خوش سارے
چرخ تجھوم انھیں تارے
کاش کبھی نہ جائے یہ
یوں ہی جگمگائے یہ
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

☆☆

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

خناس

وجیہہ سحر

تیسری قسط

خوف و ہراس کی وادی میں خراماں خراماں سرگرداں دل گرفتہ دل شکستہ حالات سے پر اپنی نوعیت کی ناقابل یقین و ناقال فراموش حالات سے دو چار عجیب و غریب دل و دماغ کو مسوستی حیرت سے روشناس کراتی سوچ کے افق پر جھلمل کرتی تحیر انگیزی میں سب سے آگے ویران و اجاڑ وادی کے نشیب و فراز میں چنگھاڑتی و ہنہناتی ذہن سے محو نہ ہونے والی ایڈونچر شاہکار کہانی

اچھی کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے حیرت انگیز خوفناک حیرتناک حقیقی کہانی

توقیر نے رُخسانہ کی بات کاٹ دی۔

''میرے خیال میں ماہین ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم اس حادثہ کو بھول جاؤ۔ پہاڑی علاقے میں جانے سے حوریہ کو اچھا ماحول بھی ملے گا اور اس کا دل بھی خوش ہو جائے گا۔''

''اگر اس نے پھر کوئی ایسی ویسی حرکت کر دی تو۔'' رُخسانہ نے پریشانی سے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

ایمن نے رُخسانہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ''وہم نہ کرو ہم میں سے کوئی تم لوگوں کے ساتھ چلا جائے گا تم حوریہ کو تنہا مت چھوڑنا۔''

ظفر نے ایمن کی بات سنتے ہی توقیر کا کندھا تھپتھپایا۔ ''یار تم پروگرام بناؤ میں اور ماریہ تمہارے ساتھ چلیں گے۔''

توقیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''چلو پھر ٹھیک ہے، پروگرام بناتے ہیں، باقی رہی میری بیگم کی بات تو اسے میں منالوں گا۔''

ماہین جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی دھیمے سے لہجے میں بولی۔ ''حوریہ کی صحت کے ساتھ ہماری بھی اُمیدیں جڑی ہیں، ہمیں بھی اپنے بچوں کا پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں۔''

رُخسانہ نے اسے حوصلہ دیا۔ ''ہمت رکھو جس طرح خدا نے ہم پر کرم کیا ہے، اسی طرح وہ تمہیں بھی تمہارے بیٹے سے ضرور ملوائے گا۔ پھر میں تمہارے گھر آؤں گی مبارکباد دینے۔''

ماہین نے سر جھکائے مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔ ''خدا کرے کہ ایسا ہو۔''

توقیر نے ڈاکٹر سے حوریہ کو پہاڑی علاقے میں لے جانے کی اجازت لی۔ ظفر اور ماریہ کے ساتھ ساحل نے بھی ان کے ساتھ پہاڑی علاقے میں جانے کا پروگرام بنالیا۔ توقیر اور رُخسانہ نے جمعہ کی صبح روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔

ساری پیکنگ رُخسانہ نے رات کو ہی کر لی۔ حوریہ نے کوئی خاص خوشی کا اظہار نہ کیا، بس رُخسانہ کے کہنے پر اس نے بھی پیکنگ شروع کر دی۔ رُخسانہ کپڑے اٹیچی کیس میں رکھتے ہوئے توقیر سے مخاطب ہوئی۔ ''میں نے حوریہ سے کہا تھا کہ مجھے اپنے کپڑے نکال کے دے دو میں اٹیچی کیس میں رکھ لوں گی مگر وہ کہتی ہے کہ وہ اپنا بیگ الگ لے کر جائے گی۔''

''ٹھیک ہے اسے اس کی مرضی کرنے دو، کسی بھی معاملے میں اسے مجبور مت کرنا۔'' توقیر نے ریموٹ

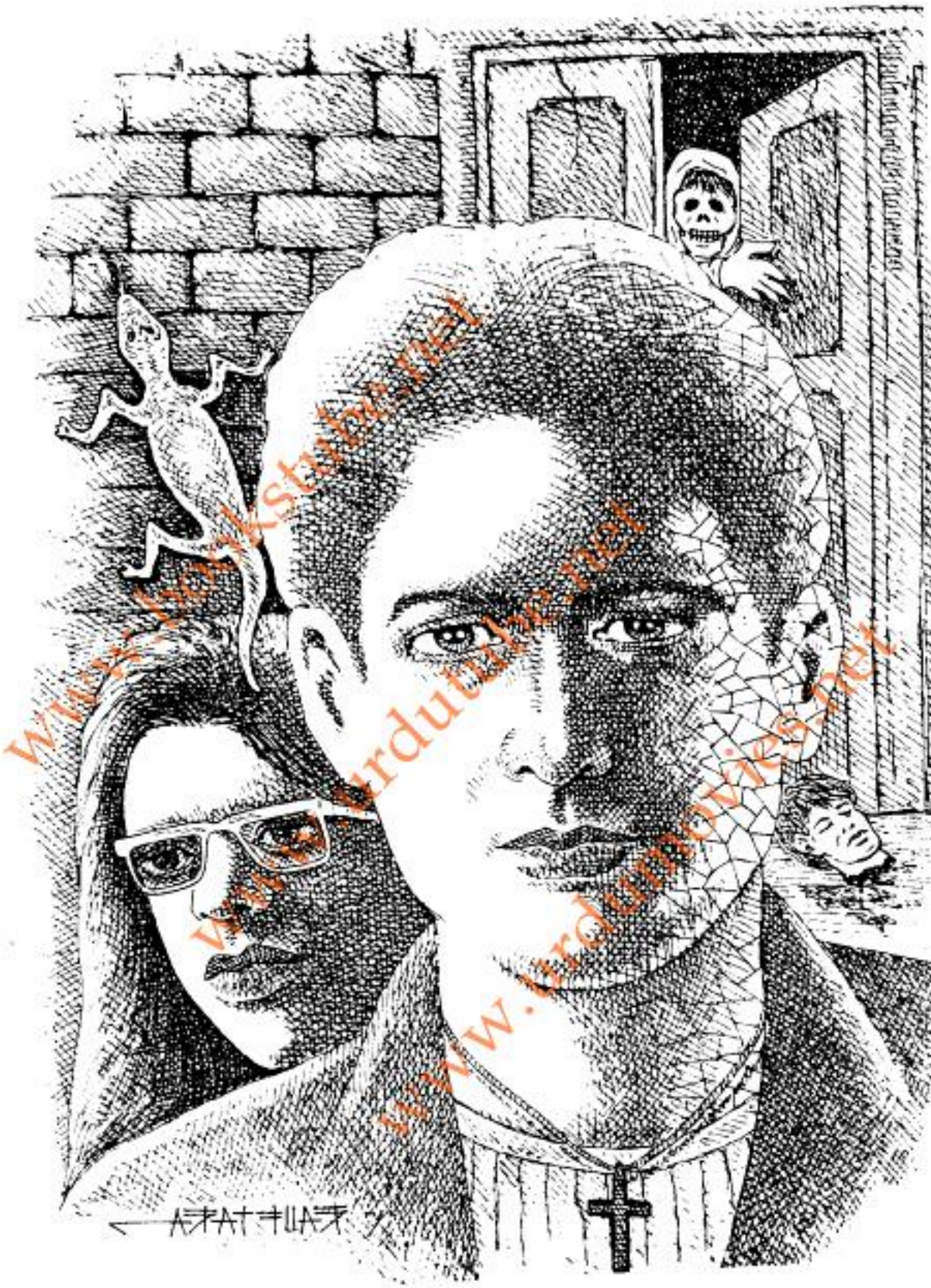

www.urdustuff.net
www.urdumovies.net

سے ٹی وی آن کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھ کر تو آؤں کہ کیا کیا رکھ رہی ہے۔'' رُخسانہ اٹیچی کیس کھلا چھوڑ کر حوریہ کے کمرے میں چلی گئی۔ حوریہ بیگ میں کپڑے رکھنے میں مصروف تھی۔

رُخسانہ اس کے قریب آئی تو اس نے حیرت سے بیگ میں رکھے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کپڑے اُٹھا کے سارے کپڑے چیک کرنے لگی۔ ''یہ کیا حوریہ! سکرٹس اور پینٹ شرٹس، تم نے تو کہا تھا کہ یہ سارے کپڑے اُٹھا کر باہر پھینک دیں، میں اس طرح کے کپڑے نہیں پہنتی، تمہارے لیے میں نے بوتیک سے سادے ملبوسات منگوائے۔''

حوریہ تیز تر آواز میں بولی۔ ''کون سے سادے ملبوسات، میں تو سکرٹس اور پینٹ شرٹ ہی پہنتی ہوں۔''

رُخسانہ کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ ''تم نے پانچ مختلف رنگوں کے سکارف منگوائے تھے جو تم دوپٹے کے ساتھ اوڑھتی تھی۔''

حوریہ دونوں ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے چڑ کر بولی۔ ''What Rubish میں اور سکارف اوڑھوں گی۔''

''حوریہ تمہاری مرضی..... بس اتنا بتا دو کہ میری مدد کی ضرورت ہے۔'' رُخسانہ نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

حوریہ نے ہینگر سے کپڑے اُتارتے ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی اور پاپا کی پیکنگ کریں میں اپنی ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لوں گی۔''

یہ سن کر رُخسانہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ جب حوریہ سو گئی تو رُخسانہ نے چپکے سے الماری سے اس کے سارے ملبوسات اُٹھا لیے اور اپنے بیگ میں ڈال لیے۔ جمعہ کی صبح ظفر اور ساحل حوریہ کے گھر پہنچ گئے۔ تقریباً سات بجے دونوں گاڑیاں کوٹھی سے باہر نکلیں، ایک گاڑی میں توقیر رُخسانہ اور حوریہ سوار تھے اور دوسری گاڑی میں ظفر ماریہ اور ساحل سوار تھے۔

پُرخطر اور پُرمزہ پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد وہ لوگ مری پہنچ گئے۔ انہوں نے ہوٹل میں کمرہ لینے کے بجائے نتھیا گلی میں دو فلیٹ دو ہفتے کے لیے رینٹ پر لے لیے۔ ان دونوں فلیٹس میں ہر طرح کی سہولت موجود تھی۔ سب سے اچھی بات تو یہ تھی کہ یہ دونوں فلیٹس بلند ترین چوٹی پر تھے جہاں سے نیچے کے مناظر بہت خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔

دونوں فیملیز اپنا اپنا سامان اُٹھائے اپنے اپنے فلیٹس میں چلی گئیں۔ دوپہر کا کھانا تو انہوں نے ہوٹل سے کھالیا تھا۔ ماریہ اور رُخسانہ نے اپنے اپنے کچن میں چائے بنائی اور سب باہر لان میں اکٹھے ہو گئے۔ پھولوں سے سجے اس لان میں تین جگہ چھ چھ کرسیوں کے سیٹ رکھے گئے تھے۔ لان کے چاروں طرف لوہے کی خوبصورت گرل تھی، جہاں سے اطراف کے نظارے دیکھے جاسکتے تھے۔

نشیبی پہاڑوں پر خوبصورت آبادی تو یوں دکھائی دیتی تھی، جیسے ہم ہیلی کاپٹر سے آسمان کی بلندیوں سے نیچے جھانک رہے ہیں۔ ان پہاڑی علاقوں میں آنے کے بعد دیکھنے والی آنکھ سے لے کر ذہن میں بکھری سوچوں کا انداز یکسر بدل جاتا ہے۔ کبھی ہم اپنے کھوئے ہوئے وجود کو پالیتے ہیں اور کبھی اپنے موجودہ وجود کو ہی کہیں کھو دیتے ہیں۔

معاشرتی مسائل کی ہمارے گرد بڑی بڑی سلاخیں ان بادلوں میں کہیں غائب ہو جاتی ہیں اور ہم کسی مست پنچھی کی طرح ان بادلوں کے قریب قریب اُڑنے لگتے ہیں۔ ظفر نے مسکراتے ہوئے توقیر کی طرف دیکھا۔ ''یار یہ دو دو کچن کا مزہ نہیں ہے، ہم ایک ہی جگہ پکاتے اور مل کر کھاتے ہیں۔''

رُخسانہ نے توقیر کی جگہ جواب دیا۔ ''ظفر بھائی! بے شک دو کچن ہوں، ہم اکٹھے ہی کھانا پکائیں گے۔''

رُخسانہ کی اس بات پر سب کھلکھلا کے ہنس پڑے۔ مگر حوریہ سب باتوں سے بے نیاز خاموشی سے چائے پی رہی تھی۔

ساحل ہاتھ میں چائے کا کپ لیے خاموشی سے

حوریہ کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ وشاء کی سہیلی ہونے کی وجہ سے وہ حوریہ سے کئی بار ملا تھا مگر جس حوریہ کو وہ اب دیکھ رہا تھا وہ حوریہ جیسے کوئی اور تھی۔

حوریہ اپنے والدین اور دوسروں کی باتوں سے بور سی ہو کر وہاں سے اُٹھ گئی اور اپنی چائے لے کر گرل کے قریب جا کے کھڑی ہو گئی۔ جہاں سے اردگرد کا نظارہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ ساحل بھی حوریہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ساحل نے اردگرد کے نظاروں کی ٹھنڈک جیسے اپنی آنکھوں میں بھر لی۔

''ان خوبصورت نظاروں کو دیکھ کر سفر کی ساری تھکان دور ہو جاتی ہے۔''

حوریہ نے طنزیہ نگاہوں سے ساحل کی طرف دیکھا۔ ''دلفریب نظارے تو حساس لوگوں کو متاثر کرتے ہیں پتھروں نے ان کی دلکشی کو کب سے محسوس کرنا شروع کر دیا۔''

ساحل نے سوالیہ نظروں سے حوریہ کی طرف دیکھا۔ ''ایسا کیوں کہہ رہی ہو.....''

حوریہ نے ہنستے ہوئے بات گول کر دی۔ ''مذاق کر رہی ہوں۔ میں تو کسی کے بارے میں بھی نہیں جانتی۔ اچھا ہی ہوا میری یادداشت چلی گئی۔ میری زندگی میں یاد رکھنے کے لیے کچھ اچھا تھا ہی نہیں۔''

چند لمحوں کے لیے تو ساحل کو یوں لگا کہ حوریہ بالکل ٹھیک ہے وہ سب کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ ساحل نے حوریہ سے کہا۔ ''کاش تم مجھے وشاء کے بارے میں بتا سکتی۔''

حوریہ نے ایک بار پھر ساحل کو تمسخرانہ انداز میں دیکھا۔ ''تھوڑا سا تو میں بتا سکتی ہوں وشاء کے بارے میں۔''

''کیا..... بتاؤ.....'' ساحل تذبذب سی کیفیت میں بولا۔

حوریہ تصورانہ انداز میں آنکھوں کو فضا میں گھمانے لگی۔ ''وہ بہت مزے میں ہے، پہلے سے خوبصورت ہے۔ اس کے پَروں میں اتنے خوبصورت رنگ ہیں کہ انسان ان میں کھو جاتا ہے۔ تم بھی بچ کر رہنا، نظر آنے والے خوبصورت رنگ کب خون کے رنگ میں بدل جاتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔''

ساحل من ہی من میں سوچنے لگا۔ ''آنٹی ٹھیک کہتی ہیں، حوریہ کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دل میں ایک اُمید جاگی تھی مگر یہ تو میرے جذبات کا مذاق اُڑا رہی ہے۔''

حوریہ نے ساحل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میں تمہارے جذبات کا مذاق نہیں اُڑا رہی، سچ کہہ رہی ہوں۔''

ساحل کے تو جیسے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ''حوریہ نے اس کا ذہن کیسے پڑھ لیا۔''

ظفر بھی اُٹھ کر ساحل کے قریب آ گیا۔ ''بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں۔''

حوریہ کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ ساحل بھی سکتے کی سی کیفیت میں خاموش کھڑا تھا۔ ظفر نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''تم سے بات کر رہا ہوں، کہاں کھو گئے ہو۔''

ساحل نے ظفر کی طرف دیکھا۔ ''انکل حوریہ میں کچھ ایسا ہے جو ہم سمجھ نہیں پا رہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ ہم سے کچھ چھپا رہی ہے جس طرح کی باتیں اس نے مجھ سے کیں، مجھے لگتا ہے کہ کوئی بہت بڑا راز ہے۔''

''ایسا کیا کہہ دیا حوریہ نے.....'' ظفر نے پوچھا ساحل نے ظفر کو ساری بات بتائی اور بے چینی سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دینے لگا۔

''اس نے میرا ذہن پڑھا، یہ ٹیلی پیتھی ہے۔ یہ عمل یا تو کوئی ذہین انسان کر سکتا ہے یا پھر کوئی روح جو ہمارے جسم کے آر پار جا کے ہماری سوچیں پڑھ لے۔''

ظفر نے بے یقینی کی کیفیت میں کہا۔ ''یہ محض اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے..... پھر بھی تم حوریہ کے ساتھ زیادہ وقت گزارو۔ اس نے پہلی بار کسی سے باتیں کی ہیں۔ اس طرح ہمیں اس کی ذہنی حالت کا بھی اندازہ ہو

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

جائے گا۔"

ظفر جا کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مگر ساحل اُدھر ہی کھڑا سوچ میں ڈوب گیا کچھ دیر گپ شپ کے بعد سب آرام کے لیے اپنے اپنے فلیٹس میں چلے گئے۔ سفر کی تھکاوٹ تھی کچھ دیر آرام بہت ضروری تھا۔ عصر کی نماز کے بعد سب دوبارہ باہر آ گئے۔ سب نے جوگرز پہنے ہوئے تھے، ان کا واک پر جانے کا پروگرام تھا۔

شام کے وقت سردی بڑھ رہی تھی اس لیے سب نے گرم کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ جیکٹس اور جرسیاں بھی پہنی ہوئی تھیں حوریہ نے خوبصورت فراک کے اوپر کوٹ پہنا ہوا تھا اور اوپر گرم شال اوڑھ لی تھی۔ وہ سب لان سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ چلتے چلتے رُک گئے۔

ان کے فلیٹ کے ساتھ والے فلیٹ کے قریب ایک گاڑی کھڑی تھی۔ ایک لڑکا اور لڑکی اس میں سے اپنا سامان نکال رہے تھے۔ شاید وہ نو بیاہتا جوڑا تھا۔ دبلی پتلی لڑکی نے ان کی طرف دیکھا تو مسکرا دی۔ رُخسانہ اور ماریہ نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ سے ہیلو کا اشارہ کیا اور پھر وہ لوگ واک کے لیے نکل گئے۔

"یہ لوگ بھی ہماری طرح آج ہی آئے ہیں۔ ان سے بھی گپ شپ لگائیں گے۔" رُخسانہ نے ماریہ سے کہا۔

ظفر کو فوراً موقع مل گیا۔ "توبہ ہے یہ عورتیں گپیں مارنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔"

ماریہ نے فوراً جواب دیا۔ "اور آپ خواتین کو ٹوکنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔" تو قیر نے ظفر کا ہاتھ کھینچا۔ "آگے بھی دیکھو یار! کسی کھائی میں نہ گر جانا۔"

سب سے پیچھے رُخسانہ اور ماریہ تھیں، ان سے آگے ظفر اور تو قیر تھے اور سب سے آگے ساحل اور حوریہ تھی۔

اب سڑک پر چڑھائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، سب کا سانس پھولنے لگا تھا۔ قریب ہی درختوں کے وہ ٹھہر گئے۔

"تھوڑا سا اور آگے جائیں گے اور پھر واپس چلیں گے، کیونکہ اندھیرا ہو جائے گا۔ کل صبح ان شاء اللہ اپنی اپنی گاڑیوں پر سیر کے لیے نکلیں گے۔ جو کچھ ساتھ لے کر جانا ہے، میرا مطلب ہے کھانے پینے کی اشیاء کی تیاری رات کو ہی کر لینا۔" تو قیر نے رُخسانہ سے کہا۔

کچھ دیر کے بعد وہ سب دوبارہ واک کے لیے چل پڑے اور جب واپس فلیٹ تک پہنچے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔

"ماریہ! ہم دونوں نئے پڑوسیوں سے مل کر آتے ہیں۔" رُخسانہ نے ماریہ سے کہا۔

ماریہ نے حوریہ سے پوچھا۔ "تم آؤ گی ہمارے ساتھ؟"

"نہیں میرا موڈ نہیں۔" حوریہ نے جواب دیا۔

ماریہ اور رُخسانہ دروازے سے باہر جانے لگیں تو ساحل ان کی طرف بڑھا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ تینوں ساتھ والے فلیٹ میں گئے تو دونوں میاں بیوی ان کی آمد پر خوش ہوئے۔

وہ سب لیونگ روم میں ہی بیٹھ گئے۔ ماریہ نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام مہک ہے اور یہ میرے Hasband تابش ہیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ماریہ بھی مہک سے مخاطب ہوئی۔ "کتنا عرصہ ہوا ہے شادی کو؟"

"چار ماہ ہوئے ہیں۔ آپ سب آپس میں رشتہ دار ہیں؟" مہک نے پوچھا۔

ماریہ نے رُخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان کے شوہر تو قیر اور میرے شوہر ظفر آپس میں گہرے دوست ہیں اور ساحل میری نند کا بیٹا ہے۔" ساحل اور تابش بھی کافی دیر اچھی گپ شپ میں مصروف رہے۔

"کل کا کیا پروگرام ہے۔" ساحل نے تابش سے پوچھا۔

"کل کا ہمارا بھوربن کا پروگرام ہے۔ آپ لوگ

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

بھی ہمارے ساتھ ہی چلیں۔'' تابش نے کہا۔

''کل کا تو ہمارا اِدھر مری میں ہی سیر کا پروگرام ہے۔ پرسوں سوچیں گے کہ کہاں جائیں۔'' یہ کہہ کر ساحل نے جانے کی اجازت مانگی۔ وہ تینوں واپس اپنے فلیٹ میں آگئے۔

صبح جب رُخسانہ توقیر اور دوسرے لوگ لان میں بیٹھے ناشتہ کررہے تھے تو مہک اور تابش ان کے سامنے اپنی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ مہک نے ہاتھ ہلا کے خدا حافظ کا اشارہ کیا۔ ظفر نے ماریہ سے کہا۔ ''جلدی جلدی اپنے کام نبٹاؤ ہم بھی نکلتے ہیں۔''

ماریہ اُٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ ''ہم سب تو تیار ہیں بس یہ برتن کچن میں رکھ دوں۔''

رُخسانہ بھی ماریہ کی مدد کرنے لگی۔ ظفر نے ترچھی نظر سے حوریہ کی طرف دیکھا جو سب کی باتوں سے بے نیاز موبائل میں مصروف تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سب بھی سیر و تفریح کے لیے نکل گئے۔ آسمان پر سرمئی رنگ کے گھنے بادل چھا گئے تھے جس سے موسم مزید خوشگوار ہوگیا تھا۔

پہاڑوں کے نشیب و فراز پر بادلوں کو چھوتے چیڑ کے درخت بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے، ظفر اور توقیر نے مناسب جگہ دیکھ کر گاڑیاں پارک کیں اور کھانے پینے کی ہلکی پھلکی اشیاء لے کر گاڑیوں سے اُتر گئے۔

''آگے گاڑیوں کا راستہ نہیں ہے، پیدل چلتے ہیں، آگے کے مناظر دیکھنے والے ہیں۔'' ظفر نے کہا۔

ظفر نے اپنا ہینڈی کیم ساحل کو دیا۔ ساحل نے اپنے ہاتھ پر ہینڈی کیم کی پوزیشن کو سیٹ کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے پہاڑی پھولوں سے ہار اور تاج بنا بنا کر سیاحوں کو بیچ رہے تھے۔ ساحل نے مسکرا کر ان بچوں کی طرف دیکھا اور ان کی ویڈیو بنانے لگا۔

''بابو جی یہ ہار خریدو گے۔'' پٹھان بچہ ساحل کی طرف بڑھا۔

ساحل نے کچھ پیسے بچے کو دیئے اور اس سے پھولوں کا ہار لے لیا۔ جیسے ہی ساحل نے پھولوں کو چھوا، وشاء کا چہرہ اس کی نگاہوں میں جھلملا گیا۔ وہ مسکرائی تو پھولوں نے اس کا لمس محسوس کرلیا۔ اس نے پھولوں کو اپنے چہرے سے لگایا تو حوریہ کے ہنسنے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''جب کوئی تمہارے قریب ہوتا ہے تو اسے زخم دیتے ہو، اذیت دیتے ہو اور جب وہ دور چلا جاتا ہے تو اس کی یاد میں جھوٹے آنسو بہاتے ہو۔''

ساحل اور حوریہ چڑھائی پر کھڑے تھے جس کے ساتھ ہی گہری کھائیاں تھیں۔ ساحل، حوریہ کی باتوں میں محو اس کی طرف بڑھنے لگا تو گول پتھروں پر سے اس کا پاؤں پھسل گیا۔ حوریہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اوپر کھینچ لیا، وہ ایک بار پھر تضحیک آمیز انداز میں مسکرائی۔ ''میں تمہیں نہ تھامتی تو تم سیدھے نیچے کھائی میں گرتے تمہاری چیخیں نکل جاتیں، تم بہت بزدل ہو، کبھی کھائی میں چھلانگ مار کر دیکھو یوں لگتا ہے جیسے کمر سے پیراشوٹ باندھ کر ہیلی کاپٹر سے چھلانگ لگا دی ہو۔''

سنسناہٹ کا ایک جھٹکا ساحل کے وجود سے گزر گیا۔ وہ حوریہ سے کچھ کہنے لگا تو رُخسانہ حوریہ کا ہاتھ پکڑتے اسے اپنے ساتھ لے گئی۔

آسمان پر سرمئی بادلوں کی تہیں گہری ہوتی جا رہی تھیں، تھوڑی ہی دیر میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔

لوگ اس ہلکی ہلکی بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر نیشنل پارک تھا جہاں بہت سی فیملیز اپنے بچوں کو لے کر آئی ہوئی تھیں۔ پارک میں تفریح کے لیے بہت کچھ تھا۔ سوئمنگ پول، جھولے، طرح طرح کے کھانوں کے سٹال گویا کہ وہاں ہر طرح کی تفریح میسر تھی۔

پارک کی Location بھی خوب تھی۔ منزل در منزل یہ پارک پہاڑوں کی تین تہوں پر مشتمل تھا ظفر اور توقیر کی فیملیز بھی اس پارک میں آگئیں۔

ساحل نے رُخسانہ اور ماریہ کو چھیڑا۔ ''آپ جھولے نہیں لیں گی۔''

رُخسانہ نے حوریہ کی طرف دیکھا۔ ''تم اور حوریہ کیوں نہیں لیتے، حوریہ کو تو جھولے بہت پسند ہیں۔''

ساحل نے حوریہ سے پوچھا۔ ''چلو آؤ ڈریگن پر بیٹھتے ہیں۔''

حوریہ نے منہ بسور کے جواب دیا۔ ''مجھے جھولے پسند نہیں ہیں۔''

رُخسانہ اس کی طرف حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔ ''کتنی بدل گئی ہے حوریہ.....''

ماریہ نے رُخسانہ کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''موسم کو انجوائے کرتے ہیں، وہ سامنے بیٹھ کر چائے پیتے ہیں ساتھ میں گرم گرم پکوڑے بھی لیتے ہیں۔''

''چلو..... اُدھر ہی چلتے ہیں۔'' رُخسانہ نے کہا۔

میز کرسیوں کے درمیان میں بڑی سی چھتری آویزاں تھی۔ وہ سب اُدھر ہی بیٹھ گئے۔ ساحل پکوڑے اور چائے کا آرڈر دینے چلا گیا۔

''مما میں ذرا واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' حوریہ نے رُخسانہ سے کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ساحل چائے اور پکوڑے لے کر آ گیا۔ سب نے گرما گرم پکوڑے کھائے تو توقیر نے حوریہ کے بارے میں پوچھا۔ ''حوریہ کہاں ہے پکوڑے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔''

رُخسانہ نے پکوڑا اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ واش روم میں گئی ہے۔''

''اچھا ہوتا اگر وہ نئے پڑوسی بھی ہمارے ساتھ ہی آ جاتے۔'' ظفر نے کہا۔

''آپ تابش اور مہک کی بات کر رہے ہیں؟ انہوں نے تو بھوربن جانا تھا ابھی تک تو نہیں پہنچے ہوں گے۔''

ساحل کی بات سن کر ظفر نے کہا۔ ''وہ ہم سے کافی پہلے نکلے تھے، وہ بھوربن پہنچ گئے ہوں گے۔''

ظفر کا خیال درست تھا۔ تابش اور مہک بھوربن کے دلفریب نظاروں کا مزہ لوٹ رہے تھے۔ اپنی گاڑی مناسب جگہ پارک کر کے وہ دونوں لونگ ٹریک پر چل پڑے۔ بھوربن میں بارش نہیں تھی مگر بادل جیسے سیاحوں کا تعاقب کر رہے تھے۔

''مہک میرا کیمرہ دو، میں تمہاری تصویر بناتا ہوں۔'' تابش نے مہک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

مہک نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ''اوہ..... وہ تو گاڑی میں ہی رہ گیا ہے۔''

''اوہ شٹ..... اتنے مشکل راستے سے ہم اوپر تک آئے ہیں۔ اب پھر گاڑی تک جائیں۔''

''چھوڑو خیر ہے۔''

''نہیں کیمرے کے بغیر کیا مزہ، تم ایسا کرو ادھر ہی بیٹھو، کہیں مت جانا۔ میں کیمرہ لے کر آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر تابش کیمرہ لینے چلا گیا۔

وہ درخت اس طرح ملے ہوئے تھے کہ بینچ کی شکل بن گئی تھی۔ مہک وہاں بیٹھ گئی، اسی جگہ تابش اس کی تصویر بنانا چاہتا تھا۔ بڑے بڑے پہاڑوں کے نشیب و فراز میں لگے لمبے لمبے درختوں نے سورج کی روشنی لینے کے لیے جیسے پہاڑوں سے بغاوت کر دی تھی، ان کی جڑیں تو پہاڑوں میں تھیں مگر ان کے تنے مختلف اشکال میں پہاڑوں سے دور نکل گئے تھے۔

تابش پہاڑ کے غیر ہموار حصوں کو پھلانگتا ہوا تیزی سے نیچے اُتر رہا تھا۔ کافی راستہ اسی طرح کا تھا پھر ہموار سڑک آ گئی۔ اب اسے اپنی گاڑی سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے لگا کہ اچانک ایک دل کو چھو جانے والی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس کے قدم جہاں تھے وہیں رُک گئے۔

وہ سحر انگیز اور خوبصورت آواز کسی لڑکی کی تھی جو کچھ اس طرح سُر میں گا رہی تھی کہ تابش کے دل کی دھڑکنوں میں ہلچل مچ گئی تھی وہ کیا گا رہی تھی، کس زبان میں گا رہی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر کوئی ایسا سحر تھا کہ تابش سب کچھ بھول کے اس آواز کی سمت کی طرف بے اختیار بڑھنے لگا۔

اس آواز کی سمت بڑھتا ہوا وہ کسی اور جانب نکل

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

گیا۔ چیڑ کے درختوں سے بھرا پہاڑ کا یہ حصہ بالکل ویران تھا۔ تابش آواز کے پیچھے بھاگتا رہا پھر ایک جگہ اس کے قدم رُک گئے۔ گانا گانے والی لڑکی سامنے درخت کے ساتھ دوسری طرف منہ کیے کھڑی تھی۔ اس نے سفید جالی والا فراک پہنا ہوا تھا۔ اس نے تابش کی موجودگی کو محسوس کرلیا اور خاموش ہوگئی۔

تابش اس کے قریب آیا۔ ''آپ خاموش کیوں ہوگئیں، گاتی رہیں۔''

لڑکی نے تابش کی طرف چہرہ کیا۔ تابش حیرت سے بولا۔ ''آپ تو حوریہ ہیں نا، آپ یہاں کیسے؟''

ابھی تابش نے یہ سوال ہی کیا تھا کہ حوریہ کا چہرہ یک دم بدل گیا، اس کے نقوش حوریہ کے ہی تھے مگر اس کے چہرے کی رنگت میں نیلاہٹ آگئی ہونٹ سیاہی مائل ہوگئے، آنکھیں زندگی کی رونق سے بے نیاز ہوگئیں، وہ کسی خستہ حال مُردے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

موسم بھی ایک ساعت میں ہی بدل گیا، تیز آندھی کے جھکڑ میں دراز قد درخت اِدھر اُدھر جھولنے لگے۔ تابش کو اس بھونچال میں عجیب عجیب سی بھیانک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ اُلٹے قدموں سے حوریہ سے پیچھے ہٹنے لگا۔

حوریہ نے وہی گانا گانا شروع کیا جو تابش کے لیے مسحور کن تھا مگر اب اس گانے کے بول تابش کے جسم پر خنجر کی طرح وار کررہے تھے۔ وہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ کے اذیت سے چلانے لگا۔

''بند کردو یہ آواز.....''

وہ آواز اس کے کانوں کو چیرتی ہوئی اس کی شریانوں کو کاٹنے لگی۔ اس کے کانوں سے خون بہنے لگا۔ تابش کے نہ پہنچنے پر مہک بھی اسے ڈھونڈنے نکل گئی تھی۔ اس نے گاڑی کے پاس جاکے دیکھا کہ تابش وہاں نہیں ہے۔ وہ آگے جانے کے بجائے اسی راستے کی طرف چل پڑی جہاں تابش گیا تھا، ایک عجیب سا احساس اسے اس راستے کی طرف لے گیا۔

ایک انجانے سے خوف سے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ تابش کو پکارنے لگی۔ ''تابش کہاں ہو تم.....''

وہ آگے بڑھتی رہی مگر اسے دور دور تک تابش دکھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی سریلی آواز سنائی دے رہی تھی جو اسے سحر زدہ کرے۔ اسے تابش کی کرب آمیز چیخ سنائی دی۔ وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی اس جگہ جا پہنچی جہاں تابش زندگی اور موت کے بیچ تڑپ رہا تھا۔ اس نے تابش کو اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

تابش کا پورا وجود خون میں لت پت تھا۔ ''تابش! یہ تمہیں کیا ہوگیا۔'' مہک پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ تابش کو کھینچنے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں تمہیں اس طرح مرنے نہیں دوں گی۔''

تابش اسے خود سے دور کررہا تھا۔

''مجھے بچانے کی کوشش مت کرو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ادھر بدروح کا راج ہے وہ تمہاری جان بھی لے لے گی، تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

مہک نے سہمی سہمی نظروں سے اوپر دیکھا تو اس کے سامنے کوئی لڑکی تھی جس کا جسم ہوا میں معلق تھی۔ مہک نے اس کے بگڑے ہوئے چہرے میں حوریہ کا چہرہ ڈھونڈ لیا۔ وہ کانپتے لبوں سے بولی۔

''حوریہ.....''

حوریہ کا نام لینا ہی اس کی موت کی وجہ بن گیا۔ تابش کو خون کی اُلٹی آئی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہک کو چھوڑ کے چلا گیا۔

حوریہ نے مہک کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ کسی سیاح کو ان دونوں کی نعشیں ملیں تو اس نے لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔ اُدھر رخسانہ اور توقیر پارک میں حوریہ کو ڈھونڈ رہے تھے۔ ساحل، ظفر اور ماریہ بھی حوریہ کو ڈھونڈ رہے تھے۔

ابھی وہ اسے پارک میں ہی ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ منزل در منزل پارک کافی بڑا تھا۔ کافی دیر تک واش روم سے نہ آنے پر جب رُخسانہ نے واش رومز چیک کیے تو حوریہ وہاں نہیں تھی، سب اپنا کھانا پینا چھوڑ کر پریشانی کے عالم میں حوریہ کی تلاش میں نکل گئے تھے۔

کسی گھنی باڑ کے قریب کھڑی ہو کے رُخسانہ چلانے لگی۔
''تو قیر ادھر آؤ.....''

تو قیر دوڑتا ہوا رُخسانہ کی طرف بڑھا۔ گھنی باڑ کے قریب کیاری میں حوریہ بیہوش پڑی تھی۔ تو قیر نے حوریہ کو کیاری سے باہر نکالا اور اس کے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے، اس نے دھیرے سے سر ہلایا۔ پھر تو قیر نے اس کی ناک اپنے ہاتھ سے بند کر دی، سانس میں گھٹن ہوتے ہی اس نے منہ کھول کر تیز سانس لیا جس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔

تو قیر نے ساحل کو فون کیا اور حوریہ کے بارے میں بتایا۔ ساحل، ظفر اور ماریہ بھی اُدھر ہی آ گئے۔ انہوں نے حوریہ کو جوس پلایا۔ وہ حوریہ کو لے کر اسی ٹیبل پر بیٹھ گئے جہاں وہ پہلے بیٹھے تھے۔

O.....O

تابش اور مہک کے سامان کی تلاشی لی جا رہی تھی جس سے ان کے وارثوں کا کچھ علم ہو سکے۔ ساحل نے تابش کو اپنا کارڈ دیا تھا جس میں اس کا موبائل نمبر بھی تھا۔ ایک شخص نے ساحل کا موبائل نمبر ملایا۔ اس نے ساحل کو ساری بات بتائی۔ ساحل کا سر چکرا کے رہ گیا۔

ساحل نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ ''ہم ابھی پہنچتے ہیں۔''

''کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو اور کہاں جانے کی بات کر رہے ہو۔'' ظفر نے پوچھا۔

ساحل نے انہیں اشارہ کیا اور حوریہ سے دور چلا گیا۔ ظفر اُٹھ کر اس کے پاس چلا گیا۔ تو قیر اور ماریہ نے ساحل کو اس طرح پریشان دیکھا تو وہ بھی اس کے پاس چلے گئے۔

تو قیر نے ساحل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''کیا بات ہے۔''

ساحل نے جبیں پیائی کرتے ہوئے سر کو بے چینی سے اِدھر اُدھر ہلایا۔ ''تابش اور مہک کا قتل ہو گیا ہے۔''

سب کی سانسیں ان کے حلق میں ہی اٹک کے رہ گئیں۔ ''مگر کیسے.....'' رُخسانہ نے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''ابھی یہ بتانے کا وقت نہیں ہے۔ تم حوریہ کو لے کر فلیٹ پہنچو اور رُخسانہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں اور ساحل بھور بن کی طرف نکلتے ہیں۔'' ظفر نے کہا۔

ساری خوشی دل سوز غم میں بدل گئی۔

تو قیر خواتین کو لے کر وہاں سے نکل گیا۔ ظفر اور ساحل بھور بن کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ جائے حادثہ پر پہنچے تو تابش اور مہک کی خون میں لت پت لاشیں دیکھ کر ان کے دل بھنچ کے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں یہ کربناک نظارہ دیکھ نہ پا رہی تھیں۔ پولیس نے نعشوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

پولیس انسپکٹر نے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا۔
''آپ ان کے کون ہیں؟''

''ہم ان کے رشتے دار نہیں ہیں۔ ان کا اور ہمارا تعلق بس اتنا ہے کہ ہم اور یہ کل ایک ہی ون تھیا گلی کے فلیٹس میں شفٹ ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی میتوں کو ان کے فلیٹ میں لے جایا جائے۔ فلیٹ کے مالک سے ان کے ایڈریس کا علم ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے۔ ان کے گھر والوں کے پہنچنے کے بعد ہی آپ قانونی کارروائی کیجیے گا۔''

ظفر کی بات سن کر انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔
''دیکھتے ہیں، فی الحال تو میتوں کو ان کی رہائش گاہ تک پہنچانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ اگر ان کے ورثاء جلدی پہنچ گئے تو ٹھیک ہے ورنہ لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی جائیں گی۔''

ظفر اور ساحل دل کو مضبوط کر کے لاشوں کے قریب بیٹھ گئے۔ ساحل کی پیشانی پہ شکنیں اُبھر آئیں اس نے ابروئیں سکیڑتے ہوئے ظفر کی طرف دیکھا۔ دونوں کی ناک اور کان سے خون بہہ رہا ہے اور منہ سے یقیناً انہیں خون کی اُلٹی آئی ہے۔ ان کا جسم خون میں لت پت خون کے بہہ جانے سے ہوا ہے۔

ان کی دماغ کی شریان پھٹی ہے یا کیلپری سسٹم

بلاسٹ ہوگیا ہے مگر ان کے جسموں پر چاقو یا گولی کا کوئی نشان نہیں ہے۔ ان کے مرنے کی کوئی طبی وجہ بھی تو ہوسکتی ہے۔"

ظفر نے مہک کی لاش کی طرف بطور بغور دیکھا۔ "مگر دونوں کا ایک ہی طریقے سے مرنا پھر ان کے چہرے دیکھو، اندازہ ہورہا ہے کہ ان کی موت بھیانک ترین طریقے سے ہوئی ہے۔"

انسپکٹر نے ظفر کی بات کاٹ دی۔ "وہ تو پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتہ چل جائے گا کہ موت کیسے ہوئی ہے۔"

پھر انسپکٹر نے لاشوں کو ان کے فلیٹ تک پہنچانے کا بندوبست کیا۔

ظفر نے فلیٹ کے مالک سے تابش اور مہک کے گھر والوں کا پتہ معلوم کیا اور پھر انہیں سارے معاملے سے آگاہ کیا۔ تابش اور مہک کی لاشیں ان کے فلیٹ تک پہنچادی گئیں۔

حوریہ کے علاوہ سب ساحل، ظفر، توقیر اور ماریہ رُخسانہ ان کے فلیٹ میں ہی تھے۔ جو فلیٹ پیار بھری مسکراہٹوں سے مہک رہا تھا اب وہاں سسکیوں کی سرسراہٹیں تھیں۔ تابش اور مہک کے گھر والوں کے پہنچنے پر پورا فلیٹ درد میں ڈوبی ہوئی چیخ وپکار سے گونج اُٹھا۔

رُخسانہ، ساحل کے پاس آئی۔ "حوریہ فلیٹ میں بالکل اکیلی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو، توقیر اور ظفر اِدھر ہی ٹھہر جائیں گے۔"

ساحل ظفر کو بتا کر رُخسانہ کے ساتھ فلیٹ سے باہر آگیا۔ رُخسانہ دھیمے دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے ساحل سے باتیں کررہی تھی۔ "ہمارے اردگرد بہت عجیب سے واقعات ہورہے ہیں۔ ایمن اور وینا کی عجیب عجیب سی باتیں، وینا کا منگنی کے روز فواد کو دیکھنا۔ ایمن کی الماری سے فواد کا سوٹ غائب ہوجانا اور پھر اسی لباس میں وینا کو فواد کا نظر آنا، وینا کے کہنے کے مطابق فواد سیاہ دھویں کی شکل میں تحلیل ہوگیا۔ وقار نے بھی ہال میں ہوا میں سیاہ دھویں کی بدلی سی دیکھی۔ شمعون اور اس کے دوستوں کا پُراسرار انداز میں قتل، حوریہ کے دو دو روپ اور اب یہ قتل۔"

"حوریہ کا اس طرح ملنا بھی ایک پُراسرار بات ہی ہے۔" ساحل نے کہا۔

"کیا مطلب....." رُخسانہ نے پوچھا۔

"آنٹی آپ میری بات کا بُرا نہ منانا، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے حوریہ کو سب یاد ہے وہ سب جانتی ہے۔ وہ ہم سب کو بیوقوف بنارہی ہے۔" ساحل نے بغیر سوچے سمجھے دل کی بات کہہ دی۔ رُخسانہ نے چلتے چلتے رُک گئی۔

"ایسا نہیں ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے مگر جو بات میرے مشاہدے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ حوریہ کے دو روپ ہیں، کبھی ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مذہبی، خوش اخلاق سلجھی ہوئی لڑکی اس میں آبستی ہے اور کبھی وہ انتہائی موڈی لڑکی کے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔"

"ان میں سے آپ کی حوریہ کا روپ کون سا ہے۔" ساحل نے پوچھا۔

"میری حوریہ ماڈرن خیالات کی مالک تھی۔ مگر اس کی جدت پسندی نے اسے گمراہ کردیا تھا۔ میں اس حوریہ میں اپنی حوریہ کو ڈھونڈ رہی ہوں، ایک بار حوریہ کی یادداشت واپس آجائے، میں اسے پھر گمراہ ہونے نہیں دوں گی۔"

باتیں کرتے کرتے وہ دونوں اپنے فلیٹ کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔ حوریہ باہر لان میں درخت کے قریب کھڑی کسی سے باتیں کررہی ہے۔ ساحل نے رُخسانہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا انجیر کے درخت کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ رُخسانہ بھی اس کے ساتھ درخت کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ حوریہ کی آواز بدلی ہوئی تھی، آواز نسوانی ہی تھی مگر تھوڑی موٹی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اور لڑکی بول رہی ہے۔

وہ کسی سے باتیں کرنے میں مشغول تھی جبکہ سامنے کوئی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ رونے کی، چیخوں کی آوازیں سن رہے ہو۔ مجھے یہ

آوازیں ترنم جیسی لگتی ہیں، میرا ان آوازوں پر رقص کرنے کو دل چاہتا ہے۔ آج میری طاقت بڑھ گئی ہے۔ مجھے اندھیرا بہت پسند ہے۔ دن کی چلچلاتی روشنی میں میرا دم گھٹتا ہے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے تو مجھے جیسے نئی سانسیں ملتی ہیں۔ سجے ہوئے کمرے نہیں اچھے لگتے۔ مجھے تو رنگ اُتری ٹوٹی پھوٹی دیواریں، اُجڑے ہوئے خالی درخت، زنگ آلود دروازے اچھے لگتے ہیں۔ تم بھی تو کچھ کہو فواد! صرف میں ہی بولتے جارہی ہوں۔''

پھر وہ مسکراتے ہوئے جیسے کسی کی باتیں سننے لگی۔

رُخسانہ چکرا کے رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ حوریہ پیچھے پلٹ کر دیکھتی، ساحل اور رُخسانہ وہاں سے دبے پاؤں چلے گئے۔ اندر فلیٹ میں جاتے ہی رُخسانہ نے پانی مانگا۔ ساحل نے اسے پانی دیا۔ رُخسانہ نے لب تر کیے اور بولی۔

''ساحل..... حوریہ یہ کیسی باتیں کررہی تھی۔ اور تم نے سنا اس نے فواد کا نام لیا میں یہ سب باتیں توقیر کو بتاؤں گی تو وہ صرف یہ کہیں گے کہ حوریہ ذہنی مریض ہے۔''

ساحل تذبذب سی کیفیت میں ٹہلنے لگا۔ ''انکل توقیر حقیقت سے دور بھاگ رہے ہیں۔ میں ان سے بات کروں گا۔ جو باتیں حوریہ کررہی تھی ان کے پیچھے کوئی ایسا راز ہے جس کے افشا ہوتے ہی کئی دوسرے رازوں پر سے پردہ ہٹ جائے گا۔ اس وقت سب سے قابلِ غور بات یہ ہے کہ حوریہ نے فواد کا نام لیا جبکہ وہ کہتی ہے کہ اسے کچھ یاد نہیں، صرف یہی نہیں اس نے اشاروں اشاروں میں مجھ سے وشاء کے بارے میں بھی بات کی۔''

رُخسانہ نے بے چینی سے ہاتھ ہلایا۔ ''میں کچھ نہیں جانتی توقیر سے بات کرتی ہوں کہ کل صبح ہی واپس چلیں، پہلے تابش اور مہک کے قتل نے اس قدر پریشان کردیا کہ میری تو طبیعت ہی خراب ہوگئی اوپر سے حوریہ کی باتیں، میرا تو سر چکرا گیا ہے۔''

اسی دوران حوریہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے مشکوک نظروں سے رُخسانہ اور ساحل کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے اندر کمرے میں چلی گئی۔ اس نے تابش اور مہک کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا، اتنا بڑا حادثہ اس کے لیے غیر اہم تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ظفر، توقیر اور ماریہ بھی آگئے۔

''آپ لوگ تو تدفین و تکفین تک اُدھر ہی رُکتے۔''

رُخسانہ نے توقیر کی طرف دیکھا۔ توقیر نے ٹھنڈی آہ بھری اور صوفے پر براجمان ہوگیا۔ ''پولیس لاشوں کو ان کے لواحقین کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پوسٹ مارٹم کے بعد لاشوں کو یہیں اسی شہر میں دفنا دیا جائے کیونکہ پوسٹ مارٹم کے بعد لاشوں کی حالت ایسی نہیں ہوگی کہ انہیں دوسرے شہر لے جایا جائے لیکن تابش اور مہک کے لواحقین نے پوسٹ مارٹم کے لیے منع کردیا، وہ نعشوں کو اپنے شہر لے گئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے شہر میں ہی دفنایا جائے۔ دل ایسا پریشان ہوگیا ہے کہ ایک پل بھی یہاں رُکنے کو دل نہیں چاہتا، مگر حوریہ کی خاطر ٹھہرنا پڑے گا۔''

رُخسانہ نے توقیر کی بات سنی تو اس نے ساحل کی طرف دیکھا اور اسے اشارہ کیا کہ وہ حوریہ کے بارے میں بات کرے۔

ساحل، توقیر اور ظفر کے قریب بیٹھ گیا اور سرگوشی کے انداز میں ساری بات بتائی۔ تھوڑی دیر کے لیے ظفر اور توقیر جیسے سن ہی ہوگئے۔

پھر توقیر ظفر سے مخاطب ہوا۔ ''تم منفی پہلو دیکھ رہے ہو، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس پہاڑی علاقے میں آنے کے بعد حوریہ کو کچھ یاد آنے لگا ہو۔ اگر اس نے وشاء اور فواد کا نام لیا ہے تو یہ تو بہت بڑی پراگریس ہے۔''

ظفر نے توقیر کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم وہی دیکھ رہے ہو، جو دیکھنا چاہتے ہو تم میں کوئی تلخ حقیقت فیس کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ تم نے یہ نہیں سنا کہ حوریہ کس قسم کی باتیں کررہی تھی۔''

توقیر بلاتامل بولا۔ ''ایسی باتیں وہ اپنی ذہنی حالت کے سبب بھی تو کرسکتی ہے۔''

ظفر نے دائیں ہاتھ کو سیدھا اکڑاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے جو سمجھنا ہے سمجھو مگر آج سے حوریہ پر ہماری

خاص نظر ہوگی۔ جو واقعات ہمارے اردگرد ہو رہے ہیں جو غیر معمولی اور بھیانک ہیں۔ اگر ہم نے ان کی وجہ معلوم نہیں کی تو اموات کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ تم ابھی اَپ سیٹ ہو، مناسب وقت دیکھ کر میں تم سے تفصیل سے بات کروں گا اور رہی بات یہاں سے جانے کی تو ابھی ہم یہاں سے نہیں جائیں گے اچھا ہو یا بُرا حوریہ نے بولنا تو شروع کیا۔"

توقیر نے ساحل اور ظفر کی طرف خفگی بھرے انداز میں دیکھا۔ "میں تم دونوں سے کسی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ دن اور یہاں رُکنا چاہیے۔ ہمیں اس فلیٹ کو چھوڑ کر کسی ہوٹل میں کمرے لے لینے چاہئیں۔ یہاں رہیں گے تو تابش اور مہک کا خیال آتا رہے گا۔"

"جگہ بدلنے سے کیا ہوگا مجھے تو ہر جگہ موت کی سرسراہٹیں سنائی دیتی ہیں۔" رُخسانہ یہ کہہ کر رونے لگی۔

ساحل اس کے قریب آ گیا۔ "آنٹی ہمت رکھیں۔ انکل توقیر صحیح کہہ رہے ہیں۔ یہ فلیٹس سنسان میں ہیں، ہوٹل کی گہما گہمی میں شاید ہمیں بُرے خیال نہ آئیں۔ ہمیں حوریہ کو وقت دینا ہوگا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے بارے میں بتا سکے۔"

وہ سب لوگ مناسب سے ہوٹل میں شفٹ ہو گئے۔ سب نے باہر جانے کا پروگرام بنایا تو رُخسانہ نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔

"تم لوگوں نے جانا ہے تو چلے جاؤ۔ میں ادھر ہی رہوں گی۔ میرا من نہیں ہے کہیں بھی جانے کو۔"

توقیر نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔ "اگر کمرے میں بند ہو جاؤ گی تو طرح طرح کے خیالات تمہیں ستائیں گے، باہر چلتے ہیں، ہمیں اپنا ذہن بدلنا چاہیے اور یہ حوریہ کہاں ہے۔"

"وہ کپڑے بدل رہی ہے۔" رُخسانہ نے کہا کچھ دیر بعد حوریہ ڈریسنگ روم سے نکلی تو سب اسے ایک بار دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس نے قمیص شلوار کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا اور ساتھ حجاب بھی پہنا ہوا تھا۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا اور انتہائی شائستگی سے گویا ہوئی۔

"آپ لوگ تیار ہیں تو چلتے ہیں۔"

رُخسانہ نے ساحل کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا کہ وہ حوریہ کا یہ روپ بھی دیکھ لے۔ ساحل کی نظروں میں حیرانی تھی اس نے پہلی بار حوریہ کو اس روپ میں دیکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ حوریہ ہے ہی نہیں۔ توقیر نے رُخسانہ کو ساتھ جانے کے لیے منا لیا اور وہ سارے سیر و تفریح کے لیے نکل گئے۔

لونگ ٹریک پر چہل قدمی کرتے ہوئے وہ جوڑوں میں تقسیم ہو گئے ان کے پاس ایک دوسرے سے رابطے کے لیے موبائل تھے۔ اس لیے جس کو جو سائیڈ پسند آئی وہ اس طرف نکل گیا۔ ہینڈی کیم ساحل اور حوریہ کے پاس تھا۔ وہ دونوں چڑھائی کی طرف چڑھتے ہوئے کسی پہاڑ پر پہنچ گئے یہاں سے اطراف کا نظارہ بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔

ساحل ہینڈی کیم سے ویڈیو بنا رہا تھا، نچلی سڑک پر چلتے ہوئے ظفر نے اسے ہاتھ سے اشارہ دیا۔ "Take care۔"

ساحل کیمرہ پیچھے کر کے مسکرا دیا۔ اس نے حوریہ کی طرف دیکھا جو اردگرد کے نظاروں کی خوبصورتی میں محو تھی۔ ساحل نے کیمرہ اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ لو اپنی پسند کے نظارے کو اس میں محفوظ کر لو۔"

حوریہ کندھے اچکا کر انتہائی معصومیت سے بولی۔ "مجھے اسے استعمال کرنا نہیں آتا۔"

ساحل نے حیرت سے کہا۔ "کیا..... تم تو ویڈیو بنانے میں بہت مہارت رکھتی تھی.....؟"

حوریہ متذبذب سی کیفیت میں گھاس پر بیٹھ گئی۔ "پتہ نہیں میں کیا تھی اور کیا بن گئی ہوں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا۔"

ساحل نے دیکھا کہ حوریہ باتیں کرنے کے موڈ میں ہے تو وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی چیز یا جگہ دیکھ کر تمہارے ذہن میں دھندلے سے سائے اُبھرنے لگے ہوں۔"

حوریہ نے ساحل کی طرف دیکھا۔ ''امی ابو کہتے ہیں کہ میں اپنی یادداشت کھو چکی ہوں مگر میرے ذہن میں کوئی تو ایسا عکس ہو جس سے مجھے لگے کہ یہی میرے ماں باپ ہیں۔''

''تمہیں کون سی چیز اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری مدد کرسکوں۔''

ساحل کی بات سن کر حوریہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ ''مجھے ایسا لگتا ہے کہ انکل توقیر اور آنٹی رُخسانہ میرے والدین نہیں ہیں۔ وہ گھر بھی میرا نہیں ہے۔ مگر مجھے اپنے والدین اپنا گھر صاف صاف یاد کیوں نہیں آتا۔ میں کہیں کوئی لکڑی کٹتے دیکھتی ہوں تو لکڑی کے آرے کا دھندلا سا منظر میرے ذہن میں دکھائی دینے لگتا ہے۔ پھر ایک گاؤں میں کچا سا مکان، اس میں ہنسنے اور رونے کی آوازیں اور پھر کلہاڑی سے لکڑی پر ضرب لگانے کی مسلسل آوازیں میرے ذہن میں گونجنے لگتی ہیں۔ میں اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر سر پر تکیہ رکھے اس تکلیف دہ کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتی ہوں۔''

حوریہ نے اپنے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ ساحل نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''تم زیادہ نہ سوچو ادھر آئی ہو تو انجوائے کرو، واپس جائیں گے تو ڈاکٹر سے یہ ساری باتیں کریں گے۔''

حوریہ کو سمجھا کے ساحل خود سوچ میں پڑ گیا۔ حوریہ جو کچھ کہہ رہی ہے، وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حوریہ کی شخصیت کے دو پہلو اور پھر یہ باتیں ضرور، ان کے پیچھے کوئی بڑا راز ہے۔ ساحل نے حوریہ کی آنکھوں میں جھانکا جن میں وہ سفاکی نہیں تھی جو اکثر حوریہ کی آنکھوں میں نظر آتی تھی۔

''کبھی خود میں اچانک بدلاؤ محسوس کیا ہے۔''

حوریہ نے اپنے خشک لبوں کو تر کیا۔ ''ہاں اچانک ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آنے لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میں یکسر بدل گئی ہوں، پلیز آپ مجھ سے اور کچھ نہ پوچھیں میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''او کے..... آؤ آگے چلتے ہیں۔'' ساحل نے حوریہ کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑے ہونے کے لیے سہارا دیا کیونکہ پہاڑ کی سطح غیر ہموار تھی۔

○.....❖.....○

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سبحان ہوٹل کے باہر ابھی تک لوگوں کی گہما گہمی تھی۔ ظفر توقیر اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ ساحل نے بالائی منزل میں کمرہ لیا تھا۔ اس کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ بہت خوبصورت تھا۔

آسمان ٹمٹماتے ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ساحل کھڑکی کھولے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ان ستاروں کو چھو سکتا ہے اپنی اس ناممکن سی خواہش پر اسے وشاء کا خیال آ گیا۔ باہر کے نظارے اچانک غائب ہو گئے اور اس کی نظروں کے سامنے وشاء کا چہرہ چھا گیا۔ ساحل خود سے باتیں کرنے لگا۔ ''ہماری آنکھوں کے کچھ خواب بس خواب ہی رہتے ہیں کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھارتے۔'' میں نے وشاء کی خوشی کے لیے اسے ٹھکرایا اور تقدیر نے مجھ سے میری خوشیاں ہی چرا لیں۔ حوریہ کی باتیں کوئی راستہ دکھانے کے بجائے ہمیں اُلجھا دیتی ہیں۔

کیوں ہمیں کوئی نشان نہیں مل رہا۔ ہمارے ارد گرد ہونے والے واقعات کے پیچھے کوئی تلخ حقیقت چھپی ہے۔''

ایسے ہی سوچوں میں کھوئے کھوئے ساحل بستر پر لیٹ گیا۔ اسے کافی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی ہوٹل کے باہر اور مال روڈ پر لوگوں کی گہما گہمی تھی۔ رات میں بھی دن کا سا سماں تھا۔ رنگوں سے بھری ایک خوبصورت تتلی کھڑکی سے اُڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔

ساحل گہری نیند سو رہا تھا۔ چیڑ کے درختوں سے جنگلی جانوروں کی مہین سی آوازیں مل کر عجیب سا تاثر دے رہی تھیں جیسے وادی اپنے سیاہ بال کھولے ستاروں کو آنچل میں سجائے ماتھے پر چاند کی بندیا سجائے اپنی سریلی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

آواز میں گا رہی ہو۔ خوبصورت تتلی ساحل کے چہرے کے قریب اُڑنے لگی پھر اس کی دونوں بھنوؤں کے درمیان میں بیٹھ گئی۔

ساحل نے جھرجھری سی لی مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں پھر اس کی آنکھیں کوئی خواب دیکھنے لگیں۔ وہ ایک خوبصورت وادی میں ہے جہاں ہر سُو سبزہ ہی سبزہ ہے جو خوبصورت پھولوں سے بھرا ہے۔ تا حدِ نظر باغات ہی باغات ہیں۔ اس خوبصورت ماحول میں ساحل کو اپنے علاوہ کوئی دوسرا دکھائی نہیں دے رہا۔ پھر اچانک ہی پازیب کی جھنکار کی آواز اس کی سماعت سے ٹکراتی ہے۔ وہ آواز کی سمت کا تعین کرنے لگتا ہے۔

پھولوں سے بھری باڑ کے قریب ایک لڑکی دکھائی دیتی ہے۔ ساحل خود کو مالٹے کے درخت کے پیچھے چھپا لیتا ہے اور چوری چوری اسے دیکھنے لگتا ہے۔ وہ لڑکی سفید لباس میں ملبوس تھی اس نے سفید باریک کپڑے کا فراک پہنا ہوا تھا۔ اس نے بڑا سا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا اور نقاب میں تھی اس کے ہاتھ میں چار مختلف رنگوں کے پھول تھے۔ وہ اور پھول ڈھونڈ رہی تھی شاید وہ سات رنگوں کے پھول اکٹھے کرنا چاہتی تھی۔ ساحل کی جانب اس کی پشت تھی۔

پھول ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ سامنے آئی تو ساحل کی دل کی دھڑکنیں جیسے ایک بار رُک گئیں۔ یہ وہی آنکھیں تھیں جو خیال بن کر اس کی راتوں میں دیپ کی طرح جلتی تھیں۔ ساحل بے چین ہو گیا اس کے دل میں آیا کہ وہ آگے بڑھ کر اس لڑکی سے بات کرے۔ وہ ایک دو قدم آگے بڑھا تو ایک سحر انگیز نظارے نے اس کے قدم روک دیئے۔ لڑکی نے سات رنگ کے پھول اپنے بالوں میں سجائے اس کے ساتھ ہی کسی جادوئی کرشمے کی طرح اس کا سفید لباس سات رنگ کی دھاریوں والے ڈیزائن میں بدل گیا۔ اسی ساعت میں تیز ہوا چلنے لگی، درختوں کی ٹہنیاں اِدھر اُدھر جھولنے لگیں۔

لڑکی کا آنچل ہوا میں لہرانے لگا، جس سے اس کے چہرے سے نقاب اُتر گیا۔ وشاء نے پلٹ کر ساحل کی طرف دیکھا..... اس کے چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے..... اس کی آنکھوں میں ساحل کے لیے بے پناہ شکایتیں تھیں۔

اس نے بھاگنا شروع کر دیا..... ہوا بہت تیز تھی اس کا آنچل اُڑ کر ہوا میں لہرانے لگا۔ ساحل نے بھی اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔

''وشاء! میری بات تو سنو۔'' مگر وشاء ایک پل بھی رُکنا نہیں چاہتی تھی۔ بھاگتے بھاگتے وشاء کا آنچل ساحل کے ہاتھ میں آ گیا۔

جیسے ہی ساحل نے اسے تھاما وہ آنچل کسی روشنی کی طرح سات رنگوں کی قوسِ قزح میں تبدیل ہو کے ہوا میں بکھر گیا۔ ساحل نے وشاء کی طرف دیکھا تو اس کا بھی جسم کسی ہوائی وجود کی طرح سات رنگوں کی روشنی میں تحلیل ہو کے ہوا میں بکھر گیا۔

ساحل ہڑبڑا کے نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملاتے سات رنگوں والی تتلی اپنے خوبصورت پَروں کو لہرا رہی تھی۔ اس کے نازک سے پَروں میں وہی سات رنگ تھے جو خواب میں ساحل نے وشاء کے لباس میں دیکھے تھے۔

اس کی نگاہیں تتلی کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگیں۔ تتلی اُڑتی ہوئی کھڑکی سے باہر چلی گئی۔ ساحل بے چینی سے کھڑکی کی طرف لپکا۔ تتلی ہوا میں کہیں غائب ہو گئی۔ ایک عجیب سا شائبہ اس کے من کو چھو گیا۔ دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے کوئی اپنا مل کر بچھڑ گیا ہے۔

ماریہ اور رُخسانہ دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، دوسرے کمرے میں ظفر اور توقیر شطرنج کی بازی کھیل رہے تھے۔ رُخسانہ بہت پریشان تھی۔ وہ ماریہ کو حوریہ کے متعلق بتا رہی تھی۔ ''تم نے تو وہ ساری باتیں سنی تھیں نا جو میں اور ساحل، توقیر کو بتا رہے تھے۔''

''ہاں..... میں خود پریشان ہو گئی تھی۔'' ماریہ نے کہا۔

''توقیر کا خیال ہے کہ حوریہ ذہنی مریضہ ہے مگر میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خدشات آتے ہیں۔'' رُخسانہ نے کہا۔

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

ماریہ نے رُخسانہ کا ہاتھ تھاما۔ ''تم فی الحال حوریہ پر نظر رکھو، ہم چند دن ہی یہاں ہیں۔ واپس جا کے سوچیں گے کہ کیا کیا جائے خود کو پریشان مت کرو۔ میں اب چلتی ہوں ظفر سے بھی کہتی ہوں کہ اب چلیں، بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔''

رُخسانہ، ماریہ کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔ ''تم ظفر بھائی سے بات کرو...... میں ذرا حوریہ کو دیکھ کر آتی ہوں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔'' یہ کہہ کر رُخسانہ، حوریہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔

اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو حوریہ اپنے بستر پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ رُخسانہ مسکراتی ہوئی حوریہ کے قریب آئی۔ ''میری بیٹی کیا پڑھ رہی ہے۔''

حوریہ کوئی جواب دیئے بغیر کتاب پڑھنے میں مصروف رہی۔ رُخسانہ نے کتاب کی طرف دیکھا تو حیرت سے بولی۔ ''پُراسرار ناول...... تمہیں تو پُراسرار ناول پسند نہیں تھے۔''

حوریہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔ پھر اس نے گہری نظر سے رُخسانہ کی طرف دیکھا اور مہین سی آواز میں بولی۔ ''تمہاری حوریہ کھو گئی ہے ممّا! اب اسے کہاں ڈھونڈو گی، زمین میں یا آسمان میں؟''

رُخسانہ سر تا پا کانپ کے رہ گئی۔ اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔ حوریہ نے سہمی ہوئی رُخسانہ کی طرف دیکھا۔ ''کیا ہوا کچھ یاد آگیا ہی کہ یہ بات میں نے آپ سے پہلے بھی کہی تھی...... رنگ اُڑ رہا ہے، کیا وہ مُردہ لڑکی یاد آگئی۔ میں نے اس مُردہ لڑکی کے جسم میں گھس کر آپ سے بات کی تھی۔ تم گوشت کے لوگ ہوتے ہی ناسمجھ ہو تمہیں بات جلدی سمجھ نہیں آتی۔''

رُخسانہ اُلٹے قدموں سے چلتی ہوئی دیوار سے جا لگی پھر روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ ظفر، ماریہ اور توقیر ایک ہی کمرے میں بیٹھے تھے۔ ماریہ ظفر سے گھر چھوڑنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

''بس تھوڑی دیر اور پھر چلتے ہیں۔'' ماریہ ظفر کی بات پر وہیں بیٹھ گئی۔ رُخسانہ روتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ توقیر اور ظفر کھیل چھوڑ کر اس کی طرف بڑھے۔ وہ انتہائی خوفزدہ اور گھبرائی ہوئی تھی، صحیح بول نہ پا رہی تھی۔

''وہ...... وہ...... حوریہ......''

''کیا ہوا حوریہ کو......'' توقیر نے رُخسانہ کو شانوں سے پکڑا۔

اس نے اپنی خوف سے پھٹی پھٹی آنکھیں توقیر کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ''حوریہ کہہ رہی ہے کہ اس نے مُردہ لڑکی کے جسم میں گھس کر مجھ سے بات کی تھی۔''

توقیر جہاں کھڑا تھا وہیں سن ہو گیا...... کمرے میں خاموشی چھا گئی...... کمرے میں موجود سبھی لوگوں کے لب سل سے ہو گئے جیسے خوف سے سنسناتے ہوئے سائے کمرے میں منڈلانے لگے۔

توقیر نے لمبا سانس کھینچا اور پھر اوپر کی طرف دیکھا۔ ''یا اللہ یہ سب کیا ہے، ہمیں راستہ دکھا۔''

ظفر، توقیر کے قریب آیا۔ ''تم پریشان نہ ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں...... جو بھی حقیقت ہے ہمارے سامنے آجائے گی۔ پھر ہم واپس جاتے ہی کسی عامل سے رجوع کریں گے۔ حوریہ کا مسئلہ سائیکاٹرسٹ کا نہیں ہے...... اسے عامل کی ضرورت ہے۔''

توقیر خاموش ہو گیا...... اس بات کے بعد اسے بھی یقین ہونے لگا تھا کہ کوئی ایسا راز ہے جس سے وہ سب غافل ہیں۔

O...... ✥ ......O

ماریہ اور ظفر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ظفر نے ماریہ سے اپنا رشتہ نہیں توڑا تھا۔ مگر ماریہ کے لیے اس کے دل میں جو رنجش تھی، وہ رنجش بھی وہ ختم نہیں کر سکا تھا۔ وہ ماریہ کے وشاء کے ساتھ بدترین سلوک کو بھی فراموش نہ کر سکا مگر شمعون کی موت کے بعد اس احساس سے کہ اس کو اس کے کیے کی سزا مل گئی ہے اس نے ماریہ سے اپنا سلوک کچھ بہتر کر لیا تھا۔ ماریہ بھی شمعون کی موت کے بعد خاصی بدل گئی تھی۔ اس نے ظفر سے کئی بار معافی بھی مانگی لیکن ظفر اسے دل سے کبھی معاف نہ کر سکا، وہ وشاء کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور ابھی اصل حقیقت

پر پردہ پڑا ہوا تھا، اس لیے میاں بیوی کے فاصلے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

ماریہ بستر پر دراز ہوگئی اور ظفر صوفے پر اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔

ماریہ کو تھکاوٹ تھی مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ ایک عجیب سا خوف اس کے حواس پہ طاری تھا..... بے چینی سے کروٹیں بدلتے بدلتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

ظفر اپنے کام میں مصروف تھا تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ماریہ نیند سے ہڑبڑا کے اُٹھ گئی۔ ظفر اپنا لیپ ٹاپ چھوڑ کر جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ ''کیا ہوا؟''

ماریہ کا حلق سوکھ رہا تھا..... ظفر نے اسے پانی پلایا۔ ''کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے۔'' ظفر نے پوچھا۔

''ڈراؤنا خواب کیا دیکھنا، پورے ہوش و حواس میں اردگرد ہونے والے جو خوفناک واقعات دیکھ رہی ہوں، بار بار ان کا خیال سونے نہیں دیتا۔ مشکل سے آنکھ لگی تھی تو شمعون کی جلی ہوئی لاش سامنے آگئی۔''

ظفر نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ''ہاں..... اب تو مجھے بھی دہشت محسوس ہونے لگی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی شیطانی مخلوق ہمارے آس پاس ہے، وہ مختلف روپ دھار کر ہم پر حملہ بھی کر رہی ہے مگر ہم کچھ بھی نہیں کر رہے۔''

ماریہ، ظفر کے قریب ہو کے بیٹھ گئی۔ ''تمہیں یاد ہے جب تابش اور مہک کا قتل ہوا تو حوریہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھی وہ اچانک کہیں غائب ہوئی تھی اور پھر وہ ہمیں بیہوشی کی حالت میں ملی، اس وقت تابش اور مہک کے قتل کی خبر بھی ملی۔ میں تو کہتی ہوں، واپس چلتے ہیں اس سے پہلے کہ کوئی اور واقعہ ہو۔ ہمیں فوراً حوریہ کو کسی Exorcist کو دکھانا چاہیے، مزید دیر نہیں لگانی چاہیے۔''

ظفر، ماریہ کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ ''بس آپ صبح ہی توقیر بھائی سے بات کریں۔ ہم کل ہی واپس چلتے ہیں۔'' ماریہ نے کہا۔

''ابھی تم سو جاؤ، میں کل توقیر سے بات کرتا ہوں۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' ظفر نے کہا۔

ماریہ آنکھیں موند کر لیٹ گئی مگر ظفر، تابش اور مہک کی اموات کے بارے میں سوچتا رہا۔

''مجھے بھی یہ بات غیر معمولی لگی تھی کہ تابش اور مہک کے قتل کے وقت ہی حوریہ ہمارے بیچ نہیں تھی۔''

صبح ہوتے ہی ظفر نے توقیر سے بات کی اور ان سب نے طے کیا کہ دوپہر کے بعد وہ واپسی کے لیے نکل جائیں گے۔

رُخسانہ اس فیصلے سے کافی مطمئن تھی۔ وہ اور ماریہ واپسی کے لیے پیکنگ کرنے لگیں۔ پیکنگ کے بعد وہ سب سیر و تفریح کے لیے نکل گئے۔ دوپہر کا کھانا بھی انہوں نے باہر سے ہی کھایا..... تقریباً چار بجے وہ واپس ہوٹل پہنچے۔ انہوں نے ہوٹل کا بل ادا کیا اور ساڑھے چار بجے وہ ہوٹل سے واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔

کسی کے چہرے پر بھی واپسی کے لیے اُداسی کے تاثرات نہیں تھے..... سوائے حوریہ کے وہ سب ایسے تھے جیسے کسی مصیبت سے بری الذمہ ہو رہے ہیں۔ حوریہ تو جیسے خوشی اور غم ہر طرح کے تاثرات سے بے نیاز تھی۔ وہ تو جیسے اپنے آپ میں ہی اُلجھی رہتی تھی۔

قابل رشک حکمران

اورنگزیب عالمگیر مغل بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا، جس نے قرآن پاک حفظ کیا، وہ نہایت ہی سنجیدہ اور بردبار تھا، اس جیسا عبادت کرنے والا مغلوں کی تاریخ میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا، وہ ہفتے میں چار روزے رکھتا، اس کا مقبرہ بھی دوسرے بادشاہوں کے عظیم الشان مقبروں کے برخلاف سادہ جبکہ قبر کچی تھی۔

(بلقیس خان- پشاور)

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

وہ خوبصورت پہاڑوں کی وادی سے گزر رہے تھے۔ ماریہ اور رُخسانہ اس طرح سہمی بیٹھی تھیں جیسے ان پہاڑوں پر آسیب بستے ہیں جو کسی وقت ان پر حملہ کر دیں گے۔ دونوں گاڑیاں پہاڑوں کے وسط سے گزر رہی تھیں۔ سانپ جیسی لہر بیدار سڑک جس نے ایک پہاڑی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، بھول بھلیوں جیسی معلوم ہو رہی تھی۔

توقیر نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے ڈیک لگا لیا۔ توقیر کی گاڑی آگے تھی اور ظفر کی گاڑی اس سے پیچھے تھی۔ توقیر نے ونڈو سکرین سے باہر جھانکا۔ ''واہ...... کیا خوبصورت نظارہ ہے۔ رُخسانہ دیکھو کتنی خوبصورت آبشار ہے، یہاں کچھ دیر کے لیے اُترتے ہیں۔''

رُخسانہ نے کھڑکی سے باہر دیکھے بغیر نفی میں سر ہلایا۔ ''ہمیں بس کہیں نہیں رُکنا۔''

''جیسا آپ کا حکم......'' توقیر گاڑی چلاتا رہا۔ اس نے سائیڈ مرر سے دیکھا کہ ظفر نے آبشار کے قریب گاڑی روک دی۔

اب تو ان کے ساتھ گاڑی روکنا توقیر کی مجبوری تھی۔ اس نے گاڑی ریورس کی اور اپنی گاڑی ان کی گاڑی کے ساتھ ہی پارک کر لی۔ توقیر اور اس کی فیملی گاڑی سے باہر نکلے تو ظفر نے توقیر کی طرف دیکھا۔ ''یار! اتنی پیاری جگہ چھوڑ کر تم آگے بڑھ رہے تھے۔''

''دل میں تو آیا تھا کہ رُک جائیں لیکن جب واپسی کا ارادہ کر لیا ہے تو اس طرح ہمیں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔'' توقیر نے ظفر کے قریب آتے ہوئے کہا۔

ماریہ اور ساحل گاڑی سے باہر نکلے۔ ''کیا بات ہے، ان جاذب نظر نظاروں کو کون نظر انداز کر سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر ساحل گاڑی سے اپنا ہینڈی کیم نکال کر لے آیا۔

رُخسانہ اور حوریہ بھی گاڑی سے باہر آ گئیں۔ رُخسانہ نے پہاڑی کی چوٹی تک دیکھا جہاں سے تیز رفتار پانی کے دھارے کٹاؤ دار پتھروں کے نشیب و فراز سے چھن چھن کی آواز سے ٹکراتے ہوئے پورے جوش کے ساتھ گول پتھروں پر برس رہے تھے۔

''قدرت کے کرشمے دیکھو کیسے ان خشک پتھروں سے پانی کے دھارے نکلتے ہیں۔''

ظفر اور توقیر رُخسانہ کے قریب آئے۔ ''یہ پہاڑ کافی پیچھے تک پھیلا ہوا ہے، جہاں پہاڑ کے مختلف حصوں سے چھوٹی چھوٹی آبشاریں پھوٹ رہی ہیں۔''

رُخسانہ نے ساحل اور ماریہ کو پکارا۔ ''آؤ...... پہاڑ کے دوسری طرف چلتے ہیں۔''

ماریہ نے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔ ''آپ لوگ جائیں، میں اور ساحل اِدھر ہی ٹھہریں گے۔''

ساحل جو موّوی بنانے میں مصروف تھا اس نے بھی کہا۔ ''آنٹی آپ لوگ جائیں، ہم کچھ دیر بعد آتے ہیں۔''

ظفر، توقیر، رُخسانہ اور حوریہ دوسری جانب چلے گئے۔ ماریہ ساحل سے مخاطب ہوئی۔ ''جاؤ ذرا گاڑی سے موبائل تو لے آؤ۔''

''آپ میرا یہ کیمرہ پکڑیں۔ ویڈیو بن رہی ہے Stop مت کرنا بس اسی ویو پر سیٹ رکھیں۔'' ساحل ماریہ کو کیمرہ تھما کر گاڑی سے موبائل لینے چلا گیا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور موبائل ڈھونڈنے لگا۔

جس جگہ ماریہ نے بتایا تھا وہاں موبائل نہیں تھا، ہو سکتا ہے کہ ہاتھ لگنے سے نیچے گر گیا ہو۔ ساحل فرنٹ سیٹ کے نیچے ہاتھ سے موبائل ڈھونڈنے لگا۔ اسی دوران ماریہ کے پاس ایک بچی آئی جو چھ یا سات سال کے لگ بھگ تھی۔ اس نے پٹھانی فراک پہنا ہوا تھا جس پر شیشے جڑے تھے۔

''بیگم صاحب! یہ خریدیں گی، میری امی نے بڑی محنت سے بنائے ہیں۔''

ماریہ نے کیمرہ سٹاپ کیے بغیر پتھر پر رکھ دیا اور بچی کی چیزیں دیکھنے لگی، بچی کی چیزوں کو چھوئے ایک ساعت بھی نہ گزری کہ وہ بچی خوبصورت جوان لڑکی کا روپ دھار گئی۔ ماریہ کے ہاتھ سے صندل کی لکڑی کا پرس چھوٹ گیا، اس کے حلق سے بے اختیار نکلا۔ ''وشاء!''

وشاء سفید لباس میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اپنے سامنے کے دانت ماریہ کی گردن میں پیوست کردیئے۔ ماریہ کی کرب ناک چیخیں فضا میں بلند ہوگئیں۔ ساحل تیزی سے گاڑی سے باہر نکلا اور ماریہ کی طرف بڑھا۔

جونہی ماریہ کا خون وشاء کے نوکیلے دانتوں میں لگا وشاء کا سفید لباس سات رنگوں میں بدل گیا۔ ساحل کو دیکھتے ہی وہ لڑکی کسی روح کی طرح ہوا میں اُڑی اور سات رنگوں والی خوبصورت تتلی کا روپ دھار گئی۔ ساحل نے یہ منظر تو دیکھا مگر وشاء کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

اس نے ماریہ کو بانہوں کے حصار میں لے لیا اس نے اوپر دیکھا، تتلی ابھی تک ہوا میں اُڑ رہی تھی، وہ بالکل ایسی ہی تھی جیسی اسے خواب میں دکھائی دی تھی۔ پھر وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

ماریہ دم توڑ چکی تھی۔ ساحل نے ظفر کو فون کیا وہ سب دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ سب کے ہوش اُڑ گئے۔ رُخسانہ چیخ چیخ کر رونے لگی..... توقیر نے اسے سنبھالا۔ ظفر سکتے کی سی کیفیت میں ماریہ کی لاش کے قریب بیٹھا تھا۔ پچھتاوے کے احساس سے اس کا سر چکرا رہا تھا کہ کاش ہم یہاں نہ رُکتے۔

اس نے ماریہ کے چہرے پر اس کا دوپٹہ ڈال دیا اور سوالیہ نظروں سے ساحل کی طرف دیکھا جو کسی بڑے سے پتھر پر خود بھی پتھر بنا بیٹھا تھا۔

''یہ سب کیسے ہوا ساحل.....''

ساحل ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے ماریہ کی لاش کے قریب آیا اس نے ماریہ کے چہرے سے دوپٹہ اُٹھایا اور اس کے چہرے کو ترچھا کیا۔ ماریہ کی گردن پر وہی دو دانتوں کے نشان تھے جو شمعون کی لاش پر تھے۔

○.....❖.....○

زرغام اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا تھا، اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ اس کی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ کسی کی بات سن رہا ہو، بظاہر سامنے کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔ اس کا حلیہ بہت عجیب تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مختلف پتھروں کی انگوٹھیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ گلے میں سیاہ ڈوری کے ساتھ کسی جانور کی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں لٹک رہی تھیں۔

زرغام نے ہوا میں ہاتھ لہرا کر کسی کو جانے کا اشارہ کیا پھر اس نے اپنا رُخ بوڑھے شخص کی طرف کیا اور فاتحانہ انداز میں دونوں بازو پھیلائے قہقہہ لگایا۔

''واہ..... میری ویمپائرز کے تین خطرناک حملے..... اپنی اولاد کو ڈھونڈنے والے والدین اب اپنی زندگیوں کی کھوج میں نکل جائیں کیونکہ زندگیاں تو سمجھو ان کے ہاتھوں سے گئیں۔''

سامنے بیٹھے ہوئے بوڑھے شخص نے اسے اس کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تمہاری کٹھ پتلیاں ٹھیک کام کررہی ہیں، ان اموات کے بعد تو ان کی شیطانی طاقت کافی بڑھ گئی ہوگی۔ تم ان سے وہ کام کیوں نہیں لیتے جن کے لیے تم نے یہ سب کیا ہے۔''

''ان کاموں کا ابھی وقت نہیں آیا، ویسے بھی ایک پریشانی ہے جس میں مَیں اُلجھا ہوا ہوں۔''

''وہ کیا.....؟'' بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''خیام.....'' زرغام اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے فضا کو گھورنے لگا۔

''خیام..... کیا مطلب؟'' بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''میرے گیان کے مطابق فواد، حوریہ، وشاء اور خیام پر میرا عمل کامیابی سے پورا ہوا ہے۔ مگر جب سے میں نے ان چاروں کو اپنی قوتیں استعمال کرنے کا اختیار دیا اس روز سے خیام کا مجھ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ میں نے اپنے مؤکلوں کے ذریعے بھی خیام کو تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہیں چلا، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میرا عمل بھی اسے ڈھونڈ نہیں پارہا۔ میں نے اسے یہ روپ دیا اور وہ مجھے ہی بے خبر کرگیا۔''

بوڑھا شخص تمسخرانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ''تم پھر کس بات پر اپنی فتح کا جشن منا رہے ہو۔ کالا علم کرنے

والے عامل کے ایک ہاتھ میں موت اور دوسرے ہاتھ میں زندگی ہوتی ہے۔ اس کا کیا ہوا ایک غلط عمل اسے موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔ خیام کو ڈھونڈو ورنہ اپنی بربادی کی تیاری رکھو۔ یقیناً اس روز جب تم نے ان چاروں پر عمل کیا تو خیام کے معاملے میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہوگی۔ اگر اس کی ڈور تمہارے ہاتھ میں نہیں تو یہ بات بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

زرغام بوڑھے شخص کی بات پر مزید پریشان ہوگیا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، کالے علوم کی دنیا میں آپ کا تجربہ بہت زیادہ ہے میں آج رات کو چلّہ کاٹوں گا۔"

بوڑھا شخص کھڑا ہوگیا۔ "تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو بتا دینا اور یاد رکھو ایک ہمزاد کی طاقت کے آگے سینکڑوں آسیب بھی کچھ نہیں تم نے ان چاروں کے ہمزاد مسخر تو کر لیے ہیں لیکن انہیں قابو میں رکھنا بہت مشکل کام ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھے شخص نے اپنا لاکٹ اُتار کر زرغام کو پہنا دیا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

ماریہ کی لاش لے کر ظفر اور توقیر گھر پہنچ گئے تھے۔ ظفر کا بھی گھر ماتم کدہ بن گیا۔ توقیر اور رُخسانہ، حوریہ اور ساحل، ظفر کے گھر پر ہی تھے۔

یکے بعد دیگرے اموات کے سلسلے نے ان کے دماغ شل کر دیئے تھے، وہ لٹے پٹے بیٹھے تھے جیسے ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ راحت اور ردا ظفر کی ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ زبیر اور ماہین بھی پہنچ گئے تھے۔ وینا اور عارفین بھی وہاں موجود تھے۔

سب پر جیسے سکتہ طاری تھا، اس دلخراش حادثہ پر سب کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ آخری رسومات کے بعد توقیر، رُخسانہ، حوریہ اور ساحل کے ساتھ ساتھ زبیر اور ماہین بھی رات گئے تک ظفر کے ساتھ ہی رہے۔ تقریباً رات کے دو بجے وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے اگلے روز صبح آٹھ بجے انہیں قل کے لیے پھر آنا تھا۔ ساحل اپنے گھر گیا تو ظفر کا ہینڈی کیم اس کے بیگ میں ہی تھا۔

راحت اور ردا ظفر کے گھر ہی تھیں۔ ساحل کپڑے بدلے بغیر بستر پر دراز ہوگیا۔ اس کا دل جتنا شکستہ تھا، ذہن اتنا ہی اُلجھا ہوا تھا۔ واقعات اور حالات نے انہیں کیسے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔

موت ان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ ان کے اپنے ان کی آنکھوں کے سامنے لقمہ اجل ہو رہے تھے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ وار کون کر رہا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہم اپنے دفاع کے لیے لڑیں مگر کس سے۔ اسے ہینڈی کیم کیمرے کا خیال آیا کہ جس وقت وہ موبائل لینے گیا تو اس کا کیمرہ آن تھا جس وقت ماریہ کا قتل ہوا اس وقت وہ کیمرہ بڑے سے پتھر پر پڑا تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی وہ برقی سرعت سے اُٹھا اور اپنے کپڑوں کے بیگ سے کیمرہ تلاش کرنے لگا۔ کیمرہ ملتے ہی اس نے کیمرہ آن کیا، وہ ویڈیو ڈھونڈی اور پلے کا بٹن دبایا۔ آبشار کے خوبصورت مناظر کے سامنے ماریہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ساحل بہت بے چین تھا وہ خوبصورت مناظر کی ویڈیو فارورڈ کرنے لگا، اسے جو دیکھنا تھا وہ ابھی تک اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ پھر کیمرے کی تصویر بُری طرح ہلنے لگی۔ ساحل نے وہیں پر بٹن چھوڑ دیا۔ اس کی نظریں کیمرے کی سکرین پر جم گئیں، پھر جیسے کیمرہ کسی جگہ گرا اور پھر ماریہ کی طرف کیمرے کا رُخ ٹھہر گیا۔

ماریہ خوف سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فضا کو گھور رہی تھی ساحل کو اس کے آس پاس کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے چینی سے کسی دوسرے وجود کو ڈھونڈ رہی تھیں، اس بچی کو جو ایک جواں لڑکی کا روپ دھار گئی تھی، جس نے ماریہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر ساحل کی آنکھوں میں ایک ستارہ سا جھلملایا۔ وہ روشنی کا ایک ڈاٹ تھا جو ماریہ کی گردن کے قریب تھا، تھوڑی ہی دیر کے بعد ماریہ کی گردن سے خون بہنے لگا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گئی۔

روشنی کا وہ ڈاٹ فضا میں اسی جگہ اِدھر اُدھر

اُڑنے لگا جہاں ساحل نے اس تتلی کو پھڑ پھڑاتے دیکھا تھا پھر اسی تتلی کی مانند روشنی کا وہ ڈاٹ ہوا میں کہیں غائب ہوگیا۔

ساحل کے پورے جسم سے جھرجھری دوڑ گئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ لڑکی جس نے آنٹی ماریہ پر حملہ کیا اور جو بعد میں تتلی کے روپ میں بدل گئی کوئی عجیب الخلقت ہوائی مخلوق تھی جس کے وجود کو یہ کیمرہ دکھا نہیں پا رہا اور روشنی کا یہ ڈاٹ اس ماوراء وجود کی نشاندہی کر رہا ہے۔''

ساحل نے خود کلامی کرتے ہوئے اپنا سر پکڑ لیا۔ مگر وہ لڑکی تو بالکل اس لڑکی جیسی تھی جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا اس کے بھی سفید فراک میں سات رنگ کی دھاریاں اُبھر آئی تھیں مگر وہ لڑکی تو وشاء تھی کیا یہ لڑکی..... اپنے اس سوال پر اسے حوریہ کی بات یاد آئی۔ جب میں نے اس سے پوچھا۔ ''کاش تم مجھے وشاء کے بارے میں بتا سکتیں۔''

حوریہ تصورانہ انداز میں آنکھوں کو فضا میں گھماتے ہوئے بولی۔ ''وشاء بہت مزے میں ہے، پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہے..... اس کے پَروں میں اتنے خوبصورت رنگ ہیں کہ انسان ان میں کھو جاتا ہے۔ تم بھی بچ کے رہنا، نظر آنے والے خوبصورت رنگ کب خون کے رنگ میں بدل جاتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔''

ساحل کھویا کھویا سا اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔ ''میں نے حوریہ کی اس بات کو محض مذاق سمجھا مگر اس کی اس بات میں پُراسرار حقیقت پنہاں ہے، حوریہ نہ صرف وشاء کے بارے میں جانتی ہے بلکہ وہ نواد کے بارے میں بھی جانتی ہے یقیناً ان سب کا خیام سے بھی تعلق ہوگا۔ مگر یہ سب کیا وہی ہیں جو لاپتہ ہوئے تھے یہ کس روپ میں ہمارے سامنے آرہے ہیں۔''

ساحل سوچ کی بھول بھلیوں میں کھویا جا رہا تھا، پھر اچانک اسے کالے جادو کی کتابوں کا خیال آیا جو ان سب کے لاپتہ ہونے کے بعد ان کے کمروں سے ملی تھیں ساحل کی پیشانی پہ پسینہ چمکنے لگا۔ ''اوہ مائی گاڈ! یہ ساری باتیں کسی ناگہانی آفت کا پیش خیمہ ہیں۔'' اس نے جلدی سے ظفر کا نمبر ملایا۔

''انکل آپ انکل توقیر، انکل زبیر، انکل وقار کو لے کر اسی وقت میرے گھر آئیں۔''

ظفر حیرت سے بولا۔ ''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، آدھی سے زیادہ رات گزر گئی ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں کن حالات میں ہوں۔''

''انکل اس سے پہلے کہ صبح کا سورج ایک اور زندگی کا چراغ بجھا دے، ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔''

''مگر رات کے اس پہر میں ہم تمہارے گھر آ کے کیا کریں گے۔''

''انکل کوئی ہمارے راستوں پہ شکنجے پھیلا رہا ہے، ہمارے ساتھیوں کو دھیرے دھیرے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے اور ہم اپنے اس دشمن سے ناواقف ہیں، پلیز آپ ان سب کو لے کر ابھی میرے گھر آئیں، میرے پاس آپ کو دکھانے کے لیے ایک خوفناک حقیقت ہے۔''

ظفر نے لمبی سانس کھینچی۔ ''اچھا ان سب سے بات کرتا ہوں۔''

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ سب ساحل کے گھر پہنچ گئے۔ ساحل بہت گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ اس نے سب کو اپنے کمرے میں بٹھایا۔

''ایسی کیا چیز ہے تمہارے پاس جو تم نے اس وقت ہمیں یہاں بلایا ہے۔'' ظفر نے کہا۔

ساحل ان سب کے قریب کرسی رکھ کر بیٹھ گیا۔

''میں نے آپ سب کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ ایک ہی وقت میں آپ سب کے لیے جاننا بہت ضروری ہے وہ بھی بہت جلد کیونکہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو تفصیل سے بیان کرو۔'' توقیر نے کہا۔

(جاری ہے)

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

رقص اجل

شہزادہ چاند زیب عباسی

میدان میں ایک ہجوم کھڑا تھا اور جتنے بھی وہاں موجود تھے سب کے دل اپنی رفتار سے زیادہ دھڑک رہے تھے اور سب کی نگاہیں جیسے زمین میں گڑ چکی تھیں کہ پھر اچانک ایک دل دہلاتا منظر رونما ہوا۔

خودغرض اور مطلب پرستی کی ناقابل یقین اور دل و دماغ کو ٹھرا دینے والی لرزیدہ کہانی

انور واسطی اپنے عالیشان بیڈروم میں بیٹھا گہری سوچ میں مستغرق تھا سامنے موجود ایل ای ڈی اسکرین پر بہت دلچسپ پروگرام چل رہا تھا لیکن وہ اس سے بے نیاز سگریٹ پی رہا تھا۔ میز پر رکھی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں اور راکھ سے بھر چکی تھی اس کا ہلکا سا نولا رنگ سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے ڈھلکے اور زیادہ سوچ کی وجہ سے سوجے ہوئے تھے آنکھیں بے تحاشہ سرخ اور ہونٹ سیاہی مائل ہو چکے تھے۔ اس سے بے تحاشہ سگریٹ نوشی اور گہری سوچ کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ مریض عشق تھا وہ کوئی جوان لڑکا نہیں بلکہ پچاس سالہ ادھیڑ عمر شخص تھا۔ وہ واسطی انڈسٹریز کا مالک ارب پتی بزنس مین تھا۔ انڈسٹریل سرکل میں بھی اس کا نام تھا۔

بیوی کا 10 سال قبل انتقال ہو چکا تھا۔ تین نوجوان بیٹے دانش واسطی، طارق واسطی اور عادل واسطی تھے۔ جن میں سے دانش واسطی شادی شدہ اور دو سالہ بیٹے کا باپ تھا۔ اس کے علاوہ ایک بیٹی سارا واسطی بھی تھی جو شادی شدہ تھی۔ وہ اپنے کلاس فیلو قدیر پر مرمٹی تھی۔ مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھنے والا عام سا نوجوان تھا۔ جس کے والدین انتقال کر چکے تھے اور بہن بھائی کوئی نہیں تھا۔

انور نے بیٹی کی ضد سے مجبور ہو کر اس کی شادی کر دی۔ یوں قدیر گھر داماد بن کر واسطی ہاؤس میں رہنے لگا۔

انور کی اس وقت پریشانی کا سبب اس کا بیٹا دانش واسطی تھا۔ جو دن گیارہ بجے اپنی بیوی شائستہ اور دو سالہ بیٹے کے ساتھ ساحل سمندر پر تفریح کی غرض سے گیا تھا اور اب تک نہیں لوٹا تھا انور نے سر اٹھا کر وال کلاک پر ٹائم دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے پھر اس نے میز پر رکھا آئی فون اٹھایا اور دسویں بار دانش کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر پہلے کی طرح آپریٹر کی آواز سنائی دی۔ ”آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔“ وہ بیزاری سے آئی فون میز پر رکھنے ہی والا تھا کہ کسی ان کمنگ کال موصول ہوئی۔

انور نے چونک کر نمبر دیکھا یہ کوئی نیا نمبر تھا۔ ”اس وقت کس کی کال آ گئی؟“ اس نے سوچتے ہوئے کال ریسیو کی۔

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ ”انور واسطی مجھے پہچانا۔“ دس سال بعد دوبارہ سنائی دینے والی آواز اس کے ہوش اڑا گئی۔ ”بھلا مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں؟! اور اس طرح موبائل فون پر گفتگو کر سکتے ہیں۔“ اس کی سماعت دھوکہ کھا ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ اس کے مرحوم پرسنل سیکریٹری قادر کی آواز تھی جو دس سال پہلے مر چکا تھا۔ ”تت...... تم کون ہو۔“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

"ہاہاہا اتنے بھولے مت بنو انور واسطی میں اسی قادر کی روح ہوں جس کی موت کے تم ذمہ دار ہو۔ اور اس وقت بھی یقیناً جاگ رہے ہو اور سگریٹ پی رہے ہو یقیناً اس لئے پریشان ہو گے کہ بیٹا اور بہو اب تک واپس گھر نہیں لوٹے، اس پریشانی میں تم سامنے چلنے والے TV پر اپنا پسندیدہ پروگرام بھی نہیں دیکھ پا رہے لیکن اتنا جان لو کہ اب دانش واسطی زندہ واپس نہیں لوٹے گا۔ جلد ہی ساحل سمندر سے تمہیں دانش واسطی اس کی بیوی اور دو سالہ بیٹے کی لاشیں مل جائیں گی۔ اس کے بعد تمہاری دوسری اولاد کا نمبر ہے اور آخر میں تمہاری باری ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا اور خوف سے انور واسطی کا خون اس کی رگوں میں منجمد ہونے لگا اسے یہ سوچ کر ہی ڈر لگنے لگا تھا کہ قادر کی روح یہ تک جانتی تھی کہ وہ اس کمرے میں کیا کر رہا ہے۔

دس سال پہلے انور نے قادر کو کمپنی کے اکاؤنٹ سے پانچ لاکھ کا غبن کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا تھا جہاں وہ پراسرار طور پر رات کو لاک اپ میں مردہ پایا گیا پولیس کے مطابق اس نے بلیڈ سے اپنی کلائی کی رگیں کاٹ کر خودکشی کر لی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ لاک اپ میں بلیڈ اس کے پاس پہنچا کیسے جبکہ مقتول کی بیوہ کا بیان تھا کہ "اسے پولیس نے انور واسطی کے حکم پر قتل کیا ہے۔"

قادر کو گرفتار کرنے والا انسپکٹر جمال الدین کچھ عرصہ کے لئے معطل رہا پھر بحال کر دیا گیا۔

"کیا سوچنے لگے انور واسطی میں تمہیں ایک دم نہیں ماروں گا بلکہ تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ پہلے تم سے تعلق رکھنے والا ہر فرد مرے گا پھر تمہاری باری ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

انور کا ڈر اور خوف سے برا حال تھا۔ اس نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے انسپکٹر جمال کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو واسطی صاحب رات کے اس پہر کیسے یاد کیا۔" انسپکٹر کی بوجھل آواز سنائی دی۔ شاید وہ نیند سے جاگا تھا۔

"قادر کی روح نے ابھی ابھی میرے موبائل پر فون کیا ہے اور میرے بچوں کو مارنے کی دھمکی دی ہے مجھے زیادہ فکر دانش کی ہے جو گیارہ بجے دن کو ساحل سمندر پر گیا تھا اور اب تک نہیں لوٹا اس کا نمبر بھی آف جا رہا ہے۔ جمال دانش کو بچاؤ، قادر نے کہا ہے کہ وہ دانش، اس کی بیوی اور بیٹے کو ساحل سمندر پر ہی مار دے گا۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولا۔

"دھیرج رکھیے واسطی صاحب لگتا ہے کسی نے آپ سے مذاق کیا ہے۔ قادر کو مرے ہوئے دس سال گزر چکے ہیں اب تک تو قبر میں اس کی ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوں گی۔ بہرحال آپ مجھے وہ نمبر بتائیں جس سے آپ کو کال کی گئی ہے میں تفتیش کرتا ہوں۔"

انور نے اسے نمبر بتا دیا جمال کے سی پی ایل سی سے رابطے پر بتایا گیا کہ یہ سم کسی کے نام پر رجسٹر نہیں اور کال کرنے کے بعد آف کر دی گئی ہے۔"

ادھر انور کا پریشانی کے ساتھ ساتھ ڈر اور خوف سے برا حال تھا رات کے آخری پہر اس کے موبائل فون پر انسپکٹر کی کال آئی۔ "واسطی صاحب مجھے بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دینا پڑ رہی ہے کہ ساحل سمندر سے دانش اور شاہم بی بی کی لاشیں ملی ہیں جبکہ ان کے دو سالہ بیٹے کا کوئی سراغ نہیں ملا شاید اس کی لاش سمندر میں کہیں دور بہہ گئی ہے۔"

"نہیں۔" وہ چیخ پڑا اس کی دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق دونوں میاں بیوی کی موت پانی میں ڈوبنے سے واقع ہوئی تھی۔

قادر کی روح کی دھمکی کا سب کو پتہ چل چکا تھا۔ واسطی ہاؤس کے مکین خوف اور دہشت میں مبتلا تھے۔ کب اور کس وقت موت کس کو دبوچ لے کوئی پتہ نہیں تھا۔

دانش کی موت کو ایک سال بیت چکا تھا کہ انور واسطی کو اسی نمبر سے کال ریسیو ہوئی۔ "واسطی اب تیرے دوسرے بیٹے طارق واسطی کی باری ہے بچا سکتا ہے تو بچا لے۔" آواز قادر کی ہی تھی۔

انور نے فوری طور پر پولیس کو اطلاع دے دی۔

دانش کی موت کی وجہ سے معاملے کو سنجیدگی سے لیا گیا۔ واسطی ہاؤس کے چاروں طرف پولیس کا پہرہ بٹھادیا گیا۔

ادھر رات کے بارہ بج رہے تھے لیکن نیند طارق کی آنکھوں سے دور تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں صوفے پر کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ اس کے بھائی اور بھابھی کو قادر کی روح نے مار دیا تھا اور اب اسے قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ اسے بچانے کی غرض سے واسطی ہاؤس کے گرد پولیس کی بھاری نفری تعینات کردی گئی تھی لیکن کیا پولیس اسے روح سے بچاسکتی ہے؟ یہ سوچتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔

بھلا پولیس اہلکار ماورائی قوتوں کا کیا بگاڑ سکتے تھے، کچھ دیر بیٹھا رہنے کے بعد وہ اٹھا اور ٹہلنے لگا ٹہلتے ٹہلتے اس نے باہر کی سمت کھلنے والی کھڑکی سے جھانکا تین پولیس اہلکار گیٹ چوکنے کھڑے تھے جبکہ اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ وہ بے فکر ہوکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ میز پر پڑا گولڈ لیف کا پیکٹ اٹھایا سگریٹ نکالا لبوں میں دبا کر طلائی لائٹر اٹھایا اور سگریٹ سلگا کر آنکھیں موندلیں۔

اسی وقت اس کی پشت پر دیوار کے آگے لٹکے پردے کی آڑ سے کفن جیسے لباس میں ایک شخص نکلا۔ جس کے اگلے دانت ڈریکولا کی طرح لمبے لمبے اور چہرہ شت سے محروم تھا اس کی چھٹی حس نے اسے چونکا دیا تو اس نے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ کفن پوش شخص نے اپنے ہاتھ میں موجود خنجر اس کی شہ رگ پر رکھ کر پھیر دیا۔

طارق کے قتل کے ایک سال بعد ارسل، واسطی ہاؤس کی چھت پر موجود منڈیر پر جھکا نیچے دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی اس نے مڑنا چاہا مگر تب تک اسے دیر ہوچکی تھی کسی نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا تو وہ چیختا ہوا واسطی ہاؤس کی چوتھی منزل سے گرتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

خاردار تاروں سے گھرے اس وسیع وعریض میدانی علاقے میں درجنوں جھونپڑیاں تھیں۔ ان جھونپڑیوں سے کچھ فاصلے پر کچی اینٹوں سے بنائی گئی ایک عمارت موجود تھی جس کے مختلف کمروں میں درجنوں بچے قید تھے جن کی عمریں آٹھ سے پندرہ سال تھیں۔ یہ بیگار کیمپ یا ڈاکوؤں کا ٹھکانہ تھا۔ جہاں درجنوں خونخوار مسلح افراد دندناتے پھرتے تھے ان کا سربراہ ساڑھے چھ فٹ قد اور کسرتی جسم کا مالک کاشف عرف کاشو تھا۔ جس کے ایک کان میں طلائی بالی تھی وہ عموماً گھیر دار شلوار پہنے رکھتا تھا اور اس کا اوپر دھڑ برہنہ ہوتا تھا۔ کاشو کے جسم پر بن مانس کی طرح لمبے لمبے بال تھے کاشو کے ساتھ اسی کی قدوقامت کی باڈی بلڈر ٹائپ ایک سیاہ رو نوجوان عورت بھی تھی یہ کاشو کی بہن ناجیہ عرف ناجی تھی۔ دونوں بہن بھائی انتہائی سفاک اور بے رحم تھے۔ یہاں قید درجنوں بچوں میں لڑکیاں بھی تھیں اور لڑکے بھی جنہیں معمولی سی غلطی پر انتہائی بے رحمی سے مارا پیٹا جاتا۔ یہ لوگ ڈاکو ہونے کے ساتھ ساتھ بردہ فروش بھی تھے۔ یہ ملک کے مختلف حصوں سے بچوں کو اغوا کرتے جن کے والدین اپر کلاس سے تعلق رکھتے ان سے بھاری تاوان لے کر بچوں کو چھوڑ دیا جاتا جبکہ دوسرے بچوں کو منہ مانگے داموں فروخت کردیا جاتا۔

اس میدان کے ایک حصے میں بنی عمارت کے ایک کمرے میں بہت سے بچے ایک طرف سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے ان سے قدرے فاصلے پر دو لڑکے آپس میں محو گفتگو تھے۔ ان میں سے ایک پندرہ سالہ سرخ وسفید رنگت کا صحت مند لڑکا عالم خان تھا۔

عالم خان کے باپ کا نام شیر خان تھا عالم خان کی منگنی بچپن میں ہی اس کی لزان زمرد سے کردی گئی تھی۔ اسے چند ماہ قبل ہی اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا۔

دوسرا لڑکا ہادی تھا ہادی نے جب ہوش سنبھالا تو خود کو یہاں پایا۔ ذرا سا ہوش سنبھالنے پر ہادی نے ایک روز ڈرتے ڈرتے ناجی سے پوچھا کہ وہ وہاں کیسے پہنچا تو ناجی نے اسے بتایا کہ ہادی کا باپ غربت کے ہاتھوں تنگ آکر اسے کاشو کے ہاتھ فروخت کرگیا ہے ہادی کو ناجی کی بات کا یقین نہیں تھا بھلا کوئی باپ اپنے لخت جگر کو چند ٹکوں کے عوض کاشو اور ناجی جیسے سفاک درندوں کے ہاتھ کیسے بیچ سکتا تھا۔ ناجی اسے بچپن ہی سے ہادی کے نام سے پکارتی تھی ہادی کا رنگ وروپ اور شکل وصورت وہاں موجود بچوں

میں سب سے خوبصورت تھی۔ وہاں رہتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ ناجی کے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ ہے، اسے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کے لئے دوسرے بچوں سے بہتر دیا جاتا۔

ہادی کے ماہ وسال وہیں بیت رہے تھے کہ عالم خان کو دو ماہ قبل اغوا کر کے یہاں لایا گیا۔ ہادی اس افغان لڑکے سے گھل مل گیا اور دونوں میں دوستی ہوگئی۔ عالم خان اس وقت بھی اپنی منگیتر زمرد اور شیر خان کا ذکر ہادی سے کررہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک خونخوار رائفل بردار اندر داخل ہوا۔ ''چلو بچوں باہر نکلو کاشو نے بلوایا ہے۔'' اس کے مختصر حکم پر بچے خاموشی سے اٹھے اور کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ وہ بچوں کو ہنکاتے ہوئے میدان میں لے گیا۔

کچھ فاصلے پر ایک سائبان کے نیچے کاشو اور ناجیہ عرف ناجی کھڑے تھے۔ کاشو نے حسب معمول گھیر دار شلوار پہن رکھی تھی اس کے ہاتھ میں موجود تیز دھار تلوار سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی قریب ہی ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا زمین پر پشت کے بل لیٹا تھا اس کے ہاتھ اور پاؤں زمین میں گڑی کھونٹیوں میں اس مضبوطی سے باندھے گئے تھے کہ اس کے لئے معمولی سی جنبش کرنا بھی ناممکن تھا۔ لڑکا ڈر اور خوف سے چیخ اور چلا رہا تھا۔

کاشو نے غضب ناک نگاہوں سے اپنے چاروں طرف موجود بچوں کو دیکھا اور بولا۔ ''پہلی بار کسی نے یہاں سے بھاگنے کی حماقت کی ہے۔ جو نا کام رہی، اب تم سب آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کاشو سے غداری کا کیا انجام ہے۔'' اس کا تلوار والا ہاتھ چشم زدن میں نیچے آیا اور اس لڑکے کا بازو دھڑ سے الگ ہوگیا لڑکا دلدوز انداز میں چیخا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد درد کی شدت سے بے ہوش ہوگیا۔

یہ خوف ناک منظر دیکھتے ہی ہادی سمیت دوسرے بچے بھی ڈر اور خوف سے چیخنے لگے۔ ''اسے لے جاؤ اور مرہم پٹی کردو کچھ دنوں بعد ہم اسے بھکاریوں کے ہاتھ فروخت کردیں گے۔'' کاشو نے سفاک لہجے میں کہا۔

کچھ دیر بعد اس زخمی بچے کو وہاں سے لے جایا جاچکا تھا۔

ہادی اور عالم خان کے شب وروز وہیں بیت رہے تھے۔ ہادی کی عمر سولہ سال ہوچکی تھی رنگ وروپ مزید نکھر چکا تھا اور قد وقامت میں بھی اضافہ ہوچکا تھا اب وہ چھریرے بدن کا خوش شکل نوجوان تھا۔ ان دنوں کاشو اپنے اہم کارندوں کے ساتھ کچھ دنوں کے لئے علاقے سے باہر گیا ہوا تھا کہ رات کے نو بجے ایک کرخت صورت شخص قید خانے میں داخل ہوا۔ ''ہادی تمہیں سردارنی نے بلوایا ہے۔'' وہ اس کے قریب آکر کھردری آواز میں بولا۔

وہ ہادی کو لئے ہوئے ایک الگ تھلگ کمرے کے دروازے پر لے گیا اور معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ کر اندر دھکیل دیا۔ کمرے میں دیواروں پر جابجا انڈین فلمسٹارز کے نیم عریاں پوسٹر آویزاں تھے ایک بیڈ پر لمبی تڑنگی باڈی بلڈر ٹائپ ناجیہ عرف ناجی نیم دراز تھی اس کے جسم پر اس وقت کپڑوں کے بجائے باریک نائٹی تھی جسے دیکھ کر ہادی کو کراہیت کا احساس ہورہا تھا۔ قریب ہی رکھی میز پر شراب کی بوتل اور گلاس موجود تھا۔ اس نے نشے سے سرخ ہوتی آنکھوں سے ہادی کو گھورا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہادی دروازہ بند کردو۔'' ہادی حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا کہ یہ اس سے کیا چاہتی ہے۔ ''میں نے کیا کہا تم نے سنا نہیں۔'' اس بار ناجی کا لہجہ درشت تھا۔

ہادی نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا۔ ''ادھر میرے قریب آؤ۔'' دوسرا حکم صادر ہوا اور ہادی بیڈ کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔ ''ادھر بیٹھو۔'' اس نے ہادی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بیٹھالیا۔ وہ ایک طرف سکڑ اور سمٹ کر بیٹھ گیا۔

''سنو ہادی تمہیں آج تک کاشو سے صرف میں نے بچایا ہے۔ ورنہ یا تو تم اونٹ ریس میں مارے جاتے یا پھر کسی چوراہے پر بیٹھے بھیک مانگ رہے ہوتے۔ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار میں نے کسی پر ترس کھایا مگر اب سمجھ میں آرہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا تھا، پاگل میں تمہیں چاہتی ہوں۔'' وہ مکروہ انداز میں ہنسی اور اس نے آگے بڑھ کر ہادی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

''چھوڑو مجھے۔'' وہ مچلا اور ناجی کی گرفت سے نکلنا

چاہا۔ مگر ناکام رہا۔ وہ عورت ہونے کے باوجود حیوانی طاقت کی مالک تھی۔ ''آرام سے پڑے رہو۔'' وہ غرائی اور ایک جھٹکے سے ہادی کی قمیض اتار کر ایک طرف پھینک دی اور اس پر حاوی ہونے کی کوشش کی، ہادی اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا، ناجی نے کسی باز کی طرح اسے دبوچ لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے ہادی کا منہ پکڑ کر کھولا اور شراب کی بوتل اس کے منہ سے لگادی، کڑوی کسیلی شراب حلق سے اترتے ہی ہادی کا سینہ جلنے لگا اور دماغ گھومنے لگا۔ اسے کمرہ چکراتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اب اس کی مزاحمت برائے نام رہ گئی تھی ناجی نے پل بھر میں اسے لباس سے محروم کردیا اور خود بھی عریاں ہوگئی۔

وہ کھسمسایا مگر ناجی پر ہوس غالب آچکی تھی وہ کسی وحشی جانور کی طرح ہادی پر حاوی ہوتی جارہی تھی اور اسے بھنبھوڑ رہی تھی۔

زندگی میں پہلی بار شراب کے نشے میں دھت ہونے کی وجہ سے ہادی مزاحمت کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ مجبور اور لاچار تھا، ناجی کی قربت اسے راحت کے بجائے اذیت دے رہی تھی۔ وہ رات گویا ہادی نے کانٹوں پر بسر کی جبکہ ناجی اس زبردستی کی جسمانی قربت سے خوش تھی۔ پھر وہ ہر دوسرے تیسرے روز ہادی کو اپنے کمرے میں بلانے لگی اور اسے بے بس کرکے اپنا گھناؤنا کھیل کھیلتی۔ وہ بے بس ہونے کے باوجود اس دلدل سے نکلنا چاہتا تھا۔

اس قید خانے میں قید عالم خان نڈر اور بہادر لڑکا تھا۔ دونوں نے چپکے چپکے وہاں سے فرار ہونے کی پلاننگ کی اور دوسرے لڑکوں کو بھی ساتھ ملانا چاہا۔ مگر وہ سب کا شو اور ناجی سے خوف زدہ تھے۔ مجبوراً انہیں تنہا ہی اس منصوبے پر عمل کرنا پڑا۔ عالم خان نے نہ جانے کیسے اور کہاں سے ایک تیز دھار خنجر چرالیا تھا ایک پرانی لیکن مضبوط سلاخ بھی انہیں اس عمارت سے مل گئی تھی جس کی مدد سے وہ دونوں باری باری باتھ روم کی بوسیدہ دیوار کے بلاکوں سے آہستہ آہستہ مصالحہ نکالنے لگے اس قید خانے کے باتھ روم کی حالت اس قدر گندی اور غلیظ تھی کہ کسی محافظ کا اندر جھانک کر دیکھنا ناممکن تھا۔ ان کے ساتھی لڑکے توڑ نے کے باوجود ان کی کامیابی کے لئے دعا گو تھے۔ انہیں امید تھی کہ اگر عالم خان اور ہادی وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تو ہوسکتا ہے ان کی رہائی بھی ممکن ہوجائے۔

تیسرے روز وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکے تھے اوپر تلے چار بلاک نکال کر انہوں نے دوبارہ اس طرح جمادیئے کہ پہلی ہی نظر میں کوئی اصل بات نہ جان سکے۔ اس روز رات دو بجے کے قریب وہ دونوں باتھ روم میں داخل ہوئے اور دیوار سے چاروں بلاک نکال کر ایک طرف رکھنے کے بعد وہ رفنے سے باہر نکلے۔ یہ عمارت کا عقبی حصہ تھا۔ جہاں خودرو پودے اور جھاڑ جھنکار بکثرت تھے۔

وہ چند لمحے وہیں دبکے رہے اور جائزہ لیتے رہے پھر سانپ کی طرح رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔ کچھ دیر بعد ہی انہیں ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ اس طرف دو محافظ زمین پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ ان کی رائفلیں ایک طرف پڑی تھیں۔ ان کے دل دھک سے رہ گئے، کچھ دیر وہیں پڑے رہنے کے بعد انہوں نے اپنا رخ بدلا اور کراالنگ کرتے ہوئے خاردار تاروں کے قریب جا پہنچے۔ یہ خاردار تاروں کی باڑ احاطے کے چاروں طرف تھی۔ ایک جگہ ان خاردار تاروں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ وہ باآسانی باہر نکل گئے۔ کچھ دیر رینگنے کے بعد جب وہ کافی فاصلے پر پہنچے تو انہوں نے دوڑنا شروع کردیا۔

وہ صبح ہونے سے پہلے وہاں سے نکلنا چاہتے تھے۔ یہ ایک کچی سڑک تھی جس کے دونوں اطراف درخت اور گھاس اگی ہوئی تھی کہیں کہیں سرکنڈوں کے پودے بھی تھے۔ ہادی نے برسوں بعد باہر کی دنیا دیکھی ان کا اندازہ یہ تھا کہ یہ کوئی دیہی علاقہ ہے۔ مسلسل بھاگنے سے وہ پسینے میں شرابور ہوچکے تھے اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ٹانگیں شل سی ہوگئی تھیں۔ اب ڈر اور خطرے کی کوئی بات نہیں تھی وہ ان بھیڑیا صفت ڈاکوؤں کے نرغے سے نکل کر کافی دور آچکے تھے۔

دوڑتے دوڑتے عالم خان اچانک رک گیا ہادی کو بھی رکنا پڑا۔ ''رک کیوں گئے؟'' ہادی نے پھولی ہوئی سانسوں میں پوچھا۔

"سامنے سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔" عالم خان نے جواب دیا اور ہادی کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک سرد سی لہر دوڑ گئی کامیابی جب ان سے چند ہی قدم دور تھی تو رکاوٹ سامنے آ گئی تھی۔

ہادی نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا عالم خان سچ کہہ رہا ہے دور کہیں سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "اب کیا کریں کہیں کاشو تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہیں لوٹ آیا۔" ہادی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

عالم خان نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اس کا ہاتھ تھاما اور کچی سڑک سے اتر کر کچھ فاصلے پر واقع جھاڑیوں کے جھنڈ میں جا گھسا۔ ان کے جسم کے مختلف حصوں میں کانٹے بھی چبھے مگر ان وحشیوں کے ڈر سے انہیں درد محسوس نہیں ہوا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اس معصوم لڑکے کا کٹا ہوا بازو آ گیا۔ جسے بھاگنے کی عبرت ناک سزا دی گئی تھی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ کاشو ایک سفاک انسان ہے اس سے کچھ بعید نہیں تھا، ہو سکتا تھا کہ فرار کے جرم میں ان دونوں کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔

کچھ دیر بعد سامنے سے آتے گھوڑے بھی دکھائی دیئے یہ تعداد میں آٹھ یا نو تھے جن پر ڈھاٹا پوش رائفل بردار موجود تھے۔ ان سب سے آگے کالے رنگ کے گھوڑے پر کاشو دکھائی دیتے ہی ہادی کی حالت غیر ہونے لگی قریب تھا کہ وہ خوف سے چیخ پڑتا لیکن عالم خان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد جب یہ قافلہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ جھاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ "اب کیا ہوگا اگر کاشو کے ٹھکانے پر پہنچتے ہی ہمارے فرار کا راز کھل گیا تو ہماری خیر نہیں۔" ہادی نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"گھبراؤ مت وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا ویسے بھی گھبرانے سے یا پریشان ہونے سے مشکل نہیں ٹلتی۔" عالم خان نے اسے تسلی دی، بلاشبہ وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔

اب وہ دوبارہ دوڑ رہے تھے ان کی کوشش یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح کسی نزدیک آبادی تک پہنچ جائیں۔ رات کا آخری پہر تھا جب وہ ایک دریا کے کنارے پہنچے۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا دوسری طرف جانے کے لئے دریا پار کرنا ضروری تھا اور دور دور تک دریا کے اوپر کوئی پل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہادی تیرنا نہیں جانتا تھا جبکہ عالم خان کم عمر ہونے کے باوجود ماہر تیراک تھا۔ "ہادی اس منحوس علاقے سے دور جانے کے لئے نزدیک تر راستہ یہی ہے پل کافی دور ہے وہاں جاتے جاتے دن نکل آئے گا۔ اور ہم پکڑے جائیں گے اس دریا کی دوسری طرف چند کلو میٹر دور ہمارا قبیلہ ہے اگر ہم وہاں تک پہنچ گئے تو پھر ہمارے لئے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

ہادی کو احساس ہو گیا کہ عالم خان واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا انہیں فرار ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔

کاشو اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا اور صبح ہونے والی تھی۔ پھر ان کے فرار کا علم ہوتے ہی وہ بھیڑیئے ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ عالم خان نے ہادی کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اچانک دور کہیں سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی گویا وہ جس لمحے سے ڈر رہے تھے وہ خطرہ ان کے سر پر آ پہنچا تھا۔ دونوں نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ دریا میں تیرنا مشکل کام ہوتا ہے دوسرا اسے ہادی کو بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ لیکن عالم خان واقعی ماہر تیراک تھا وہ دوسرے کنارے پر پہنچنے ہی والے تھے کہ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی یہ کاشو اور اس کے کارندے تھے جو دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اور اب ان پر گولیاں چلا رہے تھے ابھی انہوں نے دریا سے نکل کر دوسرے کنارے پر قدم رکھا ہی تھا کہ عالم خان دلدوز انداز میں چیخا اور نیچے گر پڑا۔

"خیریت تو ہے۔" ہادی مڑا ہی تھا کہ عالم خان نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ بھی اس کے قریب گر پڑا اور یہ ہادی کے حق میں بہتر ثابت ہوا دو تین گولیاں وہیں لگیں جہاں چند لمحے پہلے وہ موجود تھا۔ ہادی نے دیکھا عالم خان کے دائیں ران میں گولی لگی تھی۔ خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اس کے باوجود وہ ہمت کا مظاہرہ کرتا ہوا ہادی سمیت ایک نکونی چٹان کی آڑ میں ہو گیا۔" ہادی میری...... بات غور...... سے سنو میرا بچنا بہت مشکل

ہے..... تم بھاگ جاؤ۔ اگر تم بھاگ گئے تو..... درجنوں معصوم بچوں کو بچا سکتے ہو اگر میرا باپ کبھی اتفاقیہ ملے..... تو اسے بتانا کہ..... میں نے اسے بہت یاد کیا تھا اور..... اور زمرد کو بھی بتانا کہ میں نے..... اسے چاہا تھا۔ پتہ ہے جب مجھے اغوا کیا گیا تو..... میری عمر صرف پانچ سال کی تھی۔"

"فضول باتیں مت کرو تمہیں کچھ نہیں ہوگا چلو اٹھو بھاگو میرے ساتھ۔" ہادی روتے ہوئے بولا۔

"میں اب بھاگنے..... کے لائق کہاں رہا ہوں۔ تمہیں میری دوستی کی قسم..... جاؤ جلدی کرو۔" وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔

ہادی نے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھا۔ "وہاں کاشوناجی اور ان کے مسلح کارندے کھڑے تھے۔ جو وقفے وقفے سے ان پر گولیاں چلا رہے تھے ہادی چٹان کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے گولیوں سے محفوظ تھا۔ ادھر عالم خان بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کی نبض ڈوبتی جا رہی تھی۔

اب سوچنے کا وقت نہیں تھا اور مزید یہاں رکنا بے وقوفی ہوتی وہ جانتا تھا کہ وہ عالم خان کو بچانے کے لئے اب کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے مجبور نگاہوں سے عالم خان کو دیکھا اور لیٹے لیٹے ہی پیچھے ہٹنے لگا۔ شاید اس کے دشمن بھی بھانپ چکے تھے کہ ان کا شکار بھاگ رہا ہے۔ ہادی نے کاشو کے اشارے پر دو ڈاکو دوس کو دریا میں کودتے دیکھا۔ وہ فائرنگ رینج سے باہر آتے ہی ایک طرف بھاگتا چلا گیا وہ شاید عام حالات میں اس طرح نہ بھاگتا مگر جان بچانے کا جنون اسے بھاگتے رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تک دوڑتا رہا جب تک اس کی ٹانگیں شل نہ ہو گئیں اور اس کا حوصلہ اور ہمت جواب نہ دے گئی۔

نہ جانے اسے بھاگتے ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا پھر وہ راہ میں آنے والے ایک پتھر سے ٹھوکر لگنے کے باعث گرا اس کا سر کسی ٹھوس شے سے ٹکرایا اور وہ ہوش وحواس سے عاری ہو گیا۔ اسے ہوش آیا تو خود کو ایک خیمے میں چارپائی پر پڑے پایا۔ قریب ہی ایک پچاس پچپن سالہ صحت مند شخص موجود تھا اس سے کچھ فاصلے پر ایک بیس بائیس سالہ تنومند نوجوان کھڑا تھا۔ وہ حلیے اور لباس سے پٹھان لگ رہے تھے۔ "کیسا ہے بچہ اور تم کدھر سے بھاگتا ہوا آیا اور امارا بستی کے قریب گر کر بے ہوش ہو گیا تمارا سر سے خون بھی نکل رہا تھا۔ خوتم پورا دو دن بعد ہوش میں آیا ہے۔" بوڑھا شخص مقامی لب ولہجے میں بولا۔

"بابا میرے دشمن میرے پیچھے ہیں۔" ہادی گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ بیٹے گھبراؤ مت ام افغانستان کا جنگجو سپاہی ہے۔ تم امارا قبیلے کا پناہ میں ہے۔ امارا زندگی میں تم کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ شیر خان کا وعدہ ہے۔" وہ بولا اور ہادی ششدر رہ گیا۔

"کہیں یہ وہی افغان قبیلہ تو نہیں ہے جس کا عالم خان نے ذکر کیا تھا۔ اس نے بھی اپنے باپ کا نام شیر خان بتایا تھا۔" ہادی کے ذہن میں خیال آیا۔

"بابا آپ عالم خان کو جانتے ہو؟" بوڑھا اچھل پڑا۔

"تم عالم خان کو کیسے جانتا ہے۔ وہ امارا بیٹا ہے۔ اچانک غائب ہو گیا تھا۔"

ہادی نے اسے اپنی روداد سناڈالی عالم خان کو گولی لگنے کا سنتے ہی شیر خان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا نوجوان بھی بے چین ہو گیا تھا۔ ہادی کو بعد میں معلوم ہوا اس کا نام گل خان تھا وہ عالم خان کا بڑا بھائی تھا ہادی کو دو دن بعد ہوش آیا تھا وہ سادہ لوح اور مخلص افغانی تھے۔

عالم خان کا ماموں اول خان روزگار کے لئے اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی زمرد کے ہمراہ شہر گیا۔ ایک روز جب کہ اول خان کام پر تھا زمرد جس کی عمر پانچ سال تھی ماں کی نظر بچا کر کھیلتے کھیلتے گھر سے باہر نکلی اور گم ہو گئی۔ یہ عالم خان کے اغوا کے بعد کے واقعات تھے۔ کافی تلاش کے باوجود عالم خان کی لاش نہ ملی تو وہ مایوس ہو کر اپنی بستی میں لوٹ آئے۔

ہادی کے شب وروز ان کے ساتھ گزر رہے تھے ہادی ان کی مہمان نوازی سے بہت متاثر تھا ایک روز جب ہادی خیمے میں سو رہا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سن کر ہڑبڑا کر

اٹھ بیٹھا۔ گھڑی میں وقت دیکھا صبح کے سات بج رہے تھے۔ گل خان اپنی چارپائی پر موجود نہیں تھا ہادی خیمے سے باہر نکلا افغان بستی میں چہل قدمی شروع ہو چکی تھی۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ گولی چلنے کے باوجود کوئی بھی ہراساں یا پریشان نہیں تھا سب اپنے اپنے معمول کے کام کاج میں مصروف تھے اسی وقت ایک دوسرا فائر ہوا وہ صورتحال جاننے کے لئے اس طرف چل دیا جہاں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی تقریباً تیس چالیس گز کے فاصلے پر گل خان موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں تیس بور کا پسٹل تھا۔ جس سے وہ درخت کے تنے پر بنائے گئے چھوٹے سے گول دائرے پر نشانہ بازی کی مشق کر رہا تھا۔ اس کی تقریباً تمام گولیاں ٹارگٹ پر لگ رہی تھیں۔

"ہادی آج تم جلدی جاگ گئے؟" وہ ہادی کی طرف مڑا۔

"گولی کی آواز سن کر جاگا ہوں یہ صبح صبح کیا نشانہ بازی کی مشق کر رہے ہو۔" ہادی بے تکلفی سے بولا۔

"انسانوں کے جنگل میں زندہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو مضبوط بنانا پڑتا ہے یہ دنیا بھی تو جنگل ہے جہاں خوبصورت پرندوں کے ساتھ ساتھ درندے بھی بستے ہیں۔ ان درندوں سے بچنے کے لئے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" گل خان کسی فلاسفی کی طرح بول رہا تھا۔

"گل خان بھائی مجھے بھی پسٹل چلانا سکھاؤ گے۔"

"کیوں نہیں۔" وہ ہادی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور پسٹل اسے تھما دیا۔ ہادی نے پسٹل تھاما اور درخت پر بنے ٹارگٹ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی چلنے سے ہادی کے ہاتھ کو زوردار جھٹکا لگا اور گولی درخت سے خاصے فاصلے سے گزری یہ دیکھ کر گل خان ہنسا اور بولا۔

"پسٹل کو اس طرح نہیں پکڑتے۔" اس نے ہادی کو پسٹل صحیح طریقے سے پکڑنا سکھایا اور "ہاں گولی چلنے سے ہاتھ کو جھٹکا سا لگتا ہے اس سے گھبراؤ نہیں اپنی توجہ ٹارگٹ پر رکھو بلکہ یہ سمجھ لو کہ تمہارے سامنے کا شو موجود ہے۔ جس نے تمہیں برسوں قید میں رکھا۔"

ہادی نے دانت بھینچتے ہوئے ٹریگر دبا دیا اس بار بھی ہاتھ کو جھٹکا سا لگا۔ مگر گولی درخت سے صرف چند انچ کے فاصلے سے گزری کچھ دن بعد اس کا نشانہ بہتر ہونے لگا چند دن کے اندر ہادی اس لائق ہو گیا تھا کہ اس کی گولی سیدھی ٹارگٹ پر لگتی تھی گل خان نے ہادی کو رائفل چلانا بھی سکھائی پھر اسے دست بدست لڑائی کے طریقے سکھانے لگا ایک درخت کے تنے پر میلے کچیلے کپڑے لپیٹ کر اس نے ہادی کو اس پر کک اور پنچ برسانے کا حکم دیا۔

"تم کراٹے بھی جانتے ہو؟" ہادی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم افغانی پیدائشی جنگجو ہوتے ہیں روسی ایسے ہی نہیں شکست کھا کر بھاگے۔ لڑنے کے لئے طاقت کی نہیں حوصلے ہمت اور تکنیک کی ضرورت ہوتی ہے ویسے یہ بھی درست ہے کہ ہم افغانی پاکستان کے مقروض ہیں۔ یہ پاکستانی ہی تھے جنہوں نے روس کے ساتھ جنگ میں ہمارا ساتھ دیا جانی اور مالی قربانی دی اور اپنے ملک میں رہنے کی جگہ دی۔"

ہادی کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے پانچ چھ مہینے گزر چکے تھے گل خان کی تربیت سے ڈرا سہما معصوم ہادی بدلنے لگا پھر ایک روز اس افغان قبیلے نے وہاں سے کوچ کا فیصلہ کیا ان کا ارادہ پشاور جانے کا تھا۔ صبح فجر کی نماز پڑھتے ہی خیموں کو لپیٹا گیا۔ اور سارا ساز و سامان ایک پرانے سے لوڈنگ ٹرک میں ڈالا گیا شیر خان اپنے قبیلے سمیت پہلے ہی وہاں سے روانہ ہو گیا ابھی لوڈنگ ٹرک کو وہاں سے نکلنے میں چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ کہیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی ہادی اور گل خان ٹرک کے پچھلے حصے میں ساز و سامان کے اوپر بیٹھے تھے۔

"یہ کون ہیں؟" گل خان نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

کچھ ہی دیر بعد لوڈنگ ٹرک کے عقب میں آنے والے گھڑ سوار دکھائی دینے لگے۔ یہ دس بارہ گھڑ سوار تھے جو تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے عقب میں آ رہے تھے ان کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں موجود تھیں۔ سب سے آگے ایک تنومند گھوڑے پر ناجی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

سوار تھی جو کسی عفریت کی طرح ان کے پیچھے گھوڑا دوڑا رہی تھی نہ جانے اسے کیسے خبر ہوگئی تھی کہ ہادی اس قافلے کے ساتھ تھا۔ پھر اس نے ہادی کو دیکھ لیا اور دور ہی سے چلائی "ہادی رک جاؤ۔"

"یہ کون لوگ ہیں؟" گل خان نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ وہی ڈاکو ہیں جن کے چنگل سے میں نکل کر بھاگا تھا۔ یہ جو آگے گھوڑے پر سوار بدشکل عورت ہے یہ تاجی ہے کاشوکی بہن لیکن کاشو ان کے ساتھ کیوں نہیں؟" ہادی نے کہا اور گل خان کا خون کھول اٹھا گویا یہ وہی ڈاکو تھے جو اس کے بھائی عالم خان کے قاتل تھے لیکن اس وقت وہ ان ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

شیر خان اپنے قافلے کے ساتھ نہ جانے ان سے کتنا آگے جاچکا تھا۔

اس لوڈنگ ٹرک میں وہ صرف تین نفوس تھے ڈرائیور ہادی اور گل خان اسلحہ کے نام پر صرف گل خان کے پاس پسٹل تھا۔ جبکہ ہادی کی پنڈلی سے ایک تیز دھار خنجر بندھا ہوا تھا۔ جبکہ ان کے حریف کثیر تعداد میں جدید اسلحہ سے لیس تھے۔

گل خان نے پشتو میں ڈرائیور سے کہا کہ "ٹرک کی رفتار تیز کردے۔" اور اپنے ہولسٹر سے پسٹل نکال کر چوکنا ہوگیا پھر ڈاکوؤں نے عقب سے ان پر وقفے وقفے سے گولیاں چلانی شروع کردیں۔

گل خان نے بھی پسٹل سے فائر کئے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ڈاکو ان کی رینج میں نہیں تھے۔ اسی وقت گل خان سامان کی آڑ سے نکلا اور تاجی کا نشانہ لے کر فائر کیا گولی اسے تو نہیں لگی۔ لیکن اس کی چلائی ہوئی گولی گل خان کے بازو میں لگی تو وہ چیختا ہوا ایک طرف گرا، بدقسمتی سے پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل کر ٹرک سے باہر جاگرا تھا۔ ڈرائیور نے چلا کر پوچھا۔ "خاناں خیر خو دے (خان خیریت تو ہے) وہ باہمت شخص ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "آؤ خیر دے ملا پرید و مخکے گوارا (ہاں خیریت ہے مجھے چھوڑ و آگے دیکھو)

ہادی کے ذہن میں دھکڑ پکڑ مچ چکی تھی اس کی وجہ سے اس گھر کا دوسرا فرد موت کے منہ میں جانے والا تھا۔ شاید ڈاکو بھی جان چکے تھے کہ ٹرک میں موجود ہادی کا ساتھی گولی کا شکار ہو چکا ہے، ان کا جوش و خروش بڑھ چکا تھا اور وہ رفتہ رفتہ لوڈنگ ٹرک کے قریب آتے جارہے تھے خاص کر تاجی کا گھوڑا ٹرک کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا پھر ہادی نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔

تاجی نے ٹرک کے ڈالے پر ہاتھ ڈالا اور گھوڑے کی پشت خالی کرکے ڈالے سے لٹک گئی ہادی اس کی جرأت دیکھ کر ششدر رہ گیا دوسرے ڈاکوؤں نے تاجی کو ڈالے سے لٹکے دیکھ کر فائرنگ بند کردی تھی وہ شانے سے رائفل لٹکائے ڈالے سے لٹکے لٹکے ایکدم اچھلی اور اوپر چڑھ گئی تاجی کے لئے تقریباً میدان صاف تھا گل خان بے ہوش ہو چکا تھا جبکہ ہادی کو وہ اپنے سامنے کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی اس نے ہادی کو ماں کی فحش گالی دی اور کہا کہ "ٹرک رکوایئے۔"

ہادی نے اپنے ماں باپ کے بارے میں نہیں جانتا تھا لیکن تاجی کے منہ سے گالی سنتے ہی اس کا خون کھول اٹھا۔ تاجی کے ساتھ گزارے ذلت آمیز لمحات یاد آتے ہی اس نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکال لیا، تاجی نے اس کے ہاتھ میں خنجر دیکھتے ہی شانے سے رائفل اتارنا چاہی، اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔

ہادی برقی سرعت سے حرکت میں آیا اور اپنے دائیں ہاتھ میں موجود خنجر دستے تک اس کے سینے میں اتار دیا تو وہ کربناک انداز میں چیخی، ہادی نے اپنے خنجر والے ہاتھ کو حرکت دی تیز دھار خنجر تاجی کے سینے کو چیرتا ہوا ناف تک آیا اور اس کی انتڑیاں دکھائی دینے لگیں۔

ہادی نے لات مار کر اسے چلتے ٹرک سے باہر گرا دیا اور خود ٹرک پر رکھے سامان کی آڑ میں ہوگیا۔

تاجی کو ٹرک سے گرتا دیکھ کر کچھ گھڑ سوار اس کی لاش کے قریب رکے اور کچھ ٹرک کے پیچھے دوڑے۔ اب وہ اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے قریب تھا کہ ہادی بھی کسی گولی کا شکار ہو جاتا۔

اچانک سامنے سے شیر خان اور اس کے قافلے کے مسلح افراد گھوڑوں پر سوار ان کے مقابل آ گئے۔ اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر ٹرک ڈرائیور نے ٹرک روک دیا۔ ان کی فائرنگ سے چند ڈاکو مارے گئے اور کچھ نے راہ فرار اختیار کر لی۔

ایک نے گل خان کے زخم پر کپڑا باندھا تاکہ اس کا مزید خون نہ بہے۔ ٹرک دوبارہ اسٹارٹ ہوا اور ایک محفوظ مقام پر پہنچ کر ٹرک روک دیا گیا۔

گل خان کو ٹرک سے اتار دیا گیا تھا۔ آگ جلا کر خنجر گرم کرنے کے بعد ایک نے مقامی طریقے سے گل خان کے جسم سے گولی نکالی، ہادی حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا وہ شخص اپنے کام میں ماہر تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر کسی ماہر سرجن کی طرح اس نے گولی نکال کر مرہم پٹی کر دی۔ ڈاکو اب تک ان کے تعاقب میں نہیں آئے تھے۔ شاید ناجی کی عبرت ناک موت سے ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے

بہر حال ہادی اتنا ضرور جانتا تھا کہ کاشو جیسے ہی ناجی کی موت کا پتہ چلے گا وہ پوری قوت سے ان پر حملہ آور ہو جائے گا۔ اس نے اپنے اس خدشے کا اظہار شیر خان سے بھی کر دیا۔ خیر پشاور پہنچنے تک گل خان کی حالت میں بہتری آ گئی تھی۔

ہادی نے پانچ سال کا طویل عرصہ ان کے ساتھ گزارا اب وہ بائیس سالہ نوجوان تھا جو پہاڑوں کے بیٹے کے ساتھ رہتے رہتے چٹانوں کا سا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن ان بیتے برسوں سے نوجوانی تک اس کے ذہن میں ایک ہی سوال ابھرتا تھا کہ اس کا باپ کون ہے؟ بقول کاشو کے ہادی کے باپ نے اسے چند ٹکوں کے عوض کاشو کے حوالے کیا تھا۔

ایک روز شیر خان نے اسے بتایا کہ افغانستان کے حالات پہلے سے بہتر ہو چکے ہیں اور وہ آئندہ چند روز میں اپنے وطن چلے جائیں گے۔ انہوں نے ہادی کو بھی ساتھ چلنے کا کہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کے سامنے زندگی کا اہم اور اولین مقصد اپنے والدین کو تلاش کرنا تھا۔ جانے سے پہلے شیر خان نے اس سے کہا کہ وہ ان کے جانے کے بعد کراچی چلا جائے وہاں ان کا رشتہ دار اول خان رہتا تھا تاکہ ہادی کی رہائش اور کام کا مسئلہ حل ہو سکے شیر خان نے اسے اول خان کا ایڈریس بھی لکھ کر دیا اور اس کے منع کرنے کے باوجود اخراجات کے لئے پانچ ہزار کی رقم بھی دی۔ پھر ایک روز شیر خان اپنے قبیلے کے ساتھ افغانستان روانہ ہو گیا۔ اب ہادی کے لئے وہاں رہنے کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔

وہ ٹرین کے ذریعے کراچی پہنچا۔ اب اسے ایک سیکورٹی ایجنسی کے دفتر جانا تھا جہاں اول خان بطور سیکورٹی گارڈ ملازم تھا وہ کینٹ اسٹیشن کے باہر ایک ہیئر ڈریسر کی شاپ سے نہانے دھونے اور شیو کروانے کے بعد بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔ یہ شہر اس کی توقع کے خلاف بہت بڑا تھا بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ مرد اور بسیں انسانوں سے بھری پڑی تھیں اور تو اور چھتوں پر بھی لوگ سوار تھے بہت سے تو دروازے سے لٹک رہے تھے ہادی نے بہتر یہی جانا کہ کسی رکشہ یا ٹیکسی کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ مخالف سمت سے ایک ٹیکسی کو آتا دیکھ کر وہ بے اختیار آگے بڑھا۔ اور اشارے سے اسے روکنا چاہا۔

اچانک اس کے قریب ایک بلیک ہنڈا اکارڈ کے بریک چرچرائے ہادی نے بوکھلا کر پیچھے قدم ہٹائے۔ ہنڈا اکارڈ کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک حسین و جمیل دوشیزہ براجمان تھی گول گول حسین چہرہ جس پر لمبی سنہری زلفیں سایہ فگن تھیں درمیانے قد و قامت اور متناسب جسم کی مالک وہ لڑکی بلاشبہ قیامت تھی۔ دودھ جیسی شفاف رنگت سے گویا روشنیاں پھوٹ رہی تھیں ایک شاندار تمکنت آمیز چال اور غرور سے تنی گردن، وہ گاڑی سے اتر چکی تھی اور غصے سے ہادی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہادی مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا

''اے مسٹر پورے شہر میں تمہیں خودکشی کرنے کے لئے میری ہی گاڑی نظر آئی۔ کسی ڈمپر یا ٹرک کے نیچے چھلانگ لگاتے۔''

''بلاشبہ آپ کو دیکھتے ہی میں آپ پر مر چکا ہوں آپ کا حسن ہی ایسا ہے کہ اگر آپ تاریخ کے کسی پرانے دور میں پیدا ہوئی ہوتیں تو آپ کے لئے کئی سلطنتیں الٹ

دی جاتیں۔" ہادی نے برجستہ جواب دیا۔

"شٹ اپ۔" وہ دوبارہ گاڑی میں جا بیٹھی اور تیز رفتاری سے گاڑی آگے بڑھادی۔

اگر ہادی بروقت پیچھے نہ ہٹتا تو واقعی مرحوم ہوجاتا۔

ہادی سیکورٹی ایجنسی کے دفتر پہنچا تو دن کے دو بج چکے تھے اول خان ساٹھ سالہ صحت مند شخص تھا شیر خان کے حوالے سے وہ ہادی سے پرتپاک انداز میں ملا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک چھوٹے سے مکان میں کرائے پر رہتا تھا۔ برسوں پہلے اس کی بیٹی زمرد گم ہوچکی تھی اس کے بعد اس کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو عالم خان کے بچپن کی منگیتر تھی۔ یہ سیکورٹی ایجنسی ایک ریٹائرڈ میجر توحید احمد کی تھی۔ اس نے دوسرے روز ہادی کو میجر توحید سے ملادیا۔ وہ آرمی افسران کی طرح شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ "اسلحہ چلانا جانتے ہو۔" میجر توحید نے بھاری لب و لہجے میں پوچھا۔

"جی سر نہ صرف اسلحہ بلکہ جسمانی لڑائی بھڑائی بھی جانتا ہوں۔" ہادی نے جواب دیا۔

"تمہارے پاس شناختی کارڈ ہے؟ اور تعلیم کتنی ہے؟ اور باپ کا نام کیا ہے؟" اس بار پوچھا گیا سوال بہت مشکل تھا۔

"سر میں ان پڑھ ہوں اور میرا شناختی کارڈ نہیں اور نہ ہی مجھے اپنے باپ کا نام معلوم ہے۔" اس کا جواب میجر توحید کو حیرت زدہ کرگیا۔ ہادی نے اپنی سرگزشت میجر توحید کو سنادی۔ وہ اچھے اور مخلص انسان تھے۔ تمام ورکرز سے اخلاص اور خلوص سے ملتے۔

ہادی کو اس سیکورٹی ایجنسی میں ملازمت کرتے ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے ہادی دوران ڈیوٹی عام گارڈ کی طرح رائفل نہیں رکھتا تھا وہ پسٹل کو ترجیح دیتا تھا۔ ایک روز اسے میجر توحید نے اپنے آفس میں بلوایا ان کے آفس میں اس وقت ایک ستر سالہ بزرگ بیٹھے تھے بلاشبہ اس عمر میں ان کی صحت قابل رشک تھی۔ بزرگ کا رخ اب تک میجر توحید ہی کی طرف تھا۔ میجر توحید نے سر اٹھا کر اندر آتے ہادی کو دیکھا اور کہا۔

"آؤ ہادی یہ انور واسطی صاحب ہیں، واسطی انڈسٹریز کے مالک اور اربوں پتی بزنس مین اور واسطی صاحب یہ ہماری کمپنی کا سب سے دلیر اور بہادر گارڈ ہادی ہے۔" انور واسطی نے مڑ کر ہادی کی طرف دیکھا اور بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی اور ایسے تاثرات تھے جن میں شناسائی کی جھلک تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انور واسطی نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا اور گرنے کے سے انداز میں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگے۔

میجر توحید بھی بے اختیار اٹھے اور بولنے لگے۔" خیریت تو ہے واسطی صاحب۔"

"آں ہاں ہم میں ٹھیک ہوں۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے اور دوبارہ یک ٹک ہادی کو گھورنے لگے۔

ہادی گومگو سا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ واسطی صاحب اسے دیکھ کر کیوں چونکے تھے۔" بیٹھو ہادی تم اب تک کھڑے کیوں ہو۔" میجر توحید نے کہا اور ہادی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم کون ہو؟ اور تمہارے والد کا کیا نام ہے۔؟" واسطی صاحب نے وہی سوال کیا جس کا جواب ہادی کے پاس نہیں تھا اس کے چہرے کا رنگ اڑتا دیکھ کر میجر توحید نے ہادی کی کہانی واسطی صاحب کو سنادی۔ "اوہ کیا کوئی باپ اتنا سنگدل بھی ہوسکتا ہے کہ اپنی ہی اولاد کو چند روپوں کے عوض بیچ ڈالے۔" واسطی صاحب کو اس کی کہانی سن کر شاک لگا تھا انہوں نے قدرے توقف سے کہا۔" ہادی جیسا کہ میجر صاحب ہمارا تعارف کرواچکے ہیں۔ میرا نام انور واسطی ہے، اللہ نے مجھے اتنا نوازا ہے کہ جس کی حد نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں بدقسمت بھی ہوں میرے تین بیٹے دانش واسطی، ارسل واسطی اور طارق واسطی تھے۔ ان میں سے صرف دانش واسطی شادی شدہ اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔ آج سے سترہ اٹھارہ سال پہلے میرے بیٹے دانش واسطی کی اور اس کی بیوی کی لاش ساحل سمندر پر پائی گئی البتہ پوتے کی لاش نہیں ملی جس کے متعلق اندازہ یہی تھا کہ وہ بھی ڈوب کر ہلاک ہوچکا ہے، اسی روز رات کے پہر مجھے

پراسرار فون کال موصول ہوئی جو میرے مرحوم پرنسل سیکریٹری قادر کی تھی جسے میں نے پانچ لاکھ کے غبن پر پولیس کے حوالے کردیا تھا جہاں لاک اپ میں قادر نے خودکشی کرلی فون کرنے والے نے خود کو قادر کی روح بتایا اور دانش اور اس کی اہلیہ کا قتل کرنے کے اعتراف کے ساتھ ساتھ میرے پورے خاندان کو قتل کرنے کی دھمکی دی، پولیس کی سیکورٹی کے باوجود یکے بعد دیگرے میرے دونوں بیٹے قتل کردیئے گئے۔ اب وسیع وعریض واسطی ہاؤس میں صرف میں اور میرا داماد قدیر رانا اور بیٹی سارا واسطی اور میری پوتی روشنی بچے ہیں۔

تین سال پہلے قادر کی روح نے انسپکٹر جمال الدین کو بھی اس کے گھر میں گھس کر قتل کردیا۔ میرے گھر کے چاروں طرف سیکورٹی گارڈز تعینات ہیں اس کے باوجود کئی بار ایک پراسرار کفن پوش سب کو دکھائی دیا لیکن پھر وہ اچانک غائب ہوجاتا ہے میں نے میجر توحید کی سیکورٹی ایجنسی کی بڑی تعریف سنی تھی اسی لئے ہاں آیا ہوں۔" انور واسطی کی داستان واقعی حیرت انگیز تھی۔

ہادی کچھ سوچنے کے بعد بولا۔ "واسطی صاب ابھی آپ نے بتایا کہ آپ کے دو بیٹے غیر شادی شدہ اور ایک شادی شدہ تھا جو اپنی بیوی اور بیٹے سمیت حادثے کا شکار ہوگیا۔ پھر آپ کی یہ پوتی روشنی؟"

"تم واقعی ذہین ہو بیٹا خون کے علاوہ دل کے رشتے بھی ہوتے ہیں۔" واسطی صاحب مسکرائے۔

"بس ایک آخری سوال آپ مجھے دیکھ کر چونکے کیوں تھے؟" ہادی نے پوچھا۔

"تمہاری شکل میرے ایک عزیز سے ملتی جلتی ہے۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولے اور ہادی کو اپنا ایڈریس سمجھا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ رخصت ہوگئے۔

گارڈز کی مخصوص گاڑی نے دوسرے روز ہادی کو انور واسطی کی رہائش گاہ کے قریب اتارا۔ اونچی اونچی دیواروں پر خاردار تاروں کی باڑ نصب تھی۔ جن میں یقیناً برقی رو دوڑ رہی تھی گیٹ پر تین چار مسلح گارڈز موجود تھے۔ جنہوں نے ہادی کے آنے کی اطلاع دی اور انور واسطی کی اجازت ملنے پر ہادی کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

ہادی نے کچھ ہی دیر میں اندازہ لگالیا کہ یہاں سیکورٹی کا فول پروف انتظام تھا احاطے میں جگہ جگہ سیکورٹی گارڈ موجود تھے اس کے علاوہ عمارت اور احاطے میں اس نے کئی جگہ خفیہ کیمرے دیکھے۔ اس کے باوجود یہاں پے در پے قتل کی وارداتیں اور واسطی صاحب کا سیکورٹی پر عدم اعتماد بلاجواز نہ تھا۔ ہادی سمجھ چکا تھا کہ اسے یہاں چوکنا رہنا پڑے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موجودگی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے۔

انور واسطی اپنے ساتھ کافی پلانے کے بعد اسے بارہ بائی پندرہ کے ایک کمرے میں لے گئے یہاں دائیں سمت دیوار کے ساتھ سینما اسکرین کی طرح بڑی سی اسکرین نصب تھی ساتھ ہی کنٹرول پینل بھی تھا۔ واسطی صاحب کنٹرول پینل کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے اور چند بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور اسکرین روشن ہوگئی اسکرین پر پوری عمارت کے ہر کمرے کوریڈور اور احاطے کے منظر صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"بہت خوب آپ نے تو سیکورٹی کے خاطر خواہ انتظامات کر رکھے ہیں۔" ہادی نے بے ساختہ کہا۔

"یہی نہیں جگہ جگہ کیمروں کے ساتھ مگ بھی نصب ہیں تم اس اسکرین پر سرگوشی میں کی جانے والی گفتگو بھی سن سکتے ہو اس کے باوجود بھی میں مطمئن نہیں ہر پل خطرے کا احساس رہتا ہے۔ میری راتوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں اور سونے کے لئے سلیپنگ پلز استعمال کرتا ہوں یہ دولت بھی عجیب شے ہے کانٹوں کی سیج ہے جہاں نیند نہیں آتی۔"

وہ بجھے دل سے بولے کچھ دیر گپ شپ لگانے کے بعد وہ کمرے سے چلے گئے اور ہادی کنٹرول پینل کے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اس وسیع وعریض کوٹھی کے چپے چپے کو چھانتے چھانتے شام ہوگئی تو وہ دوبارہ کمرے میں آکر کنٹرول پینل کے سامنے بیٹھ گیا رات گیارہ بجے تک کنٹرول پینل پر بٹنوں کو چھیڑ چھاڑ کرتے

ہوئے اور اسکرین پر نگرانی کرنے سے اکتا گیا تو کمرے سے باہر نکلا۔ کوریڈور سنسان پڑا تھا۔ واسطی صاحب شاید محوِ خواب تھے۔ ہادی ٹہلتا ہوا احاطے میں آ گیا اور مخمل کی طرح نرم نرم گھاس پر چہل قدمی کرنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

اچانک اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس کی گردن پر پشت کی جانب سے لوہے کی ایک سرد نال آ لگی تھی۔ جسے وہ بخوبی پہچانتا تھا یہ پسٹل کی نال تھی گویا وہ وقت آن پہنچا تھا۔ جس سے ہادی ڈر رہا تھا۔ ہادی نے مڑکر دیکھا تو ششدر رہ گیا اس کے سامنے وہی مغرور حسینہ پسٹل تانے کھڑی تھی جس کی بلیک ہنڈا اکارڈ سے وہ ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا اور جس نے اسے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔

"تو تم ہو قاتل حسینہ اور یہاں ہونے والے قتل کی وارداتوں کی ذمہ دار تمہارے گروہ میں اور کون کون ہے؟" ہادی تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے مجھے تو تم خود ہی کوئی جنونی قاتل دکھائی دے رہے ہو جو سڑک سے پیچھا کرتے ہوئے میرے گھر تک آن پہنچے۔" وہ بھنا کر بولی۔

ہادی نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ وہ چلائی۔ "خبردار آگے مت بڑھنا ورنہ گولی چلادوں گی۔" وہ ٹھٹھک کر رک گیا لڑکی کے پسٹل پکڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے اسلحہ کے استعمال میں مہارت ہے۔

"تم ہو کون؟"

ہادی نے اسے سخت تیوروں سے گھورا یہ لڑکی اس شہر میں آتے ہی اس سے ٹکرائی تھی اور پہلی ہی نظر میں اس کے دل میں جا بسی تھی اب رات کے اس پہر اسے پسٹل ہاتھوں میں تھامے دوسرے کے گھر دیکھ کر اسے دکھ ہوا تھا۔ "میں روشنی ہوں اب تم بتاؤ تم کون ہو؟"

"گویا یہ واسطی صاحب کی پوتی ہے۔" ہادی نے سوچا۔

"فی الحال تو تمہارا باڈی گارڈ ہوں آگے اللہ بہتر جانتا ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" وہ اشتعال میں آ گئی۔

اسی وقت ایک طرف سے دو گارڈز باتیں کرتے ہوئے ان کی طرف آ گئے۔ "روشنی بی بی آپ نے ہادی صاحب پر پسٹل کیوں تان رکھا ہے۔" ایک گارڈ نے حیرت سے پوچھا۔

"کون ہے یہ؟" وہ پسٹل کی نال نیچے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ صاحب کے باڈی گارڈ ہیں۔"

"ہونہہ باڈی گارڈ ایسے ہوتے ہیں۔" وہ پسٹل ہولسٹر میں رکھتے ہوئے بولی۔

"تو کیا باڈی گارڈ کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔" ہادی ہنسا اور وہ اسے غصے سے دیکھتی ہوئی ایک طرف چل دی۔

ہادی کچھ دیر ٹہلنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آ کر کنٹرول پینل کے سامنے آ بیٹھا۔ نجانے کس وقت وہ بیٹھے بیٹھے ہی کرسی پر سو گیا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ ہادی کی آنکھ کھلی اس نے انگڑائی لی اور اسکرین پر دیکھا سب کچھ کلیئر تھا کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے چار بج رہے تھے وہ باہر کا جائزہ لینے کے لئے نکلا ابھی احاطے میں پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک ہیولہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس طرف تاریکی تھی ہادی چند قدم آگے بڑھا اور وہ شخص واضح ہو گیا۔

کفن جیسا لباس پہنے ایک دراز قد شخص کو دیکھتے ہی ہادی نے اپنے ہولسٹر سے پسٹل نکال لیا اور چند قدم مزید آگے بڑھا اسی وقت کفن پوش نے مڑکر دیکھا تو ہادی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے انتہائی ڈراؤنا چہرہ جس پر گوشت برائے نام بھی نہ تھا۔ سامنے کے دانت ڈریکولا کی مانند ابھرے ہوئے تھے۔ ہادی نے لاک پن ہٹائی اور فائر کیا گولی کفن پوش کے سینے میں لگی یہ دیکھ کر ہادی کا خون خشک ہونے لگا کہ گولی لگنے کے باوجود کفن پوش اطمینان سے کھڑا تھا اس نے ہادی کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک کیاری کی طرف چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا۔

www.bookstube.net
www.urdutube.net
www.urdumovies.net

فائر کی ہولناک آواز سن کر احاطے میں ادھر ادھر ٹہلنے والے گارڈز دوڑتے ہوئے وہاں آ گئے۔ ''کیا ہوا؟'' ایک نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''وہاں کفن پوش بھوت گھسا ہے۔'' ہادی نے کیاری کی طرف اشارہ کیا کفن پوش بھوت کا نام سنتے ہی گارڈز تھر تھر کانپنے لگے تھے۔

بہر حال ہادی کے کہنے پر انہوں نے گنیں فائرنگ پوزیشن میں کیں اور کیاری کے قریب پہنچ گئے۔ ''کون ہو تم ؟ سامنے آؤ ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔'' ایک گارڈ کڑک کر بولا یہ اور بات ہے کہ خوف سے اس کی آواز کپکپا رہی تھی مگر جواب ندارد، ہادی نے ایک گارڈ سے رائفل لے کر نال سے وہاں موجود پودوں کی ٹہنیاں ایک طرف کیں مگر وہاں کوئی نہیں تھا کفن پوش گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

شور شرابے اور گولی چلنے کی آواز سن کر انور واسطی بھی وہاں آ چکے تھے۔ ''کیا ہوا؟'' انہوں نے ہادی سے استفسار کیا۔

''واسطی صاحب ابھی ابھی یہاں کوئی تھا۔ اس نے کفن جیسا لباس پہنا ہوا تھا اور چہرہ بہت ہی ڈراؤنا تھا اور چہرے پر صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں گوشت برائے نام بھی نہیں تھا اس کے سامنے کے دانت ڈریکولا کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے میں نے اس پر گولی بھی چلائی مگر سب بے اثر رہا پھر وہ کیاری میں جاتے ہی غائب ہو گیا۔'' ہادی نے جواب دیا۔

اور واسطی صاحب کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔

ہادی اور گارڈز نے اردگرد کا سارا ایریا چھان مارا مگر وہ جو کوئی بھی تھا غائب ہو چکا تھا۔ ''کک کہیں وہ سچ مچ بدروح یا بھوت تو نہیں۔'' ایک گارڈ خوف زدہ لہجے میں بولا اور واسطی صاب نے اسے غصے سے گھورا۔ ''احمق انسان بھی انسان بھی غائب ہوتے ہیں۔''

اسی وقت ایک طرف سے چالیس پینتالیس سالہ صحت مند شخص آتا دکھائی دیا۔ ہادی ہولسٹر سے پسٹل نکالنے ہی والا تھا کہ واسطی صاحب نے اسے روک دیا۔

''یہ میرا داماد قدیر رانا ہے۔ تقریباً میرا سارا بزنس اسی نے سنبھال رکھا ہے۔''

''انکل خیریت ہے۔'' وہ واسطی صاحب کے قریب آ کر بولا۔

''ہادی نے کسی بھوت کو یہاں دیکھا تھا پھر وہ کیاری میں غائب ہو گیا۔'' واسطی صاحب نے ہادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے ہادی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا اور بولا۔ ''او کے انکل میں تو سونے جا رہا ہوں شور شرابے کی آواز سن کر صورتحال جاننے آ گیا تھا۔'' رانا ٹہلتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

گارڈز بھی اپنی پوزیشن پر چلے گئے کچھ دیر بعد واسطی صاحب بھی آرام کرنے چلے گئے اور ہادی اپنے کمرے میں آ گیا۔

صبح خاصی سنسنی خیز تھی سرونٹ کوارٹر سے ایک ملازم کی لاش ملی تھی جس کا گلا کسی تیز دھار خنجر سے کاٹا گیا تھا۔ سرونٹ کوارٹر کی دیواروں پر ملازم کے خون سے تاور لکھا ہوا تھا۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی۔ لاش کو معائنے کے بعد پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا کر پولیس نے واسطی صاحب ہادی اور دیگر افراد کا بیان لیا۔

ہادی سارا دن مصروف رہتا۔ کنٹرول پینل پر اسکرین کے ذریعے نگرانی کرنے کے علاوہ کبھی کبھار پوری کوٹھی اور احاطے میں گھومتا، اس دوران کبھی کبھار اس کی ملاقات روشنی سے بھی ہو جاتی۔ اب روشنی کا رویہ بھی ہادی کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا۔ ہادی نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی کی جھلک دیکھ لی تھی۔ واسطی صاحب بھی ہادی کے قرب سے خوب خوش ہوتے اور چہکتے رہتے۔

اس روز روشنی کو اپنی کسی فرینڈ کی سالگرہ کی تقریب میں شرکت کی غرض سے جانا تھا۔ شام چھ بجے وہ گھر سے باہر نکلے ہادی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا جبکہ پچھلی نشست پر روشنی اپنی فرینڈ نائلہ کے ساتھ بیٹھی تھی وہ دونوں انگلش میں باتیں کر رہی تھیں باتیں کرتے کرتے روشنی غیر ارادی

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdumovies.net

طور پر ہادی کو دیکھنے لگی۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔" نائلہ چہکی۔

"بکومت۔" روشنی جھینپ گئی۔

"ویسے یار تمہارا یہ باڈی گارڈ ہے بھی کتنا ہینڈسم اور چارمنگ پورے کا پورا شاہ رخ خان دکھائی دیتا ہے۔"

ہادی انگلش میں کی جانے والی گفتگو تو نہیں سمجھا لیکن باڈی گارڈ کے الفاظ سنتے ہی اس کے کان کھڑے ہوگئے وہ سمجھ گیا کہ وہ اسی کے بارے میں بات چیت کررہی ہیں۔

گاڑی کے فائیو اسٹار ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں پہنچتے ہی ان کی گپ شپ کا اختتام ہوگیا، روشنی اسے ہوٹل کے باہر رہنے کی تاکید کرکے خود نائلہ کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوگئی۔ ہادی کچھ دیر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا رہا پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگا۔

رات دس بجے کے قریب ہادی دوبارہ پارکنگ ایریا میں داخل ہوا۔ روشنی نے اسے یہی بتایا تھا کہ سالگرہ کی تقریب دس بجے اختتام پذیر ہوجائے گی۔ وہ پارکنگ ایریا میں ٹہلتے ٹہلتے یونہی ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا کہ ایک طرف نیم تاریکی میں ایک گاڑی کی آڑ میں اسے کوئی چیز چمکتی دکھائی دی وہ ٹہلتا ہوا ذرا آگے بڑھا۔ نیم تاریکی میں کسی شخص کی پرچھائیں دکھائی دے رہی تھی وہ چمکتی ہوئی چیز موبائل فون کی اسکرین تھی وہ شخص موبائل فون پر بات کررہا تھا۔ "سر آپ فکر مت کریں وہ جیسے ہی باہر آئے گی میں اسے ہٹ کرلوں گا۔ نہیں نہیں میرا نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ہادی نے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دھک سے رہ گیا وہ دونوں پارکنگ ایریا میں داخل ہوچکی تھیں، روشنی آگے تھی جبکہ نائلہ اس کے پیچھے آرہی تھی اب سوچنے یا سمجھنے کا وقت نہیں تھا ہولسٹر سے پسٹل نکالنے اور پھر لاک پن ہٹانے میں کم از کم بھی 30 سیکنڈ صرف ہوتے اور پھر حملہ آور گاڑی کی آڑ میں تھا۔ اسے روشنی کو بچانا تھا روشنی کار کے قریب پہنچنے والی تھی جبکہ حملہ آور کی رائفل کی نال بھی وہ گاڑی کی آڑ سے نکلتے دیکھ چکا تھا۔ حملہ آور کوئی تربیت یافتہ شخص تھا اس نے رائفل کی نال گاڑی کی آڑ سے نکالتے ہوئے اس قدر احتیاط کی تھی کہ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ نشانے پر نہیں آرہا تھا۔

ہادی نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کیا ڈرائیور نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا روشنی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ہادی نے کسی چیتے کی طرح دوڑ کر چھلانگ لگائی اور روشنی کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے نیچے گرا۔ فائر کے ہولناک دھماکے سے ایک لرزہ خیز چیخ بلند ہوئی۔ یہ ڈرائیور تھا، روشنی کے گرنے سے روشنی کی جانب آنے والی گولی ڈرائیور کی گردن میں لگی تھی۔

ہادی چیختی چلاتی روشنی کو خود سے لپٹائے کروٹیں بدلتا ہوا ہنڈا اکارڈ کی آڑ میں چلا گیا جبکہ نائلہ چیختی ہوئی جان بچانے کے لئے ایک طرف بھاگی ادھر ہادی خوف سے کانپتی روشنی پر سے اٹھا اور پسٹل نکال کر اس کار کی طرف فائر کیا۔ جس کی آڑ میں حملہ آور موجود تھا لیکن یہ سب بے سود رہا۔ حملہ آور چھلاوے کی طرح غائب ہوچکا تھا۔

ہوٹل کی سیکورٹی کا عملہ بھی جائے وقوعہ پر پہنچ چکا تھا۔ ایمبولینس اور پولیس کے آنے سے پہلے ڈرائیور دم توڑ چکا تھا۔

روشنی دوڑتی ہوئی آئی اور لوگوں کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر ہادی سے لپٹ گئی۔ اس کے گداز جسم کے لمس سے ہادی کی حالت غیر ہونے لگی۔ اور لوگوں کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اس نے نرمی سے روشنی کو خود سے الگ کیا۔

کچھ ہی دیر میں پولیس موبائل بھی ہوٹر بجاتی ہوئی آگئی۔ کافی دیر بعد انہیں جانے کی اجازت دی گئی نائلہ بھی واپس آچکی تھی ڈرائیور کی ڈیڈ باڈی پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوادی گئی جبکہ ہادی خوف زدہ اور سہمی ہوئی لڑکیوں کو لے کر وہاں سے نکلا نائلہ کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد وہ واسطی ہاؤس پہنچے، واسطی صاحب کو واقعہ کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ بہت خوف زدہ تھے۔ اور یہ بجا بھی تھا کہ نامعلوم

قاتل ان کے تینوں بیٹوں کو باری باری قتل کرچکا تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر جمال کو قتل کیا گیا پھر واسطی ہاؤس میں ملازم کے قتل کے بعد روشنی پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اور پولیس قاتل کا سراغ نہیں لگا سکی۔

واسطی ہاؤس کے گرد سیکورٹی مزید سخت کردی گئی۔

یہ دوروز بعد کی بات ہے جب ہادی احاطے میں گشت کررہا تھا نصف شب کے قریب جب وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو احاطے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی اسے بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پہلے کی طرح جیسے دور اس کی نظر ایک کفن پوش پر پڑی۔ ہادی نے پہچان لیا یہ وہی کفن پوش مردہ یا بھوت تھا۔ جس سے پہلے بھی اس کا سامنا ہوچکا تھا اس بار ہادی نے پہلے والی غلطی نہیں دہرائی۔ بلکہ مناسب فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا مختلف درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھ رہا تھا۔

ایک جگہ کفن پوش مردے نے مڑ کر دیکھا تو ہادی جلدی سے ایک درخت کی آڑ میں ہوگیا وہی گوشت سے محروم چہرہ اور ڈریکولا کی طرح لمبے لمبے دانت دیکھ کر چند لمحوں کے لئے ہادی خوف زدہ ہوا پھر ہمت کرکے دوبارہ اس کے پیچھے چلنے لگا واسطی ہاؤس کی عقبی سمت پہنچ کر کفن پوش نے دوبارہ مڑ کر دیکھا ہادی ایک بار پھر درخت کی آڑ میں ہوگیا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ کسی بندر کی طرح اچک کر دیوار پر چڑھا اور با آسانی دوسری طرف کود گیا۔

ہادی حیران تھا کہ کوئی عام انسان اتنی اونچی دیوار پر بغیر کسی سہارے کے نہیں چڑھ سکتا تھا اور پھر خاردار تاریں بھی دیوار پر موجود تھیں قدرے توقف کے بعد ہادی۔ آگے بڑھا اور دیوار کے قریب ایک اونچے درخت پر چڑھ کر اس طرف دیکھنے لگا جہاں سے کفن پوش مردہ چڑھا تھا۔ وہاں تین چار فٹ کے قریب خاردار تاریں کٹی ہوئی تھیں شاید یہ کارروائی کافی دن پہلے کی گئی ہو اور یہی جگہ اس کی آمدورفت کا ذریعہ ہو اس طرف ویسے بھی گارڈز خاص توجہ نہیں دیتے تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر وہ کوئی بھوت یا پریت تھا تو اسے خاردار تاریں کاٹنے کی کیا ضرورت تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ کفن پوش پر گولی اثر کیوں نہیں کرتی اور اس کا گوشت پوست سے محروم چہرہ کسی انسان کا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ہادی ایک لمبی اور مضبوط ٹہنی کے ذریعے دیوار پر اس جگہ پہنچا جہاں خاردار تاریں کٹی ہوئی تھیں اور لٹک کر باہر پہنچ گیا۔

کفن پوش شخص واسطی ہاؤس کی عقب سمت تقریباً چالیس گز دور سڑک پر کھڑی کرولا میں بیٹھ رہا تھا۔ کرولا کے اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھتے ہی ہادی دوڑتا ہوا سڑک پر پہنچا وہ سپر مین تو تھا نہیں کہ اڑ کر کار کا پیچھا کرتا، تعاقب کرنے کے لئے گاڑی ضروری تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ نیت صاف اور منزل آسان مخالف سمت سے ایک موٹر سائیکل کو آتے دیکھ کر ہادی نے سوچا اور سڑک کے بیچ میں آکر ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ موٹر سائیکل سوار گرانڈیل گنجے شخص نے اسے غصے سے دیکھا۔ "یار اس گاڑی کا پیچھا کرنا ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

"کیوں کیا تم سی آئی ڈی والے ہو۔" گنجا تند لہجے میں بولا اور ہادی نے سمجھ لیا کہ گنجے کو سمجھاتے سمجھاتے کرولا اس کی پہنچ سے دور ہوجائے گی۔ اس نے چشم زدن میں گنجے کی کنپٹی پر ایک زور دار مکا رسید کیا وہ بے ہوش ہوکر ایک طرف گرا تو ہادی نے موٹر سائیکل سنبھالی، دل ہی دل میں وہ گنجے سے معذرت کرتا ہوا موٹر سائیکل پر بیٹھا۔ ون ٹو فائیو اچھی پوزیشن میں تھی ایک ہی کک میں اسٹارٹ ہوگئی۔

ہادی نے کچھ ہی دیر میں ٹویوٹا کرولا کو جالیا اور مناسب فاصلے سے اس کا پیچھا کرنے لگا۔ سفر کا اختتام ایک عمارت کے سامنے ہوا ٹویوٹا کرولا کے دوبارہ ہارن بجانے پر عمارت کا گیٹ کھلا اور ٹویوٹا کرولا اندر داخل ہوگئی ہادی نے موٹر سائیکل عمارت سے کافی فاصلے پر روکی تھی وہ موٹر سائیکل سے اتر کر آگے بڑھا ہی تھا کہ سامنے سے آتی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ یہ پرانی طرز کی کالی پیلی ٹیکسی تھی۔ جس پر ڈرائیور کے علاوہ پیچھے دو لمبے تڑنگے آدمی بیٹھے تھے ٹیکسی کی رفتار لمحہ بھر کے لئے آہستہ ہوئی پھر تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

ہادی ٹیکسی ڈرائیور کو دل ہی دل میں کوستا ہوا اس

www.bookstube.net www.urdutube.net www.urdunovels.net

پرانی سی عمارت کی عقبی سمت پہنچا جس کا رنگ و روغن جگہ جگہ سے اترا ہوا تھا۔ احاطے کی دیوار کافی اونچی تھی۔ ہادی نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے کچھ فاصلے پر بڑے بڑے پتھر دکھائی دیئے۔ جنہیں اٹھا کر اس نے دیوار کے ساتھ چبوترا سا بنایا اور دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے اندر جھانکا عقبی سمت اندھیرا تھا۔ وہ پنجوں کے بل اندر کودا اور چند لمحے دیکار رہنے کے بعد اٹھا ہی تھا کہ کسی نے اس پر چھلانگ لگادی وہ کوئی بھاری بھر کم شخص تھا جو اسے رگڑتا ہوا نیچے گرا۔ اس نے گرنے کے ساتھ ہی ہادی کے چہرے پر گھونسہ رسید کیا اس سے پہلے کہ وہ ہادی پر دوسرا وار کرتا اس نے برق سرعت سے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکالا اور اس کے سینے میں اتار دیا۔ وہ دلدوز انداز میں چیخا اور ایک طرف گر کر تڑپنے لگا۔

ہادی دشمن کی کمین گاہ میں آتے ہی نظر میں آچکا تھا اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس عمارت میں کتنے لوگ موجود ہیں مرنے والے کی آخری چیخ یقیناً اس کے ساتھی سن چکے ہوں گے یہ خیال آتے ہی ہادی دیوار کی طرف دوڑا۔

اسی وقت ایک فائر ہوا گولی اس کے قریب سے گزری تھی۔ وہ بے اختیار رک گیا غالباً یہ گولی وارننگ فائر تھا۔ ”خبردار ہلنے کی کوشش مت کرنا ورنہ گولیوں سے چھلنی کردیئے جاؤ گے۔“ عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔

وہ گہرا سانس لے کر مڑا تین تنومند افراد اس کی طرف رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ ہادی نے اپنے ہاتھ سر سے بلند کرلئے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اپنے مرنے والے ساتھی کا معائنہ کرنے آگے آیا جبکہ دوسرے دو بدستور اس پر رائفلیں تانے کھڑے رہے۔ اس نے ہادی کے خنجر پر قبضہ کرنے کے بعد اسکے ہولسٹر سے پسٹل بھی نکال لیا۔ اپنے ساتھی کی موت پر تینوں کی آنکھوں میں لہو تھا لیکن سر دست انہوں نے ہادی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور آگے چلنے کا حکم دیا وہ اسے لئے ہوئے ایک بارہ بائی بارہ کے کمرے میں داخل ہوئے یہ ساز و سامان سے عاری خالی کمرہ تھا۔ فرش پر کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک پرانا سا میٹرس پڑا تھا۔ کمرے میں سو واٹ کے بلب کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی ان میں سے ایک نے نہ جانے کہاں سے نائلون کی مضبوط رسی نکالی اور ہادی کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ ”تم لوگ کون ہو؟“ ہادی نے پوچھا۔

”بچہ صبر کر بہت جلد اپنا تعارف بھی کروادیں گے۔“ ان میں سے ایک نے غضب ناک لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے کے دروازے کو باہر سے مقفل کردیا گیا تھا۔ ان کا رویہ ہادی کی سمجھ سے باہر تھا۔ اپنے ساتھی کی موت کے باوجود انہوں نے اس پر کسی بھی قسم کا تشدد نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ آگے بھی اس سے شرافت سے پیش آئے۔ آنے والے وقت کی سنگینی کا خیال آتے ہی ہادی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ہادی نے جذبات میں آکر سنگین غلطی کی تھی۔ جو اس کفن پوش کا تعاقب کرتے ہوئے تن تنہا انجام سے بے پرواہ اس عمارت میں جا گھسا تھا اور اب بے دست و پا ہو گیا تھا۔

دو تین گھنٹوں بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور دو رائفل بردار اندر داخل ہوئے۔ یہ وہی تھے جنہوں نے اسے اس کمرے میں قید کیا تھا۔ ”چلو آگے۔“ ان میں سے ایک نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا وہ اسے ایک ہال نما کمرے میں لے گئے۔ اندر صوفے پر ایک دراز قد قوی ہیکل شخص بیٹھا تھا۔ جس نے اپنی گود میں ایک نیم عریاں خوبرو لڑکی کو بیٹھا رکھا تھا۔ ان کے سامنے میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھے تھے۔ اس شخص کو دیکھتے ہی ہادی ششدر رہ گیا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر اس چہرے کو دوبارہ دیکھے گا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے بدن کا سارا خون اتر کر اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ جینز کی پینٹ پہنے اس لمبے چوڑے اور کسرتی جسم والے شخص کا اوپری جسم برہنہ تھا۔ بائیں کان میں سونے کی بالی اور اوپری جسم پر بن مانس کی طرح لمبے گھنے بال۔ وہ کوئی اور نہیں کاشو تھا۔

ہادی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی چمک لہرائی کاشو کی یادداشت غضب کی تھی دس بارہ سال کے طویل عرصہ کے باوجود وہ ہادی کو پہچان چکا تھا۔ ”کاکا مجھے آج واقعی یقین ہوگیا ہے کہ زمین گول ہے میں نے

تجھے کہاں نہیں ڈھونڈا مگر تو نہیں ملا اور تو کیا سمجھتا تھا کہ میں تجھے بھول جاؤں گا یہ کیسے ہوسکتا ہے تو نے میری بہن کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا تھا حالانکہ تو اسی کی وجہ سے بچا ہوا تھا وہ تجھے چاہتی تھی۔" کاشو خوبرو حسینہ کے نشیب و فراز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"کاشو یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے ڈر گیا ہوں تمہاری بہن بھی تمہاری طرح ظالم سفاک اور عیاش تھی اس نے مجھے صرف اپنے نفس کی تسکین کے لئے زندہ رکھا تھا۔" ہادی اطمینان سے بولا۔

اسی وقت دروازے سے وہی کفن پوش نمودار ہوا جس کا پیچھا کرتے ہوئے ہادی یہاں تک آیا تھا۔ اب ہادی کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ کوئی کفن پوش مردہ نہیں بہروپیا ہے جس نے چہرے پر ماسک پہن رکھا ہے۔

شہر آنے کے بعد ہادی نے بہت سی فلمیں دیکھی تھیں۔ جن میں مجرم جعلی جیسا ماسک پہنتے تھے جس سے ان کی شکل و شباہت بدل جاتی تھی۔" کاشو یہ واسطی کا وہی باڈی گارڈ ہے جس نے فائیو اسٹار ہوٹل کے باہر روشنی کو بچایا تھا۔"

"اوہ۔" کاشو کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے دوشیزہ کو گود سے اتارا اور کھڑا ہو گیا۔

"شاید اس روز تم نے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی تھی جب میں نے تم پر گولی چلائی تھی۔" ہادی نے کفن پوش کو گھورا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" وہ بدستور بھرائی ہوئی آواز میں بولا ہادی کو شک ہو رہا تھا کہ وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"پارٹنر تمہارے لئے بھی سرپرائز ہے۔" کاشو دوبارہ صوفے پر جا بیٹھا اور دو گلاسوں میں شراب انڈیلنے کے بعد ایک کفن پوش کی طرف بڑھایا اور دوسرا گلاس خود اٹھالیا۔

"کیسا سرپرائز؟" کفن پوش نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ وہی ہادی ہے۔ جسے تم نے آج سے بائیس سال پہلے میرے حوالے کیا تھا۔" کاشو بولا اور ہادی کے ساتھ ساتھ کفن پوش بھی حیرت سے اچھل پڑا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انور واسطی کا پوتا ہے تبھی اس کی شکل و صورت دانش واسطی سے ملتی جلتی ہے۔" کفن پوش نے کہا اور پھر قدرے توقف سے بولا۔ "اب ایک سرپرائز اسے میں بھی دوں گا۔" اس نے گردن کے پاس سے ماسک کا جوڑا پکڑا اور ماسک چہرے سے اتار دیا، ہادی کو حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔ آج کا دن شاید اس کے لئے انکشافات کا تھا۔ وہ قدیر رانا تھا۔ انور واسطی کا داماد، وہ ہادی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "لگاتار دھچکا اور میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ اس سنپولے کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بھیک مانگنے کے لئے چوراہے پر بیٹھا دو تاکہ دنیا دیکھے کہ واسطی خاندان کا آخری چشم و چراغ بھیک مانگ رہا ہے۔" رانا سانپ کی طرح پھنکارا۔

"دھیرج رانا یہ بہتر ہی ہوا۔" کاشو نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس لڑکی کو دوبارہ گود میں بیٹھا کر شرمستیاں کرنے لگا اس کے ہاتھ کسی کن کھجورے کی طرح لڑکی کے بدن پر رینگ رہے تھے۔

"تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔" ہادی نے رانا کی طرف دیکھا۔

"اب جبکہ تم مرنے ہی والے ہو تو تم سے کیا چھپانا۔ برسوں پہلے میرا باپ قادر انور واسطی کا ملازم تھا پانچ لاکھ کی معمولی چوری پر اسے انور واسطی نے ذلیل کرنے کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا ایک روز جب میں ماں کے ساتھ باپ سے پولیس اسٹیشن ملنے گیا تو اس نے مجھ سے کہا۔ "بیٹا! انور واسطی سے میرا بدلا ضرور لینا اور کل جب دوبارہ مجھ سے ملنے آؤ تو کسی نہ کسی طرح ایک تیز دھار بلیڈ چھپا کر لے آنا۔" ان دنوں میں محض گیارہ سالہ لڑکا تھا باپ کی بات کا مطلب نہ سمجھا۔

دوسرے روز جب باپ سے ملنے پولیس اسٹیشن گیا تو روٹی میں بلیڈ چھپا کر لے گیا۔ اسی روز رات کو میرے باپ نے خودکشی کر لی۔ ہمارے گھر میں فاقے ہونے لگے۔ ماں ایک روز سڑک پار کرتے ہوئے گاڑی

کے نیچے آ کر جاں بحق ہوگئی۔

جذبہ چاہے محبت کا ہو یا نفرت کا دونوں ہی طاقت ور ہوتے ہیں میں نفرت کا جذبہ دل میں لئے ہوئے پروان چڑھنے لگا۔ جیب تراشی چھوٹی موٹی چوری چکاری کرتے کرتے میں کاشو سے ٹکرایا۔ اور کاشو نے میرا ہاتھ تھام لیا میں جرائم کی دنیا میں قدم بہ قدم بڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھتا بھی رہا، میں خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ خوش لباس بھی تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اسی کالج میں ایڈمشن لیا جس میں سارا واسطی زیر تعلیم تھی پھر میں نے اسے اس حد تک اپنی محبت کے جال میں پھنسایا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہوگی شادی کے بعد گھر داماد رہتے ہوئے انور واسطی کا اعتماد حاصل کرتا رہا۔ پھر ایک روز کاشو کی مدد سے ساحل سمندر پر دانش واسطی اس کی بیوی اور بچے کو اغوا کرنے کے بعد بے ہوش کیا۔ دونوں میاں بیوی کو سمندر کی لہروں کے حوالے کرنے کے بعد ہادی عینی تمہیں کاشو کے حوالے کردیا اسی طرح میں آواز بدل کر انور واسطی کو ڈراتا رہا۔ اور ایک ایک کرکے اس کے تینوں بیٹے قتل کردیئے۔

سارا واسطی سے میری کوئی اولاد نہ ہوئی پھر ایک روز انور واسطی ایک چار پانچ سالہ بچی گھر لے آیا کسی کے پوچھنے پر اس نے بچی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور اسے روشنی کا نام دے کر اس کی پرورش کرنے لگا۔ وہ اسے پوتی کہتا ہے جوان ہونے پر جب اس نے وصیت میں نصف جائیداد روشنی کے نام لکھی تو میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی مگر اسے تم نے بچالیا۔ اس نے اپنی خونی روداد مکمل کی۔

''اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے رانا، شاید اس نے مجھے اس لئے تمہارے ہاتھوں محفوظ رکھا کہ تمہاری اور کاشو کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔'' ہادی غصے سے کھولتے ہوئے بولا۔

''یہ تیری غلط فہمی ہے کاکا تیرے زندہ بچنے کا فائدہ آج ہمیں ہوگا۔ ہم تیرے ذریعے واسطی اور روشنی کو یہاں بلوائیں گے اور اس کی ساری دولت و جائیداد ہمارے نام ہوگی۔'' کاشو حیوانہ انداز میں ہنسا اور بولا۔

''رانا انور واسطی کا نمبر ملاؤ۔'' رانا نے میز پر پڑا موبائل فون اٹھایا جو شاید کاشو کا تھا اور نمبر ڈائل کرنے لگا جبکہ کاشو دوبارہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اس نے اپنے ہولسٹر سے پسٹل نکالا اور لاک پن ہٹا کر اس کی نال ہادی کی کنپٹی سے لگادی۔ ''سن کاکا واسطی کو بول روشنی کو لے کر یہاں آجائے ضروری کام ہے چاہے تو بے شک اسے بتادینا کہ تو اس کا پوتا ہے۔ وہ دوڑا چلا آئے گا اور اگر تو نے کسی قسم کی ہوشیاری کی تو میں بے دریغ گولی چلادوں گا۔'' اس کے ٹھوس لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اس پر عمل بھی کرے گا۔

رانا انور واسطی کا نمبر ملا چکا تھا اور کال ریسو ہوتے ہی اس نے موبائل فون ہادی کے کان سے لگادیا، ہادی سوچ میں پڑ گیا۔ انور واسطی اس کا دادا تھا اگر وہ دادا اور روشنی کو بلاتا تو یہ شیطان نہ جانے ان کا کیا حال کرتا اگر کاشو کی بات نہ مانتا تو اس کی موت یقینی تھی، دوسری طرف سے انور واسطی ہیلو ہیلو کررہے تھے جبکہ ہادی کے ذہن میں جھگڑ سے چل رہے تھے۔

کاشو کی انگلیوں کا دباؤ ٹریگر پر بڑھتا چلا جارہا تھا۔

''مم میں ہادی بول رہا ہوں آپ لوگ سخت خطرے میں ہیں اور رانا غدار ہے۔'' ہادی انجام سے بے پرواہ چلایا اور کاشو نے موبائل فون جھپٹ کر دیوار پر دے مارا۔

''تو نے میری بات نہیں مانی ناں۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکارہ اور زوردار گھونسہ ہادی کے جبڑے پر رسید کیا اس کا ہاتھ ہتھوڑے کی طرح بھاری تھا درد کی ایک لہر ہادی کے وجود میں سرایت کرگئی اور ہونٹوں سے خون رسنے لگا اس نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ کسی وحشی جانور کی طرح ہادی پر پل پڑا۔ اور وحشی انداز میں ہادی کے جسم پر لاتیں گھونسے برسانے لگا۔ ہادی نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے کہ کوئی کراہ یا چیخ نہ نکلے جو کاشو کی تسکین کا باعث بنے اس کے صبر و تحمل نے کاشو کے اشتعال میں اضافہ کردیا اور اس کے انداز میں جارحیت آنے لگی۔

ہادی مار کھاتے کھاتے گر چکا تھا جب کہ کاشو بھی

اسے مارتے مارتے تھک چکا تھا ہادی کے ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا اور جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا درد اور اذیت سہنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

بالآخر وہ درد کی شدت سے بے ہوش ہوگیا، نہ جانے اسے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ ''اٹھو جلدی کرو۔'' ایک مانوس سی مردانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اس کے سامنے ایک دراز قد صحت مند نوجوان موجود تھا جس کے چہرے پر چھوٹی سی داڑھی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی اس کی شکل وشباہت اسے جانی پہچانی لگ رہی تھی ہادی کے ہاتھ پشت سے کھول دیئے گئے تھے۔ ''کون ہو تم؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں اس سے پہلے کہ تمہارے دشمن لوٹ آئیں تمہارا یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔'' نوجوان نے کہا اور ہادی اٹھ کھڑا ہوا۔ کوریڈور میں ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے بے حس و بے حرکت جسم سے انداز ہوتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ وہ دونوں احاطے میں پہنچے وہاں بھی ایک رائفل بردار کی لاش پڑی تھی جس کی گردن غیر فطری انداز میں مڑی ہوئی تھیں۔ ''انہیں تم نے مارا ہے؟'' عمارت کے گیٹ سے نکلتے ہوئے ہادی نے پوچھا۔

''ہاں۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

کچھ فاصلے پر ایک پرانی سی ٹیکسی کھڑی تھی یہ وہی ٹیکسی تھی جب ہادی اس عمارت میں گھسنے کے ارادے سے سڑک پار کر رہا تھا تو چند لمحوں کے لئے رکی تھی ہادی نوجوان کے اشارے پر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ''تم ہو کون؟'' ہادی نے اپنا سوال دھرایا۔

''دوستوں کو اتنی جلدی بھول جاتے ہو میں نے تو پہلی نظر میں پہچان لیا تھا۔'' نوجوان مسکرایا تو ہادی کے ذہن میں جھماکا ہوا وہ اس کا محسن اس کا دوست عالم خان تھا۔

''عالم خان تم۔'' وہ بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔ اور ٹیکسی لہرائی۔ ''احتیاط سے کہیں دونوں ہی اسپتال نہ پہنچ جائیں۔'' عالم خان ہنسا۔

''تم واسطی ہاؤس کی طرف چلو دادا جان خطرے میں ہیں۔'' ہادی تیزی سے بولا اور عالم خان نے واسطی ہاؤس کی طرف جانے والی سڑک پر ٹرن لیا۔

راستے میں ہادی نے وہاں سے فرار کے بعد کی روداد اسے سنا ڈالی اور پھر پوچھا۔ ''تم مجھ تک کیسے پہنچے۔''

عالم خان نے اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ ''مجھے جب گولی لگی تو میں سمجھا میرا آخری وقت آچکا ہے تمہیں بھاگنے کی تاکید کر کے میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ مجھے جب دوبارہ ہوش آیا تو میں ڈاکوؤں کے ڈیرے پر تھا میرے جسم سے گولی نکالی جا چکی تھی میرے صحت یاب ہوتے ہی مجھ پر مظالم کا پہاڑ ڈھا دیا گیا دن بھر وہ مجھے مارتے پیٹتے اور رات کو ایک کمرے میں بند کر دیتے ان دنوں کاشو نے اپنا ٹھکانہ کچھ دنوں کے لئے تبدیل کر لیا تھا۔ کبھی کبھار جب ناجی کا دل چاہتا تو اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مجھے لے جاتے، اسے تمہارے بھاگ جانے کا غصہ تھا پھر وہ اپنے پرانے ٹھکانے پر چلے گئے ان دنوں کاشو اپنے گروہ کے اہم کارندوں کے ساتھ ایک بااثر امیر کبیر شخص کے گھر ڈکیتی کے لئے گیا ہوا تھا کہ۔

ناجی کو اس کے مخبر نے بتایا کہ ہادی قریبی بستی میں افغانیوں کے کیمپ میں ہے۔ وہ تمہیں پکڑنے کے لئے پوری افرادی قوت سے چل پڑی یہ میرے لئے سنہری موقع تھا میں وہاں سے بھاگ نکلا۔

شام کے اندھیرے میں اپنی بستی پہنچا تو وہ وہاں سے کسی دوسری جگہ جا چکے تھے گرتا پڑتا سڑک پر پہنچا ایک ٹرک ڈرائیور سے لفٹ لے کر شہر پہنچا کچھ عرصہ ایک کوئٹہ ہوٹل پر ملازمت کی تمہیں بھی ڈھونڈتا رہا گھر والوں اور زمرد کو بھی تلاش کیا۔ جوان ہوتے ہی افغانستان چلا گیا میرا قبیلہ بابا جان سمیت وہیں تھا وہ مجھے زندہ دیکھ کر خوش ہوئے جہاں ان کی زبانی تمہارے بارے میں پتہ چلا میں دوبارہ زمرد کی تلاش میں پاکستان آیا اپنے چچا اول خان کے گھر گیا وہاں سے پتہ چلا کہ تم انور واسطی کے گھر بطور باڈی گارڈ ملازمت کر رہے ہو۔ میں کرائے پر ٹیکسی چلاتا ہوں میرا ارادہ صبح واسطی ہاؤس جانے کا تھا۔

آج رات دو سواریاں ملیں تم اس عمارت کے سامنے کھڑے تھے اتفاق سے تم پر نظر پڑی اور میں نے تمہیں پہچان لیا میں نے لمحہ بھر کے لئے ٹیکسی روکی تھی لیکن پسنجر کو جلدی تھی پھر میں نے تمہیں مشکوک انداز سے عمارت کی طرف جاتے دیکھا میں سواری چھوڑ کر آیا تو تم نہیں تھے البتہ عمارت سنسان تھی۔ میں عقبی سمت سے عمار ت میں داخل ہوا۔

احاطے میں انسانی خون دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا ان دونوں رائفل برداروں کو جہنم رسید کرنے کے بعد عمارت کی تلاشی لینے پر ایک کمرے سے تم بے ہوش ملے اب لگتا ہے کاشو اور اس کے ساتھی واسطی ہاؤس گئے ہوں گے۔"

ہادی کو عالم خان کا تجزیہ درست لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر واسطی ہاؤس پہنچ جائے انور واسطی اور روشنی خطرے میں تھے ویسے بھی رات ڈھل چکی تھی اور سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ٹیکسی جیسے ہی واسطی ہاؤس کے قریب پہنچی ہادی کی حالت غیر ہونے لگی واسطی ہاؤس کے گیٹ پر دو پولیس موبائل کھڑی تھیں کئی پولیس اہلکار واسطی ہاؤس کے گرد الرٹ کھڑے تھے کسی انہونی کا احساس ہوتے ہی ہادی کا دل بیٹھنے لگا۔ "کہیں کاشو اور رانا اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب تو نہیں ہوگئے۔" یہ سوچتے ہی اسے ایسا لگا کہ جیسے اس کے جسم سے جان نکل چکی ہو۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے واسطی ہاؤس کے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ ٹیکسی سے اتر کر صورتحال جانتا۔ دو پولیس اہلکار ٹیکسی کی طرف بڑھے تو اسے ہوش آیا اور وہ لڑ کھڑاتے قدموں سے ٹیکسی سے اترا۔

عالم خان بھی ٹیکسی سے اتر چکا تھا۔ "کون ہو تم؟" پولیس اہلکاروں میں سے ایک نے ہادی سے پوچھا۔ اسی وقت واسطی ہاؤس کا ایک گارڈ آگے بڑھا۔ "یہ ہادی صاحب ہیں واسطی صاحب کے ہاڈی گارڈ۔" سیکورٹی گارڈ نے آگے بڑھ کر اس کا تعارف کروایا۔

"دادا جان مم میرا مطلب ہے واسطی صاحب تو خیریت سے ہیں۔" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہادی صاحب یہاں تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی واسطی صاحب کے داماد قدیر رانا غدار نکلے وہ دس بارہ ڈاکوؤں کے ساتھ واسطی ہاؤس میں گھس گئے وہ لوگ جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ ہمارے نصف درجن گارڈز مارے گئے اور کئی زخمی ہوگئے واسطی صاحب کے دائیں شانے میں گولی لگی تھی البتہ سارہ بی بی کے سر میں گولی لگی اور وہ جاں بحق ہوگئیں وہ تو خوش قسمتی سے پڑوس والی کوٹھی سے ڈاکٹر راحیل نے بروقت پولیس کو کال کردی اور پولیس کے پہنچنے پر ڈاکو فائرنگ کرتے ہوئے بھاگ گئے۔"

"اور روشنی؟" ہادی نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ صحیح سلامت ہیں اور اس وقت بڑے اسپتال میں واسطی صاحب کے پاس ہیں۔" سیکورٹی گارڈ نے جواب دیا۔

وہ دونوں اسی ٹیکسی میں اسپتال پہنچے روشنی آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھی تھی ہادی کو دیکھتے ہی وہ بے اختیار اٹھی اور ہادی کے قریب پہنچ گئی۔ "تم کہاں چلے گئے تھے اور اپنا کیا حال بنا رکھا ہے اور تمہیں پتہ نہیں ہم تمہاری گمشدگی سے کتنے پریشان تھے اور ہم پر کیا گزری اس شیطان نے پھپھو کو مار دیا دادا جی زخمی ہیں۔" اس کی آنکھیں چھلک پڑیں اور وہ ہادی سے لپٹ کر رونے لگی۔

"پلیز! روشنی رومت دادا جی کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں ہوں ناں۔" وہ اسے بانہوں میں سمیٹتے ہوئے بولا اور روشنی اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

"ہاں روشنی یہ سچ ہے انور واسطی صاحب واقعی میرے دادا ہیں میں دانش واسطی کا بیٹا ہوں۔" ہادی نے اسے آہستگی سے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

عالم خان دلچسپی سے یہ جذباتی منظر دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر باہر نکلا۔ "مبارک ہو آپریشن کامیاب رہا واسطی صاحب کے جسم سے گولی نکال دی گئی ہے اور اب وہ خطرے سے باہر ہیں، ان کے ہوش میں آنے کے بعد آپ لوگ ان سے مل سکتے ہیں۔"

ہادی روشنی کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ جبکہ عالم خان

کچھ دیر بعد رخصت ہوگیا۔

شام تک انور واسطی ہوش میں آچکے تھے اور انہیں پرائیویٹ روم میں منتقل کردیا گیا تھا ہادی کو صحیح سلامت دیکھ کر واسطی صاحب خوش ہوگئے ہادی نے ان کے استفسار پر بتایا کہ رانا کا تعاقب کرنے کے بعد اس پر کیا گزری۔

واسطی صاحب نے اسے بتایا کہ "ہادی کی کال ریسو ہونے کے بعد انہوں نے صرف ایک جملہ سنا تھا کہ آپ خطرے میں ہیں۔ پھر رابطہ منقطع ہوگیا تھا بعد میں رانا دس بارہ مسلح افراد کے ساتھ واسطی ہاؤس پہنچا گیٹ پر اس نے یہی بتایا کہ وہ انہیں واسطی ہاؤس کی حفاظت کی غرض سے لایا ہے۔ واسطی ہاؤس کے گارڈز رانا کو جانتے تھے کہ وہ واسطی صاحب کا داماد ہے۔ اس لئے اسے جانے دیا گیا وہ مسلح افراد کو واسطی صاحب سے ملوانے کے بہانے سے اندر لے گیا تھا ان کے حلیے مشکوک تھے گارڈز کا انچارج زمان چونک گیا تھا ادھر مسلح افراد نے اندر موجود گارڈز سے گن پوائنٹ پر اسلحہ چھین لیا۔ واسطی صاحب اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے رانا ان کے کمرے کی طرف لپکا اور ان کے دروازہ بند کرنے سے پہلے انہیں گن پوائنٹ پر رکھ کر مجبور کرنے لگا کہ وہ اپنی تمام پراپرٹی اور دولت اس کے نام کردیں۔

ادھر گارڈز کا انچارج اندر جائزہ لینے کے لئے چند گارڈز کے ساتھ گیا۔ مسلح افراد نے اس پر فائرنگ شروع کردی پھر دوبدو مقابلہ ہونے لگا جس میں کئی گارڈز زخمی ہوگئے۔ فائرنگ کی آواز سن کر رانا گھبرا گیا اور واسطی صاحب نے اس سے پسٹل چھیننے کی کوشش کی مزاحمت کرتے ہوئے گولی چلی جس سے واسطی صاحب زخمی ہوگئے رانا گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔

اسی وقت سارا بی بی اپنے کمرے سے نکلی۔ اپنے شوہر کو پسٹل تھامے بھاگتا دیکھ کر اس کے راستے میں آگئی رانا نے بیوی کو گولی ماردی۔

خوش قسمتی سے ان کے پڑوس والی کوٹھی کے مالک نے واسطی ہاؤس میں فائرنگ کی آواز سن کر پولیس کو فون کردیا اور اسی علاقے میں گشت کرنے والی پولیس موبائل موقع پر پہنچ گئی۔

لیکن رانا اور کاشو سمیت ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

واسطی صاحب کے اصرار پر دوسرے روز انہیں اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا۔ اسی روز اسپتال سے سارہ واسطی کی ڈیڈ باڈی واسطی ہاؤس پہنچادی گئی جسے آہوں اور سسکیوں سے سپرد خاک کردیا گیا۔

کچھ روز واسطی ہاؤس میں ماحول سوگوار رہا پھر حالات معمول پر آنے لگے۔

روشنی اور ہادی نے ایک دوسرے سے حال دل نہیں کہا تھا لیکن وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کے حال دل سے واقف ہوچکے تھے۔

ایک روز واسطی صاحب اپنے کمرے میں لیٹے تھے، روشنی ان کے سرہانے بیٹھی بے حد اصرار ان کا سر دبا رہی تھی جبکہ ہادی قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ گاہے بے گاہے روشنی پر محبت بھری نظر ڈال رہا تھا روشنی کے لئے پلکیں اٹھانا مشکل ہورہا تھا اور واسطی بظاہر بے پرواہ نظر آرہے تھے لیکن ان دونوں کی معصومانہ حرکتیں ان کی آنکھوں سے مخفی نہیں تھیں۔ روشنی کی بار بار اٹھتی گرتی پلکیں گھبراہٹ میں پنہاں خوف انہیں روشنی ہادی کے لئے مناسب لگی تھیں۔ وہ اسے ویسے بھی اپنی اولاد ہی کی طرح چاہتے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر روشنی کو خود سے قریب کیا اور بولے۔ "ہماری بیٹی آج چپ چپ کیوں بیٹھی ہے؟" جبکہ ہادی شرارت سے بولا۔

"داداجی اب آپ جلدی سے اس کے ہاتھ بھی پیلے کردالیں۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

"بھئی اس کے لائق کوئی لڑکا تو ملے۔" واسطی صاحب نے اس کی شرارت کا جواب دیا۔

"داداجی لگتا ہے آپ کی نزدیک کی نظر کمزور ہے میں ہوں ناں یا پھر وہی بات ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر۔" ہادی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں مرغا۔" روشنی نے برجستہ جواب دے کر اپنا بدلا لیا اور واسطی صاحب کھلکھلا کر ہنسے، وہ آج برسوں بعد

ہنسے تھے انہوں نے صحت یاب ہوتے ہی ایک شاندار تقریب کا اعلان کیا یہ تقریب دراصل ہادی اور روشنی کی منگنی کی تقریب تھی۔ اس تقریب میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو بیش قیمت ڈائمنڈ رنگ پہنائی واسطی صاحب نے ہر طبقے کے لوگوں کو دعوت دی تھی۔

بدقسمتی سے ان دنوں عالم خان شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے نہ آسکا منگنی کے چند روز بعد ہادی واسطی صاحب سے اجازت لے کر روشنی کے ساتھ ساحل سمندر گیا ہوا تھا۔ اسی روز عالم خان ہادی سے ملنے واسطی ہاؤس پہنچا۔

واسطی صاحب کی ہدایت پر اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھایا گیا وہ ان کے آنے تک کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ اچانک اس کی نظر دائیں سمت والی دیوار پر موجود ایک فریم پر پڑی یہ واسطی کی تصویر تھی جس میں انہوں نے ایک پانچ سالہ ایک بچی کو اٹھا رکھا تھا۔ عالم خان کا ذہن جیسے زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں آچکا تھا۔ وہ اس پانچ سالہ بچی کو کیسے بھول سکتا تھا یہ زمرد تھی جسے اس نے پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ پانچ سالہ زمرد کی ایک یادگار تصویر اب تک اول خان کے پاس موجود تھی زمرد اس کی بچپن کی منگیتر اس کی محبت تھی وہ بے اختیار صوفے سے اٹھ کر تصویر کے قریب چلا گیا تھا۔

جب واسطی واحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ۔"کیسے ہو جوان؟" انہوں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"واسطی صاحب یہ بچی کون ہے؟ جسے اس تصویر میں آپ نے اٹھا رکھا ہے۔" وہ ان کی بات کا جواب دیے بغیر بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"ارے بھئی یہ میری پوتی ہے روشنی۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"انکل پلیز! سچ بتائیں آپ کو ہادی کی قسم۔" وہ ان کے قریب آکر بولا۔

'میں نے یہ بات آج تک کسی کو نہیں بتائی یہ راز صرف میں جانتا ہوں یا روشنی اب تمہارے قسم دینے سے مجبور ہو کر بتا رہا ہوں۔ کہ تم نے قسم بھی ہادی کی دی ہے جو مجھے برسوں بعد ملا ہے اور روشنی کے بعد وہی مجھے عزیز ہے۔

میں ایک فلاحی ادارے میں برسوں سے اپنے ہاتھوں سے ڈونیشن دیتے جاتا ہوں آج سے کئی سال پہلے جب میں اس ادارے کے آفس سے واپس لوٹ رہا تھا تو مجھے سڑک کے کنارے ایک پانچ سالہ بچی روتی ہوئی ملی وہ نہ تو اپنے گھر کا پتہ جانتی تھی اور نہ ہی اسے باپ کا نام یاد تھا بس پشتو میں اپنا نام زمرد بتایا۔

میں نے قریبی پولیس اسٹیشن میں اطلاع کی اس کے والدین کو اپنے طور پر تلاش کروایا اخبارات میں زمرد کی تصویر کے ساتھ اشتہار دیا۔ لیکن بچی کے ورثا نہ ملے میرے تینوں بیٹے دشمن کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ ہادی لاپتہ تھا میرے گھر پر تاریکی تھی۔ اس کے آنے سے روشنی ہوگئی میں نے اس کا نام روشنی رکھا اور جب روشنی پندرہ سال کی ہوئی تو سب کچھ بھول چکی تھی، اس کے باوجود میں نے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تا کہ روز قیامت یہ بھی مجھ سے گلہ نہ کرے کہ میں نے اس سے حقیقت کیوں چھپائی۔"

عالم خان دم بخود ان کی روداد سن رہا تھا گویا روشنی اصل میں زمرد تھی، اس کی منگیتر اس کی بچپن کی محبت، جس کے لئے وہ اب تک جی رہا تھا جسے اس نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔ "زمرد کہاں ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ارے میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا وہ اور ہادی ساحل سمندر پر گھومنے گئے ہیں پچھلے دنوں جب تم کسی کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے تو ہم نے ان دونوں کی منگنی کر دی تھی۔" واسطی صاحب کی بات سنتے ہی اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

"یہ آپ نے کیا غضب کر دیا واسطی صاحب۔" وہ کراہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" واسطی صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"زمرد میرے چچا اول خان کی اکلوتی بیٹی ہے

جو برسوں پہلے کم ہوگئی تھی اسکے والدین ابھی حیات ہیں اور اسی شہر میں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگیتر ہے۔" وہ غضب ناک لہجے میں بولا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

ادھر ہادی اور روشنی ساحل سمندر پر اٹھکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے روشنی آگے بھاگ رہی تھی جبکہ ہادی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ "روشنی رک جاؤ۔" جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو چلا کر بولا مگر روشنی ہنستی ہوئی بھاگتی چلی گئی۔

اچانک ہادی دوڑتے دوڑتے چیخا اور گر پڑا ہادی کی چیخ سن کر روشنی مڑی وہ بے حس و بے حرکت ساحل کی ریت پر پڑا تھا۔

"ہادی۔" وہ چیختی ہوئی دوڑی اور ہادی کے قریب بیٹھ کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔ "ہادی کیا ہوا ہوش میں آؤ۔" وہ چلائی مگر ہادی اسی طرح پڑا رہا تو وہ ہادی سے لپٹ گئی اس کے آنسو ہادی کے گریبان کو بھگو رہے تھے۔

ہادی جو ڈرامہ کر رہا تھا اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھا اور اسے اپنی بانہوں کے شکنجے میں کس کر خود سے لپٹا لیا۔ "یہ یہ کیا ہے چھوڑو مجھے۔" وہ اس کی سانسوں کی تپش سے پگھلنے لگی۔

ہادی نے بڑی نرمی سے اس کے ہونٹوں پر اپنے گرم لبوں کی تپش منتقل کی روشنی کی جھیل جیسی آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہونے لگیں ان آنکھوں کے پیچھے ان گنت انوکھے رنگ اور خوبصورت خواب تھے۔ ایسے خواب جو وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس پر خود سپردگی کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی اور جذبات میں ہلچل سی مچ چکی تھی پھر ہادی ہونٹوں سے اس کے گالوں کو چھوتا ہوا گردن تک آیا۔

اچانک کسی نے ہادی کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے جبڑے پر زوردار گھونسہ رسید کیا وہ چند قدم پیچھے لڑکھڑایا اپنے سامنے موجود عالم خان کو دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ عالم خان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔

ایک ایسی آگ دکھائی دے رہی تھی جو سامنے آنے والی ہر شے کو جلا کر راکھ کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

"عالم خان تم نے مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟" حیرت کے شدید ترین جھٹکے سے سنبھلتے ہی وہ بولا۔

"ہادی تم نے میری غیرت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ چچا اول خان کی بیٹی اور میرے بچپن کی منگیتر زمرد ہے۔" وہ شدت جذبات سے اپنے بال نوچتے ہوئے بولا۔

ہادی اور روشنی کو اس قدر قریب دیکھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہر شے کو آگ لگا دے۔ اس کی بات سنتے ہی ہادی کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ جبکہ روشنی ہادی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور ہادی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

عالم خان کی نظریں روشنی پر جمی ہوئی تھیں ان نظروں میں حسرت، یاس، غصہ اور نجانے کیا کیا تھا۔ پھر وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں دھیان سے بولی۔ "عالم خان ہوش سنبھالتے ہی دادا جان نے مجھے بتا دیا تھا کہ میرا اور ان کا خون کا نہیں دل کا رشتہ ہے۔ اور تم بھی میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا دل کے رشتے خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتے ہیں میں اپنے والدین سے ضرور ملوں گی پر رہوں گی دادا جان کے ساتھ اور رہی یہ بات کہ برسوں پہلے پانچ سال کی عمر میں میری تم سے منگنی ہوئی تھی تو میں نہ تو اس منگنی کو مانتی ہوں اور نہ ہی تسلیم کرتی ہوں میں ہادی سے محبت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔"

"بکواس بند کرو۔" عالم خان چلایا اور اسے تھپڑ مارنا چاہا مگر ہادی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "رک جاؤ عالم خان یہ سچ ہے کہ تم میرے دوست ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ مجھ پر تمہارے اور بابا شیر خان کے بلکہ تمہارے پورے قبیلے کے احسانات ہیں تم چاہے مجھے جان سے مار ڈالو، میں اف تک نہیں کروں گا لیکن اگر تم نے روشنی کو ہاتھ لگایا تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔" ہادی نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"ہادی تو پھر سمجھ لو کہ آج سے میرا اور تمہارا صرف نفرت کا رشتہ ہے۔"

عالم خان روشنی کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹ کر ایک

طرف لے جانے لگا۔ ”چل میرے ساتھ میں تجھے تیرے باپ کے گھر لے چلتا ہوں۔“

”عالم خان چھوڑ دو اسے۔“ ہادی دھاڑا لیکن وہ اس سے بے نیاز روشنی کو لئے ہوئے آگے بڑھتا جارہا تھا جبکہ نازک اندام روشنی اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے چیخ اور چلا رہی تھی۔

ساحل سمندر پر موجود بہت سے لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے بالآخر ہادی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو اس نے عالم کے کالر پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کے مڑتے ہی اس کے جبڑے پر گھونسہ رسید کردیا ابھی وہ سنبھلا بھی نہ تھا کہ ہادی نے اس کے سینے پر فرنٹ کک رسید کردی۔

ہادی اگر گل خان کا تربیت یافتہ لڑاکا تھا تو عالم خان بھی گل خان کا بھائی پہاڑوں کا شہزادہ اور جنگجو قبیلے سے تعلق رکھنے والا فرد تھا دونوں ایک دوسرے پر وحشی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے اور وحشی انداز میں ایک دوسرے پر لاتیں گھونسے برسا رہے تھے دونوں ہی زبردست تھے۔

کچھ دیر بعد ہی فضا پولیس موبائل کے ہوٹر سے گونج اٹھی شاید ساحل سمندر پر موجود کسی شخص نے پولیس ایمرجنسی پر اطلاع کردی تھی وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا تھے کہ پولیس موبائل سے چار پانچ پولیس اہلکار اترے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنے لگے، وہاں موجو دوسرے لوگوں کے بیانات اور روشنی کے بیان کے بعد عالم خان کو گرفتار کرلیا گیا۔

ہادی روشنی کے ساتھ گھر پہنچا تو اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے اور چہرے پر نشانات تھے۔

”کیا ہوا؟“ واسطی صاحب گھبرا گئے۔

روشنی نے انہیں بتایا کہ عالم خان نے کیا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔

”بیٹا یہ سچ ہے کہ تم سے میرا خون کا رشتہ نہیں اور مجھے لگتا ہے کہ وہ لڑکا سچ ہی کہہ رہا تھا کہ تم اس کے چچا کی بیٹی ہو لیکن اس کا طریقہ کار غلط تھا۔“ واسطی صاحب بولے صاحب جبکہ ہادی چینج کرنے چلا گیا۔

صبح وہ ناشتہ کرکے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ علاقہ SHO محمد اقبال چند افراد کے ساتھ آیا ہے اور ان سے ملنا چاہتا ہے۔

واسطی صاحب نے انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھانے کی تاکید کی، واسطی صاحب ہادی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے وہاں باوردی SHO محمد اقبال اول خان اس کی اہلیہ مہناز اور عالم خان موجود تھے، واسطی صاحب نے تینوں مردوں سے ہاتھ ملایا جبکہ ہادی نے محمد اقبال اور اول خان کی طرف ہاتھ ملانے کے بعد عالم خان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے ہادی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

محمد اقبال نے اپنی جیب سے روشنی کی تصویر نکالی اور واسطی صاحب کی طرف بڑھائی واسطی صاحب تصویر غور سے دیکھنے لگے، تصویر میں 5 سالہ روشنی اول خان اور مہناز کے ساتھ تھی۔ ”واسطی صاحب ہم نے عالم خان کو ساحل سمندر سے جھگڑے کے الزام میں گرفتار کیا تھا، عالم خان کا کہنا ہے کہ ”زمرد عرف روشنی اس کی منگیتر ہے اور اول خان اور مہناز کی بیٹی ہے۔ جسے آپ نے جس بے جا میں رکھا ہوا ہے یہ تصویر ان کی بیٹی کی ہے۔“

”انسپکٹر یہ سچ ہے کہ روشنی سے میرا خون کا نہیں بلکہ دل کا رشتہ ہے اور اسی رشتے سے وہ میری پوتی ہے اور مجھے ہادی سے بھی زیادہ پیاری ہے میں نے اپنی زندگی میں ہی اپنی وصیت میں اسے اپنی نصف دولت و جائیداد کا مالک بنادیا ہے۔ میں اسے بلواتا ہوں اگر وہ ان کے ساتھ جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ وہ پرسکون لہجے میں بولے اور ملازم سے روشنی کو بلوانے کو کہا۔

وہ کچھ ہی دیر میں ڈرائنگ روم میں آگئی، واسطی صاحب نے اسے اس کی بچپن کی تصویر دکھائی جس میں وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ موجود تھی اور بولے۔ ”بیٹی یہ تمہارے والدین ہیں تم اگر جانا چاہتی ہو تو میری طرف

سے تمہیں اجازت ہے۔"

روشنی آگے بڑھی اور اول خان سے لپٹ کر رونے لگی کچھ دیر بعد اس سے الگ ہو کر مہناز سے گلے لگ گئی وہ برسوں بعد ماں باپ سے ملی تھی آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخساروں پر بہہ رہی تھیں اس جذباتی منظر کو دیکھ کر سب کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

جبکہ اس ٹریجڈی منظر کو دیکھ کر ہادی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ "کیا روشنی اسے چھوڑ جائے گی؟" یہ سوچ ہی اس کے لئے اذیت ناک تھی۔

ادھر روتے ہوئے روشنی کہہ رہی تھی۔ "یہ سچ ہے کہ آپ ہی میرے ماں باپ ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مشکل وقت میں جب میں لاوارثوں کی طرح سڑک پر بھٹک رہی تھی اگر دادا اس وقت میرے سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو آج نہ جانے میں کس حال میں ہوتی انہوں نے خونی رشتوں سے بڑھ کر مجھے پیار دیا اب اگر میں انہیں دھوکہ دوں تو یہ خودغرضی ہوگی اور درخت اپنی جگہ پر ہی اچھا لگتا ہے چھوٹا سا پودا کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ پر لگا دو اور تناور درخت بن جانے کے بعد اسے دوبارہ اکھاڑا جائے تو وہ درخت سوکھ جاتا ہے اب رہا یہ سوال کہ عالم خان کی منگنی پانچ سال کی عمر میں مجھ سے کردی گئی تھی۔ تو آپ خود ہی بتائیں کہ پانچ سال کی عمر میں جب بچہ کھانے پینے پہننے اوڑھنے جیسے معاملات کے بارے میں ٹھیک طریقے سے نہیں جانتا اور اپنے گھر کا راستہ تک بھول جاتا ہے تو ایسے وقت میں کسی لڑکی کی تقدیر کا فیصلہ کہاں کا انصاف ہے۔

حالانکہ اسلام نے بھی شادی کے لئے لڑکی کی رضامندی ضروری قرار دی ہے لڑکیاں بھی انسان ہیں ان کے بھی احساسات ہوتے ہیں خواب ہوتے ہیں لڑکی کوئی بھیڑ بکری نہیں کہ اپنی مرضی سے جس کھونٹے سے چاہے باندھ دو۔" وہ بولتی جارہی تھی اور وہ سب گم صم سے سن رہے تھے۔

اس نے اول خان کے پاؤں پکڑے اور بولی۔ "بابا جان آج حکم دیں تو میں اپنی جان بھی آپ کے قدموں میں نچھاور کردوں لیکن میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے دادا جی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں ورنہ میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔"

"بس بیٹی چپ ہو جاؤ کوئی بھی ماں باپ اپنی اولاد کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تم پہلے بھی واسطی کا بیٹی تھا آئندہ بھی اس کا بیٹی رہے گا ہم تجھے ہر رشتے سے آزاد کرتا ہے۔" اول خان نے مقامی لب و لہجے میں بولتے ہوئے گلے سے لگایا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو چچا یہ میری منگیتر ہے، میری زندگی میں یہ کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی۔" عالم خان بپھر گیا۔

"عالم خان ہوش میں آؤ وہ فیصلہ ہماری غلطی تھی اور یہ فیصلہ تلافی ہے۔" اول خان جیسا ان پڑھ روشنی کی بات سمجھ چکا تھا۔

"کاش ہم اپنے غلط فیصلے اپنی اولاد پر مسلط نہ کریں تو بہت سے نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔"

عالم خان غصے سے دندناتا ہوا واسطی ہاؤس سے جاچکا تھا۔

اول خان بھی جانے کے ارادے سے اٹھا ہی تھا کہ واسطی صاحب بولے۔ "اول خان میں تم سے عمر میں بڑا ہوں ہوسکتا ہے تمہارے باپ کے برابر ہوں مجھ سے وعدہ کرو کہ میں جو مانگوں گا دو گے۔"

"واسطی صاحب اول خان نے اپنے جگر کا گوشتہ آپ کے حوالے کردیا ہے اب جان بھی مانگو گے تو دوں گا یہ ایک افغانی کا زبان ہے ہم لوگ جو زبان دیتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔"

واسطی صاحب مسکرائے۔ "مجھے تمہاری جان کی ضرورت نہیں اپنی پوتی کی خوشی عزیز ہے اب تم ہماری پوتی کے ساتھ ہمیشہ واسطی ہاؤس میں رہو گے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" اول خان پریشان ہوگیا۔

"کیوں نہیں ہوسکتا اول خان تم وعدہ کرچکے ہو۔" واسطی صاحب نے کہا اور اول خان نے سر جھکا دیا جبکہ روشنی انور واسطی سے لپٹ گئی۔

ہادی کا رکا ہوا سانس بحال ہوچکا تھا۔ ہادی کے

راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں ہادی ڈاکوؤں کی قید میں عرصہ دراز تک رہ کر تعلیم سے محروم رہ گیا تھا واسطی صاحب نے اسکے لئے اچھے سے اچھے ٹیچر کا انتظام کیا پھر کچھ مہینوں بعد اس نے ایک معروف کوچنگ سینٹر میں ایڈمیشن بھی لے لیا اور اپنی ذہانت کی بدولت آگے بڑھتا جارہا تھا۔

ایک روز رات آٹھ بجے جب وہ کوچنگ سینٹر سے لوٹ رہا تھا کہ اچانک ایک سنسان سڑک پر دو گاڑیوں نے سامنے سے آکر اس کی ہنڈا اکارڈ کا راستہ مسدود کر دیا۔ ایک ہائی روف تھی اور دوسرے بڑے ٹائروں والی جیپ ہائی روف میں 4 مسلح افراد سوار تھے انہوں نے چشم زدن میں ہنڈا اکارڈ کو گھیر لیا۔

''ہادی آج تیری زندگی کا آخری دن ہے۔'' کاشو اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''کاشو ہتھیاروں کے بل بوتے پر ہیجڑے بھی شیر بن جاتے ہیں، ہمت ہے تو خالی ہاتھ سامنے آؤ اور اپنے کتوں کو یہاں سے ہٹاؤ اگر تمہیں چھٹی کا دودھ نہ یاد کروایا تو ہادی میرا نام نہیں۔'' ہادی نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا تو تم مجھ سے لڑو گے اپنی یہ بھی حسرت پوری کر لو میرا کوئی بھی ساتھی ہمارے بیچ نہیں آئے گا۔'' کاشو نے کہا۔

اس کے چاروں کارندے اور رانا ان دونوں کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے ویسے بھی یہ سنسان سڑک تھی کسی بھی گاڑی کے گزرنے کا امکان کم ہی تھا۔ ہادی اور کاشو ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے ہادی نے پہل کی اور آگے بڑھ کر کاشو کے چہرے پر گھونسہ مارا۔

کاشو نے بلاک کرتے ہوئے گھوم کر زوردار بیک کک ہادی کے سینے میں رسید کی وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا کاشو کسی جمناسٹر کی طرح اچھلا اور فضا میں قلابازی کھاتے ہوئے فلائنگ کک ماری۔

اس کے بعد کاشو کے چہرے پر ہادی نے پنچ مارا، کاشو نے جھکائی دے کر خود کو بچایا اور جوابی گھونسہ ہادی کی پیشانی پر مادیا۔ ہادی کی آنکھوں کے سامنے سورج طلوع ہو چکا تھا اور وہ ادھر ادھر ڈول رہا تھا اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اب کاشو سے مزید لڑنا اس کے بس سے باہر ہے۔ ''بس کا کا بہت ہو گیا اب تو اوپر جانے کی تیاری کر۔'' کاشو نے اپنے ہولسٹر سے پسٹل نکالا لاک پن ہٹائی اور ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔

ہادی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کلمہ پڑھا اسے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا۔ کاشو نے اس کا نشانہ لے کر ٹریگر دبانا چاہا کہ اسی وقت ایک طرف سے فائر ہوا اور پسٹل کاشو کے ہاتھ سے نکلتا چلا گیا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے یا صورتحال کو سمجھتے پے در پے دو فائر ہوئے اور کاشو کے دو کارندے بنا آواز نکالے ڈھیر ہو گئے گولیاں ان کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھیں۔

بلاشبہ ان پر گولیاں چلانے والا غضب کا نشانہ باز تھا۔ جو اندھیرے کے باوجود ان کی بساط کا رخ پلٹ چکا تھا۔ کاشو کے ایک ساتھی نے اس سمت فائر کئے جہاں سے گولیاں چلی تھیں اس بار ایک دوسرے سمت سے فائر ہوا اور وہ بھی جہنم رسید ہو گیا وہ جو کوئی بھی تھا تیزی سے جگہ بدل کر تاک تاک کر انہیں جہنم رسید کر رہا تھا۔

کاشو اور رانا تیزی سے چھلانگ لگا کر جیپ کی آڑ میں ہو گئے۔ ہادی بھی ہنڈا اکارڈ کے پیچھے دبک چکا تھا۔ ''سامنے آؤ۔'' کاشو کے کارندے نے نامعلوم حملہ آور کو للکارا یہی اس کی غلطی تھی ایک دوسری سمت سے گولی آئی اور اس کے سر میں گھس گئی۔ کاشو اور رانا کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

ہادی کا مددگار ان کی نگاہوں سے اوجھل انہیں تاک تاک کر مار رہا تھا۔ انہوں نے جھنجھلا کر ہنڈا اکارڈ کی طرف دیکھا اور برسٹ مارا۔ ہادی گاڑی کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا لیکن فائر کرتے وقت کاشو کے جسم کا کچھ حصہ سامنے آیا اور گولی اس کی ٹانگ میں لگی وہ دلدوز انداز میں چیخا کاشو کے زخمی ہوتے ہی رانا نے بہتر یہی سمجھا کہ راہ فرار اختیار کر لی جائے اس نے سرگوشی میں کاشو کو جیپ میں سوار ہونے کو کہا اور اس کے ریگ کر جیپ میں جاتے ہی

وہ بھی جیپ میں بیٹھ کر جھکے جھکے انداز میں جیپ اسٹارٹ کرنے لگا۔ ان پر ایک بار پھر گولیاں چلیں مگر جیپ تیز رفتاری سے ایک طرف دوڑتی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

ہادی ہنڈا اکارڈ کی آڑ سے نکلا اور بولا ”دوست تم کون ہو؟ سامنے آؤ“ سڑک کی دوسری طرف جھاڑیوں سے ایک رائفل بردار نکلا اور جب سامنے آیا تو ہادی حیرت سے اچھل پڑا، وہ عالم خان تھا۔

ہادی حیران تھا کہ عالم خان نے اس کی جان کیوں بچائی اگر وہ مداخلت نہ کرتا تو ہادی کی موت یقینی تھی اس سے پہلے شاید ہی کسی رقیب نے دوسرے رقیب کی جان بچائی ہو۔ وہ جذبات میں آ کر دونوں بازوں پھیلائے عالم خان سے گلے لگنے کے ارادے سے بڑھا ہی تھا کہ عالم خان نے اس پر رائفل تان لی۔ ”وہیں رکے رہو ورنہ گولی ماردوں گا۔“

”اگر مجھے مارنا ہے تو میری جان کیوں بچائی؟“ اس نے استعجاب انگیز حیرت سے پوچھا۔

”میں اتفاق سے ادھر سے گزر رہا تھا کہ یہاں آوازیں اور ہلچل دیکھ کر ٹیکسی کچھ فاصلے پر روک کر تمہیں ان کے نرغے میں دیکھ کر رہا نہ گیا، مشکل میں کسی دوسرے کے کام آنا میری فطرت ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں معاف کردوں گا۔ بس یہ ضرور یاد رکھو کہ زمرد میری ہے اور میری ہی رہے گی۔“ وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

جبکہ ہادی اسے حیرت سے جاتا دیکھ رہا تھا۔ اسے یہ عجیب شخص سمجھ میں نہیں آرہا تھا جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا تھا۔ ہادی جان بوجھ کر دیر سے گھر گیا تاکہ واسطی صاحب اسے اس حال میں دیکھ کر پریشان نہ ہوں خوش قسمتی سے وہ سو چکے تھے وہ نہا کر فریش ہونے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وقت گزرتا رہا دو مہینے بعد ہی واسطی صاحب نے ہادی کی شادی کی تاریخ طے کردی اول خان اور اس کی بیوی بھی بہت خوش تھے بلآخر شادی کا دن آپہنچا آج واسطی ہاؤس میں جشن کا سا سماں تھا برسوں بعد اس کوٹھی میں ماتم کے بجائے شہنائیاں گونج رہی تھیں دلہن کو تیار ہونے کے لئے شہر کے سب سے مہنگے ترین اور شہر کے مشہور و معروف بیوٹی پارلر روانہ کردیا گیا۔

روشنی پچھلی نشست پر اپنی دوست نائلہ اور ماں کے ساتھ بیٹھی تھی آگے ڈرائیور کے ساتھ گارڈز کا انچارج زمان بیٹھا تھا۔ اب وہی ہادی کی جگہ واسطی صاحب کا باڈی گارڈ تھا۔ گاڑی جیسے ہی ایک کشادہ سڑک پر پہنچی مخالف سمت سے ایک یوٹرن سے ایک موٹر سائیکل سوار تیز رفتاری سے نکلا۔ موٹر سائیکل سوار نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا ڈرائیور نے بروقت بریک لگائے اس کے باوجود موٹر سائیکل گاڑی سے ٹکرا کر سڑک پر گھسٹتی ہوئی گری۔ موٹر سائیکل سوار گرتے ہی بے حس و حرکت ہوچکا تھا زمان اور ڈرائیور گاڑی سے اترے اور موٹر سائیکل سوار کی طرف بڑھے حادثے کی وجہ سے ان کے پیچھے موجود دو تین گاڑیاں رک چکی تھیں ڈرائیور اور زمان جیسے ہی اس کے قریب پہنچے موٹر سائیکل سوار اس طرح اچھلا جیسے اس کے جسم کے ساتھ اسپرنگ لگے ہوں بجلی سی چمکی تھی اور اس کا زوردار گھونسہ ڈرائیور کی کنپٹی پر پڑا وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

زمان نے شانے سے رائفل اتارنا چاہی مگر اسے دیر ہوچکی تھی موٹر سائیکل سوار نے اپنی بیلٹ میں اڑسا پسٹل نکالا اور پوری قوت سے اس کے سر پر بجادیا ڈرائیور کے ناک آؤٹ ہوتے ہی وہ پسٹل لہراتا ہوا ان کی گاڑی تک پہنچ چکا تھا۔

روشنی کی ماں نے مزاحمت کرنا چاہی تو اسے بھی پسٹل کا دستہ سر پر مار کر بے ہوش کردیا۔ نائلہ گاڑی سے اتر کر چیختی ہوئی بھاگی روشنی نے بھی اس کی تقلید کرنا چاہی مگر پھر اس شخص نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے ناک اور منہ پر جمادیا۔ روشنی کے بے ہوش ہوتے ہی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، ہیلمٹ اتار کر باہر پھینکا اور گاڑی تیز رفتاری سے بھگادی۔ یہ سب کارروائی منٹوں میں ہوئی تھی سڑک پر موجود افراد جان بچانے کے خوف سے اسلحہ بردار کے سامنے نہیں آئے۔

روشنی کو سرعام اغوا کرنے والا عالم خان تھا۔ جس کا ارادہ اسے افغانستان لے جانے کا تھا۔ ایک دوسری سڑک پر پہنچ کر عالم خان نے گاڑی روکی اور روشنی کو بازوؤں میں اٹھا کر باہر نکالا ایک طرف کالی پیلی ٹیکسی کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر اس کا دوست اور ہم وطن دلاور بیٹھا تھا وہ روشنی کو پچھلی سیٹ پر ڈال کر خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی پانچ کلومیٹر آگے نکل چکی تھی کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا ٹیکسی ٹائر برسٹ ہونے کے باعث بری طرح لہرائی دلاور نے مہارت سے بریک لگائے اور ٹیکسی کو کچی بیلٹ پر اتار دیا ابھی وہ سنبھلے ہی نہ تھے کہ تین رائفل بردار نکلے اور آناً فاناً ٹیکسی کو گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں جدید طرز کی سائلنسر لگی رائفلیں موجود تھیں۔ ان ہی کی چلائی ہوئی گولی سے ٹیکسی کا ٹائر برسٹ ہوا تھا۔

دلاور نے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک رائفل بردار نے ٹریگر دبا دیا ٹھک کی ہلکی سی آواز ابھری اور گولی اس کی پیشانی میں لگی وہ ایک طرف ڈھلک گیا۔

اسی وقت ٹیکسی کے قریب ایک پجارو رکی اس میں سے کاشو اور رانا اترے۔ ''اسے کہتے ہیں چور کو مور پڑا ہمارا کام آسان کرنے کا شکریہ۔'' کاشو زہریلے انداز میں ہنسا اور اسے ٹیکسی سے اترنے کا حکم دیا۔

عالم خان جیسے ہی ٹیکسی سے اترا ایک رائفل بردار نے اس کے سر پر رائفل کا بٹ رسید کر دیا، عالم خان کے بے ہوش ہو کر گرتے ہی بے ہوش روشنی کو پجارو میں منتقل کر دیا گیا اور عالم خان کو ٹیکسی میں ڈال کر وہ پجارو میں بیٹھ کر لمحوں میں ہوا ہو گئے۔

واسطی ہاؤس میں روشنی کے اغوا کی خبر پہنچتے ہی شادی کی شہنائیاں ماتم میں بدل چکی تھیں۔ انور واسطی کی ہونے والی بہو کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی شہر بھر کی پولیس کی دوڑیں لگ گئیں۔ ان کی گاڑی کشادہ سڑک سے ملی سپر ہائی وے سے چند کلومیٹر دور کی بیلٹ پر وہ ٹیکسی بھی مل گئی جس کی پچھلی نشست پر عالم خان بے ہوش پڑا تھا۔ اسے حراست میں لے لیا گیا ٹیکسی کی عقبی نشست سے روشنی کا دوپٹہ ملتے ہی سمجھ لیا گیا کہ روشنی کو عالم خان نے اغوا کیا تھا تو پھر روشنی کہاں گئی اور عالم خان کیسے بے ہوش ہو گیا۔

اس سوال کا جواب وہی ہوش میں آ کر دے سکتا تھا۔ خیر عالم خان کو ہوش آ گیا۔ خود کو پولیس موبائل میں دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ اسے بے خبری میں دھر لیا گیا ہے اس نے پولیس اہلکاروں پر ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ اسے ہوش آ چکا ہے وہ آنکھیں بند کیے موبائل کے فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا اس کے اردگرد تین چار پولیس اہلکار ہاتھوں میں رائفلیں تھامے بیٹھے تھے۔

پولیس موبائل ہائی وے پر پہنچی اور ٹریفک جام کے بعد آہستہ ہوئی عالم خان کے بے حس و حرکت جسم میں تحریک پیدا ہوئی وہ چشم زدن میں پولیس موبائل سے کودا اور پھر بھاگ کر چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔

ادھر واسطی ہاؤس میں عالم خان کی گرفتاری اور پھر فرار کی خبر پہنچ چکی تھی۔ روشنی کی ماں ہوش میں آنے کے بعد سے روئے جا رہی تھی۔ ہادی غصے اور طیش کے عالم میں عالم خان کی تلاش میں نکلنے ہی والا تھا کہ واسطی صاحب کے موبائل پر کسی انجانے نمبر سے کال ریسیو ہوئی۔ ''ہیلو کون؟'' انہوں نے کال ریسیو کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے خاندان کی تباہی کا ذمہ دار رانا بول رہا ہوں۔'' واسطی صاحب چونک گئے۔

ہادی نے اشارے سے پوچھا ''کون ہے؟''

واسطی صاحب نے اسپیکر کھول دیا۔ ''کس لئے فون کیا ہے؟'' انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔

''واسطی ہاؤس میں شہنائیاں بجیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہاں صرف ماتم ہی ہوتا رہے گا واسطی۔'' وہ ہذیانی انداز میں ہنسا اور پھر قدرے توقف سے کہا۔

''واسطی تمہارے ہونے والی بہو ہمارے قبضے میں ہے اگر اس کی عزت اور جان کی سلامتی چاہتے ہو تو دس کروڑ کی رقم کا انتظام کرو۔

کہاں اور کب آنا ہے اور یہ ہم تمہیں آدھے گھنٹے بعد بتائیں گے اور ہاں اتنا یاد رکھو اگر کسی بھی قسم کی چالاکی یا

ہوشیاری دکھائی یا پولیس سے رابطہ رکھا تو لڑکی اپنی عزت اور زندگی دونوں سے محروم ہوجائے گی۔" رانا نے سفاک لہجے میں کہا اور رابطہ منقطع ہوگیا۔

آدھے گھنٹے بعد دوبارہ انور واسطی کے موبائل فون پر ایک دوسرے نمبر سے کال آئی۔ اس بار دوسری طرف کاشو تھا۔ "ہاں واسطی کیا سوچا۔"

"ٹھیک ہے تم بتاؤ رقم کہاں پہنچانی ہے۔" واسطی صاحب نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے دس کروڑ کا انتظام تمہارے لئے کوئی بڑی بات نہیں ایک بار پھر واضح کرتا ہوں کہ تمہاری اور ہمارے درمیان ہونے والی ڈیل کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ تمہیں لڑکی کی لاش بھی نہیں ملے گی۔" کاشو نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم صرف اتنا بتاؤ کہ رقم کہاں پہچانی ہے؟"

"رقم صرف تم اور ہادی لے کر آؤ گے تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں ہونا چاہئے اور اپنے ساتھ کسی بھی قسم کا ہتھیار لانے کی حماقت مت کرنا اور رہا یہ سوال کہ تمہیں کہاں آنا ہے تو ہادی سے کہنا کہ جہاں اس نے بچپن گزارا ہے وہیں آجائے ہادی سب جانتا ہے کہ وہاں صرف کاشو کی حکومت ہے تمہیں آج رات بارہ بجے تک وہاں پہنچنا ہے اور تم دریا کے کنارے پل کے قریب پہنچ کر میری دوسری ہدایت کا انتظار کرو گے۔"

ایک گھنٹے کے اندر اندر رقم کا انتظام کردیا گیا 10 کروڑ کی رقم دو سوٹ کیسوں میں ڈال کر ڈگی میں رکھی گئی وہ رات دس بجے اس علاقے میں قدم رکھ چکے تھے اور گیارہ بجے ہادی نے گاڑی پل سے دس قدم کے فاصلے پر روکی اور رقم والے بیگ ڈگی سے نکالے اور واسطی صاحب کے ساتھ پل پر قدم رکھا۔ یہ رسیوں کے ذریعے بنایا گیا لکڑی کا پل تھا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ واسطی صاحب کا موبائل فون بجا یہ کاشو کی کال تھی۔ "تم دونوں ہماری نظر میں ہو پل پار کرکے کچی سڑک پر آجاؤ۔"

وہ پل پر چلتے ہوئے کچی سڑک پر پہنچ گئے ہادی اس راستے سے واقف تھا اس کے بچپن کا سنہرا دور راتا اور کاشو کی وجہ سے اس زندان میں گزر رہا تھا قسمت اسے ایک بار پھر یہاں لے آئی تھی جہاں سے اس کی زندگی کی کہانی شروع ہوئی تھی۔

وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کچی سڑک پر پہنچے وہاں دو رائفل بردار کھڑے تھے ان میں سے ایک نے ان پر گن تانی جبکہ دوسرے نے ان دونوں کی تلاشی لی اس کے بعد دونوں نے سوٹ کیس کھول کر رقم چیک کی مطمئن ہونے کے بعد ایک ڈاکو نے رقم والے بیگ اٹھائے جبکہ دوسرا انہیں گن پوائنٹ پر لئے ہوئے آگے بڑھا جگہ جگہ انہیں قدرے فاصلے پر کاشو کے مورچہ زن ساتھی ملے۔ پھر وہ خاردار تاروں سے گھرے اس میدان میں پہنچ گئے ان دونوں کو اسی عمارت میں لے جایا گیا جہاں پہلے بھی ہادی قید رہ چکا تھا۔

یہاں کاشو اور رانا خونخوار شکلوں والے ڈاکوؤں کے ساتھ موجود تھے۔ "روشنی کہاں ہے اسے ہمارے حوالے کرو ہم وعدے کے مطابق رقم لے آئے ہیں؟" واسطی صاحب بولے۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے واسطی، ذرا صبر تو کرو ہمیں مہمان نوازی کا موقع تو دو۔" کاشو مکاری سے بولا اور ہادی سمجھ گیا کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے لیکن اس جگہ وہ بے بس تھا۔

تین رائفل بردار ان کی طرف رائفلیں تانے کھڑے تھے انہیں لوہے کی سلاخوں والی کوٹھڑی میں دھکیل کر دروازہ بند کرکے کاشو نے تالا لگایا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔

"لڑکی کو لے آؤ۔" کاشو نے کہا اور رانا باہر نکلا کچھ دیر بعد لوٹا تو اس کے ساتھ روشنی تھی۔ جس کا چہرہ خوف کی زیادتی سے زرد پڑ چکا تھا۔ ہادی اور واسطی کو سلاخوں کے پیچھے قید دیکھ کر وہ روتی ہوئی آگے بڑھی لیکن کاشو نے اس کی کلائی پکڑلی۔

"واسطی اب تم دونوں اپنی آنکھوں سے آخری ٹریلر دیکھو گے پھر تمہیں زندگی کے بوجھ سے نجات مل جائے گی یہ میرے انتقام کی آخری قسط ہوگی۔"

رانا خبیثانہ انداز سے ہنسا اور روشنی کی طرف بڑھا اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوس صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"کمینے اسے چھوڑ دے۔" ہادی چلایا مگر وہ اس کی چیخ وپکار سے بے نیاز روشنی کی طرف بڑھا اور کسی باز کی طرح اسے دبوچ لیا۔

روشنی نے مزاحمت کی کوشش کی مگر رانا کے ایک زوردار تھپڑ سے نیچے جا گری ہادی چیختے چلاتے ہوئے لوہے کی سلاخوں کو جھنجھوڑ رہا تھا اور توڑنے کی ناکام کوشش کررہا تھا جبکہ تینوں رائفل بردار اور کاشو شیطانی قہقہے لگا رہے تھے اور رانا نیچے پڑی روشنی پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ادھر عالم خان کے دل ودماغ میں آگ لگی ہوئی تھی زمرد اس کی چاہت اور محبت تھی جو اس کی بے وقوفانہ غلطی کی وجہ سے کاشو اور رانا کے قبضے میں چلی گئی تھی اب وہ درندے اس کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرتے یہ سوچتے ہی اس کی خون کھولنے لگا۔ اس کے قبیلے کے کئی افراد اب بھی اس ملک میں موجود تھے۔ اسلحہ اس قوم کا زیور تھا۔ چنانچہ اپنی مطلوبہ چیزیں حاصل کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کاشو زمرد کو کہاں لے کر گیا ہے اپنی ہی برادری کے ایک لوڈنگ ٹرک پر لفٹ لے کر وہ کاشو کے علاقے سے کافی دور مین روڈ پر اترا اور اس موہوم امید کے سہارے کاشو کے ٹھکانے کی طرف پیدل ہی چل دیا کہ ہوسکتا ہے کاشو زمرد کو اپنے برسوں پرانے ٹھکانے پر لے گیا ہو۔ اس کی پشت پر وہ پہاڑوں کی طرح کا ایک بیگ لٹک رہا تھا یہ بیگ واٹر پروف تھا۔ اس بیگ میں اوپر کپڑے اور نیچے ہتھیار تھے۔ دیہی علاقے میں پہنچتے ہی وہ چوکنا ہوگیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا دور دور تک تاحدنگاہ کوئی ذی نفس موجود نہ تھا اور پھر دریا کے یخ بستہ پانی میں کود گیا۔

دسمبر کے سرد موسم میں جب گلشیر پگھل رہے ہوتے ہیں ایسے وقت دریا کے سرد پانی میں تیرنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بآسانی تیرتا ہوا دریا کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ ایک جگہ لیٹ کر اس نے چند منٹ آرام کیا۔ عالم خان نے تیر کر دریا پار کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ پل پر کاشو کے کارندے لازماً موجود ہوتے جبکہ اس طرف کسی کا دھیان ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہاں دریا کا پاٹ چوڑا اور گہرائی بہت زیادہ تھی۔ عالم خان نے چست ٹراؤزر اور ہاف آستین کی شرٹ پہن رکھی تھی کچھ دیر بعد اس نے دریا کے کنارے سے گیلی مٹی اٹھائی اور اپنے سر اور چہرے سمیت لباس پر بھی مل دی پھر وہ کرالنگ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ افغانستان میں اس نے دو تین بار روسی افواج کے خلاف چھاپہ مار کارروائیوں میں حصہ لیا تھا اور کئی روسی فوجیوں کو جہنم رسید کیا تھا اس قسم کی کارروائیاں کرنے والوں کو وہ لوگ گوریلا کہتے تھے اور یہاں احتیاط ویسے بھی لازمی تھی۔

یہ کاشو کا علاقہ تھا جہاں کسی مقامی یا عام آدمی کو اس علاقے میں آنے کی اجازت نہیں تھی اور یہاں اجنبی کو دیکھتے ہی گولی ماردی جاتی تھی۔ کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو بنجر اور بیابان علاقہ شروع ہوگیا۔ یہ خاصا اجاڑ علاقہ تھا کہیں کہیں جھاڑ جھنکاڑ اور سوکھی جھاڑیوں کے جھنڈ بنے ہوئے تھے وہ ریتیلے کنارے پر چلتا ہوا بلکہ سانپ کی طرح رینگتا ہوا کہنیوں اور گھٹنوں کے بل آگے بڑھ رہا تھا ویسے بھی رات کا وقت تھا اور پھر اس کے جسم پر کیچڑ ملا ہوا تھا اس جگہ دور دور تک موٹے پتے والے پودوں کی جھنڈ دار جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ انہی کی آڑ میں کرالنگ کرتا ہوا تاریکی میں انہیں کا ایک حصہ لگ رہا تھا کچھ دور جا کر وہ رک گیا یہاں ایک طرف کسی کی باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو ہوا کے دوش پر چلتی ہوئی اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی وہ تھوڑا سا آگے بڑھا اور جھاڑیوں کے اس جھنڈ میں جا گھسا جس کی دوسری طرف سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔

یہ دو افراد تھے جو آپس میں محو گفتگو تھے۔

"سردار نے شہر سے کسی ارب پتی بزنس مین کی ہونے والی بہو کو اغوا کیا ہے اس کا تاوان ادا کرنے اس کا منگیتر اور دادا آن پہنچے تھے سردار نے ان سے دس کروڑ کی رقم لے کر

دونوں دادا پوتا کو پکڑ لیا ہے اور اب انہیں اپنے ٹھکانے کی طرف لے گیا ہے۔" یہ کسی شخص کی عورتوں کی طرح باریک آواز تھی۔

عالم خان کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا گویا کاشو نے زمرد کے عوض دس کروڑ کی رقم کا مطالبہ کیا تھا اور پھر تاوان وصول کرنے کے بعد ہادی اور واسطی صاحب کو پکڑ لیا تھا یعنی کاشو کی نیت خراب تھی۔ اس نے پنڈلی سے بندھا تیز دھار خنجر نکالا اور آہستگی سے چند قدم آگے بڑھا اب وہ دونوں اسے دکھائی دے رہے تھے وہ دونوں ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، عالم خان جانتا تھا کہ اس جگہ آتشیں اسلحہ کا استعمال اسے خطرے میں ڈال سکتا ہے اور گولی کی آواز سنتے ہی اسے گھیر لیا جائے گا اسی وقت ان میں سے ایک ڈاکو جو دبلا پتلا تھا اپنے ساتھی کو دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی دکھا کر بولا۔ "تو بیٹھ میں آتا ہوں۔" خوش قسمتی سے وہ اسی جگہ سے گزرنے لگا۔ جہاں عالم خان مورچہ زن تھا۔

عالم خان نے اس کے قریب پہنچتے ہی جست لگائی اور اس کا منہ ایک ہاتھ سے دباتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر خنجر اتار دیا۔ اور پھر اس کی لاش احتیاط سے ایک طرف رکھ کر وہ اچانک جھاڑیوں سے نکلا اپنے سامنے عجیب وغریب حلئے کے شخص کو دیکھ کر دوسرے ڈاکو نے شانے سے رائفل اتارنا چاہی عالم خان نے خنجر پھینکا جو سیدھا دوسرے ڈاکو کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست ہوگیا۔ ان دونوں کی لاشیں جھاڑیوں میں پھینک کر عالم خان نے ایک ڈاکو کی رائفل اور میگزین اٹھائے اور آگے بڑھ گیا۔

درمیانی فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا گرانڈیل شخص دکھائی دیا عالم خان جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کی پشت پر پہنچا۔ آہٹ سن کر وہ شخص مڑا ہی تھا کہ عالم خان کا ہاتھ کلہاڑے کی طرح اٹھا اور اس نے سیدھے ہاتھ کی ضرب اس کی گردن پر ماری۔ کڑاک کی آواز سے اس شخص کی گردن ٹوٹ گئی ہر مارشل آرٹ (شوٹوکان) کا خطرناک ترین وار سے جسے سوتو ہنر کہا جاتا ہے۔ اس ڈاکو کی لاش کو بھی جھاڑیوں میں پھینک کر وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ مزید آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک اس کے سامنے شانے سے رائفل لٹکائے دو افراد آگئے۔ اس بار وہ چھپنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ انہوں نے بیک وقت شانے سے رائفل اتارنے کی کوشش کی ایک پر اس نے چشم زدن میں خنجر پھینکا جو اس کی گردن میں اتر گیا جبکہ دوسرے پر چیتے کی طرح چھلانگ لگاتے ہوئے اسے دبوچ لیا اور اس کی گردن کے گرد اپنے بائیں بازو کا شکنجہ کس کر زوردار جھٹکا دیا اور اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی۔ خنجر نکال کر دوبارہ پنڈلی سے باندھنے کے بعد وہ بالآخر تاروں کی باڑ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں کبھی اس نے اسیری کے بھیانک شب وروز گزارے تھے۔ ایک جگہ سے لیٹ کر احاطے میں داخل ہوا۔ اور کراالنگ کرتا ہوا عمارت سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں رک گیا۔ اس کے اس طرح رکنے کا سبب رانا تھا جس نے روشنی کا بازو پکڑ رکھا تھا اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے عمارت میں لئے جارہا تھا۔ اس سے پہلے کہ عالم خان کچھ کرتا وہ روشنی سمیت عمارت میں داخل ہوچکا تھا۔

روشنی کو اس حال میں دیکھتے ہی وہ تمام تر احتیاط بھول گیا اور رائفل ہاتھ میں لے کر دوڑا، برآمدے میں چار پانچ ڈاکو چارپائیوں پر اونگھ رہے تھے وہ اچانک عالم خان کو سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے ان کی رائفلیں چارپائیوں کے قریب پڑی تھیں شاید ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اکیلا تن تنہا اس دیدہ دلیری سے کاشو کے ٹھکانے پر آسکتا ہے لیکن وہ نادان نہیں جانتے تھے کہ آتش عشق میں جلنے والے موت کی پرواہ نہیں کرتے اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے یا کچھ کرتے عالم خان نے رائفل سیدھا کر کے ٹریگر دبا دیا تڑتڑاہٹ کی آواز سے ان کے جسم گولیوں سے چھلنی ہوگئے، وہ ایک ہی جست میں کوریڈور میں داخل ہوگیا۔

اسی وقت اسے روشنی کی چیخ سنائی دی یہ آواز قریب ہی ایک کمرے سے آرہی تھی وہ نتائج سے بے پرواہ رائفل

تانے کمرے کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور کاشو نے باہر جھانکا وہ شاید گولیوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلنا چاہ رہا تھا کہ عالم خان نے اس کی کنپٹی سے رائفل کی نال لگادی۔

اندر سامنے ہی سلاخوں کے پیچھے ہادی اور واسطی صاحب قید تھے۔ جبکہ رانا روشنی کو فرش پر گرائے اس پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا۔

عالم خان بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ ''رانا اسے چھوڑ دے نہیں تو گولی ماردوں گا۔''

بساط کا رخ پلٹتے دیکھ کر رانا روشنی سے الگ ہوگیا اس کے تینوں رائفل بردار ساتھیوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کی ہی تھیں کہ عالم خان کے برسٹ سے ان کے جسم گولیوں سے چھلنی ہوگئے جبکہ اس نے فائر کرتے ہی دوبارہ رائفل کی نال کاشو کی کنپٹی سے لگادی۔ ''کاشو اور رانا کوئی ہوشیاری مت دکھانا ورنہ میرا نشانہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''تم بھی کسی غلط فہمی میں مت رہنا ہمیں مارنے کے بعد بھی تم لوگ یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے۔ یہ کاشو کا علاقہ ہے یہاں میرے دو چار نہیں درجنوں کارندے ہیں جو گولیوں کی آواز سن چکے ہوں گے اور جلد ہی تم ان کے گھیرے میں ہوگے۔

میں جانتا ہوں اور مجھے یارانا کو مارنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میری تم سے کوئی خاص دشمنی نہیں ہے۔''

''میں صرف اپنی منگیتر کو لینے آیا ہوں اور رانا تم ان دونوں کو بھی آزاد کردو۔'' عالم خان اطمینان سے بولا۔

جبکہ رانا کاشو کا منہ دیکھنے لگا۔ ''جلدی کرو ورنہ کاشو تو جائے گا ہی بچو گے تم بھی نہیں اور رہ گیا میں تو میں یہاں آیا ہی ہوں سر پر کفن باندھ کر۔''

رانا نے کاشو کے اشارے پر چابیاں نکالیں اور تالا کھول دیا۔ تالا کھلتے ہی واسطی صاحب اور ہادی باہر آگئے۔ ہادی نے باہر آتے ہی نیچے پڑی ایک رائفل اٹھالی۔ ''اب باہر چلو۔''

عالم خان نے کاشو کو رائفل کی نال سے دھکیلا

ادھر ہادی بھی رانا کو گن پوائنٹ پر لے چکا تھا وہ انہیں گن پوائنٹ پر لئے ہوئے احاطے میں پہنچے ہی تھے کہ مختلف سمتوں سے دس بارہ رائفل بردار ڈاکو دوڑتے ہوئے آتے دکھائی دیئے۔ ابھی وہ ان سے بیس پچیس قدم دور تھے کہ عالم خان چلایا۔ ''جو جہاں ہے وہیں رک جائے ورنہ میں کاشو کو گولی ماردوں گا۔''

کاشو کے کارندے اپنی اپنی جگہوں پر رک گئے اور بے بسی سے اپنے سردار کو دیکھنے لگے۔

''سنو کاشو میں ایک بار پھر تم دونوں کو تنبیہ کررہا ہوں، میری تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں تم میرے ساتھ گن پوائنٹ پر پل تک جاؤ گے وہاں پہنچتے ہی میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

''اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم اپنی زبان پر قائم رہو گے۔'' کاشو نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

''اس کی کوئی ضمانت نہیں لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ اس ایریا میں ان دس بارہ افراد کے علاوہ تمہارے دوسرے ساتھی بھی ہوں گے تمہیں جانی نقصان پہنچا کر بچیں گے ہم بھی نہیں، دوسرا ہم پٹھان مرتو جاتے ہیں مگر اپنی زبان پر قائم رہتے ہیں۔'' عالم خان بولا۔

اور کاشو مان گیا اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا، ویسے وہ دل ہی دل میں اپنی بے بسی پر تلملا بھی رہا تھا کہ ایک اکیلے تنہا عالم خان نے اس کے علاقے میں گھس کر درجنوں کارندوں کی موجودگی کے باوجود اسے بے بس کردیا تھا۔

راستے میں ہادی اور عالم خان بہت محتاط تھے خطرہ تھا کہ کاشو یا رانا کوئی چالاکی نہ کریں۔ یا ان سے پچاس قدم دور چلنے والی ڈاکو دھوکے سے وار نہ کردیں۔ مگر خیریت گزری ایسا کچھ نہیں ہوا اور وہ پل کے قریب پہنچ گئے یہاں بھی کاشو کے پانچ چھ مسلح کارندے موجود تھے جو اپنے سردار کو گن پوائنٹ پر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''اب وعدے کے مطابق ہمیں چھوڑ دو۔'' کاشو نے کہا۔

''نہیں تمہیں چند قدم مزید چلنا پڑے گا

اور تمہارے ساتھ ہی پل پر قدم بھی نہیں رکھیں گے۔" عالم خان نے کہا اور کاشو تلملا کر رہ گیا۔

پل کے عین وسط میں پہنچ کر عالم خان رک گیا۔ "ہادی تم زمرد اور واسطی کو لے کر پل پار کرو پھر میں آتا ہوں۔" اس نے عادت کے مطابق روشنی کا بچپن کا نام دہرایا۔

"نہیں میں تمہیں خطرے میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔" ہادی نے مخالفت کی۔

"تم گدھے، ہو تم سے کس نے کہا کہ میں تم دادا پوتے کے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہا ہوں تمہارے پل پار جاتے ہی میں بھی آجاؤں گا اور پھر اپنی زمرد کو لے کر افغانستان چلا جاؤں گا۔"

اس کی بات سنتے ہی ہادی کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔

عالم خان کاشو کو گن پوائنٹ پر لئے کھڑا رہا جبکہ واسطی صاحب ہادی اور روشنی پل پار کر کے دوسری طرف چلے گئے۔ "گڈ بائے کاشو اب میں جاتا ہوں مگر کسی قسم کی چالاکی مت کرنا۔" وہ اپنی رائفل کی نال ان کی طرف کئے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

ابھی وہ بیس پچیس قدم ہی چلا تھا کہ رانا کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں اپنی جیب کی طرف رینگ گیا، عالم خان نے پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی یہ حرکت دیکھ نہیں پایا کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا یہ دھماکہ رانا کی جیب میں ہوا تھا جہاں ایک پسٹل موجود تھا اس کی ٹریگر پر حرکت کرتی انگلی کی جنبش عالم خان نہیں دیکھ پایا تھا، گولی چلی اور عالم کے دائیں پہلو میں لگی تو وہ چیخ کر چند قدم پیچھے ہٹا اور گرتے گرتے فائر کیا، رائفل برسٹ موڈ میں ہی تھی رانا کا جسم گولیوں سے چھلنی جبکہ کاشو نے نیچے گر کر اپنی جان بچائی اسے گرتا دیکھ کر پل کی دوسری طرف موجود ہادی اس کی طرف دوڑا جبکہ کاشو اس کے پہنچنے سے پہلے پلٹ کر بھاگ چکا تھا۔

عالم خان کو شدید زخمی دیکھ کر ہادی کا دل جیسے سینے میں گھسٹ کر رہ گیا۔

"عالم خان" وہ چلایا اور اکڑوں بیٹھ گیا اس کے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر چند قدم مزید پیچھے چلا گیا۔ صورتحال یکدم تشویشناک ہوچکی تھی عالم خان کے دائیں پہلو سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا ادھر کاشو اور اس کے ساتھی پل کی دوسری طرف سے گولیاں چلا رہے تھے لیکن وہ فائرنگ رینج سے باہر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھے۔

ہادی نے دیکھا دو ایک چٹان کی آڑ سے دو ڈاکو نکل کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے پھر حیرت انگیز طور پر عالم خان اٹھ کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس کے جسم میں گولی نہ لگی ہو کوئی معمولی سا کانٹا چبھا ہو، اس نے ہادی پر توجہ دیئے بغیر قریب پڑی رائفل اٹھائی اور آگے بڑھتے دونوں ڈاکوؤں پر برسٹ مارا وہ دونوں کریہہ انداز میں چیختے ہوئے گر گئے جب کہ ان پر ہونے والی فائرنگ میں تیزی آگئی وہ دونوں پل پر کراس کرتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

جہاں واسطی صاحب کی گاڑی کھڑی تھی۔ ان کے چہرے پر مایوسی کی وجہ بھی نظر آگئی گاڑی کے چاروں ٹائر برسٹ تھے غالباً ڈاکوؤں نے جب انہیں یرغمال بنایا تھا اسی وقت گاڑی کے ٹائر برسٹ کر دیئے گئے تھے۔ "ہادی اگر ہم سب نے اکٹھا بھاگنے کی کوشش کی تو مارے جائیں گے کیونکہ ڈاکو تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور اسلحہ بھی ان کے پاس بہت ہے تم اور واسطی صاحب زمرد کو لے کر یہاں سے پیدل ہی نکلنے کی کوشش کرو، ہوسکتا ہے آگے راستے میں تمہیں کوئی گاڑی یا مدد مل جائے میں بھی کچھ دیر بعد تمہارے پیچھے آجاؤں گا۔"

ہادی تڑپ اٹھا۔ "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ مجھے زمرد کے لئے زندہ رہنا ہے۔" عالم خان نے ہنس کر کہا۔ اور پھر قدرے توقف سے بولا۔ "ایک بار پہلے بھی کئی سال پہلے میں نے تم سے اسی طرح جانے کو کہا تھا ناں اور پھر تم سے آملا تھا۔ اب بھی میرا یقین کرو میں ضرور آؤں گا کیونکہ زمرد میری ہے۔" وہ ہنسا اور پہلو میں لگنے والی گولی کے زخم کے باوجود اطمینان

سے بول رہا تھا۔

ادھر کاشو اور اس کے کارندے دھیرے دھیرے پل کی طرف بڑھ رہے تھے ہادی اس کے مجبور کرنے پر روشنی اور واسطی صاحب کو لے کر ایک طرف بڑھ گیا جب وہ تینوں نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو عالم خان نے پل پر پہلا قدم رکھا۔ سامنے سے تین ڈاکو آرہے تھے جنہیں اس نے پہلے ہی مار گرایا۔ اپنے ساتھیوں کو مرتا دیکھ کر ڈاکو چند قدم مزید پیچھے ہٹ گئے۔ جبکہ عالم خان رائفل تھامے دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔

کاشو اور اس کے ساتھی حیران تھے کہ یہ دیوانہ موت سے ڈر کر بھاگنے کے بجائے دوبارہ خود موت کی طرف بڑھ رہا ہے پھر ایک چٹان کی آڑ سے کاشو نے فائر کیا یہ جدید ترین رائفل کے سنگل موڈ سے چلائی جانے والی گولی تھی جو عالم خان کے سینے میں لگی اور وہ لہراتا ہوا گرا اور ساکت ہوگیا چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی کاشو اور اس کے ساتھی اس کے اٹھنے کا انتظار کررہے تھے۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ آگے بڑھے پھر بھی عالم خان کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی یہ آٹھ نو افراد تھے جو پل پر قدم رکھ چکے تھے کاشو جو سفاک ترین انسان نما درندہ تھا، عالم خان سے اتنا ڈرا ہوا تھا کہ اس کے گرنے کے باوجود ابھی تک ڈر کے مارے پل پر قدم رکھنے سے ڈرتا تھا۔

ادھر عالم خان کے جسم میں تحریک پیدا ہوئی اس نے غیر محسوس انداز میں اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا، جب اس کا ہاتھ بیگ سے باہر آیا تو اس میں ہینڈ گرینڈ تھا یہ ایک ہی ہینڈ گرینڈ اسے بڑی مشکل سے اپنے قبیلے کے اس ساتھی سے ملا تھا جس نے یہاں آتے وقت اسے اسلحہ فراہم کیا تھا اور جسے اس نے ایسے ہی کسی آڑے وقت کے لئے سنبھال رکھا تھا۔

ادھر آٹھ نو افراد اس کے قریب آتے جارہے تھے اس نے ہینڈ گرینڈ سے پن نکالی پھر وہ اچھلا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرکے ان پر گرینڈ اچھال دیا۔

ہولناک دھماکہ ہوا کاشو کے ان آٹھ نو ساتھیوں کے جسم کے پرخچے اڑ گئے جس جگہ بم گرا تھا وہاں بہت بڑا شگاف پڑ چکا تھا جبکہ دھماکے کی شاک ویو سے پل لرز اٹھا وہ خود اور کاشو کے بچ جانے والے ساتھی گر پڑے اور پھر اٹھ کر جان بچانے کے لئے بھاگے۔

عالم خان انہیں بھاگتے دیکھ کر اٹھا اور شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے برسٹ مارا چار پانچ کارندوں کے جسم گولیوں سے چھلنی ہوگئے۔

کاشو ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ چکا تھا اور حیرت سے اس شیر دل کو دیکھ رہا تھا جو گولیاں لگنے کے باوجود لہولہان ہوتے ہوئے بھی انہیں للکار رہا تھا اس نے کاشو کے بیس پچیس ساتھیوں کو تن تنہا واصل جہنم کردیا تھا اب صرف کاشو اور اس کے دو ساتھی زندہ بچے تھے، عالم خان انہیں للکارتا ہوا شگاف کے کنارے بچ جانے والے لکڑی کے شکستہ تختے پر قدم رکھتے ہوئے پل کی ریلنگ کے رسے کو پکڑ کر شگاف پار کر گیا۔

کاشو اور اس کے دونوں ساتھیوں کی آنکھیں یہ منظر دیکھ کر پھٹنے کے قریب ہوگئیں اس کے دونوں ساتھی کاشو کے حکم پر ہمت کرکے چٹان کی آڑ سے نکلے اور فائر کیے، پے در پے دو گولیاں عالم خان کے سینے میں لگیں وہ ڈگمگایا مگر گرنے سے پہلے پہلے اس نے گولیاں چلا دیں اب کاشو تنہا رہ گیا تھا۔ جبکہ عالم خان نیچے گر چکا تھا۔

ادھر ہادی روشنی اور دادا کے ساتھ کافی دور نکل چکا تھا کہ دستی بم کے دھماکے کی آواز سن کر رک گیا۔ ''داداجی مجھے لگتا ہے کہ عالم خان خطرے میں ہے ہم نے اسے تنہا چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' وہ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر مڑ کر بھاگا۔

واسطی صاحب بھی آگے بڑھنے کے بجائے روشنی کا ہاتھ تھام کر پیچھے مڑے، ہادی جیسے ہی پل پر پہنچا دھک سے رہ گیا پل کے درمیان بہت بڑا شگاف پڑ چکا تھا کچھ فاصلے پر عالم خان خون میں لت پت پڑا تھا پل پر اور پل سے باہر ڈاکوؤں کی خون آلود لاشیں پڑی تھیں جگہ جگہ گولیوں کے خول بکھرے پڑے تھے اور بارود کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی اس نے شگاف کے قریب پہنچ کر بچ جانے والے اکلوتے تختے پر قدم رکھا ریلنگ کا رسا تھام کر شگاف

پار کیا وہ عالم خان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ کچھ فاصلے پر موجود کاشو نے گولی چلائی خوش قسمتی سے گولی ہادی کا شانہ چھوتی ہوئی گزری۔

کاشو نے دوسرا فائر کرنا چاہا مگر ٹرچ کی آواز ابھری گویا کاشو کی رائفل میں گولیاں ختم ہوچکی تھیں وہ اس کے میگزین بدلنے سے پہلے ہی کاشو پر دوڑ کر چھلانگ لگا چکا تھا۔

دونوں گتھم گتھا ہوکر گرے، ہادی نے اس کے چہرے پر ٹکر مارتے ہوئے اپنا گھٹنا اسکی زیر ناف پر مارا تو کاشو کراہتا ہوا جھکا اور ہادی پنجوں کے بل اچھلا اس کا زوردار وار کاشو کی پشت پر کیا کاشو منہ کے بل گر گیا ہادی نے اس کے پہلو میں زوردار ٹھوکر رسید کی۔ اس بار کاشو نے اس کی ٹانگ پکڑ کر جھٹکا دیا اور ہادی کے گرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا شدید زخمی عالم خان اٹھ کر بیٹھ چکا تھا اور ان دونوں کے درمیان ہونے والی لڑائی دیکھ رہا تھا، یہ زندگی کی بقا کی جنگ تھی جو یہاں سے شروع ہوکر یہاں پر ختم ہونے والی تھی۔

عالم خان کو اٹھتے دیکھ کر ہادی پرجوش ہوگیا اور دائیں ہاتھ کا زوردار پنچ کاشو کے جبڑے پر رسید کرتے ہوئے اپر کٹ مارا کاشو چکرا گیا مگر سنبھل کر بائیں پاؤں کی ایڑی پر گھوم کر کک ماری ہادی نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کا وار روکتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑلی اور اڑنگا مار کر اسے گراتے ہوئے اچھلا اور کہنی کا بھرپور وار کاشو کے گھٹنے پر کیا اس بار کاشو کربناک انداز سے چیخا اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی مگر پھر ہمت کرکے ایک ٹانگ کے سہارے اٹھا بلاشبہ وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس بار ہادی نے دائیں پاؤں کی ایڑی پر گھومتے ہوئے اسپین کک ماری جو کاشو کی کنپٹی پر لگی کاشو کی آنکھوں کے سامنے سورج سا طلوع ہوا اور وہ ڈگمگانے لگا۔ ہادی نے اپنے دائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں سیدھی کیں اور گنگو شوڈان کا ایک کیا یہ مارشل آرٹ کا مہلک ترین وار تھا اس کی انگلیاں کاشو کی گردن سے ٹکرائیں اور وہاں سے خون بہنے لگا، وہ سر جھٹکتے ہوئے گرا اور تڑپنے لگا۔

ہادی نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکالا تڑپتے کاشو کے سر کے بال بے رحمی سے پکڑے اور تیز دھار خنجر اس کی شہ رگ پر پھیر کر دور ہٹ گیا، کاشو چند لمحے تڑپنے کے بعد ساکت ہوگیا۔

ہادی جاں بلب عالم خان کے قریب پہنچا۔ سہارا دے کر شگاف کے دوسرے کنارے پر لے اور واسطی صاحب بھی پل پر پہنچ چکے تھے کہ عالم خان کے جسم نے جھٹکا کھایا۔ ”میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا روشنی سے بھی دست بردار ہوجاؤں گا۔“ ہادی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور گلے شکوے کررہا تھا۔ ”عالم خان تم بے وفا ہو مجھے دھوکے سے بھگا دیا اور خود ان بھیڑیوں کے سامنے ڈٹ گئے۔“

”سنو...... ہادی...... میرے پاس...... وقت کم ہے ...... تم...... اور زمرد...... ہوسکے تو مجھے معاف کردینا...... مجھے زمرد کے اغوا ہوتے ہی احساس ہوگیا تھا کہ پیار جبر کا نام نہیں...... اور ہر کسی کو...... زندگی میں پیار...... نہیں ملتا...... کاش والدین بچپن میں بچوں کے رشتے طے نہ کریں کیونکہ...... جوان ہوتے ہی...... ان کی سوچیں بدل جاتی ہیں اور وہ دل میں کسی دوسرے کو بسا لیتے ہیں...... اور پھر کوئی عالم خان جنم لیتا ہے۔ زمرد...... کا خیال“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کی گردن ڈھلک گئی۔

واسطی صاحب کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے روشنی اور ہادی رو رہے تھے۔

عالم خان اپنی جان دے کر ان تینوں کی زندگی بچا گیا...... تھا۔

”اپنے لئے تو سبھی جیتے ہیں مزا تو تب ہے...... جب اپنی زندگی کو دوسروں کے کام لایا جائے۔“

وہ کسی نہ کسی طرح عالم خان کی میت کو لے کر شہر پہنچ گئے جسے عقیدت اور احترام کے ساتھ دفنایا گیا۔

روشنی اور ہادی کی شادی ہوگئی ہے مگر وہ عالم خان کا احسان نہیں بھولے اور اپنی دعاؤں میں عالم خان کو یاد رکھتے ہیں۔

www.urdutube.net www.bookstube.net www.urdumovies.net